فَسۡـَٔلُوۡا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ (القرآن)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (کنز الایمان)

دارالافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی ناگ پور سے جاری شدہ فتاوی کا مستند ذخیرہ

فتاوی رضا دارالیتامی

مولانا مفتی محمد کہف الوری مصباحی

جامعہ مصطفویہ، رضا دارالیتامی، تاج نگر، ٹیکہ، ناگ پور، مہاراشٹر۔ ۱۷

ناشر

مدنی بک ڈپو

مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔ ۶

کتاب	:	فتاوی رضا دار الیتامی
مصنف	:	مولانا مفتی محمد کہف الوری مصباحی
پروف ریڈنگ	:	مولانا نعیم الاسلام قادری، مولانا محمد کلیم اشرف
ناشر	:	مدنی بک ڈپو مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔٦
صفحات	:	560
سن اشاعت	:	2017/1438
تعداد اشاعت	:	1100
قیمت	:	

ملنے کے پتے

(۱) جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

(۲) دار العلوم فیض النبی جامع مسجد شہر نیپال گنج ضلع بانکے نیپال

(۳) کمال بک ڈپو جامعہ شمس العلوم گھوسی مئو یو پی

شرف انتساب

تمام فقہاے امت

بالخصوص

امام الائمہ کاشف الغمہ سیدنا وسندنا امام اعظم ابو حنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ

اور

سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ

کے نام

جن کے نقوش فکر وقلم نے اس عالم رنگ وبو کو زندہ وتابندہ کر رکھا ہے

نیز تمام دینی اداروں

خصوصاً

جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو

دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

اور

جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور مہاراشٹر

کے نام

کہ اول الذکر تینوں اداروں نے میری تعلیمی وتربیتی پرورش کر کے اس قابل بنایا

اور آخر الذکر ادارے نے اپنی آغوش میں جگہ دے کر اس گلشن فقہ وافتا کو سنوارنے کا موقع عطا کیا۔

محمد کہف الوری مصباحی

پیش لفظ

۱۱رشوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۵راکتوبر ۲۰۰۷ء میں جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور مہاراشٹر میں میرا تقرر ہوا، جہاں مجھے تدریس کے ساتھ ساتھ افتا کی بھی ذمہ داری دی گئی، اس وقت سے اب تک افتا کا سلسلہ برابر جاری رہا البتہ تقریباً دو سال یعنی ۲۰۰۹ء کے آخر سے ۲۰۱۱ء کے آخر تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں تدریسی ٹریننگ کے طور پر میرا قیام رہا، جس کی وجہ سے ان دو سالوں میں مجھ سے متعلق یہ سلسلہ موقوف رہا۔ اورشوال ۱۴۳۲ھ سے یہ سلسلہ پھر شروع ہو گیا اور آج الحمد للہ یہاں سے صادر ہونے والے فتاوی کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا، جو پانچ سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس ''فتاوی رضا دار الیتامی'' کے مجموعہ میں راقم الحروف کے علاوہ فاضل جلیل محبّ گرامی حضرت مولانا مفتی نذیر احمد امجدی رضوی مدظلہ العالی کے فتاوے بھی ہیں۔

اکثر بلکہ تقریباً سبھی فتاوی پر استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا مفتی نسیم احمد اعظمی مدظلہ العالی شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ ہذا کی تصدیقات ہیں، جن کی بنیاد پر اس مجموعے کا وزن اور بڑھ گیا ہے۔ حضرت نے بہت سارے مواقع پر اپنی قیمتی آرا سے نوازنے کے ساتھ ہی جگہ جگہ ہماری رہنمائی بھی فرمائی ہے اور اپنے دعائیہ کلمات سے بھی نوازا ہے۔

اس مجموعہ کے کچھ فتاوی پر حضور اشرف الفقہا مفتی اعظم مہاراشٹر حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف صاحب قبلہ دام ظلہ العالی والنورانی کی تصدیقات کے ساتھ ساتھ اور بھی کچھ حضرات کی تصدیقیں شامل ہیں۔

اس مجموعے کی ترتیب، تبویب، فہرست، حسب ضرورت تخریج اور اصل سے مقابلہ ومراجعت، کا کام راقم الحروف نے کیا ہے۔ مستفتیوں کے غیر موزوں الفاظ میں ترمیم کر دی گئی ہے، یوں ہی اصل مسئلہ کو برقرار رکھتے ہوئے کہیں کہیں حسب ضرورت حذف واضافہ بھی کیا گیا ہے۔ بعض مکرر فتاوے اور وہ مختصر فتاوی جن کی تفصیل کسی دوسرے میں موجود تھی ان کو شامل اشاعت نہیں کیا گیا ہے۔

پروف ریڈنگ میں رفیق گرامی حضرت مولانا نعیم الاسلام قادری صاحب اور محبّ گرامی حضرت

مولانا محمد کلیم اشرف صاحب نے ناچیز کا تعاون ہے۔

ہمارے مشفق ومہربان ماہر علم فرائض وریاضیات استاذ گرامی حضرت علامہ مفتی نسیم احمد مصباحی صاحب قبلہ مدظلہ العالی استاذ ومفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ نے ہر ہر قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔خصوصا میراث کے مسائل میں تو حال یہ ہے کہ

ع زبان میری ہے بات ان کی

بے حد احسان ہے مفتی مالوہ حضرت علامہ مفتی حبیب یار خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی کا کہ آپ نے اس مجموعہ کو متعدد مقامات سے ملاحظہ فرمایا، بہت مسرور ہوئے، حوصلہ افزائی فرمائی، کئی ایک مقام پر اصلاح فرمائی، جس پر عمل کیا گیا، اپنے مفید مشوروں اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔اللہ ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔آمین

بے پایاں شکر واحسان ہے غازی ملت، مفکر اسلام، نباض قوم حکیم حاذق حبیب الاطبا حضرت علامہ مولانا الحاج محمد عبد الحبیب رضوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی بانی ومہتمم جامعہ ہذا کا کہ حضرت علم دوستی، علما نوازی، شوق طلب علمی کا بھرپور جذبہ رکھنے کے ساتھ ساتھ علمی کاموں کو نہ صرف یہ کہ پسند فرماتے ہیں بلکہ علمی کارنامہ انجام دینے والے علما کی بڑی قدر کرتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ان کو داد وتحسین سے نوازتے ہیں، حتی الامکان ان کی علمی ومعاشی ضرورتوں کو پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی جذبہ شوق کی کارفرمائی تھی کہ انہوں نے جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی کے نام سے یہ ادارہ قائم فرمایا اور آج تقریبا دو دہائی سے قوم وملت کی دینی وعلمی ومعاشی خدمت کرتے آرہے ہیں۔مولیٰ تعالیٰ ان کی تمام خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔آمین

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر شہزادہ فقیہ ملت فاضل جلیل ناقد ومحقق رفیق گرامی حضرت مولانا مفتی ازہار احمد امجدی مصباحی ازہری کا ذکر نہ کروں، کہ انہوں نے ایک پر مغز تقریظ لکھ کر کتاب کی رونق بڑھائی اور ناچیز کو عزت بخشی۔

ہمارے اس سفر میں از ابتدا تا انتہا پوری توانائی کے ساتھ جنہوں نے شرکت کی ہے، وہ ہیں محبّ گرامی حضرت مولانا نعیم الاسلام قادری صاحب قبلہ، موصوف نے اس مجموعہ ''فتاوی رضا دار الیتامی'' کو اپنے ایک وقیع، گراں قدر اور بیش بہا مقدمہ سے خوب خوب زینت بخشی ہے۔وہ ہماری طرف سے بے

انتہاشکریے کے مستحق ہیں۔فہرست کونقل کرنے میں عزیزم مولوی شاہد رضا سلمہ نے ہماری مدد کی۔

بے حد وحساب شکرگزار ہوں مدنی بک ڈپو مٹیا محل جامع مسجد دہلی کے منیجر کا جنہوں نے طباعت واشاعت کا عظیم بار اٹھا کر اپنی علم دوستی اور دین پروری کا بھرپور ثبوت دیا اور یہ مجموعہ فتاوی منظر عام پر آسکا۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولا انہیں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے،ان کے کاروبار میں خوب برکتیں دے اور دارین کی سعادتوں سے مالا مال کرے۔آمین

اخیر میں عرض ہے کہ پوری کوشش کے باوجود بشری تقاضا کے مطابق اس میں کہیں کوئی غلطی ہوسکتی ہے،لہذا ناظرین سے التماس ہے کہ اگر کسی طرح کی کوئی غلطی انہیں نظر آئے تو اطلاع ضرور دیں ان شاء اللہ اس کی اصلاح کردی جائے گی۔

السعی منی والاتمام من اللہ

عرض گزار

محمد کہف الوری مصباحی

جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور مہاراشٹر

۱۵؍رجب ۱۴۳۸ھ-۱۳؍اپریل ۲۰۱۷ء

بروز جمعرات

عرض حال

غازی اسلام مفکر ملت حبیب الاطبا حضرت علامہ الحاج حکیم **محمد عبد الحبیب رضوی** صاحب قبلہ مدظلہ العالی
بانی و مہتمم جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

مدارس اسلامیہ شخصیت سازی کے وہ کارخانے ہیں، جہاں ایسے افراد تیار کیے جاتے ہیں، جو دین و مذہب ،قوم و ملت کی ہمہ گیر خدمت کرتے ہیں اور اہل ایمان کے رشد و ہدایت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دینے کے ساتھ ہر محاذ پر اہل باطل و دشمنان اسلام کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں۔ عصر حاضر میں دین کے لٹیرے ،ایمان کے ڈاکو سیدھے سادے مسلمانوں کے دلوں سے دولت ایمان لوٹنے اور ان کے سینوں سے عشق رسول کا خزانہ چھیننے کے لیے ہمہ تن کوشاں ہیں اور اس کے لیے نت نئے حربے استعمال کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے ضروری ہے کہ جگہ جگہ مدارس کا قیام ہو اور اسلام کے سپاہی پیدا کیے جائیں جو ان کا رد بھی کریں اور لوگوں کو ان کے مکر وفریب اور حقیقت سے آگاہ کر کے ان سے دور و نفور بھی کرتے رہیں۔ ہم نے اسی مقصد خیر کے تحت ۱۹۹۹ء میں اتر ناگ پور کے اندر بدمذہبوں اور دشمنان دین کا اثر کم کرنے اور ان کی گوشمالی کے لیے ''جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی'' کی بنیاد رکھی تا کہ دین کے اس قلعہ سے علما کی فوج تیار ہو جو مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں مسلمانوں کی ہدایت اور اہل باطل کا رد وابطال کرے۔ الحمد للہ مسلک اعلیٰ حضرت کے ماننے والوں اور اعلیٰ حضرت سرکار کے عقیدت مندوں نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا اور تھوڑی ہی مدت میں یہ ادارہ ترقی کے بام عروج پر پہنچ گیا اور اب تک علما، حفاظ اور قرا کی کئی ٹیمیں یہاں سے فارغ ہو کر ناگ پور واطراف میں دین وملت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت میں مصروف ہیں۔

لوگوں کو اسلامی مسائل اور دینی احکام سے واقف کرانا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے، لوگ عموماً ناخواندہ اور اپنی زندگی میں روزمرہ پیش آنے والے مسائل سے نابلد ہیں، زمانہ قدیم سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ لوگ دینی احکام اور شرعی مسائل معلوم کرنے کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کرتے اور ان کی بارگاہوں میں سوالات پیش کرتے ہیں، علمائے کرام ومفتیان عظام ان کے جوابات دیتے ہیں، ہمیں اس

عمل کی تعلیم قرآن کریم سے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ. (الانبیاء ۲۱/۷)

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

شرعی مسائل کو حل کرنے اور دینی استفسارات کا جواب دینے کے لیے اصحاب علم وفضل نے دار الافتا قائم کیے اور صدور فتاوی کی خدمات انجام دیں۔ اسی عوامی ضرورت کے پیش نظر ہم نے بھی اپنے ادارے میں اس بات کا اہتمام کیا کہ دار الافتا قائم ہو اور لوگوں کو مسلک اعلیٰ حضرت کے مطابق صحیح صحیح احکام شرعیہ بتائے جائیں۔ فقہ وفتاوی کی چھوٹی بڑی کتابیں جمع کیں اور ایک عظیم الشان لائبریری کی بنا ڈالی جس میں حدیث وفقہ اور تفسیر وتاریخ وغیرہ ضروری علوم وفنون کی کتابوں کا عظیم ذخیرہ اکٹھا کیا، جس کی مدد سے کار افتا بحسن وخوبی انجام دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ دار الافتا کے قیام میں بھی ہمیں بڑی کامیابی ملی ہے حسب ضرورت لوگ اپنے سوالات لاتے ہیں اور ان کا شافی جواب دیا جاتا ہے۔ زبانی طور پر بھی ان کے مسائل حل کیے جاتے ہیں، جن کا کوئی ریکارڈ نہیں اور تحریری طور پر بھی فتوے صادر ہوتے ہیں، جنہیں رجسٹر میں نقل کر کے محفوظ رکھا جاتا ہے، اچھی خاصی تعداد میں تحریری فتوے یہاں سے جاری ہو چکے ہیں۔

مجھے اس بات پر بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ عزیز گرامی قدر مفتی محمد کہف الوری مصباحی سلمہ نے یہاں سے جاری ہونے والے فتاوی کی ترتیب وتبویب کا کام کر کے مجموعہ فتاوی کو کتابی شکل دے دی ہے، جو پانچ سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اسے شرف قبول عطا فرمائے، ہم سب کو دارین میں جزائے خیر سے نوازے اور ہمیں بیش از بیش دین ومذہب اور مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کی توفیق بخشے۔ **آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ افضل الصلوۃ واکرم التسلیم**

محمد عبد الحبیب رضوی غفرلہ

۲۰/ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ/ ۱۸/ اپریل ۲۰۱۷ء

بروز منگل

تقریظ جلیل

استاذ الاساتذہ زبدہ علم وحکمت حضرت علامہ مفتی نسیم احمد اعظمی صاحب قبلہ مدظلہ العالی
شیخ الحدیث جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہ ونصلی علی سیدنا ورسولنا الکریم والہ وصحبہ
امابعد! اسلامی علوم وفنون میں علم فقہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، زندگی سے متعلق جملہ امور خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، حیات سے متعلق ہوں یا موت سے، صحت وتندرستی سے متعلق ہوں یا امراض واسقام سے، حکومت ومملکت سے متعلق ہوں یا رعایا ومحکوموں سے، طہارت جسم، طہارت نفس، عبادات، معمولات، معاملات، اخلاق وعادات، حلت وحرمت، اثم ومعصیت غرض ہر شئ کے احکام فقہ اسلامی میں بیان کیے گئے ہیں اور زندگی سے متعلق کوئی گوشہ چھوٹا نہیں ہے جس کے مسائل کا حل فقہ اسلامی میں نہ ہو۔ فقہ اسلامی کے جملہ احکام قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں اور ان دونوں سرچشموں سے اپنی ضرورت کے مطابق اخذ واستنباط احکام ہر کس وناکس کے لیے ممکن نہیں ۔ یہ ان علما کا کام ہے جن پر اللہ کا فضل خاص ہے کہ انہیں نعمت ''فقہ'' سے سرفراز کیا گیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین. (بخاری ج ۱ ص ۱٦)

اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی فقہ عطا فرما دیتا ہے۔

فقہائے کرام ومفتیان عظام لوگوں کو دینی احکام اور شرعی مسائل بتاتے ہیں حتی کہ وہ مسائل جن کے متعلق کتاب وسنت میں صریح ومنصوص احکام موجود نہیں ہیں ان میں بھی اپنی قوت فقہ کے ذریعہ لوگوں کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں اور لوگ بھی ان سے سوالات کر کے احکام دین معلوم کرتے ہیں لوگوں کا یہ عمل قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق ہے:

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (الانبیاء ۲۱/۷)

علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہیں۔

زیر نظر مجموعہ فتاوی لوگوں کے استفتوں کے شرعی جوابات ہیں، جو حضرت مولانا مفتی محمد کہف الوری مصباحی

مفتی ادارہ ہذا اور مولانا مفتی نذیر احمد امجدی کے قلم سے صادر ہوئے ہیں، ان میں مفتی بہ اقوال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مولاعزوجل سے دعا ہے کہ ان حضرات کے علم وآگہی اور عمل واخلاق میں بے پناہ برکت عطافرمائے اور یوں ہی خدمت دین کرنے کی توفیق بخشے۔ اس ادارہ کو روز بروز ترقی عطافرمائے بالخصوص ادارے کے مہتمم حضرت مولانا عبدالحبیب رضوی صاحب کو جن کے خلوص وللّٰہیت سے ادارہ بام عروج پر پہنچا۔ اللہ عزوجل ان تمام حضرات کی جدوجہد کو قبول فرما کر دین ودنیا کی بھلائیاں عطافرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

۱۹/۱۰/اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز بدھ

تقریظ جمیل

شہزادہ فقیہ ملت، ناقد و محقق، فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی ازہار احمد امجدی ازہری صاحب قبلہ زید مجدہ
استاذ و مفتی مرکز تربیت افتا اوجھا گنج بستی یوپی

فتوی دینا، شریعت اسلامیہ کی روشنی میں لوگوں کے مسائل حل کرنا، بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے، اس کی اہمیت اور ذمہ داری کا عظیم ہونا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس عمل سے واضح ہوتا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں سے ایک سو بیس لوگوں کا زمانہ پایا، ان میں سے کسی ایک سے، کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا جاتا؛ تو وہ دوسرے کے پاس بھیج دیتے اور وہ دوسرے تیسرے کے پاس بھیج دیتے، اسی طرح سلسلہ جاری رہتا، یہاں تک کہ پھر پہلے ہی کے پاس مسئلہ آجاتا۔'' (مجموع شرح المہذب امام نووی رحمہ اللہ، باب آداب الفتوی والمفتی والمستفتی، ج ا ص ۴۰، دار الفکر، مقدمہ شرح عقود رسم المفتی، ص ۴)

انصار میں سے ایک سو بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھے، جن سے کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا جاتا؛ تو فتوی اور حکم شرعی کی اہم ذمہ داری کے پیش نظر اس سے بچنے کی کوشش کرتے اور فتوی جاری نہیں کرتے!

لیکن ایسا ہر عالم و مفتی نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ ہر دور میں علما و عوام رہتے ہیں، اور عوام اپنے مسائل از خود حل نہیں کر سکتے؛ اس لیے ہر دور میں ایسے علما و مفتیان کرام کا ہونا ضروری ہے جو اس اہم ذمہ داری کا بار سنبھالیں اور لوگوں کے مسائل، قوانین اسلام کی روشنی میں حل کریں؛ اسی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے چند افراد کو پیدا فرمایا اور ان کے اندر ایسی قوت بخشی کہ وہ اس کے ذریعہ اس اہم ذمہ داری کو بخوبی انجام دے سکیں۔

انہیں چند منتخب افراد میں سے میرے محترم عزیز، صدیق حمیم حضرت مولانا مفتی محمد کہف الوری مصباحی زید علمہ کی شخصیت ہے، آپ کی شخصیت زمانہ طالب علمی ہی سے محنتی اور جفاکش ہے، اسی محنت کا

نتیجہ ہے کہ آپ ''جامعہ مصطفویہ، ناگ پور'' میں کامل درس وتدریس اور دیگر مصروفیات کے باوجود خارجی وقت میں فتاوی لکھتے رہے، اور لوگوں کے مختلف مسائل قانون شریعت کی روشنی میں حل کرتے رہے، اب چوں کہ آپ کے فتاوی کی مقدار معتد بہ تعداد تک پہنچ گئی، تو ''جامعہ مصطفویہ'' کے ذمہ داران نے ان کے فتاوی کو بنام ''فتاوی رضا دار الیتامی'' شائع کرنے کا ارادہ کیا اور ساتھ ہی صدیق محترم اور دیگر تحریری خدمات انجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی، میں نے عزیز محترم کے مختلف فتاوی پڑھے، انداز سادہ اور سلیس ہے، آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، فقہی جزئیات کے ذکر کرنے کا التزام کیا ہے، جس سے فتاوی کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس مجموعہ فتاوی کو مقبول خاص وعام فرمائے، لوگوں کو ان شرعی فتاوی کے مطابق عمل کرنے کے توفیق عطا کرے اور موصوف کے قلم میں مزید پختگی عطا فرمائے، مزید تحریری، تقریری، تصنیفی اور تبلیغی کام خلوص کے ساتھ کرنے کی توفیق سے نوازے، ساتھ ہی ان کی اس کاوش کو ان کے لیے، ان کے اہل خانہ کے لیے آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

از ہار احمد امجدی مصباحی
فاضل جامعہ از ہر مصر، شعبہ حدیث، ایم۔ اے
خادم: مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی، یوپی
۲۴ر رجب المرجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۲ر اپریل ۲۰۱۷ء

مقدمہ

فاضل جلیل عالم نبیل ادیب لبیب حضرت مولانا نعیم الاسلام قادری صاحب قبلہ زیدہ مجدہ
استاذ جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

ہر زبان میں کچھ ایسے جملے اور الفاظ موجود ہیں، جن کا ظاہری مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور معنی مراد کچھ اور۔ چنانچہ ہماری عام بول چال میں اس کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں مثلا ایک محاوراتی جملہ ہے ''دل میں لڈو پھوٹنے لگا'' اس کا ظاہری معنی تو یہ ہے کہ سینے کے اندر موجود دل میں لڈو نام کی مٹھائی سینہ چیر کر گھسی اور چورا بننے لگی، مگر کیا اس سے یہی مراد بھی ہے، ہر گز نہیں! مراد ''خوش ہونا'' ہے۔ ٹھیک اسی طرح عربی زبان میں بھی بہت سی ایسی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں جملوں کا جو معنی ظاہر ہوتا ہے وہ مراد نہیں ہوتا مثلاً ''هُوَ يَنْفَخُ فِيْ رَمَادٍ '' اس کا لفظی معنی ہے ''اس نے راکھ میں پھونکا'' مگر معنی مرادی ہے ''اس نے بے فائدہ کام کیا''۔ کہتے ہیں ''اِسْتَقَرَّتِ الْاَرْضُ تَحْتَ قَدَمَيْهِ '' لفظی معنی ہے ''زمین اس کے قدموں کے نیچے ٹھہر گئی'' اور معنی مرادی ہے ''حالات معمول پر آ گئے'' ایسے ہی ایک اور محاورہ ہے ''حَفَرَ قَبْرَهُ بِيَدِهٖ '' لفظی معنی ہے ''اس نے اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودی'' معنی مرادی ہے ''اپنے آپ سے اپنی بربادی کے اسباب پیدا کیے''۔ اس قسم کے جملوں کے ظاہری مفہوم کو مراد لینا غلط ہے کہ ظاہری معنی مراد لینے کی صورت میں صحیح نتائج حاصل نہیں ہو پاتے۔ اور بسا اوقات بڑی بڑی غلطیاں بھی واقع ہوسکتی ہیں۔

یہ خصوصیت تو ہر زبان کی ہے، اور اس کی بنیاد پر زبان کی فصاحت و بلاغت کا معیار بلند ہوتا ہے، مگر عربی زبان فصاحت و بلاغت کے جس بام عروج پر فائز ہے، دوسری زبانیں اس کے سنگ راہ کو بھی نہ پاسکیں گی، اسی لیے عربی کو ''ام الالسنۃ'' کہا جاتا ہے۔ عربی زبان کے پڑھنے، جاننے، سمجھنے والے اس کی فصاحت و بلاغت سے خوب واقف ہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں اور بعض چھوٹے چھوٹے جملوں میں معانی و مطالب کی ایسی بہتات ہوتی ہے کہ ''کوزے میں سمندر'' کی مثل حرف بحرف صادق آتی ہے۔ عربی کا مقام بلند ترین اس لیے بھی ہے، کہ اسی زبان میں اللہ کا کلام قرآن

پاک نازل ہوا اور وہی اللہ کے رسول کی مادری زبان ہے۔ کلام الٰہی اور فرمان رسالت پناہی نے ہی عربی کو فصاحت و بلاغت کا امتیازی تاج پہنایا ہے۔

قرآن اور حدیث دونوں میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، آیتوں اور حدیثی جملوں کا لفظی ترجمہ اور ہوتا ہے اور معنی مرادی اور۔ چنانچہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ولكل اٰية مِنْها ظهر وبطن. (مشكوة شريف ص ٢٧)

یعنی قرآن پاک کی ہر آیت کا ایک ظاہر (ترجمہ) ہے اور ایک باطن (مراد و منشا) ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں ''وجہ اللہ'' اور ''یداللہ'' وغیرہ الفاظ آئے ہیں، اور ان سے مراد ''منہ'' یا ''ہاتھ'' نہیں جو ان کا ظاہری معنی ہے کہ اللہ تو ان چیزوں سے پاک ہے، بلکہ ان سے مراد اللہ تعالیٰ کی توجہ و رحمت اور اس کی نصرت و امداد ہے۔ اسی طرح آیات متشابہات کو ایک بڑی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

یہی حال پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات کا بھی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعطيت جوامع الكلم. (مشكوة شريف ص ٥٠٤)

مجھے کلمات جامعہ دیے گئے ہیں۔

یعنی میرے ارشادات میں الفاظ تھوڑے ہوتے ہیں مگر اس قدر جامع ہوتے ہیں کہ ان میں رشد و ہدایت کے ہزاروں معنی مستور ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں چند احادیث بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

❁ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا:

اسرعكن لحاقا بی اطولكن يدا. (مسلم ج ٢ ص ٢٩١)

میری وفات کے بعد تم ازواج مطہرات میں سے میری وہ بیوی سب سے پہلے وفات پا کر مجھ سے آ ملے گی، جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے۔

یہ سن کر تمام ازواج مطہرات نے ایک لکڑی سے اپنا اپنا ہاتھ ناپا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا نکلا، لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب

سے پہلے حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو اس وقت لوگوں کو پتہ چلا کہ ہاتھ لمبا ہونے سے مراد کثرت سے صدقہ دینا تھا کیوں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے کچھ دستکاری کا کام کرتی تھیں اور اس کی آمدنی فقرا و مساکین پر صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔ (مسلم و شرح مسلم للنووی علی ہامش مسلم ج۲ ص۲۹۱)

❁ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان عبدا خیره الله بین ان یوتیه من زهرة الدنیا ماشاء وبین ماعنده فاختار ماعنده. (مشکوة شریف ص ۵۴۶)

اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے۔ وہ چاہے تو دنیا کی تر وتازگی پسند کرے چاہے تو جو اللہ کے حضور ہے اسے اختیار کر لے۔ اس بندے نے اللہ کے حضور کو اختیار کر لیا ہے۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ حاضرین صحابہ کو حیرت ہوئی کہ یہ کیوں رو رہے ہیں۔ مگر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو صحابہ کرام کو معلوم ہو گیا کہ یہ بندہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ''**فاختار ماعنده**'' سے مراد وصال تھا۔

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایحل لامرئ یومن بالله والیوم الآخر ان یسقی ماءه زرع غیره. (مشکوة ص ۲۹۰)

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو نہ پلائے۔

امام ابن جوزی نے ''تلبیس ابلیس'' میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو سن کر محدثین کی ایک جماعت نے استغفار شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم تو جب ہمارے کھیتوں اور باغوں سے پانی بچ جاتا تھا تو ہمسایوں کے کھیتوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے۔ اب ہم اس کام سے توبہ کرتے ہیں۔

فقہائے کرام نے حدیث پاک کی مراد یہ بیان کی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی حاملہ عورت جو فی الحال اس کے نکاح میں آ چکی ہے اس سے صحبت نہ کرے۔

تمہیدی کلمات بہت طویل ہو گئے اور اس طوالت کا مقصد تقریب فہم ہے نہ کہ تطویل محض۔ آمدم برسر مطلب۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور ارشادات کے معنی مرادی تک رسائی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے، کلام خدا اور رسول کی منشا و مراد تک پہنچنا ہر ایک کا حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ

اپنے بندوں میں سے کچھ کو اس کے لیے خاص فرما لیتا ہے اور انہیں قرآن وحدیث کے صحیح معنی ومراد تک پہنچنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ ان مخصوص بندگان خدا کو فقہا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث کے الفاظ وعبارات میں مستور اسباقِ رشد وہدایت تک رسائی انہیں کا مقسوم ہے۔ انہیں ہی اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کی سمجھ سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ نفوس قدسیہ قرآن وحدیث کے ارشادات کی منشا ومراد کو سمجھ کر مسلمانوں کو مطلع فرماتے ہیں اور مسلمان ان کے بتائے ہوئے فرمودات ومطالب پر عمل کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے بغیر ہمارے لیے کوئی چارہ بھی نہیں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه.(مشكوة ص ٢٧)

بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ اسے اس تک پہنچاتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ روایت کرنے والے تو بہت ہیں، مگر ہر راوی فقیہ نہیں، بہت سے رواۃ حدیث تو بیان کر دیتے ہیں مگر وہ اس کی منشا ومراد تک نہیں پہنچتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو منشا ومراد سمجھ لیتے ہیں مگر جن تک وہ حدیث پہنچاتے ہیں وہ ان سے بھی زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔ اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ محدثین کرام کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ وہ احادیث کریمہ کو فقہا تک پہنچا دیں اور ان سے مراد سمجھنا اور مسائل کا استنباط کرنا یہ فقہا کا کام ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار آپ مشہور مسلم الثبوت محدث حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت سلیمان اعمش سے کچھ مسائل دریافت کیے گئے، انہوں نے امام اعظم سے فرمایا، آپ ان مسائل میں کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے سب کے جوابات دیے۔ حضرت امام اعمش فرمانے لگے کہ آپ یہ جوابات کہاں سے دے رہے ہیں، آپ کے پاس ان کی دلیل کیا ہے؟ امام اعظم نے فرمایا، انہیں احادیث سے جنہیں میں نے آپ ہی سے سنی ہیں اور وہ سب حدیثیں مع سندوں کے پڑھ کر سنا دیں۔ اس پر امام اعمش نے فرمایا تمہیں یہ کافی ہے جو حدیثیں میں نے تم سے سو دن میں بیان کیں ان سب کو تم ایک ساعت میں بیان کر دیتے ہو، میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو نیز فرمایا:

یامعشر الفقھاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة(الخیرات الحسان ص٦٧)

اے گروہ فقہا تم طبیب ہو اور ہم (محدثین) عطار ہیں۔

غور فرمایئے! حضرت سلیمان اعمش کو وہ حدیثیں یاد تھیں مگر ان سے جو مسائل حضرت امام اعظم نے اخذ فرمائے ان تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔ یہ جلوہ ہے "**فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه**" کا۔

قرآن وحدیث اسلامی زندگی کا دستور العمل ہیں مسلمان ہر شعبہ حیات میں انہیں سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ہر کس وناکس ان دونوں سرچشموں سے اپنے روزمرہ کے مسائل کا حل نہیں نکال سکتا، حق تو یہ ہے کہ عوام تو عوام بہت سے علما کہلانے والے بھی اس سے قاصر ہیں اور سب کے سب اپنے مسائل زندگی میں فقہا کے ارشاد وہدایت کے محتاج ہیں۔ اسی لیے اسلام میں فقہ وفقہا کی بڑی قدر ومنزلت ہے اور ان کی بے حد فضیلت وارد ہوئی ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو تفقہ کے حصول کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"**فَلَوْ لَانَفَرَ مِّنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ**.(توبه ٩/١٢٢)

پس ایسا کیوں نہ ہو کہ مومنین کی ہر طبقے سے ایک جماعت نکلے تا کہ دین میں تفقہ حاصل کرے۔

اصحاب فقہ کی فضیلت سے متعلق ارشاد باری ہے:

"**وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْراً كَثِيْرًا**.(پ٣ ع٥)

جو حکمت دیا گیا وہ خیر کثیر سے مالا مال کیا گیا۔

اس آیت کریمہ میں حکمت سے مراد معرفت وفقہ دین ہے۔ تو آیت کا مفہوم ہوگا جو احکام شرعیہ کا عالم ہوا اس کو بہت بھلائی ملی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین.(مشکوة ص٣٦)

اللہ جس کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ عطا فرما دیتا ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ مسجد نبوی شریف میں دو مجلسیں قائم تھیں، ایک مجلس والے اللہ اللہ

کررہے تھے دعائیں مانگ رہے تھے اور دوسری مجلس والے علم فقہ سیکھ سکھا رہے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مجلسوں کو دیکھا اور ارشاد فرمایا:

کلاھما علی خیر واحدھما افضل من صاحبه.(مشکوۃ ص۲۷)

یہ دونوں ہی مجلسیں اچھی ہیں ان میں سے ایک گروہ دوسرے سے افضل ہے۔

اور فرمایا:

"اما ھؤلاء فیدعون اللہ ویرغبون الیه فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم واما ھؤلاء فیتعلمون الفقه والعلم ویعلمون الجاھل فھم افضل.(ایضا)

اس مجلس والے اللہ سے دعائیں کررہے ہیں اور اس کی طرف رغبت رکھتے ہیں اللہ چاہے تو انہیں کچھ عطا فرمادے چاہے تو کچھ بھی نہ دے اور رہے یہ دوسری مجلس والے جو علم فقہ اور علم دین سیکھ رہے ہیں اور جاہلوں کو سکھا رہے ہیں تو یہ لوگ ان سے افضل ہیں۔

ان آیات واحادیث سے فقہ وفقہا کی فضیلت عیاں ہے۔

فقہ کا معنی

فقہ کا لغوی معنی "**الشق و الفتح**" یعنی پھاڑنا اور کھولنا ہے۔

امام اعظم سے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں منقول ہے:

الفقه معرفة النفس مالھا وماعلیھا.(تنقیح الاصول ص۱۶)

فقہ نفس کو نفع پہنچانے والی اور نقصان پہنچانے والی چیزوں کی پہچان کا نام ہے۔

یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں حق وباطل، حلال وحرام، اور مفید ومضر کے درمیان فرق وامتیاز کرنے کی صلاحیت کا نام فقاہت ہے۔

ابتدا میں علم فقہ کا اطلاق اصول وفروع سارے علوم پر ہوتا تھا، لیکن جب علوم وفنون کو الگ الگ خانوں میں بانٹا گیا، تو علم شریعت کو فقہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ چنانچہ متاخرین نے علم فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

الفقه ھو العلم بالاحکام الشرعیة العملیة من ادلتھا التفصیلیة.(ایضا)

فقہ شریعت کے عملی احکام کا علم ہے جو تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوں۔

تدوین فقہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت امت اسلام کا پہلا گروہ ہے، جنہوں نے قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کیا، ان کی شخصی زندگی میں جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا، جس کا حل وہ نہ پا سکتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد جب انہیں کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا جس کا حل رشد وہدایت کے ان دونوں سرچشموں میں نہ ملتا تو وہ دیگر صحابہ کی طرف رجوع کر کے مسائل حل کر لیا کرتے تھے۔ تابعین کرام کے لیے قرآن وحدیث کے بعد حل مسائل صحابہ کرام پر موقوف تھا، مگر جب صحابہ کرام کا نورانی قافلہ دنیا سے رخصت ہو گیا، تو حل مسائل میں بڑی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ اسلامی حکومت کے دائرے میں کافی وسعت پیدا ہو چکی تھی، اس کے حدود سلطنت سندھ سے اسپین تک پھیل گئے تھے، بیسوں قومیں اپنے الگ الگ تمدن اور رسم ورواج اور حالات کے ساتھ اس میں شامل ہو چکی تھیں۔ چنانچہ وسیع سلطنت کے حدود میں مالیات کے مسائل، تجارت، زراعت اور صنعت وحرفت کے مسائل، دستوری، دیوانی اور فوج داری قوانین کے مسائل روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ عظیم اسلامی سلطنت کے تعلقات دوسرے ممالک سے بھی تھے اور ان میں جنگ، صلح، سفارتی روابط، تجارتی معاملات بری وبحری اسفار کے نت نئے مسائل سامنے آ رہے تھے۔

دوسری طرف اسلامی شہروں میں جو قاضی اور فقیہ مسند قضا وافتا پر فائز تھے، وہ اپنے علم وعقل کی روشنی میں فقہی استفسارات کے جوابات دیتے۔ بسا اوقات ان میں تضاد اور ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جاتی تھی۔ ہمارے امام امام اعظم ابوحنیفہ کے شہر کوفہ کے مشہور قاضی ابن ابی لیلیٰ تقریباً تیس سال تک مسند قضا پر متمکن رہے، ان کے فیصلوں میں بھی فاش غلطیاں ہوتیں، جن پر امام اعظم گرفت فرماتے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ کی عدالت مسجد میں قائم ہوا کرتی تھی، جہاں وہ مقدمات کے فیصلے کیا کرتے۔ ایک روز قاضی صاحب مجلس قضا سے فارغ ہو کر اٹھے، تو جاتے ہوئے راستے میں دیکھا کہ ایک عورت ایک شخص سے لڑ جھگڑ رہی ہے۔ آپ نے سنا کہ اس عورت نے اسے یوں گالی دی ''یا ابن الزانیین'' اے زانی مرد اور

زانی عورت کے بیٹے ! قاضی صاحب نے حکم دیا کہ اس عورت کو گرفتار کرلیا جائے۔خود واپس لوٹے مسجد میں تشریف لائے فیصلہ دیا کہ اس عورت کو مسجد میں کھڑا کر کے حدقذف (اسی کوڑے) لگائی جائے اور اسے دوحدوں کے ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جائیں کیوں کہ اس نے ماں باپ دونوں پر تہمت زنا لگائی ہے۔امام اعظم کو اس واقعہ کی تفصیلات معلوم ہوئیں ،تو ارشاد فرمایا کہ قاضی صاحب نے فیصلہ میں چھ غلطیاں کی ہیں (۱) انہوں نے مجلس قضا سے فارغ ہونے اور اٹھ جانے کے بعد فیصلہ دیا (۲) مسجد کے اندر حد جاری کی حالانکہ مسجد کے اندر حد جاری کرنا ممنوع ہے (۳) عورت کو کھڑا کر کے حد لگائی حالاں کہ عورت کو بٹھا کر حد لگانے کا حکم ہے (۴) قاضی صاحب نے دو حدیں لگانے کا حکم دیا حالاں کہ ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم ہونی چاہیے تھی (۵) قاضی صاحب نے دو حدیں اکٹھی لگائیں ،اگر بالفرض کسی پر دو حدیں لازم بھی ہوں تو ایک ساتھ نفاذ کے بجائے اس پر ایک حد کا اثر ختم ہونے کے بعد دوسری حد لگائی جاتی ہے (٦) حد قذف میں مقذوف کی طرف سے قاضی کا دعوی شرط ہے اور مذکورہ صورت میں جب مقذوف شخص (جسے گالی دی گئی) نے حد قذف کا دعوی اور مطالبہ ہی نہیں کیا تو قاضی صاحب کو از خود مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا؟ قاضی صاحب کو اطلاع پہنچی تو سخت برہم ہوئے اور گورنر سے شکایت کردی ،چنانچہ گورنر نے حضرت امام اعظم کو فتوی دینے سے منع کردیا۔(ائمہ اربعہ ص ۲۴۸ بحوالہ ابن خلکان ترجمہ قاضی ابن ابی لیلیٰ)

فیصلوں میں تضاد اور پیش آنے والے مسائل کی کثرت عوام ،علما ،حکام قضاۃ سب محسوس کررہے تھے ،کیوں کہ انفرادی اجتہاد اور معلومات کے بل پر روزمرہ پیش آنے والے اتنے مختلف مسائل کو بروقت حل کرنا ہر مفتی ،ہر حاکم ،ہر قاضی کے بس کا کام نہیں تھا۔اور اگر فرداً فرداً انہیں حل کیا بھی جاتا تھا تو اس سے بے شمار متضاد فیصلوں کا ایک جنگل پیدا ہو رہا تھا۔اس انتشار وافتراق کا واحد حل یہ تھا کہ کوئی ایسا مستند فقہی ادارہ قائم کیا جائے جس میں وقت کے فقہا اور مجتہدین ،محدثین ومفسرین ،ارباب فکرودانش سر جوڑ کر فقہی مسائل پر غور کریں اور قرآن وسنت کی روشنی میں قیاس واجتہاد سے کام لیتے ہوئے حل پیش کریں۔

چنانچہ اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے امام اعظم نے ۱۳۲ھ میں باضابطہ طور پر ایک شورائی مجلس قانون ساز قائم فرمائی ،جس کے ارکان اپنے وقت کے امام اور صاحب اجتہاد بزرگ تھے ،مجلس

تدوین فقہ کے ارکان کی تعداد ۴۰ تھی، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد تھے، امام اعظم نے جس ہمہ گیر اور اعلیٰ پیمانے پر فقہ اسلامی کی تدوین کا عزم کیا تھا، وہ انتہائی وسیع اور پرخطر کام تھا، چنانچہ مسائل شرعیہ پر کامل عبور اور اجتہادی بصیرت، قانون کی باریک بینی کے باوجود آپ نے اپنے ذاتی علم اور رائے واجتہاد پر اسے منحصر نہیں رکھا، بلکہ اپنے باصلاحیت شاگردوں کی جماعت کو مجلس کا رکن مقرر فرمایا۔ تدوین فقہ کے لیے جس قدر علوم وفنون کی ضرورت تھی امام اعظم نے ان کے ماہرین کو منتخب کر لیا تھا۔

طریقہ تدوین یہ تھا کہ امام صاحب اراکین مجلس کے اجتماع میں مسائل پیش کرتے اور ان کے شاگرد مسئلہ کے ہر پہلو پر بے باکانہ اظہار خیال کیا کرتے اور جب کسی فیصلہ پر متفق ہوجاتے تو وہ مسئلہ دفتر ترتیب میں لکھ لیا جاتا۔ مگر جب اختلاف کی خلیج وسیع ہوجاتی، تو امام صاحب سب کی بحثیں سماعت فرما کر کوئی جچا تلا فیصلہ سناتے اور سب اسے حرف آخر سمجھ کر مان لیتے، مگر بعض اوقات استدلال کی وجہ سے شاگردوں کی مختلف رائیں بھی درج کر لی جاتیں۔

طریقہ استنباط یہ تھا کہ پہلے مسئلہ کا جواب کتاب اللہ سے مستنبط کرنے کی کوشش کی جاتی، اگر اس میں کامیابی ہوجاتی تو اس کو متعین فرما دیتے، اگر ناکامی ہوتی تو احادیث نبویہ کی جانب رجوع کرتے اور آخری بات جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا، اس کی رو سے مسئلہ درج کر دیا جاتا، اگر احادیث میں حل نہ ملتا، تو اہل افتا صحابہ وتابعین کے اقوال اور فیصلے تلاش کرتے، اجماع کی طرف رجوع فرماتے، اس طرح ایک مدت کے بعد امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کا مجموعہ فقہی تیار ہوا۔

امام اعظم کی جدوجہد اور سعی پیہم سے زندگی کے ہزارہا مسائل کے لیے ایسے واضح فروعی احکام متعین ہوگئے، جو اصولوں کے چوکھٹے میں ٹھیک ٹھیک نصب ہوسکیں اور ان میں باہمی تعارض نہ ہو، خوارزمی کے بیان کے مطابق ان مسائل کی تعداد ۸۳؍ ہزار تھی، امام مالک کا ایک قول ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ۶۰؍ ہزار مسائل کو لیا، ایک روایت یہ ہے کہ طے شدہ مسائل کی تعداد ۵؍ لاکھ تھی، جن میں سے ۳۸؍ ہزار کا تعلق عبادات سے تھا۔ کردری کی روایت کے مطابق کوفہ کی مجلس تدوین فقہ نے ۶؍ لاکھ مسائل طے کیے، صاحب کتاب الصیانہ کا دعوی ہے کہ جملہ مسائل ۱۲؍ لاکھ ۹۰؍ ہزار تھے۔ تعداد مسائل کا اختلاف دووجہوں سے ہوسکتا ہے، ایک یہ کہ کام کے مختلف مراحل پر حاصل کردہ معلومات کو راوی نے آگے پہنچا دیا اور وہ کتابوں میں درج ہوئیں اور دوسرے یہ کہ کسی نے محض بڑے مسائل کو شمار کیا اور کسی نے ان کے اجزا

کو بھی گنتی میں لیا۔

عہد نعمان بن ثابت سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا نصف حصہ امام اعظم کے مسلک فقہ پر گامزن ہے اور اسی فقہی مسلک پر دنیا کی عظیم سلطنتوں میں فیصلے صادر کیے جاتے رہے ہیں، اس لحاظ سے حنفی دبستان فقہ عالم اسلام کا مقبول ترین دبستان فقہ رہا ہے، دنیائے اسلام کے بیشتر حصوں میں فقہ حنفی کی حکمرانی ہے، اس فقہ کی خصوصیات نے دیگر فقہی دبستانوں کو پیچھے ڈال دیا، مفکرین اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اسی فقہی مسلک میں دنیا کے تغیرات اور پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی استعداد ہے، یہ مسلک فطرت انسانی سے اس قدر ہم آہنگ ہے کہ انسان کے فطری و آئینی تقاضوں کو پورا کرتا ہے، تدوین فقہ اور اجتہاد و استنباط کے اصول وضوابط بھی فقہائے احناف کی مرہون منت ہیں، امام شافعی کا یہ اعتراف بھی صد فیصد بجا ہے **الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة**۔ (ملخصا از ائمہ اربعہ ومحدثین عظام)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فقہ حنفی کا تقریبا پورا ایوان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ کے بنیادی پتھر پر قائم ہے، کوفہ کے زمانہ قضا میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم وتربیت کے لیے جو حلقہ درس قائم کیا یا مسائل دینی کا استفسار کرنے والوں کو سیر حاصل جوابات سے نوازنے کا اہتمام کیا، اسے ان کے تلمیذ رشید حضرت علقمہ نے محفوظ کر لیا تھا، چنانچہ ان کے پاس ابن مسعود کے فتاوی کا کافی ذخیرہ موجود تھا، جو ابراہیم اور حماد کے واسطہ سے امام اعظم تک پہنچا، جسے آپ نے علم واجتہاد سے وسعت دے کر ایک مستقل فقہی دبستان بنا دیا۔

فقہا کہتے ہیں:

الفقه زرعه عبدالله بن مسعود رضی الله عنه وسقاه علقمة وحصده ابراهیم النخعی وداسه حماد وطحنه ابو حنیفة وعجنه ابویوسف وخبزه محمد فسائر الناس یاکلون من خبزه.(درمختار فوق رد المحتار ج ۱ ص ۱۴۱، ۱۴۲، مقدمه)

فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا، حضرت علقمہ نے اسے سینچا، ابراہیم نخعی نے اسے کاٹا، حماد نے اسے گاہا، ابوحنیفہ نے اس کو پیسا، امام ابو یوسف نے اسے گوندھا، امام محمد نے روٹی پکائی، باقی سب اسے کھا رہے ہیں۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود نے اجتہاد و استنباط احکام کے طریقے کو فروغ بخشا اور حضرت علقمہ

نے اس کی تائید وترویج کی، ابراہیم نخعی نے اس کے فوائد متفرقہ جمع کیے، حماد نے اس کی توضیح وتنقیح کی، امام اعظم ابوحنیفہ نے اس کے اصول وفروع کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر تدوین کا مہتم بالشان کارنامہ انجام دیا، ابویوسف نے امام اعظم کے بیان کردہ قواعد واصول کی روشنی میں مزید فروع واحکام کا استنباط کیا، پھر امام محمد نے فقہ کو استنباط وتنقیح، تہذیب وتحریر کی اس منزل تک پہنچا دیا کہ اب مزید کی ضرورت نہ رہی۔ (ردالمحتار ج۱،ص۱۴۱،۱۴۲)

امام اعظم کا مرتب کردہ دفتر فقہ اب دستیاب نہیں، تاہم اسی کے مندرج قوانین وضوابط کی روشنی میں امام اعظم کے تلامذہ اور سلسلہ بسلسلہ ان کے تلامذہ، تلامذہ کے تلامذہ تفریع درتفریع ترتیب وتالیف میں مشغول ہوئے اور بے شمار فقہی کتب ورسائل معرض وجود میں آئے۔ دوسری صدی ہجری سے لے کر آج تک یہ سلسلہ زوروشور کے ساتھ جاری ہے۔ کسی زمانہ میں متون مذہب لکھے گئے، کبھی ان کی شرحیں تحریر کی گئیں اور شرحوں کی شرحیں وجود میں آئیں۔ فقہی اصول کو مبوب ومفصل انداز میں پیش کیا گیا، اختلافی مسائل کی وضاحت کی گئی، فروع کے اسباب وعلل بیان کیے گئے، غرض کہ وہ سب کچھ ہوا، جو علم فقہ کو تکمیل تک پہنچانے اور آخری صورت تک لے جانے کے لیے درکار تھا۔

طبقات فقہا

عہد امام اعظم سے لے کر فقہ کے عروج وارتقا تک فقہا کو مندرجہ ذیل طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) مجتہد فی الشرع : یہ وہ حضرات ہیں، جنھوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے جیسے چاروں ائمہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۲) مجتہد فی المذہب : یہ وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں، اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں، جیسے امام ابویوسف، امام محمد، عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل : یہ وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں، مگر وہ مسائل جن کے متعلق ائمہ کی تصریح نہیں ملتی، ان کو قرآن وحدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں جیسے امام طحاوی، قاضی خاں، شمس الائمہ سرخسی وغیرہم۔

(۴)اصحاب تخریج : یہ وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے ، ہاں ائمہ میں سے کسی کے مجمل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

(۵)اصحاب ترجیح : یہ وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں سے کس کو ترجیح دیں وہ کر سکتے ہیں ، اسی طرح جہاں امام صاحب و صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ ہٰذا اولیٰ یا ہٰذا اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب ہدایہ۔

(۶)اصحاب تمیز: یہ وہ حضرات ہیں جو ظاہر مذہب اور روایات نادرہ اسی طرح قول ضعیف وقوی اور اقوی میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں اور صحیح روایات اور معتبر قول کو لیں جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب درمختار وغیرہ۔

(۷)اصحاب تقلید : یہ وہ حضرات ہیں ، جو مذکورہ بالا امور میں سے کسی پر قادر نہیں ہوتے ، قوی ضعیف ، کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں کرتے ، کتاب سے مسائل دیکھ کر بتاتے اور نقل کرتے ہیں۔

کار افتا

آج کل کے علما و مفتیان کرام آخری طبقہ کے ذیل میں آتے ہیں ، مگر ایسا نہیں کہ نقل فتوی یا مسائل بیان کرنا بڑا آسان کام ہے۔ حق تو یہ ہے کہ علما سے متعلق کاموں تقریر ، تدریس ، تصنیف وافتا وغیرہ میں سب سے اہم اور سب سے مشکل کار افتا ہے۔ سائل اپنی عملی زندگی میں پیش آمدہ مسئلے کا حل معلوم کرتا ہے اور مفتیان کرام کے پاس نو پیدا امور سے متعلق بھی طرح طرح کے سوالات آتے ہیں جواب کے لیے مفتی کے اندر بیدار مغزی ، ذہانت وفطانت ، معاملہ فہمی اور تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ایک قسم کی قوت اجتہاد بھی درکار ہوتی ہے ، جس کی بنیاد پر مفتی ایسے مسائل کو حل کرتا ہے جن کے متعلق کتب فقہ میں کوئی جزئیہ نہیں ملتا۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

التحقیق ان المفتی فی الوقائع لابدله من ضرب اجتهاد و معرفة باحوال الناس.

(ردالمحتار ج ۲ ، ص ۳۹۸)

نو پید مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک طرح کے اجتہاد سے متصف اور لوگوں کے احوال سے باخبر

ہونا ضروری ہے۔

شارح بخاری فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''فتوی دینا ساری خدمات میں سب سے اہم، سب سے مشکل اور سب سے پیچیدہ کام ہے۔اور ایسا کام جس کی کوئی انتہا نہیں۔فقہائے کرام نے اگرچہ ہم پر احسان فرماتے ہوئے لاکھوں جزئیات کی تصریح فرمادی، پھر بھی حوادث محدود نہیں، آئے دن سیکڑوں واقعات ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی جزئیہ کسی کتاب میں نہیں ملتا یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ ایک فقیہ اپنی بالغ نظری، نکتہ سنجی، دقیقہ بینی کی بدولت تائید ایزدی سے صحیح حکم اخذ کر لیتا ہے۔مگر یہ کام کتنا مشکل ہے اسے بتایا نہیں جاسکتا۔جس کے سر پڑتی ہے وہی جانتا ہے۔''۔(انوار مفتی اعظم ص۲۵۲)

فتوی دینا اتنا مشکل کام ہے کہ ہر عالم کہلانے والا اس پر دسترس نہیں رکھتا، جو شخص کسی ماہر فقہ افتا کے زیر تربیت رہ کر مدتوں اس کی مشق کرے اور اس پر اللہ کا فضل خاص ہو جائے اسی کے اندر افتا کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان لکھتے ہیں:

''آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازہ میں داخل نہیں ہوتا۔(فتاوی رضویہ ج۴ ص۵۶۵)

مزید فرماتے ہیں:

''علم الفتوی پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ مدتہا طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو۔''

افتا وفتوی

افتا کا لغوی معنی ''جواب دینا'' ہے۔اصطلاح میں اس کا معنی شرعی فیصلہ بتانا ہے۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

الافتاء فانه افادة الحكم الشرعی.(ردالمحتار ج۸، ص ۳۱، کتاب القضاء)

افتا کا مطلب شرعی فیصلے سے آگاہ کرنا ہے۔

فتوی بھی افتا کا ہم معنی ہے۔اور عموما فتوی کا اطلاق شرعی مسائل میں ماہر شریعت (مفتی) کے فیصلے پر ہوتا ہے۔

مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ اس کی زندگی دین وشریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو، اس کا ہر عمل اسلام کے احکام کے مطابق ہو، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر شخص کے اندر یہ صلاحیت نہیں کہ اپنی زندگی کے معاملے میں وہ خود سے حکم شرع معلوم کر سکے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے مسلمانوں میں استفسار کا رواج رہا ہے کہ کسی کو کسی معاملہ میں شریعت کا حکم معلوم نہ ہوتا تو وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر معلوم کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس سلسلے میں اہل علم وفضل کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔ اہل علم کی طرف رجوع کرنے اور ان سے نامعلوم باتیں پوچھنے کی ترغیب ہمیں قرآن کریم سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (پ۱۷، الانبیاء:۷)

اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں یعنی اہل علم سے پوچھ لو۔

پوچھنے پوچھانے کا یہ سلسلہ عہد صحابہ میں کافی رواج پا چکا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ کچھ نہ کچھ اس بات کا بھی اہتمام ہونے لگا تھا، کہ لوگوں کے استفسار پر اہل علم کے بتائے ہوئے جوابات کا تحریری ریکارڈ بھی تیار کیا جاتا۔ چنانچہ ابھی ہم نے تاریخ تدوین فقہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جوابات ان کے تلمیذ رشید حضرت علقمہ نے محفوظ کر لیے تھے اور ان کے پاس ابن مسعود کے فتاوی کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ خلفائے راشدین خصوصا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرعی احکام پر مشتمل مکاتیب اور فرامین تحریر کرایا کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ ان کے فتاوی کا ایک مجموعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پیش کیا گیا تو آپ نے اسے پڑھ کر چند چیزوں کو برقرار رکھا اور باقی کو مٹا دیا اور فرمایا کہ یہ حضرت علی کی طرف غلط منسوب ہے وہ ہرگز ایسا فتوی نہیں دے سکتے۔ کتابوں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فتووں کے ایک مجموعے کا بھی ذکر ملتا ہے۔

صحابہ کے بعد تابعین پھر تبع تابعین کے زمانے میں یہ عمل تیز تر ہو گیا، اس دور میں افتا وصدور فتوی کا زیادہ کام قاضی کرتے تھے، ان کے پاس ہزاروں مقدمے پیش ہوتے، جن کا وہ شرعی فیصلہ سناتے۔ چند قاضیوں کے شرعی فیصلوں کے مجموعے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک مجموعہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ امام محمد کی کتاب ''الرقیات'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے شہر

رقہ میں صادر کردہ فیصلوں کا مجموعہ ہے۔

غرض یہ کہ حضرات صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کی محتاط علمی شخصیتیں پیش آمدہ فقہی استفسارات کے جواب دیتی تھیں۔ ان کے بعد استفسارات وجوابات کا یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ آج تک مسلمانوں کا معمول ہے، کہ جب بھی کسی ایسی چیز سے سابقہ پڑ جاتا ہے جس کے جواز یا عدم جواز کا علم انہیں نہیں ہوتا تو وہ بلا تامل اہل علم سے اس کا حکم شرعی معلوم کر لیا کرتے ہیں۔

اور اب تو اس عمل خیر کے لیے جا بجا باقاعدہ دار الافتا قائم ہو چکے ہیں، جہاں پیش آمدہ مسائل سے متعلق استفتا کیا جاتا ہے اور مفتیان کرام جواب تحریر کرتے اور فتوی دیتے ہیں۔ استفتا اور فتوے کو رجسٹر پر نقل کر کے ان کا ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا ہے۔

اس زمانے میں استفتا اور فتووں کا جو طرز ہے اس کا بانی اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کو قرار دیا جاتا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کا مجموعہ فتاوی **"العطايا النبويه فی الفتاوی الرضويه"** بارہ جلدوں میں جہازی سائز کے دس ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ فتاوی رضویہ جدید تخریج شدہ مترجم تو تیس جلدوں میں ہے۔ یہ مجموعہ فتاوی فقہ حنفی کی روشنی میں مفتی بہ مسائل اور کثیر جزئیات پر حاوی ایک انمول علمی وفقہی خزانہ ہے، تحقیق اور وسعت معلومات کے لحاظ سے فقہ حنفی کے اصول وفروع کا بیش بہا ذخیرہ اور مذہب احناف کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے بعد ان کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض یافتگان نے آپ کے اسلوب فتوی کو آئیڈیل بنایا اسی کو نمونہ بنا کر خدمت انجام دی، اور اس وقت بھی ان سے تعلق رکھنے والے مفتیان کرام اسی کی روشنی میں کار افتا سر انجام دیتے ہیں۔ ایسے مجموعہائے فتاوی میں فتاوی امجدیہ، فتاوی مصطفویہ، فتاوی شارح بخاری، فتاوی بحر العلوم، فتاوی فیض الرسول اور فتاوی فقیہ ملت کو کافی شہرت ومقبولیت حاصل ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی "فتاوی رضا دار الیتامی" بھی ہے۔ جو جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور مہاراشٹر کے دار الافتا کے دو مفتیان کرام (۱) حضرت مولانا مفتی محمد کہف الوری مصباحی صاحب (۲) حضرت مولانا مفتی محمد نذیر احمد رضوی امجدی صاحب کے فتاوی کا مجموعہ ہے۔

حضرت مفتی محمد کہف الوری مصباحی صاحب نے ہندوستان کے تین ممتاز اداروں جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، دار العلوم علیمیہ جمداشاہی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ماہر اساتذہ سے کسب علم کیا۔ الجامعۃ

الاشرفیہ سے درجہ فضیلت پر فائز المرام ہوئے، پھر اسی ادارے میں تخصص فی الفقہ کا دوسالہ کورس کیا اور محقق مسائل جدیدہ سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مدظلہ العالی کے زیر تربیت اصول افتا سیکھا، فتوی نویسی کی مشق کی اور مفتی کی دستار وسند سے سرفراز ہوئے۔ اور آج الحمد للہ پوری دیانت کے ساتھ کار افتا میں مشغول ہیں۔ ناگ پور کے ممتاز ادارہ جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی کے معیاری دار الافتا کی مسند افتا کا وقار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت علم وفقہ سے حظ وافر عطا فرمایا ہے۔ آپ کے فتاوے دلائل سے مبرہن ہوتے ہیں، حکم شرعی بیان کرنے کے ساتھ فقہ کی بڑی بڑی کتابوں سے نقل جزئیات اور حوالوں کا التزام کرتے ہیں جس کے سبب آپ کے فتاوے بڑے باوزن اور قابل اعتماد ہیں۔

حضرت مفتی محمد نذیر احمد امجدی رضوی صاحب نے ناگ پور کے مرکزی ادارہ دار العلوم امجدیہ سے تعلیم حاصل کی اور اسی ادارے سے فراغت پائی، پھر اسی ادارے کے دار الافتا میں مفتیان کرام کے زیر سایہ مشق افتا کیا اور ایک مدت سے کامیاب مفتی کی حیثیت سے فتوی صادر کررہے ہیں۔ اشرف الفقہا مفتی محمد مجیب اشرف رضوی مدظلہ العالی نے آپ کی لیاقت وصلاحیت کے پیش نظر خصوصی سند فقہ سے نوازا ہے، جو ان کی نوک قلم سے معرض وجود میں آنے والے فتاوی کے معتبر ومستند ہونے کی دلیل ہے۔ آپ اپنے فتاوی میں اکثر فتاوی رضویہ سے استدلال کرتے ہیں، یہ یقیناً ایک بڑی خوبی ہے، جو نصیب والوں کو ملا کرتی ہے۔

اس مجموعہ فتاوی کے اکثر فتووں پر نازش علم وفن استاذ العلما حضرت علامہ مفتی نسیم احمد اعظمی مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ ہذا کی تصدیق ہے، جس کی وجہ سے اس کا وزن دوبالا سے سہ بالا ہوگیا ہے اور اسے سند اعتبار حاصل ہوگئی ہے۔

میں اس مجموعہ فتاوی کی اشاعت پر حضرت مفتی صاحب اور بانی ادارہ غازی اسلام حضرت علامہ الحاج محمد عبد الحبیب رضوی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ مولا تعالیٰ اسے قبول فرما کر حصول سعادت دارین کا ذریعہ بنائے۔ آمین

نعیم الاسلام قادری

۱۸؍رجب المرجب ۱۴۳۸ھ/۱۶؍اپریل ۲۰۱۷ء بروز اتوار

کتاب العقائد

عقائد کا بیان

کہا ''اللہ بندے کے بھروسے بیٹھا ہے'' تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ : ازمحمد شعیب رضا فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید، عمرو کو کام کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ ''انسان اللہ کے بھرسے بیٹھا ہے کہ وہ رزق دے گا اور اللہ بندے کے بھروسے بیٹھا ہے کہ بندہ کام کرے تو میں اسے رزق دوں۔

مندرجہ بالا صورت میں زید کا قول کہاں تک صحیح ہے، جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : آج کل دین کی تعلیم سے کوسوں دور جاہل قسم کے مسلمان اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں بغیر سوچے سمجھے وہی جملے بک جاتے ہیں، جو آپس میں ایک دوسرے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دین کی باتیں سمجھنے کی توفیق دے۔

خدائے قدیر وعلیم کی شان میں کہا گیا زید کا مذکورہ قول انتہائی سخت حکم رکھتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے اس قول سے رجوع کرے اور توبہ واستغفار کرکے تجدید ایمان ونکاح کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶/۱۱/۱۴۳۷ھ/۳۱/۸/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

اللہ کے لیے جسم ثابت ماننا کفر ہے۔

مسئلہ : ازمحمد شعیب رضا فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کھیل کود میں لگنے والے زخم کے بارے میں اشارہ کرتا ہے کہ جب تک انسان کو زخم نہیں لگتے تب تک انسان کھیل کود سے باز نہیں آتا، لیکن زید نے اس اشارہ کو لفظوں میں اس طرح سے کہا کہ جب تک اوپر والا پچھواڑے پہ لات نہیں مارتا تب تک لوگوں کو بات سمجھ میں نہیں آتی۔

مندرجہ بالا جملے میں زید پر کیا حکم شرع عائد ہوتا ہے جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اللہ تبارک وتعالیٰ جسم وجسمانیت سے پاک ہے۔شرح عقائد میں ہے:

"لیس بعرض ولاجسم لانہ متركب ومتحيز وذلك أمارة الحدوث "اھ ملخصا(ص ۳۶.۳۷)

اورزید نے اللہ کے لیے"لات" مان کر اسے جسم والا مانا اور اللہ کے لیے جسم ماننا اسے حادث ماننا ہے اور یہ کفر ہے ،لہذا زید پر فرض ہے کہ وہ فوراً اپنے اس کفریہ قول سے برأت وبیزاری کا اظہار کرے،توبہ واستغفار کرے اور تجدید ایمان ونکاح کرے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶/۱۱/۱۴۳۷ھ/۳۱/۸/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے ساتھ کسی اور لفظ کا بڑھانا کیسا ہے؟

مسئلہ : از قاری محمود رضا،اوم نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ کلمہ کے آگے یا پیچھے کسی لفظ کا بڑھانا کیسا ہے جیسے **"لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ وعلی وصی اللہ"** یا **"لاالہ الااللہ**

محمدرسول اللہ تاج الدین نور اللہ" کہنا کیسا ہے، شریعت مطہرہ کی روشنی میں واضح کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : "**لاالہ الااللہ محمدرسول اللہ**" اس مبارک کلمے میں دو جزء ہیں۔ایک جزء "**لاالــــہ الااللہ**" ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار اوراس کے ایک اور یکتا ہونے پر ایمان لانے کا بیان ہے اور دوسرا جزء "محمد رسول اللہ" ہے، جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کا ذکر ہے، یہ دونوں جزء ایمان کے حصے ہیں اوران دونوں پر ایمان رکھنا ہر مسلمان کے لیے فرض ہے، اگر دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرے گا مسلمان نہ ہوگا۔

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو دین اسلام اوراس کے قوانین سکھانے کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا لہذا معرفت خدا اور دین اسلام کو ماننے کے لیے حضور کا وسیلہ وواسطہ ہونا بالکل ظاہر وباہر ہے اور معرفت خدا وقانون شریعت پر عمل کرنے سے پہلے اول مرحلہ میں اس وسیلہ عظمیٰ ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا اوران پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ خدا کی معرفت اور قوانین شرع پر عمل پیرا ہونے سے محرومی ہی رہے گی، الحاصل خدا اور رسول خدا اور من جانب اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قوانین کو مان لینا ایمان واسلام ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے:

"**ان الایمان فی الشرع هو التصدیق بماجاء به من عند الله تعالیٰ أی تصدیق النبی بالقلب فی جمیع ماعلم بالضرورة مجیئه به من عندالله تعالیٰ اجمالا والاقرار به.**"اھ **ملخصا.(ص ۱۱۸. ۱۲۰،مطبوعه یاسر ندیم اینڈ کمپنی)**

گویا ایمان واسلام کی تکمیل انہیں دونوں اجزا کے ماننے سے ہوگی، اور یہ کلمہ مبارکہ حضور کے زمانہ پر نور سے لے کر آج تک انہیں دونوں اجزاء کے ساتھ متوارث ومنقول ہوتا چلا آرہا ہے۔اور حضور کے بعد "**العلماء ورثة الانبیاء**" کے طور پر صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، اولیائے کاملین اور علمائے دین متین اس مذہب مہذب کی تبلیغ وارشاد میں حسب استطاعت وقدرت جدوجہد کرتے رہے اور اسلام ان کی کدوکاوش سے روشن وتابندہ ہوتا رہا، مگر دلوں میں اپنے بزرگوں کا ادب واحترام رکھنے کے باوجود حضور کے بعد سے لے کر آج تک کسی نے اس کلمہ طیبہ مبارکہ میں اپنے کسی بزرگ کا نام شامل نہ کیا کیوں کہ وہ صحیح

معنوں میں عالم تھے، انہیں خوب معلوم تھا کہ "**لاالــه الا ا الله مـحمدرسول الله**" یہ دونوں جزء ایمان کا حصہ ہیں جس میں کسی اور کو شامل نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اپنی طرف سے دین میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں کلمہ طیبہ کے ساتھ ذکر کیے گئے الفاظ کو بڑھانا غلو و احداث فی الدین اور خلط فی الاسلام ہے، جو سخت معیوب و مکروہ اور عندالشرع ممنوع و مردود ہے۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ کلمہ طیبہ مذکورہ میں اس طرح کے الفاظ ملانے اور ایسے لاحقے کے الحاق سے سختی کے ساتھ بچیں۔ ہرگز ہرگز یہ یا اس جیسا کوئی بھی جملہ کلمہ طیبہ کے ساتھ نہ ملائیں۔ اس سے خود بھی بچیں اور حسب استطاعت دوسروں کو بھی اس سے روکیں۔

حدیث شریف میں ہے:

"من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان."

یعنی تم میں سے اگر کوئی شخص کوئی بری بات دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اسے بدل دے اور اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو اپنی زبان سے اسے بدل دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو اپنے دل سے اسے برا جانے اور یہ سب سے کم زور ایمان ہے۔ (مسلم ج۱، ص۵۱، باب کون النہی عن المنکر من الایمان) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴۳۸/۱/۲ھ۔ ۲۰۱۶/۱۰/۴ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

اپنے سرپرست کو کہا کہ "یہ ہمارے لیے خدا سے بڑھ کر ہے" تو کہنے والا کافر ہو گیا۔ اس پر فرض ہے کہ توبہ تجدید ایمان و نکاح اور تجدید بیعت کرے۔

مسئله : از ایک بندہ خدا ریاض الدین انصاری مہندر نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے سرپرست کے بارے میں یہ

جملہ کہا ''یہ ہمارے لیے خدا سے بڑھ کر ہے''۔

مندرجہ جملہ استعمال کرنے کے بعد اس شخص پر ازروئے شرع کون سا حکم عائد ہوگا، بیان فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : تعالی اللہ عن ذالک علوا کبیرا ھو اللہ الاکبر من جمیع الخلق اللھم انک انت عال و متعال ولک الکبریاء جس بدقسمت اور نامراد شخص نے اپنے سرپرست کے لیے مذکورہ جملہ استعمال کیا ہے وہ اسلام سے خارج ہوگیا اس کے سارے اعمال بے کار ہوگئے، اگر نکاح کر چکا تھا تو بیوی نکاح سے نکل گئی، کسی کا مرید تھا تو بیعت بھی ختم ہوگئی، اس پر لازم ہے کہ اپنے اس کفریہ قول سے برائت ظاہر کرے، توبہ کرے، کسی کا مرید اور بیوی والا ہو تو تجدید ایمان کے ساتھ ساتھ تجدید نکاح و بیعت کرے، اور آئندہ ایسے جملوں سے سختی کے ساتھ بچے۔

اللہ سب سے بڑا ہے، اس سے بڑھ کر بلکہ اس کے برابر بھی کوئی نہیں۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

چند غیر شرعی اشعار کے احکام

مسئلہ : از عبد الحمید دانش نزد چونا مسجد نعل صاحب روڈ ناگ پور

بسم الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ سلسلہ قادریہ شطاریہ کے ایک پیر و مرشد ان کے علاقے کے کچھ لوگ ان سے مرید ہیں جو اپنے پیر سے بے انتہا عقیدت رکھتے ہیں اور اپنے پیر و مرشد کو ولی کامل تسلیم کرتے ہیں۔ مذکورہ پیر صاحب کی قیادت میں ہر سال قوالی کی مجلس کا اہتمام کیا جاتا ہے، قوالی میں طریقت اور تصوف کا نام لے کر کچھ اشعار خلاف شرع پڑھے جاتے ہیں ان میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

تجھ کو خدا کہوں یا خدا کو خدا کہوں
دونوں کی شکل ایک ہے کس کو خدا کہوں

یہ شعر مذکورہ پیر صاحب کی موجودگی میں پڑھا گیا، انہیں کے سامنے اس شعر پر ان کے مریدوں نے قوالی کے لیے نوٹوں کو کچھ زیادہ ہی نچھاور کیا، خود پیر صاحب بھی اس پر راضی رہے جس کی دلیل یہ ہے کہ کئی ماہ گزرنے کے بعد بھی آج تک انہوں نے نہ قوالی کی اصلاح کی اور نہ ہی ناراضگی کا اظہار کیا اور نہ ہی داد دینے والے اور نوٹوں کو نچھاور کرنے والوں کو منع کیا۔

ایک سنی صحیح العقیدہ عالم دین سے ان کے مریدین اس کا یہ جواب دینے لگے، ایک حدیث میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے جبرئیل تم وحی لاتے ہو تو کیا تم نے خدا کو دیکھا ہے اس پر جبریل نے جواب دیا کہ نہیں، وہ ایک پردہ ہے جہاں سے میں وحی الٰہی کی آواز سنتا ہوں اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب جاؤ گے تو پردہ اٹھا کر دیکھنا حضرت جبریل علیہ السلام نے جب پردہ اٹھا کر دیکھا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف فرما پایا، اسی حدیث کی ترجمانی یہ شعر کر رہا ہے یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وہاں پر بھی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پکار اٹھے۔

تجھ کو خدا کہوں یا خدا کو خدا کہوں
دونوں کی شکل ایک ہے کس کو خدا کہوں

خدمت میں عرض ہے کہ کیا واقعی یہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا کوئی گڑھی ہوئی بات ہے؟ یا اس سے ملتی جلتی کوئی اور حدیث اسی مفہوم کی ہے؟ بیان فرمائیں کرم ہوگا۔ مذکورہ شعر پڑھنے والے سن کر راضی رہنے والے نوٹوں کو نچھاور کرنے والے اسی مجلس میں بیٹھ کر خود قیادت کرنے والے نوٹوں کے نچھاور کرنے پر خوش ہونے والے پر کیا حکم شرع ہوگا؟ بیان فرمائیں کرم ہوگا۔ واضح رہے کہ ان کے مریدین اس شعر کے مفہوم کو حضرت جبرئیل کی طرف منسوب کرتے ہیں اتنا سخت جملہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) قوالی کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

نہ نماز آتی ہے مجھ کو نہ وضو آتا ہے
سجدہ کر لیتا ہوں جب سامنے تو آتا ہے
عرض ہے کہ اس شعر پر کیا حکم شرع ہے بیان فرمائیں کرم ہوگا۔
(۳) قوالی کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎
زاہد کا سجدہ ہو باب حرم کے سامنے
میں نے تو سجدہ کیا اپنے صنم کے سامنے
خدمت میں گزارش ہے کہ اس شعر پر جو حکم شرع ہو بیان فرمائیں عنایت ہوگی۔
(۴) قوالی کا ایک قطعہ یہ بھی ہے ؎
گر پاس شرع مجھے نہیں ہوتا
میں یہ کہتا کہ کیا محمد ہے
شب معراج بولے یہ جبریل
صورت خود خدا محمد ہے
خدمت والا تبار میں گزارش ہے کہ اس قطعہ پر کیا حکم شرع نافذ ہوتا ہے بیان فرمائیں کرم ہوگا۔
(۵) مذکورہ پیر صاحب کی مجلسوں میں اور ان کے مریدوں کے درمیان عام طور پر یہ بات چلتی رہتی ہے کہ ''شریعت اور ہے طریقت اور ہے یہ عالم علما طریقت کیا جانیں، پیر صاحب نے جو کہہ دیا وہی حق ہے ،اب ہم کسی کی بات نہیں سنیں گے'' اکثر و بیشتر اپنی مجلسوں میں علما کی توہین کرتے رہتے ہیں۔ ایک صاحب ان کی خدمت میں ایک بار پہنچے اور عرض کی کہ ''باوا! اپنے گاؤں میں تقریر کا پروگرام رکھنے کا ارادہ ہو رہا ہے اجازت دیجیے تو ہم انتظام کرتے ہیں۔ اس بات پر مذکورہ پیر صاحب ان کو کافی دیر تک یہ کہہ کر ڈانٹتے رہے کہ ''عالم کو بلوائے گا؟ کیا ضرورت ہے عالم کی؟ اب کبھی تقریر وقریر کا نام زبان پر مت لانا، وغیرہ وغیرہ۔
اب خدمت میں عرض ہے کہ خلاف شرع امور کی انجام دہی کے لیے طریقت کا بہانہ لینا درست ہے کہ نہیں؟ بیان فرمائیں کرم ہوگا۔
علما کا وقار اور عزت کم کرنے کی کوششوں میں مصروف رہنا کیسا ہے؟ ان کے مریدوں کا یہ کہنا کہ ''ہر ولی عالم ہوتا ہے لیکن ہر عالم ولی نہیں ہوتا، اس لیے عالم کو چھوڑ و، ولی کا دامن پکڑ لو'' یہ جملہ کیسا ہے؟

بیان فرمائیں کرم ہوگا۔

(٦) زید ان سے مرید ہے اور اپنے پیرومرشد سے ملاقات کے لیے اپنے شہر سے ان کے گاؤں ان کی خانقاہ پہنچا، ادب واحترام کے ساتھ ملاقات کر کے بیٹھ گیا، وہاں طریقہ یہ رائج ہے کہ خانقاہ کے متعلقین اور عقیدت مند پیرومرشد کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی مشکلوں پریشانیوں کا ذکر کر کے ان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں، اسی اثنا میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور انہوں نے خود اپنے بیٹے کے بارے میں کہا ''وہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا نہیں مان رہا ہے'' باوا نے کہا ''بھئی مناؤ اس کو تعویذ وغیرہ دے دیں گے'' پھر پوچھا مہر کتنا تھا ؟ اس پر مذکورہ شخص نے کہا، ''باوا! ایک سو پچیس روپے مہر تھا'' اس پر باوا نے کہا ''ایک سو پچیس روپے مہر ہوتا ہے؟ تم لوگ اتنا کم مہر رکھ دیتے ہو؟'' اس نے جواب دیا، ''ہاں! باوا غلطی ہوگئی کم سے کم دس تولہ چاندی مہر ہوتا ہے'' اس پر باوا نے کہا ''دس تولہ چاندی نہیں کم سے کم ساڑھے باون تولہ چاندی مہر ہوتا ہے'' مذکورہ پیرومرشد صاحب نے تھوڑی خاموشی کے بعد کہا ''اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوگئی مہر میں ہیرے جواہرات رکھ دیتا تو کوئی طلاق ہی نہیں دیتا'' پیرومرشد کی اس بات پر وہاں جو ان کے عقیدت مند بیٹھے تھے، داد دینے کے انداز میں مسکرانے لگے (اس موقع پر ان کے مرید سمجھتے ہیں، باوا نے تصوف کا کوئی اونچا جملہ بول دیا ہے، جو عالموں کے سر کے اوپر سے جاتا ہے، اس کا سمجھنا عالموں کے بس کی بات نہیں) لیکن زید کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی غلطی بتا رہے ہیں یہ تو کفر ہے اس لیے زید وہاں سے واپس چلا آیا اور گھر آ کر اپنے رشتہ داروں سے کہا ''میری بیعت تو ٹوٹ گئی، اب میں کسی دوسرے پیر سے مرید ہو جاؤں گا''۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ پیر صاحب کے ایسا کہنے پر قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا حکم ہے بیان فرمائیں کرم ہوگا۔

بغیر علم کے شرعی مسئلہ غلط بتانے والے پر کیا حکم ہے؟ وہ پیر ہونے کے قابل ہیں یا نہیں بیان فرمائیں۔

(٧) زید کا یہ کہنا ''باوا کو توبہ کرنا چاہیے'' کیا یہ باوا کی شان میں توہین اور گستاخی ہے؟ مذکورہ پیر صاحب کے بارے میں زید نے کئی افراد سے سنا تھا کہ وہ اپنے بہت سے مریدوں کو دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دے دیتے ہیں، تو اس نے فون پر خود ہی پیر صاحب سے پوچھا ''باوا! دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس پر وہ جواب دیتے ہیں کہ ''بھئی اگر انجان جگہ گئے اور وہاں

دیوبندی مسجد ہے اور دیوبندی امام ہے تو پڑھ لو بھئی" زید نے پوچھا" باوا! دیوبندی تو گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اور گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافر ہوتا ہے، کیا کافر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے ؟" باوا نے جواب دیا" دیوبندی گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن کافر نہیں" اس پر زید نے کہا "گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو کافر ہوتا ہی ہے یہ کیسے ہوگا کہ گستاخ بھی ہو اور کافر بھی نہ ہو" اس پر باوا نے کہا" یہ مسئلہ کسی عالم سے پوچھ لو" خدمت میں گزارش ہے کہ مذکورہ پیر و مرشد کا یہ جواب درست ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیں کرم ہوگا۔

انجان جگہ کے بہانے دیوبندی امام کے پیچھے نماز کی اجازت دینے والے پر کیا حکم ہے؟ دیوبندی کو گستاخ ماننا اور کافر نہ ماننا کیسا ہے؟

پہلے تو انہوں نے دیوبندی امام کے پیچھے نماز کی اجازت دے دی، پھر گستاخ اور کافر کی بات آئی تو اس پر فرمایا کہ" یہ مسئلہ کسی عالم سے پوچھ لو" سوال یہ ہے کہ یہ بول کر وہ بری ہو گئے؟

(۸) ایک سنی صحیح العقیدہ عالم دین نے انہیں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ایک رشتہ دار کو وہابیوں سے نفرت دلاتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی، وہ رشتہ دار پیر صاحب کے گاؤں ہی کا رہنے والا تھا، تم جب اپنے گاؤں جاؤ گے تو پیر صاحب کے پاس جانا اور ان سے دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھنا اگر وہ اجازت دے دیتے ہیں تو ان کو چھوڑ دینا، اس معاملہ میں نرمی مت کرنا چاہے جو بھی ہو اپنا باپ یا بھائی یا پیر ہی کیوں نہ ہو ان سے الگ ہو جانا کیوں کہ دیوبندیوں، سنیوں کا اختلاف ایمان و کفر کا اختلاف ہے، ہم پیر اس لیے بناتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا ملے، جنت ملے، لیکن جو دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی بات کرے گا وہ جنت کا نہیں جہنم کا راستہ دکھائے گا۔

سنی صحیح العقیدہ عالم دین کی اس بات کو لے کر ان کے مریدوں نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس عالم دین کا نام خوب گالی گلوج کے ساتھ لیا اور یہ کہا کہ یہ عالم ہمارے پیر و مرشد کی توہین کر رہا ہے ،فون پر عالم دین کو جان سے مارنے ٹانگیں توڑنے بوٹی بوٹی بنا دینے کی دھمکیاں دی گئیں پھر ان کے مریدوں نے اس عالم دین کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا، واضح رہے کہ بائیکاٹ کا اعلان کرنے والے اس عالم دین کی برادری ہی کے ہیں اور اس کے رشتہ دار بھی ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ عالم مذکور کا بیان کیا پیر صاحب کی توہین ہے؟ بائیکاٹ کا اعلان کرنے

والوں پر شرعاً کیا حکم ہے؟ بیان فرمائیں کرم ہوگا۔

پیر صاحب اور ان کے مریدین ان باتوں سے توبہ نہ کریں تو ان کا کیا حکم ہے؟ قرآن پاک اور احادیث کریمہ کی روشنی میں صاحبان طریقت کا لحاظ رکھتے ہوئے حکم شرع بیان فرمائیں، آپ کا احسان ہوگا۔ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : (۱)

تجھ کو خدا کہوں یا خدا کو خدا کہوں

دونوں کی شکل ایک ہے کس کو خدا کہوں

یہ شعر کفریہ ہے کہ غیر خدا کو خدا اور خدا کو غیر خدا کہنا کفر ہے، اس کا پڑھنا، سننا حرام اور جو اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہو اس پر توبہ تجدید ایمان، بیوی والا ہو تو تجدید نکاح اور کسی سے مرید تھا تو تجدید بیعت کا حکم ہوگا اور جبرئیل علیہ السلام کے متعلق مذکورہ حدیث بیان کرنا من گڑھت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اس شعر کا بھی پڑھنا، سننا جائز نہیں کہ یہ شعر بھی موہم کفر ہے واللہ تعالیٰ اعلم (یعنی کفر کا پہلو نکلتا ہے)

(۳) اس شعر کا پڑھنا بھی جائز نہیں کہ صنم سے مراد اگر غیر خدا ہو تو کفر ہے اور ذات خدا مراد ہو تو موہم کفر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اس شعر کا پڑھنا جائز نہیں کہ یہ شعر کفریہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ شکل وصورت اور حلول وغیرہ سے منزہ ومبرا ہے اور جبرئیل علیہ السلام کی طرف اس کا انتساب بھی کفر ہوگا، لہٰذا قطعہ کے لکھنے، پڑھنے والے، سننے اور راضی رہنے والے سب پر حکم کفر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵۔۸) خلاف شرع امور کی انجام دہی کے لیے طریقت کا بہانا لینا، علما کے وقار کو کم کرنا، عالم سے دور رہنے کی بات کرنا یہ ساری باتیں ناجائز وحرام ہیں، ان کے مرتکبین پر توبہ واجب ہے۔ غلط مسئلہ بیان کرنا حرام ہے اور اللہ رب العزت کی طرف غلطی کی نسبت کفر ہے اور زید کا یہ قول کہ باوا کو توبہ کرنا چاہیے باوا کی گستاخی وبے ادبی نہیں بلکہ باوا کی خیر خواہی وبھلائی ہے۔ دیوبندیوں کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا اور دیوبندیوں کو گستاخ ماننا کافر نہ ماننا ان کے کفریات پر شرعاً اطلاع کے بعد ہو تو اس پر بھی دیوبندیوں کی طرح حکم کفر ہوگا کہ کافر کو مسلمان جاننا کفر ہے۔

عالم دین کا نام گالی گلوج کے ساتھ لینا اور جان سے مارنے کی دھمکی دینا وغیرہ وغیرہ یہ ساری باتیں ناجائز وحرام ہیں، ان سب پر فرض ہے کہ ان باتوں سے توبہ کریں اور عالم دین سے معافی مانگیں یہ حکم شرع ان کو بتادیا جائے تاکہ وہ توبہ اور معافی کرلیں اور اگر وہ حکم شرع پر عمل نہ کرتے ہوئے ہٹ دھرمی کرتے ہیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کا بائیکاٹ کریں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفر لہ

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ ناگ پور ۱۷

۱۶/ذی القعدہ ۱۴۳۰ھ۔۱۴ نومبر/۲۰۰۹ء بروز چہار شنبہ

دو کفریہ اشعار سے متعلق سوال اور اس کا جواب

مسئلہ : ازمحمد شعیب رضا فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ موبائیل میں ذیل کے اشعار پڑھنا، سننا اور رنگ ٹونس رکھنا کیسا ہے؟

خدا بھی جب تمہیں میرے پاس دیکھتا ہوگا
اتنی انمول چیز دے دی کیسے یہ سوچتا ہوگا
خدا بھی جب ترے انداز دیکھتا ہوگا
اتنی انمول چیز دے دی یہ کیسے سوچتا ہوگا

ازروئے شرع ان اشعار کو پڑھنے، سننے والے پر کیا حکم نافذ ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذکورہ بالا لولے لنگڑے اشعار کا خبیث مضمون کسی خبیث ذہن وفکر کی پیداوار ہے۔ اللہ علیم وبصیر اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ ساری چیزیں ہمیشہ اس کے سامنے رہتی ہیں۔ وہ اب، جب اور تب کے قیود وحدود سے پاک اور منزہ ہے۔ مندرجہ بالا اشعار سے خدائے علیم وبصیر پر جہل کا حکم لگانا بالکل صاف اور ظاہر ہے اور خدا کے لیے جہل ثابت ماننا کفر ہے۔

اس بددماغ، بدزبان خبیث اور جاہل شاعر نے اپنی جہالت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہا ہے کہ

’’خدا بھی جب.........الخ۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ صد بار معاذ اللہ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے ورنہ اسے اس کا علم نہیں ہوتا اور پھر دیکھنے کے بعد سوچتا ہے کہ میں نے اس خبیث کو ایسی انمول چیز کیسے دے دی، گویا پہلے اسے معلوم نہیں تھا کہ میں اسے یہ چیز دوں کہ نہ دوں؟ **معاذ اللہ رب العالمین تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا** سوچتا وہ ہے جو جاہل وناواقف ہو۔اللہ تعالیٰ کو تو تمام اشیا کی تمام حقیقتیں معلوم ہیں، پھر اس کے لیے سوچنے کا لفظ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس چیز کی حقیقت سے لاعلم ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔الحاصل اس طرح کے اشعار سے دور رہنا، ان کو پڑھنے اور سننے سے بچنا فرض اور لازم وضروری ہے کہ ان کا پڑھنا یا سننا اور سن کر پسند کرنا کفر ہے۔لہذا ان اشعار کے پڑھنے اور پسند کرنے والے پر توبہ، تجدید ایمان ونکاح وبیعت لازم ہے۔

شرح عقائد میں:

’’لایخرج عن علمہ وقدرتہ شئ لأن الجھل بالبعض والعجز عن البعض نقص وافتقار الی مخصص مع ان النصوص القطعیۃ ناطقۃ بعموم العلم وشمول القدرۃ فھو بکل شئ علیم وعلی کل شئ قدیر۔‘‘(ص ۳۵،۳۶) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۸/۱/۱۴۳۷ھ۔۲۲/۱۰/۲۰۱۵ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

گنپتی کے جلوس میں شریک ہونے، چندہ دینے اور اس میلے میں بتوں کے مخصوص سامان بیچنے کے احکام

مسئلہ : ازمحمد کامل شیخ قاسم رضوی غلام مصطفیٰ رضوی ونی ضلع ایوت محل ۶/۱۰/۲۰۰۸ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) زید اپنے گاؤں کا صاحب ثروت شخص ہے، وہاں کے غیر مسلموں نے زید سے کہا کہ گنپتی کا پروگرام ہے آپ اگر ہمارے ساتھ ساتھ رہیں تو شہر میں دنگا وغیرہ نہیں ہوگا، زید لاعلمی میں گنپتی کے لانے

ولے جانے میں شریک رہا، باقی پوجا وغیرہ میں شامل نہیں رہا بعد میں شہر والوں نے اخبار بازی کردی کہ زید نے گنپتی بٹھایا ان کی صدارت میں گنپتی کا جلوس نکلا لہذا ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ دریافت طلب امر یہ کہ ایسے آدمی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

(۲) گنپتی بٹھانے میں بعض مسلمان چندہ دیتے ہیں یا چندہ جمع کرکے دیتے ہیں گنپتی کا کھانا کھاتے ہیں اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۳) بعض مسلمان بتوں کے مخصوص سامان جیسے سندور، بتوں کے نتھ، مالا وغیرہ جو صرف بتوں کے لیے ہی مخصوص ہیں اس کی تجارت کرتے ہیں ایسی تجارت کرنا کیسا ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) گنپتی کا جلوس نکالنا غیر مسلموں کا مذہبی شعار ہے لہذا ان کے اس جلوس میں شریک ہونے کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ صرف تماشائی بن کر شریک ہونا اور دوسری یہ کہ غیر مسلموں کے اس فعل کو اچھا سمجھ کر شریک ہونا۔ پہلی صورت میں شریک ہونے والا سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے کیوں کہ ان کا یہ فعل حرام ہے اور فعل حرام پر تماشائی بننا بھی حرام ہے اور حرام کا مرتکب گنہگار ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

"یظهر من ذالک حرمة التفرج علیهم لأن الفرجة علی المحرم حرام."(ج ۱، ص ۱۳، خطبة الکتاب بحواله فتاوی رضویه مترجم ج ۲۱، ص ۱۵۹)

دوسری صورت میں شریک ہونے والا کافر ہے کیوں کہ ان کے مذہبی جلوس یا رسوم کو اچھا جاننا یا ان کی تعظیم کرنا کفر ہے۔

غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

"اتفق مشائخنا ان من رأی أمر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترک الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس أو ترک المضاجعة عندهم حال الحیض حسن فهو کافر." (ج ۱، ص ۲۹۵، مطبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراچی، پاکستان الفن الثانی بحواله فتاوی رضویه مترجم ج ۲۱ ص ۱۵۹)

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں غیر مسلموں کے تہواروں اور ان کے کفری رسوم کو اچھا سمجھ کر اس میں شریک ہونے والوں کے بارے میں ہے:

"وبخروجه الى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلون فى ذالك اليوم وبتحسين امر الكفار اتفاقا حتى لو قال ترک الكلام عند أكل الطعام من المجوسى حسن فهو كافر وكذا من حسن رسوم الكفرة." اه ملخصا (ج ۱، ص ۱۹۹ . ۲۰۰، باب احكام المرتدين من كتاب السير)

لہذا زید اگر غیر مسلم کے مذہبی جلوس کو اچھا سمجھ کر اس میں شریک ہوا تو وہ کافر ہوگیا، اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی، اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی اس حرکت سے بیزاری ظاہر کرے، تجدید ایمان وتجدید نکاح کرے، کسی سے مرید ہو چکا تھا، تو تجدید بیعت بھی کرے اور اگر اچھا سمجھ کر اس میں شریک نہیں ہوا تھا، بلکہ صرف لہو ولعب اور تماشا بینی کی غرض سے اس میں شامل ہوا تھا، تو وہ گنہگار رہوا، اس پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. (پارہ ۱۲، سورہ ھود ۱۱/ ۱۱۳)

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوے گی۔

غیر مسلموں کے مذہبی جلوس عموماً دنگا اور فتنہ وفساد پیدا کرنے والے ہی ہوتے ہیں کہ وہ شرک وکفر پر مشتمل ہوتے ہیں اور شرک وکفر سے بڑھ کر کوئی فتنہ ہو ہی نہیں سکتا اور زید کا اس میں شامل ہونا اس فتنے کو مزید بڑھانے کے سوا کچھ نہ ہوگا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ شہر والوں نے زید کی اس حرکت پر اس کا بائیکاٹ کیا اور ظاہر ہے کہ اس بائیکاٹ کا اثر پورے مسلم معاشرے پر ہوگا اور اس طرح سے کچھ لوگ حق کی حمایت کریں گے اور کچھ لوگ زید کی حمایت کرتے ہوئے باطل کی حمایت کر بیٹھیں گے جیسا کہ اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اور مسلم سماج میں اس طرح کے انتشار کے پیدا ہونے سے بڑھ کر اور کون سا فتنہ ہوسکتا ہے کہ اس ایک شرکت نے مسلم بھائیوں کو آپس میں لڑا دیا اور محبت واخوت کے بجائے آپس میں عداوت ودشمنی پیدا کردی اس لیے فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے قرآن نے یوں تنبیہ فرمائی:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. (پارہ ۲، سورہ بقرہ۲، آیت ۱۹۱)

اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے۔

مزید ارشاد باری ہے:

وَاللّٰہُ لَایُحِبُّ الْفَسَادَ.(پارہ ۲ سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۰۵)

اور اللہ فساد سے راضی نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ غیر مسلم زید کو اپنے اس مذہبی جلوس میں اس لیے شریک کرتے ہیں تاکہ اس طرح سے ان کے جلوس میں قوم مسلم کے دیگر افراد بھی شامل ہوکر ان کی تعداد میں اضافہ کریں گے اور ان کی شان وشوکت بڑھائیں گے اور نتیجۃً انہیں کی صف میں شمار کیے جائیں گے نیز اس طرح سے ان کے جلوس کو مسلم آبادی سے گزرنے کا موقع بھی ملے گا، جہاں مسلمانوں کو دیکھ کر وہ اور زیادہ اپنی شان وشوکت کا مظاہرہ کریں گے، جس کو دیکھ کر بہت سے کمزور دل مسلم ضرور ان سے مرعوب اور خوف زدہ ہوں گے، جس کا وبال اس میں حصہ لینے والے مسلمانوں پر ضرور ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے:

من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریک من عمل بہ.(کنز العمال بحوالہ ☆عن انس ج۹، ص ۱۰، حدیث ۲۴۶۸۸، مطبع مؤسسۃ الرسالۃ بیروت بحوالہ فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۱، ص۱۵۸)

یعنی جو کسی قوم کا گروہ بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے اور جو کسی قوم کا کوئی کام پسند کرے وہ اس کام کرنے والوں کا شریک ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان کے مذہبی جلوس میں شریک ہوکر یہ امید کرنا کہ وہ غیر مسلم ہمارے خیر خواہ ہوجائیں گے یہ سوئی کے ناکے میں اونٹ کے داخل ہونے یا گدھے کے سر پر سینگ اگنے کی امید رکھنے کی طرح ہے کیوں کہ اصل خیر خواہی تو یہی ہے کہ وہ اپنے تمام مشرکانہ اور کفری رسوم وعقائد کو چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کرلیں اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے محفوظ کرکے خود اپنے نفس کے خیر خواہ بنیں اور جب تک وہ ایمان لاکر خود اپنے خیر خواہ نہیں بن سکتے تو دوسرے لوگ بالخصوص دوسرے مذہب کے ماننے والے یعنی مسلمانوں کے وہ خیر خواہ کیوں کر ہوسکتے ہیں اس لیے قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرزندان اسلام کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا.(پارہ ۶، سورہ مائدہ ۵، آیت ۸۲)

ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا یَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ وَمَا تُخۡفِیۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ قَدۡ بَیَّنَّا لَكُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ. (پارہ ۴، سورہ آل عمران ۳، آیت ۱۱۸)

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپاتے ہیں اور بڑا ہے ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو۔

حاصل یہ ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی جلوس میں شریک ہونا حرام وکفر ہونے سے خالی نہیں، اس لیے اس میں شریک ہونے سے بچنا لازم وضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر وہ مذکورہ کام مستحسن اور اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، تو یہ کفر ہے ورنہ ناجائز وگناہ ہے جیسا کہ اوپر گزرا اور اگر وہ لوگ کسی شرعی مجبوری کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں تو وہ معذور ہیں اور معذور سے کوئی مواخذہ نہیں، مگر پھر بھی ان پر لازم ہے کہ دل سے اس کو براہی جانیں ارشاد باری ہے:

مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ وَلٰكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَیۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ. (پارہ ۱۴، سورہ نحل ۱۴، آیت ۱۰۶)

جو ایمان لاکر اللہ کا منکر ہو سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ان سامانوں کو ان سے بیچنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ فی نفسہ ان سامانوں کے حرام یا ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ناجائز وگناہ تو ان غیر مسلموں کا اپنا فعل ہے جس سے ان کو بیچنے کا کوئی تعلق نہیں جیسے کہ شراب بنانے والے سے انگور کا رس بیچنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ انگور کے رس کا بیچنا خریدنا حرام وگناہ نہیں حرام وگناہ تو شراب بنانے، پینے، پلانے اور اس کے خریدنے اور بیچنے میں ہے جس سے انگور کے رس کے بیچنے کا کوئی تعلق نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی میلوں میں لے

جا کر بیچنے سے بچنا چاہیے کہ وہ فسق وفجور اور شیاطین کے جمع ہونے کی جگہ ہے جہاں مسلم کو جانا مناسب نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

لابأس ببيع العصير ممن يعلم أنه يتخذه خمرا لأن المعصية لا تقام بعينه بل بعد تغييره.'' (ج۴،ص ۴۵۶،فصل فى البيع من كتاب الكراهية)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

لابأس ببيع الزنار من النصرانى والقلنسوة من المجوس كذافى السراجية.''

اسی میں ہے:

''يكره للمسلم الدخول فى البيعة والكنيسة وانما يكره من حيث أنه مجمع الشياطين لا من حيث أنه ليس له حق الدخول كذافى التتارخانية.(ج۵،ص ۳۲۶، الباب الرابع عشرفى اهل الذمة من كتاب الكراهية) والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۸/ذی الحجہ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

غیر مسلموں کے مذہبی تہوار کی مبارک بادی پیش کرنا، ان موقعوں پر لگائے گئے لنگر کا کھانا کھانا اور ان کی شادی بیاہ کا کھانا کھانا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازشکیل احمد صاحب آزادنگر ٹیکہ نئی بستی ناگ پور

بسم الله الرحمن الرحيم نحمده ونصلى على رسوله الكريم اما بعد فاعوذبالله من الشيطان الرجيم.

سوال(۱)ہندوؤں کے تہوار مثلاً دسہرا، دیوالی، ہولی، نوراتری وغیرہ میں بینر بنا کر ہندوؤں کو ان تہواروں کی مبارک باد پیش کرنا مسلمانوں کے لیے کیسا ہے؟ مثلاً ان الفاظ کے ساتھ کہ دیوالی کی ہاردک شبھ کامنا، یا دیوالی کی بدھائی یا دیوالی کی بہت بہت مبارک باد یا ہولی کی شبھ کامنائیں، یا ہیپی ہولی وغیرہ یا

ہندوؤں کے مذہبی جلوس کا استقبال سواگتم کے بینر بنا کر پیش کرنا کیسا ہے جب کہ یہ تمام کام ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے ہو؟

سوال (۲) اگر کوئی ہندو مسلمانوں کو اپنے تہوار کی مبارک باد پیش کرے مثلاً ہندو کہے کہ دیوالی مبارک ہو اور اس کے جواب میں مسلمان بھی یہ کہہ دے کہ آپ کو بھی مبارک ہو تو ایسا کہنا کیسا ہے؟

سوال (۳) مشرکین اپنے تہوار کے موقع پر عام لنگر کھلاتے ہیں مثلاً گنپتی کا کھانا یا درگا کا کھانا وغیرہ تو مسلمانوں کے لیے یہ کھانا کھانا کیسا ہے؟

سوال (۴) مشرکین کے یہاں شادی بیاہ میں شریک ہونا اور شادی کا کھانا کھانا کیسا ہے؟

ازروئے شرع جواب چاہیے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : (۱،۲) غیر مسلموں کے مذہبی تہوار کا استقبال کرنا اور ان کی مبارک بادی دینا حرام، حرام، اشد حرام بہت بڑے گناہ کا کام اور منجر الی الکفر ہے۔ ایسا کرنے والوں پر توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح و بیعت لازم ہے۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"الاعطاء باسم النيروز والمهرجان لايجوز أى الهدايا باسم هذين اليومين حرام وان قصد تعظيمه كمايعظمه المشركون يكفر. قال أبوحفص الكبير :لوأن رجلا عبدالله خمسين سنة ثم أهدى لمشرك يوم النيروز بيضة يريد تعظيم اليوم فقد كفر و حبط عمله اه . ولو أهدى لمسلم ولم يرد تعظيم اليوم بل جرى على عادة الناس لايكفر وينبغي أن يفعله قبله أوبعده نفيا للشبهة ولو شرى فيه مالم يشتره قبل ان اراد تعظيمه كفر،وان اراد الأكل والشرب والتنعيم لايكفر. زيلعى."

یہیں پر شامی میں ہے:

"والأولىٰ للمسلمين ان لايوافقهم على مثل هذه الأحوال لاظهار الفرح والسرور." (رد المحتار ج۱۰، ۴۸۵، ۴۸۶، مسائل شتى من كتاب الخنثى)

فتاوی عالمگیری میں کفریہ اقوال و افعال کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وبخروجه الی نیروز المجوس لموافقته معهم فیما یفعلون فی ذالک الیوم."(ج۲،ص۲۷۶،۲۷۷.الباب التاسع فی أحکام المرتدین من کتاب السیر) واللہ تعالی اعلم

(۳) وہ کھانا حلال ہے،مگر اس کو کھانے سے بچنا بہتر ہے اور اگر بطور تصدق کھلا رہے ہوں تو اس کے پاس بھی نہ جائے اور اگر اس میں گوشت ہو تو اس کا کھانا حرام ہے۔

فتاوی رضویہ مترجم میں اسی طرح کے سوال کے جواب میں ہے:"حلال ہے لعدم المحرم (حرمت کی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) مگر مسلمان کو احتراز چاہیے لخبث النسبت (نسبت کی خباثت کی وجہ سے۔ت) اگر کفار اس کو بطور تصدق بانٹ رہے ہوں جب تو ہرگز پاس نہ جائے۔اھ ملخصا ج۲۱،۶۰۷،۶۰۸)

اسی میں ہے:"ہندو کے یہاں گوشت کھانا حرام ہے اور چیزوں میں فتوی جواز اور تقوی احتراز۔"(ج۲۱،۶۵۹،)واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اس سے بھی بچنا چاہیے خصوصاً اس وقت جب کہ اس میں ناجائز امور شامل ہوں تب تو منع ہے۔اور اس کے کھانے کا حکم وہی ہے جو مذکور ہوا کہ گوشت کے سوا باقی ان کے تمام حلال کھانوں کے کھانے میں فتوی جواز کا ہے اور تقوی یہ ہے کہ اس سے بھی بچے۔

فتاوی رضویہ مترجم ج۲۱ص۶۲۱ میں ہے:"کسی کافر کے ساتھ کھانے یا معاذ اللہ اس کا جھوٹا کھانے پینے سے احتراز ضرور ہے۔اھ ملخصاً۔

اسی میں ہے:"بے شک کفار سے ایسی مخالطت اور ان کے ساتھ ہم پیالہ وہم نوالہ ہونے سے بہت ضرور احتراز کرنا چاہیے۔"(فتاوی رضویہ غیر مترجم ج۹ص۱۲ نصف اول)

البتہ حالات کے تقاضا کے مطابق ضرورت، حاجت اور مصلحت شرعیہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۰/۲/۷/۱۴۳۷ھ ـ ۲۳/۱۱/۲۰۱۵ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وہابیوں دیوبندیوں سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات

مسئلہ : ازمحمد اویس رضا، متعلم جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ

(۱) وہابی دیوبندی سے تعلق رکھنا کیسا ہے اور ان سے رشتہ جوڑنا کیسا ہے اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، آنا جانا، کھانا، پینا کیسا ہے؟

(۲) کسی وہابی دیوبندی کے یہاں میت ہوگئی ان کے جنازے میں شریک ہونا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۳) وہابی دیوبندی کے اجتماع میں جانا کیسا ہے اور ان سے خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟

(۴) اگر زید کا باپ وہابی دیوبندی ہو جائے تو زید کا اس سے رشتہ رکھنا کیسا ہے؟

(۵) وہابی دیوبندی نے کسی سنی شخص کا نکاح پڑھایا تو درست ہوگا یا نہیں؟

(۶) زید سنی ہے اور اس کا ماموں وہابی دیوبندی جس کا اقرار وہ اپنی زبان سے بھی کرتا ہے مگر وہ وہابیوں دیوبندیوں کے عقیدے کو نہیں جانتا ایسی صورت میں زید اپنے ماموں کی لڑکی (جس کی پرورش سنی گھرانے میں ہوئی ہے) اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) وہابی دیوبندی اپنے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان، تحذیر الناس اور براہین قاطعہ کی بنیاد پر کافر مرتد ہیں۔ بلکہ علمائے حرمین شریفین اور دیگر علمائے اہل سنت نے ان کے عقائد کفریہ کو دیکھ کر یہ فتوی دیا کہ:

"من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر."

یعنی جو شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ اور جب یہ وہابی دیوبندی اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے کی وجہ سے کافر مرتد ہیں تو ان سے کسی طرح کا تعلق رکھنا، ان کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا اور کھانا پینا سب حرام وگناہ ہے۔ یوں ہی ان سے رشتہ جوڑنا بھی حرام وگناہ ہے۔ اور ان کے ساتھ رشتہ جوڑنے سے رشتہ ہوگا بھی نہیں بلکہ گناہ ہی

ہوگا کیوں کہ مرتد اور مرتدہ کا نکاح دنیا میں کسی سے نہیں ہوسکتا۔حدیث پاک میں ہے:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم وان مرضوا فلاتعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلمواعلیھم ولاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولا تواکلوھم ولاتناکحوھم."

یعنی ان سے الگ رہو، انہیں اپنے سے دور رکھو، کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں، کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں اور اگر وہ بیمار پڑ جائیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مرجائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو، جب ان سے ملو تو ان سے سلام نہ کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ پانی پیو نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ اور نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرو، یہ حدیث مسلم شریف، ابوداؤد، ابن ماجہ اور عقیلی کا مجموعہ ہے۔(بحوالہ فتاوی رضویہ ج۶،ص۱۰۳، کتاب السیر)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لایجوز للمرتد أن یتزوج مرتدة ولامسلمة ولاکافرة أصلیة وکذلک لایجوز نکاح المرتدة مع أحد. کذا فی المبسوط."(ج۱،ص۲۸۲،الباب الثانی فی بیان المحرمات من کتاب النکاح) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲)ان کے جنازے میں شریک ہونا یاان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام وگناہ ہے، بلکہ ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود انہیں مسلمان سمجھ کر ایسا کیا تو کفر ہوگا۔ارشاد باری ہے:

"وَلَاتُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَاتَ اَبَدًا وَّلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ اِنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَاتُوْا وَھُمْ فٰسِقُوْنَ."(پ۱۰،س توبہ۹،آیت۸۴)

اوران میں سے کسی کی میت پر نماز مت پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، بے شک وہ اللہ ورسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

ردالمحتار میں ہے:

"قدعلمت أن الصحیح خلافہ فالدعاء بہ کفرلعدم جوازہ عقلا ولاشرعا ولتکذیبہ النصوص القطعیة."(ج۲،ص۲۳۷،باب صفة الصلوة من کتاب الصلوة) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) زید اپنے باپ کو سنجیدگی اور نرمی کے ساتھ سمجھائے۔ وہابیوں اور دیوبندیوں کے عقائد کفریہ قطعیہ سے اپنے باپ کو آگاہ کرے کہ وہ لوگ اللہ رب العزت اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کی وجہ سے کافر مرتد ہیں۔ لہذا ان کے طریقے کو اپنانا اپنے آپ کو کفر اور ہمیشگی کے عذاب میں ڈالنا ہے۔ اس لیے ان کے گندے عقائد کو چھوڑ کر مذہب اہل سنت و جماعت کی پیروی کیجیے۔ اگر زید کا باپ اس کے مطابق عمل کرے اور توبہ واستغفار اور تجدید ایمان کر کے مذہب اہل سنت و جماعت اختیار کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اب زید پر لازم ہے کہ وہ اپنے باپ سے علاحدہ ہو جائے کہ اب زید کا اس سے ہر رشتہ ختم ہو گیا۔

قرآن مجید میں ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ."

اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے تو وہی ظالم ہیں۔ (پ۱۰، س توبہ۹، آیت ۲۳)

دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے:

"وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ. (پ ۱۲، س هود ۱۱، آیت ۴۵، ۴۶)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، عرض کیا اے میرے رب! میرا بیٹا تو بھی میرا گھر والا ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا۔ فرمایا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں۔

تفسیر بیضاوی میں ہے:

"قال یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ، لقطع الولایة بین المؤمن والكافر، واشار الیه بقوله: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ: فانه تعلیل لنفی كونه من اهله." (ج۳، ص ۱۳۶، س هود ۱۱، آیت ۴۶ مطبوعه داراحیاالتراث العربی بیروت لبنان) والله تعالیٰ اعلم

(۵) اگر وہابی دیو بندی کسی کا نکاح پڑھا دے تو یہ نکاح ہو جائے گا کیوں کہ نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے اور ایجاب وقبول خود عاقدین کرتے ہیں یہ صرف کہلوانے والا ہوگا بلکہ یہ اگر وکیل کی حیثیت سے ہو تو بھی نکاح ہو جائے گا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"تجوز وكالة المرتد بأن وكل مسلم مرتدا وكذا لو كان مسلما وقت التوكيل ثم ارتد فهو على وكالته كذافي البدائع." اه ملخصا (ج۳، ص ۵۶۳، الباب الأول من كتاب الوكالة)

مگر وہابی سے نکاح پڑھوانے میں اس کی تعظیم ہے اور بدمذہبوں کی تعظیم کرنا جائز نہیں اس لیے وہابی سے نکاح پڑھوانے سے بچنا لازم وضروری ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

"من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الاسلام." (مشكوة ص ۳۱، باب الاعتصام من كتاب الايمان)

فتاوی رضویہ میں ہے:"اس سے نکاح پڑھوانا ہرگز نہ چاہیے کہ مرتد کے پاس تک بیٹھنا شرعا معیوب ہے، نہ کہ خاص دینی شرعی کام میں اس سے مدد لینا۔ مگر پڑھا دے گا تو صحیح ہو جائے گا کہ اگر وہ صرف الفاظ ایجاب وقبول کہوانے والا ہے، کہنے والے خود عاقدین، جب تو پُر ظاہر کہ اسے عقد سے کوئی علاقہ نہیں اور اگر وکیل بھی ہو تاہم صحت وکالت کے لیے اسلام شرط نہیں۔ عاقل ہونا درکار۔ وہ حاصل ہے۔ اھ ملخصا۔ (ج ۵، ص ۱۱۷، کتاب النکاح، مطبوعہ رضا آفسیٹ بمبئی ۳) **و الله تعالى اعلم**

(۶) زید کا ماموں اگر واقعی عقائد وہابیہ دیابنہ سے واقف نہیں تو اگر چہ اس کے کفر کا حکم نہیں مگر پھر بھی اس سے رشتہ جوڑنے سے بچنا ضروری ہے کہ جس طرح مسلمان کو برے کام سے بچنا ضروری ہے اسی طرح اس کو برے نام سے بھی بچنا لازم ہے کہ عوام کی نظر میں وہ متہم ہوگا اور لوگ یہی کہیں گے کہ اس نے وہابی سے رشتہ کیا ہے اور حدیث میں ہر تہمت بلکہ تہمت کی جگہوں سے بھی بچنے کا حکم ہے۔ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"من كان يومن بالله واليوم الآخر فلا يقفن مواقف التهم."

یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ مقامات تہمت سے بچے۔ (مراقی

الفلاح شرح نور الایضاح ص۹۳، باب ادراک الفریضۃ من کتاب الصلوۃ، مطبوعہ دار الایمان، بیروت لبنان)و اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس و افتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۳/ذی الحجہ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

نمسکار اور نمستے کہنا اور بھارت ماتا کی جے کے نعرہ لگانے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسئلہ : ازمحمد شعیب رضا فاروق نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید لوگوں کو ہنسانے کے لیے مذاق میں نمسکار کرتا ہے اور نمستے کہتا ہے جب کہ وہ اس کا معنی ومفہوم نہیں جانتا، اسی طرح سب کو ہنسانے کے لیے بھارت ماتا کی جے گنپتی بپا موریا وغیرہ کے نعرے لگاتا ہے جب کہ ان کے معنی ومفہوم سے واقف نہیں ہے۔

مسئلہ ذیل میں زید پر کیا حکم ہے بتائیں کرم ہوگا۔

(۲) زید کے بھارت ماتا کی جے کہنے پر عمرو بلند آواز سے جواب میں جے کہتا ہے تو عمرو پر کیا حکم شرع نافذ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱،۲) نمسکار، سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ’’جھک کر سلام کرنا۔‘‘ اور نمستے بھی سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ’’میں آپ کو جھک کر سلام کرتا ہوں۔‘‘ (ہندی شبد ساگر ص:۲۵۰)

اور بہر حال یہ لفظ ہندوؤں کے درمیان رائج ومشہور اور ان کے مابین تحیت وسلام کے نام سے معروف ومتعین ہے، لہذا مسلمانوں کے لیے اس کا استعمال مکروہ وممنوع ہے اور بے لگام گدھے کی طرح

بطور مذاق یوں ہی آپس میں السلام علیکم کے بجائے نمسکار اور نمستے کہتے پھرنا تو اور زیادہ شرعا ناپسند ہے لہذا زید کو اپنی اس بری حرکت سے بچنا لازم ہے۔

بھارت ماتا کی جے بولنا کفر ہے، یوں ہی گنپتی بپا موریا کا نعرہ لگانا بھی کفر ہے کہ یہ نعرہ خالص ہندوؤں کا ہندوانہ نعرہ اور ان کا مذہبی شعار ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"من تشبه بقوم فهو منهم." (مشکوۃ ص ۳۷۵، کتاب للباس)

لہذا نعرہ لگانے والے زید اور اس کا ساتھ دینے والے عمرو پر توبہ تجدید ایمان، شادی شدہ ہوں تو تجدید نکاح اور مرید ہو چکے ہوں تو تجدید بیعت لازم ہے۔ ایسا ہی فتاوی شارح بخاری ج ۲، ص ۵۵۰ اور ص ۵۹۹ پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲/۲۸/ ۱۴۳۷ھ - ۱/۱۰/ ۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بلا دلیل کسی مسلم کو کافر کہنا کیسا ہے؟

مسئلہ: از محمد مشتاق

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید ایک متبنیٰ شخص ہے، ایک مسلم گھرانے میں اس کی پرورش ہوئی، زید نماز پڑھتا ہے، رمضان میں روزہ رکھتا ہے اور دینی کام میں آگے آگے رہتا ہے، مسلمانوں کی امداد میں کوشاں رہتا ہے، پوچھنے پر اپنے آپ کو مسلمان بتاتا ہے، لیکن بکر اس کو غیر مسلم کہتا ہے اور اس پر پوجا پاٹ کا الزام لگاتا ہے، تو کیا بکر کا ایک مسلمان کو بلا تحقیق کافر کہنا شرعاً درست ہے اور بکر پر کیا حکم شرع ہے؟ فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : بحسب استفتا بکر نے جو الزامات زید پر لگائے ہیں، اگر بکر اس کو ثابت کر دے، تو زید پر توبہ تجدید ایمان کا حکم ہوگا اور اگر بکر شرعاً ان الزامات کو ثابت نہ کرے، تو وہ حکم بکر پر پلٹ آئے گا۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فتاوی رضویہ

ج۶ص۴۵ میں فرماتے ہیں ''مسلمان کو بلا وجہ کافر کہنے پر حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا کہ وہ کہنا اس کے کہنے والے ہی پر پلٹ آئے گا یعنی جب کہ بروجہ اعتقاد ہو اور بروجہ سب و دشنام تو اشد کبیرہ'' **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم و احکم**

کتبه : محمد نذیر احمد امجدی رضوی غفرله

صح الجواب واللہ تعالی اعلم — رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

ابوالقیس مصباحی غفرلہ — ۱۵/ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ شنبہ

سلام نہ کرنے پر کافر کہنے والے پر توبہ وتجدید ایمان کا حکم ہے

مسئله : ازمحمد الطاف ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

کوئی سنی مسلمان کسی کو سلام نہ کرنے کی بنیاد پر کافر ہوسکتا ہے یا اس کے منہ میں خدا کی لگام لگے گی اگر نہیں تو پھر جو سنی مسلمان سلام نہ کرنے کی بنیاد پر کافر کہہ رہا ہے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب : محض سلام کے نہ کرنے پر کافر کہنے والا اپنے جی سے مسئلہ گڑھ رہا ہے ایسے شخص پر ہی توبہ تجدید ایمان کا حکم ہوگا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ شریف ج۶ص۱۳۷ میں فرماتے ہیں ''مسلمان کو کافر ٹھہرانا کفر ہے''۔ **واللہ اعلم**

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامیٰ ناگ پور

یکم ربیع النور شریف ۱۴۳۱ھ۔ ۱۶/فروری ۲۰۱۰ء بروز سہ شنبہ

پیری مریدی کا بیان

بیعت وارادت کا نفع دنیا وآخرت دونوں جگہ ملتا ہے

مسئلہ : از زید قادری ویشالی بہار، بذریعہ مولانا نہال اختر صاحب مدرس جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مندرجہ ذیل مسئلہ میں

کیا مردہ کو غسل، کفن دینے کے بعد اگر وہ کسی کا مرید نہ ہو تو اس کو کسی پیر سے مرید کرایا جاسکتا ہے ، یا کوئی پیر اسے مرید کرسکتا ہے؟ اگر کوئی پیر اسے مرید کرے تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ اگر کوئی پیر مردے کو مرید کرے اور دریافت کرنے پر سبع سنابل شریف کا حوالہ دے کہ ''شاہ مینا'' نے ایک مردے کو ٹوپی پہنا کر مرید کیا جس کا سر ہلتا تھا۔'' کیا یہ روایت شریعت کا حکم بن سکتی ہے ہر پیر کے لیے؟ اگر نہیں تو ایسے پیر کے لیے حکم شرع کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : بیعت وارادت کا نفع اگرچہ دنیا وآخرت دونوں میں حاصل ہوتا ہے اور یہ رشتہ دونوں جہان میں قائم رہتا ہے مگر اس کے احکام کا تعلق صرف اور صرف زندگی سے ہے کہ پیری مریدی زندگی ہی میں ہوسکتی ہے موت کے بعد نہیں ہوسکتی۔ جس طرح اسلام قبول کرنا کہ اس کے فوائد دنیا وآخرت دونوں جہان میں حاصل ہوتے ہیں، مگر اعتبار اسی ایمان کا ہے جو حالت حیات میں ہو اور وہ بھی جو عام حالات میں ہو۔ نزع کے وقت جب غرغرہ کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اب اس ایمان کا اعتبار نہیں اور عموما بعد موت ایمان لانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس کا معتبر ہونا تو بہت دور ہے۔ البتہ کسی خاص تصرف کی وجہ سے کوئی شخص زندہ ہو کر ایمان لائے تو یہ شاذ ونادر ہوگا جس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہوسکتی **''لان الاحکام تبتنی علی الأغلب''** جیسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا زندہ ہو کر ایمان لانا یہ حضور کا تصرف اور ان کا معجزہ ہے۔

یوں ہی کوئی ولی اللہ بعطائے الٰہی اپنے خاص تصرف سے کسی مردہ کو اپنے فیوض وبرکات سے

نوازدے تو ایسا ممکن ہے لیکن یہ پیری مریدی نہیں کیوں کہ بیعت کا مطلب ہوتا ہے پیر کے ہاتھ بک جانا اور مرید کا پیر کی باتوں کو بسر وچشم قبول کر لینا اور یہ سب زندگی ہی سے تعلق رکھتے ہیں ۔خود سبع سنابل شریف مترجم مطبوعہ رضوی کتاب گھر غیبی نگر بھیونڈی میں ص۱۲۰ پر حضرت مخدوم میناشاہ علیہ الرحمہ کا جو واقعہ مذکور ہے اس سے مردے کو مرید کرنے کا حکم ہرگز ثابت نہیں ہوتا لہذا اس واقعے کو دلیل بنا کر مردے کو مرید کرنا درست نہیں ۔**و اللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶/ر جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ایک پیر صاحب کے بارے میں سوال اور اس کا جواب

مسئلہ : از محمد وسیم متعلم جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

ایک شخص پیر بن کر لوگوں کو مرید کرتا پھرتا ہے جس کے حلقہ ارادت میں مسلمان کم ہندو زیادہ ہیں، اس نے اپنے ہندو مریدوں کو بھی خلافت دے رکھی ہے اور نماز کے بارے میں کھلے طور پر کہتا ہے کہ نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے ۔مریدین سے ملاقات کے وقت نذرانہ وصول کرتا ہے نذرانہ نہ ملنے پر کہتا ہے کہ آج خالی ہاتھ کیوں آگئے ،اب اس جھوٹے پیر کا انتقال ہو چکا ہے ۔کچھ لوگ اس کی قبر کو بزرگ کی قبر سمجھ کر فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں ،عرس کی طرح دھوم دھام کرتے ہیں ۔ضروری طلب بات یہ ہے کہ ایسے جھوٹے پیر کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ جو لوگ جاتے ہیں ان کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے، نیز بیان فرمائیں کہ پیر کیسا ہونا چاہیے اور اپنے آپ کو طریقت والا کہتا ہے اور اپنے کو قادری سلسلے والا بتاتا ہے تو اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ فقط والسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سوال میں لکھی گئی باتیں اگر سچ ہیں تو یہ شخص بہت بڑا گنہگار ،جہنم کا سزاوار بلکہ نماز کی توہین وتحقیر کرنے کی وجہ سے کافر ہے ۔اگر زندگی میں توبہ کر لیا تھا تب تو مسلمان مرا ورنہ حالت کفر ہی

میں دنیا سے گیا۔ پیر ہونے کے لیے چار شرطیں ہیں: ''پہلی شرط یہ ہے کہ پیر سنی صحیح العقیدہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضروریات کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ فاسق معلن نہ ہو اور چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوا ہو۔ ایسا ہی بہار شریعت حصہ اول ص ۲۷۸، ولایت کے بیان میں ہے۔ (مطبوعہ مکتبۃ المدینہ دہلی۔٦)

کچھ ڈھونگی اور مکار قسم کے لوگ طریقت کا سہارا لے کر سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں حالانکہ بغیر شریعت پر عمل کیے کوئی شخص طریقت تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ نماز اتنا اہم فریضہ ہے کہ جس کے بارے میں شریعت وطریقت کے سردار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا جا رہا ہے:

''وَاْمُرْ اَهْلَکَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا .''(پ ١٦، س طه ٢٠، آیت ١٣٢)

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر ثابت رہ۔

تو جو شخص اپنے آپ کو طریقت والا کہے اور لوگوں کو نماز سے دور کرنے کے لیے کہے کہ نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں وہ طریقت والا نہیں بلکہ وہ شیطان کا چیلا ہے جو لوگوں کو دھوکا دے کر گمراہی کی دلدل کی طرف لے جا رہا ہے، کیوں کہ جو طریقت والا ہوگا وہ شریعت کے خلاف کبھی نہیں بول سکتا۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''شریعت، طریقت، حقیقت میں باہم اصلا کوئی تخالف نہیں۔ اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے اور سمجھ کر کہے تو گمراہ، بددین۔ شریعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں اور طریقت حضور کے افعال۔ اور حقیقت حضور کے احوال۔ اور معرفت حضور کے علوم بے مثال۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ الی مالا یزال۔'' (فتاوی رضویہ مترجم: ج۲۱، ص۴۶۰)

بہار شریعت میں ہے:

''طریقت منافی شریعت نہیں۔ وہ شریعت ہی کا باطنی حصہ ہے۔ بعض جاہل متصوف جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ طریقت اور ہے، شریعت اور، محض گمراہی ہے اور اس زعم باطل کے باعث اپنے آپ کو شریعت سے آزاد سمجھنا صریح کفر والحاد۔ احکام شرعیہ کی پابندی سے کوئی ولی کیسا ہی عظیم ہو، سبک دوش نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر مجذوبیت سے عقل تکلیفی زائل ہوگئی تو اس سے قلم شریعت اٹھ جائے گا، مگر یہ بھی سمجھ لو جو اس قسم کا ہوگا اس کی ایسی باتیں کبھی نہ ہوں گی۔ شریعت کا مقابلہ کبھی نہ کرے گا''۔ ملخصا (حصہ

اول: ولایت کا بیان، ص ۲۶۵، ۲۶۷)

خود طریقت کے ایک عظیم امام حضرت میر سید عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ السامی اپنی کتاب سبع سنابل جو بارگاہ رسالت میں مقبول ہو چکی ہے اس میں پیری کے شرائط اور احکام بیان فرماتے ہیں کہ پیری کی بنیادی تین شرطیں ہیں یعنی اوپر جو چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں وہ انہیں تین شرطوں میں مذکور ہیں۔ فرماتے ہیں:

''پیر کی بنیادی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ پیر صحیح مسلک رکھتا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پیر شریعت کے حقوق کی ادائیگی میں پیچھے رہ جانے والا اور سستی برتنے والا نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقیدے اہل سنت و جماعت کے موافق درست ہوں۔ اب تینوں شرطوں کی مختصر وضاحت کرتا ہوں۔ پہلی شرط کہ پیر کا مسلک صحیح ہو اس کی توضیح یہ ہے کہ سچے مرید کو صحیح سلسلہ تلاش کرنا چاہیے کہ اکثر خلط اور خبط ہو گیا ہے۔ سلسلہ کی صحت پیری کی شرطوں میں سے پہلی شرط ہے۔ پیری کی دوسری شرط یہ ہے کہ پیر عالم و عامل ہو جملہ عبادات کا، فرائض اور واجبات اور سنتوں اور نفلوں اور مستحبات کا۔ اور ان احکام کی پابندی میں کوتاہ اور سست نہ ہو۔ ہر وضو کے لیے مسواک کرے اور داڑھی میں کنگھا کرے کہ یہ دونوں سنتیں ہیں۔ پانچوں نمازیں اذان، اقامت اور جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ تعدیل ارکان کا خیال رکھے۔ اور اسی قسم کی دوسری باتیں نگاہ میں رکھے۔ اور اگر وہ ان عبادتوں کا عالم نہ ہوگا تو ان پر عمل نہ کر سکے گا تو حد شرع سے گر جائے گا۔ لہذا پیر نہیں بن سکتا، اس لیے کہ جو شخص حقیقت کے مقام سے گر جاتا ہے وہ طریقت پر آ کر رک جاتا ہے۔ اور جو طریقت سے گرتا ہے شریعت پر ٹھہر جاتا ہے۔ اور جو شریعت سے گرا، گمراہ ہوا۔ اور گمراہ شخص پیر بننے کے لائق نہیں۔ اور وہ درویش جس کی جانب مخلوق جھکی پڑتی ہو مثلاً اکثر مخلوق اس کی بیعت اور ارادت پر رجوع رکھتی ہے، اس پر تو شریعت کے جزئیات میں بھی احتیاط فرض اور لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ شریعت کے دقائق میں ایک شمہ بھی فوت نہ ہونے دے کہ یہ چیز اس کے مریدوں کی گم راہی کا ذریعہ بنے گی۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسے فعل سے حجت لاتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے پیر نے ایسا کام کیا ہے لہذا وہ گمراہ اور گمراکن ہو جاتے ہیں۔ پیری کی تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقیدے درست ہوں، مذہب اہل سنت و جماعت کے موافق اور وہ متعصب پکا سنی ہو۔ تو مرید جب پیر میں یہ تینوں شرطیں پائے اس کا مرید ہو جائے کہ جائز اور مستحسن ہے۔ اور اگر پیر میں ان تینوں شرطوں

میں سے ایک بھی کم ہوتو اس سے بیعت جائز نہیں۔اگر کسی نے غلطی سے اس سے بیعت کرلی ہے تو اس پر ضروری ہے کہ اس بیعت کو توڑ دے۔''(سبع سنابل مترجم، دوسرا سنبلہ پیری مریدی اوراس کی حقیقت وماہیت کے بیان میں، ص۱۱۰۔۱۱۶،مطبوعہ جمال پریس دہلی)

دیکھیے صاف صاف لکھا ہے کہ جو شخص احکام شریعت یعنی نماز وغیرہ کی پابندی نہیں کرتا وہ پیر نہیں ہوسکتا اور اس سے مرید ہونا بھی جائز نہیں۔لہذا مذکورہ تفصیل کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ سوال میں مذکور شخص نے اگر زندگی میں اپنے مذکورہ کفریہ قول سے توبہ کرلیا تھا اور اس میں پیری کے تمام شرائط پائے جاتے تھے تو اس سے مرید ہونا درست تھا اور اگر توبہ نہیں کیا یا شرائط پیری نہیں پائے جاتے تھے تو اس سے مرید ہونا جائز نہیں اور جو ہو چکے ان پر بیعت توڑ دینا لازم ہے۔یوں ہی قول مذکور سے توبہ نہ کرنے کی صورت میں اس کے لیے ایصال ثواب کرنا، اس کا عرس منانا ہرگز جائز نہیں۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۵؍صفر۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کتاب الطهارة

طہارت کا بیان

حوض کی لمبائی چوڑائی کتنی ہونی چاہیے؟

مسئلہ : ازمحمد فاروق تکیہ دیوان شاہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ مسجد میں حوض بنانے کے لیے حوض کی لمبائی اور چوڑائی کتنی ہونی چاہیے اور گہرائی کتنی ہونی چاہیے اس لمبائی چوڑائی کو اسکوائر فٹ میں بیان فرمائیں۔فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعوان الملک الحنان المنان : وضو کے لیے حوض دہ دردہ ہونا چاہیے ۱۰×۱۰یعنی اس کی کل مساحت ۱۰۰/ہاتھ ہوخواہ دس ہاتھ لمبادس ہاتھ چوڑا ہو یا بیس ہاتھ لمبا پانچ ہاتھ چوڑایا پچیس ہاتھ لمبا چار ہاتھ چوڑااوراگر حوض گولائی میں ہوتواس کی گولائی ساڑھے پینتیس ہاتھ ہواور گہرائی اتنی ہو کہ لپ سے پانی لے تو زمین نہ کھلے اسی کوشرعاً دہ دردہ (بڑا حوض) کہا جاتا ہے، رہا اسکوائر فٹ تو تخمیناً سوا دوسوا سکوائر فٹ ہیں۔

حوض بنانے میں مذکورہ بالا حکم یعنی ۱۰×۱۰پرہی عمل کیا جائے۔**واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

خادم تدریس وافتا رضا دارالیتامیٰ ناگ پور

۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ۔۴/جون ۲۰۰۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرنا جائز ہے۔ ہاں کلی کرنے میں منہ نیچے کرلے تا کہ قبلہ کا سامنا نہ ہو

مسئلہ : از عقیل احمد اشرفی

قبلہ مفتی صاحب! السلام علیکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرنا شرعا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے وضو کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرتے وقت کلی کرنے کا عمل کیا قبلہ کی طرف تھوکنے کے برابر ہے؟

جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرنا جائز ہے بلکہ وضو کے آداب میں سے یہی ہے کہ قبلہ رو ہو کر وضو کیا جائے۔

تنویر الابصار میں ہے:

"ومن آدابه استقبال القبلة"(ج۱، ص۲۴۸، کتاب الطهارة)

(۲) جائز ہے۔ قبلہ کی طرف پیٹھ یا چہرہ کرنے کی ممانعت صرف پاخانہ یا پیشاب کرنے کی حالت میں ہے، عام حالات میں نہیں، ورنہ حرج عظیم لازم آئے گا اور اللہ اپنے بندوں کے لیے آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں۔

ارشاد باری ہے:

"یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ"(پ۲، س بقرہ۲، آیت۱۸۵)

حدیث پاک میں ہے:

"اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها."(ترمذی

ج ۱ ،ص ۸،باب النھی عن استقبال القبلة بغائط او بول)

(۳) قصداً بلا عذر قبلہ کی طرف منہ کر کے کلی کرنا یا تھوکنا ممنوع ہے، خواہ وہ وضو کرتے وقت ہو یا اور کسی وقت، کیوں کہ قبلہ کی طرف قصداً تھوکنا یا کلی کرنا بے ادبی ہے اور عذر کے علاوہ قبلہ کی طرف قصداً تھوکنے یا کلی کرنے میں یہ بے ادبی بہر حال پائی جاتی ہے اور حدیث پاک میں نماز کی حالت میں جو قبلہ کی طرف تھوکنے سے منع کیا گیا ہے وہ حکم نماز ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے، کیوں کہ قبلہ کی تعظیم صرف حالت نماز میں ضروری نہیں بلکہ ہر حال میں ضروری ہے، جیسا کہ بغیر عذر کے قصداً قبلہ کی طرف پیر پھیلانا ہر حال میں منع ہے اس لیے کہ اس میں بھی بے ادبی ہے۔

حدیث میں مذکور ہے:

''ان احدکم اذا قام فی صلوته فانه یناجی ربه وان ربه بینه وبین القبلة فلا یبزقن احدکم قبل قبلته ولکن عن یساره او تحت قدمه.''بخاری ج ۱ ،ص ۵۸،باب حک البزاق بالید من المسجد من کتاب الصلوة)

عمدۃ القاری شرح بخاری میں علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ قبلہ کی تعظیم وتوقیر کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''ھو غیر مقتصر علی حالة الصلوة بل اعم من ذالک علی مالا یخفٰی.'' (ج۳، ص ۳۵۹،**باب فضل استقبال القبلة من کتاب الصلوة)**

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرنے میں کلی کیسے کرے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلی کرے تو منہ کو نیچے کر کے کرے تا کہ قبلہ کا سامنا نہ ہو اور اس طرح کلی کرنا قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکنے کے برابر ہرگز نہیں۔ نیز کراہت اس وقت ہے جب کہ قصداً اس کی طرف منہ کر کے کلی کرے یا تھوکے اور اگر بلا قصد ایسا ہو جائے تو کراہت نہیں جیسے کہ قبلہ کی طرف پیر پھیلا کر سونے یا لیٹنے میں کراہت اس وقت ہے جب کہ قصداً ہو ورنہ معاف ہے۔

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

''کره مدرجلیه فی نوم اوغیره الیها ای عمدا لانه اساءة ادب.'' (ج ۲،

ص۷۲۴،باب مایفسد الصلوۃ، ویکرہ فیھا من کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۷؍جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

فرج داخل میں حشفہ مس کرے تو غسل فرض ہوگا یا نہیں؟

مسئلہ : ازمولانا احمد رضا تاج آباد شریف ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ غسل جنابت اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ حشفہ فرج میں غائب ہو جائے اور اگر کوئی شخص فرج کا منہ کھول کر فرج داخل میں حشفہ مس کرے تو اس صورت میں غسل فرض ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اگر واقعی فرج داخل میں حشفہ اس طرح مس کرنا ممکن ہے کہ صرف حشفہ کا سراہی فرج داخل سے مس ہو غیبوبت حشفہ نہ ہو تو محض مس کی وجہ سے غسل واجب نہ ہوگا کہ وجوب غسل کے لیے غیبوبت حشفہ شرط ہے۔

طحطاوی مع المراقی میں ہے:

”ومنھا تواری الحشفۃ ای یغیب تمام حشفۃ فلو غاب اقل منھا او اقل من قدرھا من المقطوع لا یجب الغسل کما فی القھستانی.“(حاشیہ طحطاوی ص۵۳،فصل مایوجب الاغتسال من کتاب الطھارۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۴؍رجب ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

باب الاذان والاقامة

اذان واقامت کا بیان

موذن ومتشرع شخص کی غیر موجودگی میں امام خود اذان واقامت کہے تو کوئی حرج نہیں

مسئلہ : ازصدر ونائب صدر رضا سنی جامع مسجد کرکھیڑا، ضلع گڑھ چرولی، مہاراشٹر

حضور والا کی بارگاہ میں عرض ہے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

زید ایک مسجد کا امام ہے وہ موذن ومتشرع شخص کی غیر موجودگی میں خود ہی اذان کہتا ہے اور اقامت بھی۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا اس طرح کرنا عندالشرع کیسا ہے۔ حضور والا کی بارگاہ میں گزارش ہے کہ تفصیلا جواب شرعی عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : زید کا اس طرح کرنا شرعاً جائز ودرست ہے۔

درمختار میں ہے:

"الافضل کون الامام ھو الموذن."

اس کے تحت شامی میں ہے:

أی لقول عمر رضی اللہ عنہ : لولا الخَلِّیفٰی لأذنت أی مع الامامة کماقدمناہ وفی السراج أن ابا حنیفة کان یباشر الاذان والاقامة بنفسه."(ج۲،ص۷۱،باب الأذان من

کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۴/ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

فاسق کی اذان واقامت مکروہ ہے۔اس کی اذان کا اعادہ مستحب ہے اقامت کا اعادہ نہیں،بغیر اعادہ اذان کے نماز پڑھ لی تو ہوگئی۔

مسئلہ : ازمعین الدین رضوی پیلی ندی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید جو فاسق ہے اور عرصہ دراز سے جمعہ کی اذان اول وثانی اور اقامت پکارتا ہے۔اور قدیم زمانہ سے اس اذان واقامت پر نماز ہوتی چلی آرہی ہے،تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کی اذان واقامت درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جیسا کہ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۹ میں تحریر ہے کہ خنثی وفاسق اگر چہ عالم ہی ہو اور نشہ والے اور پاگل اور ناسمجھ بچے اور جنب کی اذان مکروہ ہے ان سب کی اذان کا اعادہ کیا جائے ،تو اس اذان واقامت پر پڑھی گئی نماز کیا کیا حکم ہوگا؟ تفصیل اور مدلل نیز اطمینان بخش جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : فاسق کی اذان مکروہ ہے،جیسا کہ سائل نے خود ہی بحوالہ بہار شریعت نقل کیا ہے۔ البتہ اس کی اذان کا دوبارہ کہنا مستحب ہے،واجب اور ضروری نہیں۔لہذا اگر فاسق نے اذان دی اور کسی عادل یا مستور الحال شخص کے دوبارہ اذان کہے بغیر نماز پڑھ لی گئی تو اذان ونماز دونوں ہوگئیں۔اس لیے کہ جس طرح فاسق کی اذان مکروہ ہے اسی طرح جنب یعنی ناپاک شخص کی اذان بھی مکروہ ہے،جیسا کہ

سوال میں مذکور ہے۔اور بحر الرائق میں مجتبیٰ اور ظہیریہ کے حوالے سے لکھا کہ جنب یعنی ناپاک شخص کی اذان کا اعادہ مستحب ہے۔اس کے بعد لکھا کہ اگر ناپاک شخص کی اذان دوبارہ نہ دی گئی اور نماز پڑھ لی گئی تو اذان ونماز دونوں ہوگئیں۔

اقامت اذان ہی کی طرح ہے۔البتہ چند باتوں میں دونوں کے درمیان فرق ہے۔ان میں سے ایک فرق یہ ہے کہ اذان کی تکرار مشروع ہے لہذا اس کا اعادہ بھی ہے۔اور اقامت کی تکرار مشروع نہیں لہذا اس کا اعادہ بھی نہیں۔اسی لیے درمختار وغیرہ نے صراحت کیا کہ جنب کی اقامت کا اعادہ نہیں۔اور اوپر یہ گزرا کہ جنب اور فاسق دونوں کی اذان کے اعادہ کے بارے میں ایک ہی حکم ہے تو ان کی اقامت کا بھی ایک ہی حکم ہوگا کہ جس طرح جنب کی اقامت کا اعادہ نہیں یوں ہی فاسق کی اقامت کا بھی اعادہ نہیں۔حاصل یہ کہ مذکورہ زید بے قید کی اذان واقامت پر پڑھی گئی نمازیں ہوگئیں ان کا دوبارہ پڑھنا لازم نہیں۔البتہ زید اگر اذان واقامت کا شوق رکھتا ہے اور اس سے ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے فسق وفجور سے توبہ کر کے خود کو اذان واقامت کا اہل بنائے ورنہ اس سے علاحدہ ہوجائے کہ اس کی وجہ سے لوگ فتنہ وفساد میں مبتلا ہوں گے۔

کنز دقائق اور اس کی شرح بحر الرائق میں ہے:

"کره أذان الجنب واقامته وأذان الفاسق اه ملخصا. اماالفاسق فلأن قوله لايوثق به ولايقبل فى الأمور الدينية ويعاد أذان الجنب لااقامته لأن تكراره مشروع كما فى أذان الجمعة ، بخلاف تكرار الاقامة اذهو غير مشروع والاعادة لأذان الجنب مستحبة لاواجبة لأنه قال : وان لم يعد أجزاه الأذان والصلوة. وصرح بكراهة أذان الفاسق ولايعاد فالاعادة فيه ليقع على وجه السنة." اه ملخصا(ج ١ ،ص ٥٢٢ ،٥٢٣ ،باب الأذان من كتاب الصلوة)

خلاصہ میں ہے:

"يكره الأذان مع الجنابة ولايكره مع الحدث فى رواية والاقامة يكره معها ويعاد أذان الجنب ولايعاد اقامته لأن تكرار الاقامة ليس بمشروع وقال وان لم يعد الأذان جاز لأنه ان لم يؤذن جازت صلوته لأن قوله جاز المراد منه الصلوة." اه

ملخصا (ج ۱، ص ۴۸، ۴۹، الفصل الاول فی الأذان من کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

تثویب کیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد جاوید سکریٹری نواب پورہ مسجد ناگ پور

حضور مفتی صاحب قبلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

(۱) صلوۃ مسجد کے اندر پکار سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اذان کے بعد صلوۃ کیوں پکاری جاتی ہے، نماز کے لیے کہ درود کے لیے کہ سنی مسجد ہے بتانے کے لیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : تثویب جس کو ہمارے علاقے میں صلوۃ سے تعبیر کرتے ہیں جس کو علماء متاخرین نے مستحسن فرمایا جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

"التثویب حسن عند المتاخرین فی الصلوۃ الا المغرب."

جس کے معنی یہ ہیں کہ اذان کے بعد اقامت سے پہلے دوبارہ نماز کے لیے اعلان کیا جائے تاکہ جو لوگ اذان سن کر نماز کے لیے نہیں آئے انہیں یاد دہانی ہو جائے کہ اب آجائیں۔

ردالمحتار میں ہے:

"التثویب العود الی اعلام بعد الاعلام."

تثویب (صلوۃ) سے مقصود اعلام ہی ہے لیکن اس کا حکم اذان کا نہیں ہے کہ وہ مسجد کے باہر ہی ہو آج کل چونکہ صلوۃ میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا ہے اس لیے صلوۃ مسجد کے اندر سے پکار لیں تو حرج

نہیں مگر شرط یہ ہے کہ مسجد کے اندر لوگ اگر نماز پڑھ رہے ہوں تو ان کی نماز میں خلل نہ ہو ورنہ پھر باہر سے پکاریں یوں ہی جب بغیر مائک کے ہو تو باہر سے صلوۃ پکاریں تا کہ مقصود حاصل ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ ناگ پور

۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ۔۱۰ فروری ۲۰۱۴ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مائک پر اقامت کہنا جائز ہے یا نہیں

مسئلہ : از محمد صابر، محمد حنیف، شارق پرویز، چھوٹے صاحب ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مائک پر اقامت جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اقامت اذان ہی کی طرح ہے کہ دونوں سے نماز کے بارے میں خبر اور اطلاع دینا مقصود ہے، البتہ دونوں کے درمیان اتنا فرق ضرور ہے کہ اذان مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہونے کی اطلاع و اعلان ہے، جب کہ اقامت خاص نماز کے شروع ہونے کا اعلان ہے، بہر حال ان دونوں سے مقصود اعلان نماز ہے اور اعلان کی آواز کا دور تک پہنچنے ہی میں اس کے مقصد وغرض کی تکمیل ہے یہی وجہ ہے کہ جب مائک کی طرح کوئی آلہ مکبر الصوت ظاہر نہیں ہوا تھا تو اس زمانے میں مسجدوں میں اذان خانے کو گنبد نما مینار بنا کر اس میں اذان دی جاتی تھی تا کہ آواز گونج کر دور تک پہنچے اور لوگ نماز کے وقت سے آگاہ ہوں، بلکہ کتب فقہ میں ایک ساتھ کئی موذنوں کی اذان کا ذکر ملتا ہے جس کا مقصد یہی تھا کہ آواز بلند ہو کر دور تک پہنچے اور لوگ نماز کے لیے حاضر ہوں۔

حاصل یہ کہ اذان کی آواز بلند کر کے دور تک پہنچانے کی مختلف ترکیبیں عمل میں آئیں اور جب مائک وجود میں آیا تو اس کار خیر کی دعوت و اطلاع کے لیے اس کا استعمال ہوا اور مذکورہ تمام ترکیبوں کو فقہائے کرام نے نہ صرف جاری رکھا بلکہ اسے پسند بھی فرمایا اور مائک کے ظاہر ہونے کے بعد اس کو بھی علمائے کرام نے اس مقصد خیر کے لیے حسب ضرورت استعمال بھی کیا اور پسند بھی فرمایا کہ اس سے

شریعت مطہرہ کے مقصود مذکور کی تکمیل بدرجہ اتم ہورہی ہے اور اس سلسلے میں مائک کا استعمال قرآن وحدیث کے اصول کے مخالف ومزاحم بھی نہیں ہے اور فقہ کا یہ قانون ہے کہ **"الاصل فی الاشیاء الاباحة"** کہ اصل اشیا میں حلال ومباح ہونا ہے اور علامہ شامی نے حاشیہ درمختار میں یہ حدیث نقل فرمائی:

مَارآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن"(ج۳،ص ۱۴۴،مطلب فی دفن المیت من باب صلوة الجنازة من کتاب الصلوة)

کہ جو چیز قرآن وحدیث کے مخالف نہ ہو اور مسلمان اسے پسند کریں تو وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی محبوب اور اچھی ہے۔ لہذا جس طرح اطلاع عام کے لیے اذان میں مائک کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں یوں ہی اگر جماعت کثیر ہو کہ اقامت کہنے والے کی آواز تمام مصلیوں تک نہ پہنچتی ہو تو نماز کے شروع ہونے کی اطلاع دینے کے لیے مائک سے اقامت کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۹/جمادی الآخرہ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

ضالین کو دالین پڑھنا لحن جلی ہے

مسئله : ازظہیر الدین غازی پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ

آج کل کچھ امام لوگ نماز میں قرأت کرنے کے وقت سورہ فاتحہ میں ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پڑھتے ہیں کیا اس طرح پڑھنا صحیح ہے یا غلط، لحن جلی ہے یا لحن خفی؟

بسم الله الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب : سائل نے ض، اور دال کے متعلق سوال کیا اولا تو یہ

سمجھ لیں کہ جماعت قرا خود اس بات کی قائل ہے کہ ض کی ادائیگی بہت کٹھن امر ہے پھر بھی اگر کوئی ضاد کو دال پڑھتا ہے تو یہ غلط اور لحن جلی ہے، فوائد مکیہ میں ہے کہ ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلنا لحن جلی ہے اور ایسے ہی مصباح التجوید میں ہے کہ ولا الضالین کو ولا الدالین پڑھنا لحن جلی ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۵ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ۔ ۲۳ر دسمبر ۲۰۰۹ء

الجواب صحیح

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

بغیر داڑھی یا کتری ہوئی داڑھی والے کی اذان واقامت کا حکم

مسئلہ : از سید نیاز علی رضوی ناگ پور

مفتیان کرام وعلمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں

کیا بغیر داڑھی والا اذان واقامت پڑھ سکتا ہے؟ کتری داڑھی والا جو شرعی طور پر داڑھی نہیں رکھتا ہے جو بار بار داڑھی ترشوائے تو کیا وہ بھی اذان واقامت پڑھ سکتا ہے؟ اگر مسجد میں اذان واقامت کے وقت امام موجود ہے تو کیا ایسی صورت میں بغیر داڑھی والے کو امام اجازت دے کر یا دیکھ کر اذان واقامت پڑھوائے تو کیا اس صورت میں نماز ہو جائے گی۔

اگر کوئی داڑھی والا (جو شرعی طور پر) موجود نہیں ہے تو ایسی صورت میں امام خود اذان واقامت پڑھے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : داڑھی منڈانا یا حد شرع (ایک مشت) سے کم کرنا حرام ہے اور داڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور فاسق کی اذان مکروہ، مگر دے تو اذان ہو جائے گی اور ایسی اذان کا اعادہ (لوٹانا) مستحب جیسا کہ درمختار ج ۲ ص ۶۰ میں فرمایا:

"یکرہ اذان فاسق ولو عالما"

شامی میں اسی کے تحت فرمایا:

"یعاد اذان الکل ندبا علی الاصح"

فتاوی رضویہ ج ۲،ص ۳۸۸ میں فرمایا ’’فاسق کی اذان اگر چہ اقامت شعار کا کام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اس سے حاصل نہیں ہوتا نہ فاسق کی اذان پر وقت روزہ ونماز میں اعتماد جائز لہذا مندوب ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہوتو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے۔
اور اذان و اقامت عاقل صالح متقی پرہیز گار سے پڑھوانا بہتر ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے:

’’وینبغی ان یکون الموذن رجلا صالحا تقیاً عالما بالسنة کذا فی النهایة‘‘

اور بہتر ہے کہ امام کے علاوہ کوئی متشرع شخص نظر نہ آتا ہوتو امام خود اذان و اقامت کہے۔ رہا نماز ہونے کے متعلق تو اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس اذان پر کوئی متشرع نماز پڑھا رہا ہوتو نماز ہو جائے گی لیکن اگر وہی فاسق پڑھا رہا ہوتو نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوگی۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم و احكم.**

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفر له
خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامیٰ ناگ پور
۱۳؍ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ سہ شنبہ

کتاب الصلوۃ

نماز کا بیان

فجر کی سنت قبل اذان پڑھ لی تو ہوگئی

مسئلہ : ازمولانا محمد وسیم احمد نوری جعفر نگر ناگ پور استاذ جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

فجر کی سنتیں وقت فجر داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے پڑھ لینے سے ادا ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ یا ان کا اذان کے بعد دوبارہ پڑھنا ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سنتیں اذان ہونے کے بعد ہی پڑھنی چاہیے لیکن اگر کسی نے وقت کے داخل ہونے کے بعد اذان ہونے سے پہلے ہی فجر یا ظہر وغیرہ کی سنتیں پڑھ لیں تو وہ ادا ہوگئیں۔ اذان ہونے کے بعد دوبارہ ان کا پڑھنا ضروری نہیں کیوں کہ اذان فرائض کے لیے ہے سنن ونوافل اور واجبات وجنازہ وغیرہ کے لیے نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں قاضی خاں، کافی اور محیط سے ہے:

"الاذان سنة لاداء المكتوب بالجماعة كذافي فتاوى قاضيخاں ، وقيل أنه واجب والصحيح أنه سنة مؤكدة كذا في الكافي وليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتراويح والعيدين أذان ولا اقامة . كذا في المحيط . اه ملخصا (ج ١ ،ص ٥٣ ،الباب الثاني في الاذان من كتاب الصلوة)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

"لایسن لغیرھا کعید."

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

"ای وتر و جنازۃ و کسوف واستسقاء وتراویح وسنن رواتب لأنھا اتباع الفرائض." (ج ۲، ص ۵۰، باب الاذان من کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۹؍ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

حالت نماز میں ٹخنے کا چھپا ہونا، آستین یا پینٹ کو موڑنا، حالت قیام میں پیروں کو خوب پھیلا کر رکھنا، ننگے سر اور شرٹ اِن کر کے نماز پڑھنا، صف کے درمیان بدمذہب کا کھڑا ہو جانا کیسا ہے؟

مسئلہ : از شبیر بھائی پاپلر والے نز د نگینہ مسجد بس اسٹینڈ کے پاس وردھا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) حالت نماز میں پاجامہ، پینٹ یا لنگی وغیرہ سے ٹخنے کا چھپا ہونا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص ٹخنے کو چھپنے سے بچانے کے لیے پاجامہ یا پینٹ کو نیچے سے یا اوپر سے اندر یا باہر کو موڑ کر نماز پڑھے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(۲) قیام کی حالت میں دونوں قدموں کے درمیان کتنی کشادگی ہونی چاہیے آج کل کچھ لوگ پیروں کو خوب پھیلا کر کھڑے ہوتے ہیں تو اس طرح کرنا قرآن وحدیث کی رو سے کیسا ہے؟

(۳) آستین چڑھا کر اور سینے کا بٹن کھول کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۴) ننگے سر اور شرٹ اِن کر کے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۵) صف کے درمیان کوئی بدمذہب مثلاً وہابی، دیوبندی کھڑا ہو جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر

نہیں ہوگی تو ان لوگون کو اپنی مسجدوں یا صفوں سے نکالنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : (ا)عام حالات کی طرح حالت نماز میں بھی پاجامہ، پینٹ، یا لنگی وغیرہ سے ٹخنے کو چھپانا مکروہ ہے البتہ یہ چھپانا غرور وتکبر کی وجہ سے ہوتو مکروہ تحریمی ہے ورنہ تنزیہی ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"اسبال الرجل ازاره اسفل من الكعبين ان لم يكن للخيلاء ففيه كراهة تنزيه كذافي الغرائب."(ج۵،ص ۳۳۳،الباب التاسع فی اللبس من كتاب الكراهية)

بخاری شریف میں ہے:

"قال من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة فقال ابوبكر الصديق يارسول الله ان احد شقى ازارى يسترخى الا ان اتعاهد ذالک منه.فقال النبی صلی الله علیه وسلم لست ممن يصنعه خيلاء."(ج ۲،ص ۸۶۰،باب من جر ازاره من غير خيلاء من كتاب اللباس)

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرے تہبند کا ایک حصہ نیچے لٹکتا رہتا ہے،مگر یہ کہ میں اسے لٹکنے سے بچاؤں،تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان میں سے نہیں ہو جو غرور وتکبر کے طور پر ایسا کرتے ہیں۔

یعنی تمہارا یہ فعل تکبر کی وجہ سے نہیں ہے۔اور مذکورہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے، جو تکبراً ایسا کرتے ہیں۔لہذا معلوم ہوا، کہ ٹخنے کا چھپانا اگر تکبر کی وجہ سے ہوتو مکروہ تحریمی ہے ورنہ تنزیہی۔جس کا حاصل یہ ہے کہ کراہت تحریمی کی وجہ محض ٹخنے کا چھپنا یا چھپانا نہیں بلکہ اس کی وجہ تکبر ہے۔لہذا جس صورت میں تکبر ہوگا،اس صورت میں ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہوگا اور اس حال میں پڑھی ہوئی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔اور جہاں تکبر نہ ہوگا، وہاں کراہت تنزیہی ہوگی،جس سے بچنا بہتر ہے۔اور اسی حال میں پڑھ لیا تو نماز مکروہ تنزیہی ہوگی،جس کا دوبارہ پڑھنا واجب نہ ہوگا۔

رہا پینٹ وغیرہ کے موڑنے کا مسئلہ تو یہ مذکورہ تمام صورتوں میں مکروہ تحریمی اور گناہ ہے چاہے اوپر

سے موڑے یا نیچے سے، اندر کو موڑے یا باہر کو کہ یہ کف ثوب یعنی کپڑا موڑنا ہے اور کف ثوب بحکم حدیث پاک مذکورہ تمام صورتوں میں مکروہ تحریمی ہے۔ اور اس حالت میں پڑھی ہوئی نماز مکروہ تحریمی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

"عن النبی صلی الله علیه وسلم قال امرت ان أسجد علی سبعة أعظم ولا اکف ثوبا ولا شعرا." (ج ا، ص ۱۹۳، باب اعضاء السجود والنهی عن کف الشعر والثوب من کتاب الصلوة)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں اور کپڑا اور بال نہ موڑوں۔

لہذا مناسب یہ ہے کہ کپڑے ایسے ہوں جن سے ٹخنے نہ چھپیں اور اگر بے احتیاطی میں اتنے لمبے ہو گئے ہوں کہ ٹخنا چھپ جاتا ہے تو اسے موڑیں نہیں بلکہ بلا نیت تکبر اسے اسی حال میں چھوڑ کر نماز پڑھیں، ورنہ موڑنے کی صورت میں نماز بہر حال مکروہ تحریمی ہوگی۔

آج کل اہل حدیث اور غیر مقلدوں نے اپنی الگ پہچان بنانے کے لیے نماز وغیرہ عبادات کو مذاق بنا کے رکھ دیا ہے۔ جہاں نماز کے لیے کھڑے ہوئے وہیں قرآن وحدیث کے خلاف کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں مسلم شریف کی مذکورہ حدیث سے سبق لینا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ اگر ان کے گمان کے مطابق ٹخنے کا چھپانا مطلقا حرام ہے تو چوں کہ نماز کے باہر عموماً ان کے ٹخنے بھی چھپے ہوتے ہیں لہذا وہ ٹخنے کو چھپا کر نماز کے باہر حرام کاری کرتے رہے اور جب نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو کپڑے کو موڑ کر مذکورہ حدیث مسلم کے خلاف کر کے نماز میں بھی حرام کاری کرتے رہے۔ گویا یہ لوگ نماز کے اندر باہر ہر حال میں شرع کے خلاف ہی کرتے رہے۔ معاذ اللہ۔ حالاں کہ قرآن نے نماز کے بارے میں یہ فرمایا:

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡهٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ." (عنکبوت ۲۹/۴۵)

بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بری بات سے۔

اور حالت نماز میں کپڑے مڑا رکھنا بحکم حدیث مذکور یقیناً بری بات ہے۔

اور ایک حدیث شریف میں یوں فرمایا:

"من لم تنهه صلوته عن الفحشاء والمنكر لم يزدد من الله الا بعدا."(رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنهما ج ۱۱ ص ۴۶،حدیث ۱۱۰۲۵،دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)

اوران لوگوں کی نماز انہیں اس مذکورہ برائی سے نہیں روکتی ہے تو یقیناً ان کے لیے اللہ سے دوری ہی ہوگی۔اللہ انہیں ہدایت دے اوران کو شیطان کی تقلید سے بچائے۔آج کل ہمارے کچھ سنی نوجوان بھی لاعلمی کی وجہ سے فیشن کے طور پر انہیں لوگوں کا غلط طریقہ اپنانے لگے ہیں۔ان پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں سے اوران کے کردار وعمل سے دور رہیں۔اور مسائل شرعیہ کی جان کاری کے لیے علمائے اہل سنت سے رابطہ قائم رکھیں۔**والله تعالیٰ اعلم**

(۲) حالت قیام میں دونوں قدموں کے درمیان چار انگل کشادگی ہونی چاہیے کہ یہی طریقہ خشوع وخضوع سے قریب تر ہے۔اوراسی میں ادب اور تواضع وانکساری ہے۔اورشان بندگی بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے معبود کی عبادت کرنے کے لیے کھڑا ہو تو ہر لحاظ سے وہ اپنی پستی اور عاجزی وانکساری ظاہر کرے۔ہمارے دیار میں جو لوگ حالت قیام میں بیلوں کی طرح قدموں کو خوب پھیلا دیتے ہیں وہ بے ادبی اور بدتمیزی کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی خلاف کرتے ہیں۔جیسا کہ عن قریب آرہا ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"ینبغی ان یکون بینهما مقدار اربع اصابع الید لانه اقرب الی الخشوع هکذا روی عن ابی نصر الدبوسی انه کان یفعله کذا فی الکبری وماروی انهم الصقوا الکعاب بالکعاب ارید به الجماعة ای قام کل واحد بجانب الآخر. کذا فی فتاوی سمرقند."(ج۲،ص ۱۳۱،باب فی صفة الصلوة من کتاب الصلوة)

اس سلسلے میں کچھ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ چوں کہ حدیث پاک میں ٹخنوں کو ٹخنے سے ملانے کا حکم دیا گیا ہے لہذا ایک کا ٹخنا دوسرے کے ٹخنے سے اس وقت ملے گا جب کہ پیروں کو خوب پھیلا دیا جائے حالاں کہ حدیث پاک میں جہاں پر ٹخنے کو ٹخنے سے ملانے کا حکم ہے وہیں پر کندھے کو کندھے سے

ملانے کا بھی حکم ہے اور ہر تھوڑی سی عقل رکھنے والا انسان بھی یہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ قدموں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنے کی صورت میں حدیث پاک میں مذکور کندھے اور ٹخنے ملانے کے دونوں حکم پر عمل ہوتا ہے جب کہ قدموں کو خوب پھیلا کر کھڑے ہونے میں صرف ایک دوسرے کے ٹخنے ملتے ہیں کندھے نہیں ملتے ہیں لہذا قدموں کو خوب پھیلا کر کھڑے ہونا حدیث کے خلاف ہونے کے ساتھ عقل و درایت اور مقتضائے ادب واحترام کے بھی خلاف ہے۔

اس حدیث کے مخالف مذکورہ طریقہ پر عمل کرنے والے عموما اہل حدیث، غیر مقلدین ہوتے ہیں۔اور یہ غیر مقلدین اہل حدیث اپنی زبان سے خود کو حدیث سمجھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا کہتے ہیں، حالاں کہ بہت ساری حدیثوں کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی بات تو بہت دور کی ہے انہیں یہی ایک ٹخنے سے ٹخنا ملانے والی حدیث کا معنی ومطلب ہی معلوم نہیں تو عمل کیسے ہوگا کہ عمل کرنا جاننے کے بعد ہوتا ہے۔جب اس حدیث کا معنی ہی نہیں جانتے تو عمل کیسے کریں گے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس بارے میں ایک باب ہی قائم فرمایا ہے:

"باب الزاق المنک بالمنکب و القدم بالقدم فی الصف."

یعنی صف میں کندھے کو کندھے اور قدم کو قدم سے ملانے کا بیان۔پھر اسی باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد انہی کا یہ مشاہداتی قول بھی نقل فرمایا ہے:

"کان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه."(بخاری ج ۱،ص ۱۰۰،باب مذکور ،کتاب الصلوۃ)

یعنی ہم میں کا ہر ایک شخص اپنے ساتھ والے کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملاتا تھا۔

اس حدیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ صرف ٹخنے کو ٹخنے سے یا قدم کو قدم سے ملاؤ اور کندھوں کو دور رکھو، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فرمان ذی شان سے ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کرام کا طریقہ یہی تھا کہ وہ قدموں کے ساتھ ساتھ کندھوں کو بھی ملا کر کھڑے ہوتے تھے،اسی لیے تمام مفسرین وشارحین حدیث نے اس کا واضح مطلب یہی لکھا کہ اس باب میں مذکور احادیث سے مراد صفوں کو سیدھا کرنا ،خوب مل کر کھڑا ہونا اور صف کے درمیان جو خلل ہو اسے پر کرنا ہے۔اور ظاہر ہے کہ قدم کو خوب پھیلا کر کھڑا ہونے سے ٹخنا اور قدم سے قدم ضرور مل جائے گا مگر کندھا ہرگز نہیں ملے گا،جس کی وجہ سے حدیث پاک کے مقصد کی

مخالفت یقیناً ہوگی۔لہذا اقدموں کے مابین چار انگل کشادگی رکھنے کا جو طریقہ اہل سنت و جماعت کے درمیان رائج ہے اسی کو اختیار کریں کہ یہی طریقہ،طریقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ خلفائے راشدین وجمیع صحابہ ہے۔اور الصقوا الکعاب بالکعاب کی یہی وضاحت علامہ شامی نے بھی کی ہے جیسا کہ گزرا۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) آستین اگر آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی ہے تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔سینے کا بٹن کھلا رہے اور اس کے نیچے کوئی ایسا کپڑا نہیں جو سینے کو چھپائے یعنی سینے کے بٹن کے ساتھ ساتھ سینہ بھی کھلا ہو تو اس صورت میں بھی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔اور اگر نیچے کوئی ایسا کپڑا ہے جو سینے کو چھپائے ہوئے ہے تو ایسی صورت میں نماز ہو جائے گی،مگر مکروہ تنزیہی۔لہذا اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ بٹن لگا کر نماز پڑھے۔خصوصا اس زمانے میں قانون شرع کے خلاف یہ ناپسند طریقہ چوں کہ غیر مقلدین اہل حدیث نے اختیار کرلیا ہے لہذا اس صورت حال میں تو بہر حال اس سے بچنا ہی چاہیے۔

درمختار وتنویر الابصار میں ہے:

"کره سدل ثوبه و کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل."اه ملخصا (فوق ردالمحتار ج۲،ص ۴۰۴.۴۰۶،باب مایفسد الصلوة من کتاب الصلوة)

طحطاوی ومراقی میں ہے:

"کره تشمیر کمیه عنهما ای عن ذراعیه سواء کان الی المرفقین او لا علی الظاهر کما فی البحر لصدق کف الثوب علی الکل . اه ملخصا(طحطاوی ص ۱۹۱،۱۹۲،فصل فی المکروهات من کتاب الصلوة)

شامی میں ہے:

"قال فی الخزائن : بل ذکر ابوجعفر انه لوادخل یدیه فی کمیه ولم یشد وسطه او لم یزر ازراره فهو مسیئ لانه یشبه السدل . اه لکن فی الحلیة فیه نظر ظاهر بعد ان یکون تحته قمیص او نحوه مما یستر البدن بل اختلف فی کراهة شد وسطه اذا کان علیه قمیص ونحوه ففی العتابیة انه یکره . اه ملخصا (ج۲،ص۴۰۵،۴۰۶،باب ما

یفسد الصلوۃ من کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) شرٹ اِن کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لہذا اس سے بھی بچنا چاہیے، ننگے سر نماز پڑھنا اگر کاہلی اور سستی کی وجہ سے ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر خشوع وخضوع کے لیے اس طرح پڑھتا ہے تو یہ مستحب ہے۔ اور اگر ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز کی تحقیر مقصود ہو مثلا اس کے نزدیک نماز کوئی ایسی قابل اہمیت چیز نہ ہو جس کے لیے ٹوپی یا عمامہ پہنا جائے تو یہ کفر ہے۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"کرہ صلوتہ حاسرا ای کاشفا رأسہ للتکاسل ولاباس بہ للتذلل وأما للاھانۃ بھا فکفر .اہ ملخصا(علی ھامش رد المحتار ج ۲، ص ۴۰۷،۴۰۸، باب مایفسد الصلوۃ من کتاب الصلوۃ)

یہ تو اصل حکم کی تفصیل ہے، مگر فی زمانہ غیر مقلدین واہل حدیث اس پر بہت زیادہ زور دے کر عمل کرتے ہیں۔ اور جس حالت میں رہتے ہیں اسی حالت میں روزمرہ کے دیگر معمولات کی طرح بڑے بے باکانہ انداز میں نماز پڑھنا بھی شروع کر دیتے ہیں، بے ڈھنگے انداز میں آستین چڑھی ہوتی ہے ،کھیت میں کام کرتے ہوئے گنواروں کی طرح پنڈلیوں تک پینٹ مڑے ہوئے ہیں،گھوڑوں اور جانوروں کی طرح پیر خوب پھیلے ہوئے ہیں، سینے کے کھلے ہوئے بٹن بدتہذیبی اور بے ادبی کا نقشہ پیش کر رہے ہیں، ننگے سر سے غرور وتکبر اور لاپرواہی وبے اعتنائی ظاہر ہو رہی ہے۔ الغرض ان کے طرز وانداز سے اس اہم اور عظیم الشان عبادت کی شان وعظمت اور اس کے ادب واحترام کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا گویا ان کے نزدیک نماز کوئی قابل اعتنا وتوجہ اور لائق ادب واحترام چیز ہے ہی نہیں بلکہ رات دن میں کیے جانے والے دوسرے کاموں کی طرح یہ بھی ایک معمولی کام ہے، لہذا حسب معمول وعادت اسے بھی جیسے تیسے کر لیا جائے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

حاصل کلام یہ ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنے سے بچنا ہی بہتر ہے، خصوصا جہاں پر ننگے سر نماز پڑھنے میں نمازی کے بارے میں غیر مقلد یا اہل حدیث ہونے کا شبہ ہو تو وہاں پر اس سے بچنا ہی چاہیے کہ خشوع وخضوع ایک امر مستحب ہے اور استحباب کے حصول کے لیے غیر مقلد کی صورت اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں کہ بلاوجہ لوگوں کو بدگمانی ہوگی اور یہ متہم ہوگا۔

اور حدیث پاک میں فرمایا:

"من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التھم." (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۹۳، باب ادراک الفریضۃ من کتاب الصلوۃ مطبوعہ دار الایمان، بیروت، لبنان)

کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت کے مقامات سے بھی بچے۔

لہذا ٹوپی اور عمامہ کے ساتھ خشوع وخضوع پیدا کریں اور ننگے سر نماز پڑھنے سے بچیں۔ اصل حکم تو وہی تفصیل مذکور ہے جو بحوالہ درمختار گزرا اور وہی حکم حکم منصوص جس سے بلا وجہ عدول نامقبول۔ اور بنظر حال زمانہ عدول کی وجہ وجیہ موجود لہذا اس پر عمل کرنا عند الشرع محبوب ومحمود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) صف کے درمیان بدمذہب کے کھڑے ہونے کی وجہ سے یقیناً قطع صف ہوگا اور یہ بہت بڑا گناہ ہے اور ان کے شامل ہونے کی وجہ سے نماز میں خرابی بھی پیدا ہوگی، البتہ بحالت مجبوری نماز ہوجائے گی۔

حدیث پاک میں فرمایا:

"من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطعہ قطعہ اللہ رواہ ابوداؤد (مشکوۃ ص ۹۹، باب تسویۃ الصف من کتاب الصلوۃ)

یعنی جس نے صف کو ملایا اسے اللہ ملائے گا اور جس نے اسے کاٹا اس کو اللہ کاٹ دے گا۔

لہذا جو لوگ ان بدمذہبوں کو اپنی مسجدوں سے نکالنے کی طاقت وقدرت رکھتے ہیں ان پر لازم ہے کہ ان کو اپنی مسجدوں سے نکالیں بلکہ ان کو اپنی مسجدوں میں آنے ہی نہ دیں۔ طاقت وقدرت رکھنے کے باوجود اس میں کوتاہی کرنے والے سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے۔

مسلم شریف میں ہے:

"من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان." (ج ۱، ص ۵۱، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان من کتاب الایمان)

یعنی تم میں سے اگر کوئی شخص کوئی بری چیز دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا، تو زبان سے اس کو بدل دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا تو دل سے اسے برا جانے اور یہ سب سے کم زور ایمان ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۵؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد امجدی رضوی غفرلہ

حالت نماز میں موبائل کی گھنٹی بجے تو کیا کرے؟

مسئلہ : از غلام مصطفیٰ انصاری کندن لال، پھوکٹ نگر، ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ کے تعلق سے کہ

کسی شخص کا موبائل نماز کے دوران بج اٹھا اور اس شخص نے نماز کے دوران ہی موبائل بند کر دیا تو اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا اس شخص کو نماز دہرانا لازم ہے۔ برائے کرم شریعت کی روشنی یں جواب عطا فرمائیں، نواز ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : نماز شروع کرنے سے پہلے ہی موبائل کو سوئچ آف یا سائلنٹ کر لینا چاہیے۔ وائبریشن بھی نہیں کرنا چاہیے کہ اس کی تھرتھراہٹ کی وجہ سے بھی نماز میں خلل ہوتا ہے۔ بہر حال اگر غلطی سے کسی نے سوئچ آف نہ کیا اور نہ ہی سائلنٹ کیا اور حالت نماز میں موبائل کی گھنٹی بجی تو اگر اس میں زیادہ آواز نہ ہو تو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دے اور اگر آواز زیادہ ہے کہ خود اس کو اور لوگوں کو اس کی وجہ سے خلل ہو تو دھیرے سے جیب ہی میں اوپر سے بند کر دے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی لہذا پھر سے پڑھنا لازم نہ ہوگا۔ البتہ اگر ایک ہی رکن مثلا قیام میں اسی طرح تین مرتبہ علاحدہ طور پر کیا یا ایک ہی بار اس طرح کیا کہ جب گھنٹی بجنا شروع ہوئی تو خوب آرام سے موبائل کو جیب سے نکالا پھر اسکرین پر نام یا نمبر وغیرہ

دیکھا پھر کٹ کر کے جیب میں رکھا تو چوں کہ یہ عمل کثیر ہے لہذا اس سے نماز فاسد ہوگی اور پھر سے پڑھنا لازم ہوگا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"اذا حک ثلثا فی رکن واحد تفسد صلوته هذا اذا رفع یده فی کل مرة اما اذا لم یرفع فی کل مرة فلا تفسد ولوکان الحک مرة واحدة یکره کذا فی الخلاصة .(ج ا، ص ۱۰۴،الباب السابع فیما یفسد الصلوة من کتاب الصلوة)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"ویفسدها کل عمل کثیر لیس من اعمالها ولا لاصلاحها." (ج ۲، ص ۳۸۴،۳۸۵،باب ما یفسد الصلوة من کتاب الصلوة)والله تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۵؍رجب ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

امام کے ساتھ بلندی پر چھ سات صفیں ہوں تو نیچے لگنے والی صفوں کے نمازیوں کی نماز درست ہے۔

مسئلہ : از کمیٹی مکہ جامع مسجد آزاد نگر نئی بستی ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مکہ جامع مسجد آزاد نگر نئی بستی ٹیکہ ناگ پور میں مغرب کی جانب مسجد کا ایک مکان ہے، اراکین کمیٹی کا خیال ہے کہ مکان توڑ کر مسجد کی توسیع کی جائے۔ چوں کہ اس جگہ گٹر لائن زمین کی سطح سے تقریباً دو سے تین فٹ ہی نیچے ہے اور پانی کی سطح بہت ہی اوپر ہے جس کی وجہ سے تہہ خانہ نہیں بنایا جاسکتا اس لیے مکان کی زمین سے تقریباً آٹھ فٹ اوپر سلیب ڈال کر مسجد کی توسیع کی جائے اور زمینی حصہ وضوخانہ، برتن وسامان وغیرہ رکھنے کے لیے استعمال کیا جائے، مصلی نئی مسجد کی چھت پر قائم کیا جائے، نئی تعمیر شدہ مسجد میں امام کے پیچھے کم از کم

چھ سات صف ہوگی اور نیچے کی پرانی مسجد،نئی مسجد سے سات آٹھ فٹ نیچے ہوگی تو کیا نیچے کے مصلیوں کی نماز درست ہوگی۔شرع کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں نیچے کے مصلیوں کی نماز درست ہوگی۔فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ویکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان وکذا القلب فی ظاھر الروایۃ.کذا فی الھندیۃ وان کان بعض القوم معہ فالاصح انہ لایکرہ کذا فی محیط السرخسی."(ج ۱،ص ۱۰۸،الباب السابع فیما یفسد الصلوۃ من کتاب الصلوۃ)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۴/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

لاعلمی میں جونماز بلا طہارت پڑھی بعد علم ان کا دوبارہ پڑھنا فرض ہے۔اور امام ہوتو مقتدیوں کواس کی اطلاع دینا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ : ازمعین الدین رضوی پیلی ندی ناگ پور

زید کو اپنا محتلم ہونا معلوم نہ تھا اس نے ایک یا چند نمازیں اسی حالت میں پڑھ لیں بعد کو اپنا جنب ہونا معلوم ہوا تو کیا اس حالت میں پڑھی گئی نماز کا اعادہ ہوگا یا پھر وہ نماز ہوگئی؟ مسئلہ کی وضاحت فرما کر مستحق ثواب ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : طہارت نماز کے لیے شرط ہے لہذا زید نے لاعلمی میں جونماز بلا طہارت پڑھی وہ نہ ہوئی۔علم ہونے کے بعد وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے اور اگر امام ہے تو لازم ہے کہ مقتدیوں کو بھی حتی

الامکان خود سے یا دوسرے کے ذریعہ اس کی اطلاع دے دے تا کہ وہ بھی اپنی نماز کا اعادہ کرلیں۔اور اس اطلاع دینے میں نہ وہ شرم وعار محسوس کرے اور نہ مقتدی حضرات اس پر طعن وتشنیع کریں کہ لاعلمی کی وجہ سے وہ شرعاً مجبور ہے اور جو مجبور ہے وہ معذور ہے۔

درمختار وتنویر الابصار میں ہے:

"اذا ظهر حدث امامه بطلت فيلزم اعادتها كما يلزم الامام اخبار القوم اذا امهم وهو محدث او جنب بالقدر الممكن بلسانه او بكتاب او رسول على الاصح."(على هامش رد المحتار ج ٢،ص ٣٣٩،باب الامامة من كتاب الصلوة)والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے؟ امام کو مقتدی لقمہ دے اور امام لقمہ نہ لے یا لے لے تو سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟ لقمہ کب دینا چاہیے؟ صف کے درمیان ستون آجائے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ : ازمحمد منور آگرہ

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسائل میں

(۱) سجدہ سہو کب واجب ہوتا ہے؟

(۲) امام کو مقتدی نے لقمہ دیا لیکن امام نے لقمہ نہیں لیا تو ایسی صورت میں مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

(۳) امام کو مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے لقمہ لیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

(۴) لقمہ دینے میں جلد بازی کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۵) صف کے درمیان ستون آ جائے تو کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) واجبات نماز میں سے کسی واجب کے بھول کر چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔

ملتقی میں ہے:

"اذا سها بزيادة او نقصان سجد سجدتين."(على هامش مجمع الانهر ج ١،١٨٦ ،باب سجود السهو من كتاب الصلوة)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لايجب السجود الا بترك واجب."(ج ١ ،ص ١٢٦ ،الباب الثانی عشر فی سجود السهو من كتاب الصلوة)والله تعالىٰ اعلم

(۲) اگر مقتدی نے بے محل لقمہ دیا ہے تو اس لقمے کو امام کے لیے لینا ہی جائز نہیں کیوں کہ بے محل لقمہ دینے کی وجہ سے اس مقتدی کی نماز فاسد ہوگئی اب اگر امام اس کے لقمہ پر عمل کرے گا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر اس مقتدی نے محل میں لقمہ دیا اور امام نے اسے نہ لیا تو مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی۔

البحر الرائق میں ہے:

"لو عرض للامام شئ فسبح المأموم لابأس به لأن المقصود به اصلاح الصلوة فسقط حكم الكلام عند الحاجة الى الاصلاح ولايسبح للامام اذا قام الى الاخريين لانه لايجوز له الرجوع اذا كان الى القيام اقرب فلم يكن التسبيح مفيدا كذا فى البدائع وينبغى فساد الصلوة به لأن القياس فسادها به عند قصد الاعلام وانما ترك للحديث الصحيح "من نابه شئ فى صلوته فليسبح " فللحاجة لم يعمل بالقياس فعدمها يبقى الامر على اصل القياس."(ج ٢ ،ص ١٣ ،باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها من كتاب الصلوة)والله تعالىٰ اعلم

(۳) لقمہ دینے اور لینے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا ہے، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"بخلاف فتحه على امامه فانه لا يفسد مطلقا لفاتح واخذ بكل حال."(على هامش

رد المحتار ج۲،ص ۳۸۱،۳۸۲،باب ما یفسد الصلوة من کتاب الصلوة)واللہ تعالیٰ اعلم

(۴)لقمہ دینے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے،البتہ اگر لقمہ دینے والے کو اس امام کی عادت معلوم ہو کہ وہ رکتا ہے تو اس کی زبان سے بعض ایسے حروف نکلتے ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو فوراً لقمہ دے۔ردالمحتار میں ہے:

"یکرہ ان یفتح من ساعتہ."(ج۲،ص ۳۸۲،باب ما یفسد الصلوة من کتاب الصلوة)واللہ تعالیٰ اعلم

(۵)صف کے درمیان ستون آجائے تو قطع صف ہوگا اور بلاضرورت شرعی قطع صف کرنا ناجائز و گناہ ہے۔البتہ اگر نمازیوں کی کثرت ہے اور اس کی وجہ سے مجبوراً ستون کو درمیان میں رکھ ہی صف قائم کرنی پڑے تو بوجہ ضرورت شرعی اس کی اجازت ہے۔

عمدۃ القاری میں ہے:

"لابأس بالصلوة بینهما لضیق المسجد.وقال ابن حبیب لیس النهی عن تقطیع الصفوف اذا ضاق المسجد وانما النهی عنه اذا کان المسجد واسعا."(ج۳،ص ۵۸۳،باب الصلوة بین السواری فی غیر حاجة من کتاب الصلوة،دارالفکر بیروت،لبنان)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۵/۱۱/۱۴۳۶ھ۔۱۰/۹/۲۰۱۵ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

قضا نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ

مسئلہ : ازمحمد ظفر بن محمد یعقوب سیفی نگر مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید بالغ ہونے کے بعد نماز روزہ وغیرہ ادا کرتا ہے،تجارت کی غرض سے بار بار باہر جانے سے اور بیمار ہو جانے کی وجہ سے بہت سی نمازیں قضا ہوگئی ہیں اور زید کو یاد نہیں ہے کہ کتنے دن کی کتنے مہینے کی

نمازیں قضا ہوئیں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ :۔ زید ہارٹ اٹیک،شوگر،بلڈ پریشر کا مریض ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : زید کو یاد نہیں کہ کتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اندازہ لگائے کہ اتنے دنوں کی نمازیں قضا ہوئی ہیں اور پھر وہ ان کو بنیت قضا ادا کرے یہاں تک کہ اب اس پر قضا باقی رہنے کا گمان نہ ہو اسی طرح کے سوال کے جواب میں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فتاوی رضویہ ج ۳،ص ۶۲۴ میں ارشاد فرماتے ہیں ’’ان نمازوں کی قضا کرے جس قدر پڑھ سکے اس قدر بہتر ہے مثلا دس دن کی یا آٹھ روز یا سات دن کی اور چاہے ایک وقت میں پڑھے یا متفرق اوقات میں اور ہر بار یوں نیت کرے کہ سب میں پہلی وہ نماز جو مجھ سے قضا ہوئی ہے جب ایک پڑھ لی پھر یوں نیت کرے یعنی اب جو باقیوں میں پہلی ہے اخیر تک اتنی پڑھے کہ اب اس پر قضا باقی رہنے کا گمان نہ رہے۔ہاں یہ خیال رکھے کہ قضا میں صرف فرائض وواجبات کی قضا کرے یعنی اس اعتبار سے ہر روز کی بیس رکعت ہوگی۔و اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۹؍جون ۲۰۰۸ء

الجواب صحیح

ابو القیس مصباحی قادری غفرلہ

قضا نمازوں کے فدیہ ادا کرنے کا طریقہ۔فدیہ کی ادائیگی میں حیض ونفاس کے ایام شمار نہیں کیے جائیں گے۔

مسئلہ : از محمد ظفر بن محمد یعقوب سیفی نگر مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) زید کا نکاح ۱۹۷۴/۵/۲ء کو ہوا تھا۔۲۰۰۸/۵/۲۲ء کو اہلیہ کا انتقال ہوا،زید اسقاط کے طریقے سے نمازوں کا فدیہ دینا چاہتا ہے۔شرعی حیلہ کر کے کم سے کم کتنا گندم یا نقد دینا ہوگا۔زید زیادہ سے زیادہ

دو تین ہزار تک دے سکتا ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) مرحومہ کے حیض ونفاس کے دنوں کی نماز کم ہوگی یا نہیں مرحومہ آٹھ بچوں کی ماں تھی پانچ حمل ضائع ہوگیا ہے۔حیض کبھی ۵/دن ،۷/دن ،۱۰/دن آتا تھا اور کبھی نفاس ۲۵/دن یا ۳۰/دن یا ۳۵/دن تک آیا ہے۔۱۰/سال سے حیض آنا بند ہوگیا تھا۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : (۱) زید اپنی جانب سے اپنی بیوی کی نمازوں کا فدیہ دینا چاہتا ہے اور زید کا کہنا ہے کہ دو تین ہزار سے زیادہ نہیں دے سکتا ہے تو حکم شرع یہ ہے کہ ایک نماز کا فدیہ نصف صاع گیہوں جو دو کیلو ۴۵/گرام اٹھنی بھر ہوتا ہے یا گیہوں کی قیمت۔اب زید کو چاہیے کہ نصف صاع کے اعتبار سے دو تین ہزار روپے کا گیہوں لے اور مرحومہ کی عمر کے حساب سے مثلاً جب سے وہ بالغہ ہوئی یعنی کم از کم نو سال کی عمر سے آخری عمر تک حساب لگالے جن میں سے حیض ونفاس (یعنی اس کی عادت کے مطابق) کے دنوں کو وضع کرلے اور بقیہ دنوں کا فدیہ نکالے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اس گیہوں کو کسی فقیر کو ہبہ کرکے اس کو اس پر قبضہ دے کر مالک بنادے پھر وہ فقیر اپنی طرف سے زید کو ہبہ کردے پھر زید فقیر کو ہبہ کردے اسی طرح الٹ پھر کرے کہ اتنی تعداد کو پہنچ جائے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ شریف ج ۳،ص ۶۲۵ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اس قدر دینے کی طاقت نہیں تو جتنے کی قدرت ہو اس قدر فقیر کو دے کر مالک کردیں قبضہ دلادیں پھر فقیر اپنی طرف سے انہیں ہبہ کردے یہ پھر دوبارہ بہ نیت کفارہ اسے دے کر قبضہ دلادیں وہ پھر انہیں ہبہ کردے یہ سہ بارہ ایسا ہی کریں یہاں تک کہ یہ الٹ پھیر اس مقدار کو پہنچ جائے۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:

''ان لم یکن لہ مال یستقرض نصف صاع ویعطیہ المسکین ثم یصدق بہ المسکین علی الوارث ثم الوارث علی المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلوۃ نصف صاع کماذکرنا۔''

(۲) چوں کہ حیض ونفاس حائضہ ونفسا سے نماز کو ساقط کردیتا ہے اس لیے حیض ونفاس کے دنوں کا شمار ایام فدیہ سے مستثنیٰ ہوگا اور جب کہ متوفیہ کی عادت حیض ونفاس کے سلسلے میں مختلف تھی تو بہتر ہوگا کہ

حیض ونفاس کے سلسلے میں جو متوفیہ کی عادت تھی اس میں اول یعنی حیض میں پانچ دن اور نفاس میں پچیس دنوں کا اعتبار کیا جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

جواب درست ہے۔

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

۲۹/ جون ۲۰۰۸ء

لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از محمد منیر احمد رضوی یٰسینی ساکن چاندامٹا ضلع چھندواڑہ ایم پی۔ بمعرفت عبد السمیع متعلم ادارہ ہذا

بخدمت عالی حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کہف الوری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

ہدیہ سلام مسنون

بعدہ حضرت قبلہ سے التماس ہے کہ اس مسئلہ کو حل فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ پر کہ زید نے کچھ نمازیں بمعیت مسافر اس امام کی اقتدا میں پڑھی جس نے لاؤڈ اسپیکر میں نماز پڑھائی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وہ نماز نہیں ہوئی۔ زید کو کلی طور پر یہ یاد نہیں کہ کتنی نمازیں پڑھیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اکثر علمائے اہل سنت کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کرنے والوں کی نماز نہیں ہوتی ہے، لہذا زید کی نماز نہیں ہوئی۔ اور جب زید کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اس نے کل کتنی نمازیں اس حالت میں پڑھی ہیں تو اب اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ تحری کرے یعنی خوب اچھی طرح سے غور کرے کہ اس نے کتنی نمازیں اس حالت پڑھی تھیں، جتنی نمازوں کے اس حالت میں پڑھنے پر اس کو گمان غالب ہو جائے اتنی نمازوں کی وہ قضا کرے۔ اور اگر اسے کسی طرح کا گمان غالب ہی نہ ہو سکے کہ اس نے کتنی نمازیں اس حالت میں پڑھی تھیں تو وہ اس طرح پر غور کرے کہ اس نے کتنے دنوں تک اس طرح نماز پڑھی تھی۔ اب جتنے دنوں میں اس طرح نماز پڑھنے پر اس کو گمان غالب ہو جائے احتیاطاً وہ اتنے

دنوں کی پوری نمازیں پڑھے۔ اب اگر زید صاحب ترتیب ہے یعنی اس کی چھ وقت کی نمازیں قضا نہیں ہیں تو وہ ان نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھے یعنی جو پہلے ہے اسے پہلے پڑھے اور جو بعد میں ہے اسے بعد میں اور چوں کہ وقت اور دن کے ساتھ صحیح طور سے ان نمازوں کو متعین کرنا اس کے لیے دشوار ہے اس لیے اس کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ نماز کی نیت میں "پہلی نماز" کی نیت کرے۔ مثلاً اس کی پانچ فجر کی نمازیں قضا ہیں اور ان کی تفصیل اسے نہیں معلوم ہے تو ان کی قضا پڑھتے وقت وہ یوں نیت کرے کہ "پہلی فجر جو میرے ذمہ ہے" اب جب یہ اسے پڑھ لے گا تو اس کے بعد جو ہوگی وہ پہلی ہو جائے گی لہذا اس کے لیے بھی اسی طرح نیت کرے، باقی نمازوں کو بھی اسی طرح پڑھے، یہاں تک کہ اسے گمان غالب ہو جائے کہ اب اس کے ذمہ کوئی نماز نہیں۔

اور اگر زید صاحب ترتیب نہیں یعنی چھ یا اس سے زیادہ نمازیں اس کی قضا ہیں تو بغیر ترتیب کے بھی وہ ان نمازوں کو پڑھ سکتا ہے لہذا مذکورہ طریقہ کے علاوہ اگر وہ نیت کرتے وقت یوں کہے کہ "آخری نماز فجر کی جو میرے ذمہ ہے" تو بھی ہو جائے گی اور اب اس کے بعد جو ہوگی وہ آخری ہی ہوگی لہذا باقی نمازوں کو بھی اسی طرح پڑھے۔ واضح رہے کہ قضا صرف فرائض وواجبات کی ہے سنن ونوافل کی نہیں۔ نیز زید کی نمازیں چوں کہ حالت سفر میں قضا ہوئی ہیں اس لیے جو نمازیں چار رکعت والی ہیں ان میں وہ قصر کرے گا یعنی چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت پڑھے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

"القضاء يختص بالواجب."(ج ٢، ص ٥١٩، باب قضاء الفوائت من كتاب الصلوة)

درمختار میں ہے:

"كثرت الفوائت نوى اول ظهره او آخره."

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"مثاله لو فاته صلوة الخميس والجمعة والسبت فاذا قضاها لابد من التعيين لان فجر الخميس مثلا غير فجر الجمعة فان اراد تسهيل الامر يقول اول فجر مثلا فانه اذا صلاها يصير مايليه اولا او يقول آخر فجر فان ما قبله يصير آخرا ولايضر عكس الترتيب لسقوطه بكثرة الفوائت."

اسی میں ہے:

’’یلزمه قضاء الفائتة علی الصفة التی فاتت علیها ولذا یقضی المسافر فائتة الحضر الرباعیة اربعا ویقضی المقیم فائتة السفر رکعتین لان القضاء یحکی الاداء.‘‘(ج۲،ص۵۳۸باب قضاء الفوائت من کتاب الصلوة)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۳؍رجب۱۴۲۹ھ

مسافر اپنے گھر پہ ایک دو گھنٹے کے لیے آیا تو پوری پڑھے گا۔

مسئله : ازعبدالجلیل صدر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلے میں کہ زید بغرض تجارت سفر میں ہے لیکن کبھی کبھار ایک دو گھنٹے کے لیے اپنے گھر آتا ہے پھر سفر میں چلا جاتا ہے تو جس وقت گھر آتا ہے، اس وقت کی نماز قصر کرے گا یا پوری پڑھے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : اگر زید سفر میں ہے تو جب تک وہ اپنے وطن نہ پہنچے تو راستے میں نمازوں کی قصر کرے گا اور جیسے ہی اپنے وطن پہنچ جائے ایک دو گھنٹے رہے یا اتنی دیر کہ ایک ہی نماز کا وقت اسے وطن میں ملے بہر حال وہ پوری نماز پڑھے گا اور اپنے وطن پہنچتے ہی وہ مقیم کہلائے گا اگرچہ وہ اقامت کی نیت نہ کرے۔فتاوی عالمگیری ج ا ص ۱۴۲ میں ہے:

’’اذا دخل المسافر مقره اتم الصلوة وان لم ینوی الاقامة فیه.‘‘ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله
رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۹؍نومبر۲۰۰۷ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کرسی پر نماز پڑھنے کے تفصیلی احکام

مسئلہ : از مولانا معراج احمد مصباحی چکلی لے آوٹ ناگ پور، مدرس ادارہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

(۱) مسجد میں کچھ لوگ کرسی پر نماز پڑھتے تو ان لوگوں کو صف میں کہاں کرسی لگانی چاہیے آج کل یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ڈاکٹر نے کہا آپ کرسی پر نماز پڑھیں تو وہ سمجھتا ہے کہ اب مجھے کرسی پر ہی نماز پڑھنی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے کسی مریض کے لیے اس کی وضاحت فرمائیں۔

(۲) کیا معذور شخص کے لیے کرسی پر بیٹھ کر ہی نماز پڑھنا لازم ہے یا زمین پر بیٹھ کر بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

(۳) کچھ لوگ منع کرنے کے باوجود بیچ صف میں کرسی لگا لیتے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱۔۳) نماز میں قیام فرض ہے اس لیے بلا عذر شرعی اسے ترک کر دینے سے نماز نہیں ہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص عصا یا خادم یا دیوار وغیرہ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے بلکہ اگر کچھ ہی دیر تک وہ کھڑا ہو سکتا ہے اگر چہ اتنی ہی دیر تک کہ کھڑا ہو کر ''اللہ اکبر'' کہہ سکے تو اس پر فرض ہے کہ کھڑے ہو کر اتنا کہہ لے، پھر بیٹھ کر نماز پوری کرے۔ کھڑے ہونے میں محض کچھ تکلیف کا ہونا ایسا عذر نہیں کہ قیام ساقط ہو جائے بلکہ قیام اس وقت ساقط ہوگا جب کہ کھڑا نہ ہو سکتا ہو یا سجدہ نہ کر سکتا ہو یا کھڑے ہونے یا سجدہ کرنے میں زخم بہتا ہو یا کھڑے ہونے میں اسے پیشاب کا قطرہ آ جاتا ہو یا چوتھائی ستر کھل جاتا ہو یا قرأت کرنے سے بالکل مجبور ہو جاتا ہو۔ یوں ہی کھڑا ہو تو سکتا ہے مگر اس سے مرض میں زیادتی ہوتی ہے یا دیر میں اچھا ہوگا یا نا قابل برداشت تکلیف ہوگی تو اسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے (ہکذا فی بہار شریعت ج ۳ ص ۲۰۵، فرائض نماز کا بیان)

اس سلسلے میں حضور صدر الشریعہ کی یہ تحریر قابل غور ہے، فرماتے ہیں: ''آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا خفیف سی تکلیف ہوئی بیٹھ کر نماز شروع کر دی، حالاں کہ وہی لوگ اسی حالت مین دس دس پندرہ پندرہ منٹ بلکہ زیادہ کھڑے ہو کر ادھر ادھر کی باتیں کر لیا کرتے ہیں، ان کو چاہیے

کہ ان مسائل سے متنبہ ہوں اور جتنی نمازیں باوجود قدرت قیام بیٹھ کر پڑھی ہوں، ان کا اعادہ فرض ہے، یوں ہی اگر ویسے کھڑا نہ ہوسکتا تھا مگر عصایا دیوار یا آدمی کے سہارے کھڑا ہونا ممکن تھا تو وہ نمازیں بھی نہ ہوئیں، ان کا پھیرنا فرض۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ (بہار شریعت ج۳ ص۲۰۵، فرائض نماز کا بیان)

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں صورت مسئولہ میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں کو غور کرنا چاہیے کہ کیا واقعی وہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکیں؟ اگر وہ کھڑے ہونے کے قابل ہیں تو محض ایک دنیادار ڈاکٹر کے کہہ دینے کی وجہ سے ان کا عذر عذر شرعی نہ ہوگا اور کھڑے ہوکر ہی پڑھنا ان کے لیے فرض ہوگا اور اگر واقعی وہ لوگ کھڑے ہونے کے لائق نہیں ہیں تو وہ معذور ہیں لہذا بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں، مگر بیٹھ کر پڑھنے کے لیے کرسی ہی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ زمین پر بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں اور شریعت مطہرہ نے تو ایسے معذور کے لیے کسی حالت وہیئت کو متعین کیا ہی نہیں ہے بلکہ اسے ان کی آسانی پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ دوزانو یا چارزانو پالتی مار کر بیٹھ کے یا جس طرح بھی ان کو آسانی ہو اس طرح بیٹھ کے نماز پڑھیں اس سے بڑھ کر اب اور کون سی آسانی چاہیے؟

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ثم اذا صلی المریض قاعدا ، کیف یقعد الاصح ان یقعد کیف یتیسر علیه هکذا فی السراج الوهاج."(ج۱، ۱۳۶، الباب الرابع عشرفی صلوة المریض من کتاب الصلوة)

بیٹھ کر پڑھنے والوں میں عموماً کرسی کی ضرورت اسی شخص کو ہوسکتی ہے جس کے پیر نہ مڑتے ہوں لہذا جو شخص کمر یا سر کی تکلیف کی وجہ سے معذور ہے وہ زمین پر بیٹھ کر آرام سے نماز پڑھ سکتا ہے، لہذا مسجدوں کو عبادت گاہ ہی بنا کر رکھیں ریسٹورنٹ بنانے کی کوشش نہ کریں کہ مسجدیں عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں نفس پروری کے لیے نہیں:

"فان المساجد لم تبن لهذا وانما بنیت المساجد لمابنیت له."(رواه مسلم فی صحیحه ج۱، ص۲۱۰)

ہاں وہ لوگ جنہیں کرسی کے بغیر چارہ نہیں ہے تو وہ اپنی کرسیاں صفوں کے بیچ میں لگانے کے بجائے کنارے لگائیں ورنہ صف ٹیڑھی اور ترچھی ہوگی جب کہ صف کو برابر اور سیدھی لگانے کا حکم ہے حدیث شریف میں ہے:

"سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من اقامة الصلوة."(رواہ البخاری فی صحیحه ج ۱،ص ۱۰۰)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۹/۸/۱۴۳۷ھ۔۱۷/۵/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

عید یا بقر عید کی نماز وہابیوں کے پیچھے پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از ابوالکلام غازی پور یوپی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک گاؤں ہے سنی کا اور ایک گاؤں ہے وہابی کا دو کلومیٹر کی دوری پر۔ سنی گاؤں وہابی کے گاؤں سے بہت چھوٹا ہے اور سنی لوگ شروع سے ہی عید و بقر عید کی نماز وہابی کی عید گاہ میں پڑھتے ہوئے آرہے ہیں اور اب ان لوگوں کو منع کرنے پر بولتے ہیں کہ ہم شروع سے وہاں نماز عید و بقر عید پڑھ رہے ہیں اور ہمارے یہاں موقع پر کوئی پڑھانے والا نہیں رہتا اور اگر وہاں جانا چھوڑ دیں گے تو وہ لوگ دشمنی مول لے سکتے ہیں کیوں کہ سنی گاؤں کے ارد گرد کافر ہی کافر ہیں اور اگر کافروں سے کچھ ہوتا ہے تو وہابی لوگ ساتھ دیتے ہیں اور وہابیوں کے یہاں کچھ سنی کام بھی کرتے ہیں اور نماز عید و بقر عید کا وقت ہو جاتا ہے تو وہ لوگ سنیوں کا انتظا کرتے ہیں جو لیٹ آتے ہیں اور آنے کے بعد ہی جماعت کھڑی کرتے ہیں اور سنی کے گاؤں سے پانچ چھ کلومیٹر دوری پر ایک اور سنی کا گاؤں ہے وہاں پر عید گاہ، مسجد بھی ہے لیکن یہ دور ہے تو کیا کریں قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : دیوبندی تبلیغی جماعت والے اور جماعت اسلامی والے علمائے دیوبند کے عقائد کفریہ پر یقینی طور پر مطلع ہونے کے باوجود انہیں مسلمان بلکہ اپنا پیشوا ماننے کی وجہ سے کافر خارج اسلام ہیں، جن کے بارے میں علمائے حرمین شریفین فرماتے ہیں:

"من شک فی کفرھم وعذابھم فقد کفر."

جوان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر۔

لہذا ان کے پیچھے کوئی نماز درست نہیں چاہے وہ نماز پنجگانہ ہو یا عید و بقرعید، مسلمان وہابی کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں کہ نماز بھی نہیں ہوگی اور گنہگار بھی ہوں گے اور نہ پڑھنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا کہ گاؤں والوں پر جمعہ وعیدین کی نماز ہی نہیں ہے۔اعلی حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ ج۳ص۳۸۷ میں حدیث پاک کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

"الجمعة علی اهل القری لیست بواجبة لقوله علیه الصلوة والسلام لاجمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع اوفی مدینة عظیمة."والله تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۳؍جمادی الاخری ۱۴۲۸ھ۔۹؍جولائی ۲۰۰۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد سرفراز احمد برکاتی

دار العلوم امجدیہ ناگ پور

الجواب اللهم هداية الحق والصواب : مفتی نذیر احمد صاحب کا جواب صحیح ہے بے شک وہابی عقیدے والوں کی اقتدا میں نماز باطل محض ہے۔سرے سے نماز ہوگی ہی نہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کی وجہ سے سر پر گناہ عظیم بھی ہوگا چاہے نماز پنج وقتہ ہو یا عیدین ہو لہذا وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ہرگز ہرگز وہابی کی اقتدا میں نماز نہ پڑھیں کہ گناہ سے بچنا اہم فرض ہے اور عیدین کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے وہ بالکل گنہگار نہیں ہوں گے کہ مذہب حنفی پر گاؤں کے رہنے والے مسلمانوں پر گاؤں میں عیدین و جمعہ نہیں بلکہ اگر کوئی شہری بھی جمعہ کے دن گاؤں میں یا عیدین کے موقع پر گاؤں میں ہوتو اس پر بھی جمعہ وعیدین نہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

دار العلوم امجدیہ ناگ پور

۹؍جولائی ۲۰۰۷ء

باب الامامة

امامت کا بیان

امام کا مرتبہ کیا ہے؟ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے والے امام کا حکم

مسئلہ : از کلیم سوداگر مقام سڑک ارجونی ضلع گوندیا مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱) پیش امام صاحب کا کیا مقام ہے اور امام صاحب کا مصلیان حضرات سے کس طرح پیش آنا چاہیے۔

(۲) امام صاحب ایک ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کرتے ہیں اور اپنے مقتدیوں سے بھی اسی طرح مصافحہ کرتے ہیں کیا یہ مسئلہ صحیح ہے اور مصافحہ کا کیا طریقہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : امام کا مقام لفظ امام ہی سے ظاہر ہے کہ اس کا معنی ہی پیشوا ہے اور قوم کا امام وہی ہوتا ہے جو قوم کے درمیان علم وفضل والا ہوتا ہے اور اہل علم کا مرتبہ ہر شخص کے نزدیک ظاہر ہے کہ عالم اور غیر عالم برابر نہیں ارشاد باری ہے:

هَلۡ يَسۡتَوِی الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَايَعۡلَمُوۡنَ. (پ۲۳،س زمر ۳۹،آیت ۹)

کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔

نیز امام کا مقام اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام اسی لیے ہوتا ہے کہ ہر نیک کام میں اس کی اتباع کی جائے۔ حدیث پاک میں ہے:

"انما جعل الامام لیؤتم به" (بخاری ج ۱،ص ۹۵،باب انما جعل الامام لیؤتم به من کتاب الاذان)

امام ہو یا مقتدی ہر شخص کو اپنے مومن بھائی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے اور آپس میں اس طرح پیش آنا چاہیے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو کہ یہی شان مسلم اور کمال ایمان ہے، حدیث شریف میں ہے:

"المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده"(مشکوۃ ص ۱۲، الفصل الاول من کتاب الایمان)

کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

خاص طور سے امام کو مقتدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں زیادہ توجہ دینی چاہیے تاکہ لوگوں کی طبیعت اس کی طرف مائل ہو اور اس طرح سے لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اللہ کی عبادت کرنے کے عادی بنیں۔ نیز جب امام قوم سے افضل ہے تو اس کے اخلاق بھی سب سے اچھے ہونے چاہیے۔ حدیث پاک میں ہے:

"ان خیارکم احسنکم اخلاقا"(بخاری ج ۲ ص ۸۹۲ باب حسن الخلق والسخاء من کتاب الادب)

کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۲) مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا چاہیے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت کے خلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"علمنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشہد وکفی بین کفیہ"(بخاری ج ۲، ص ۹۲۶ . باب المصافحۃ من کتاب الاستیذان)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد کی تعلیم فرمائی، اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

مصافحہ کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایک کا ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھ میں ہو اور دوسرا طریقہ ہے کہ ایک شخص اپنا داہنا ہاتھ دوسرے کے داہنے ہاتھ سے اور بایاں بائیں سے ملائے اور انگوٹھے کو دبائے کیوں کہ انگوٹھے میں ایک ایسی رگ ہوتی ہے کہ اس کے پکڑنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

درمختار میں ہے:

"وفی القنیة السنة فی المصافحة بکلتا یدیه وتمامه فیما علقته علی الملتقی"

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

”ھی الصاق صفحۃ الکف بالکف واقبال الوجہ بالوجہ والسنۃ ان تکون بکلتا یدیہ وبغیر حائل من ثوب او غیرہ و عند اللقاء بعد السلام و أن یاخذ الابھام فان فیہ عرقا ینبت المحبۃ کذا جاء فی الحدیث اہ ملخصا(ج ۹،ص ۵۴۸،باب الاستبراء من کتاب الحظر والاباحۃ)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۲؍شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حق والحق احق ان یتبع حضرت مفتی صاحب نے بالکل سچ فرمایا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ خلاف سنت ہے جس کی دلیل میں حدیث پاک بھی پیش فرمائی۔ فی زماننا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا یہ شعار مرتدین وکفار ہے لہذا امام موصف کو یہ حکم شرع بتا دیا جائے تا کہ وہ اس پر عمل کریں۔ و اللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم.

محمد نذیر احمد امجدی رضوی غفرلہ
خادم دار الافتا رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۳؍شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ

ایک مشت سے کم داڑھی والے کی امامت کا کیا حکم؟

مسئلہ : ازعبد الجلیل صدر ناگ پور

زید مسجد کا امام ہے اس کی داڑھی ایک مشت سے کم ہے بکر نے کہا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے تو زید اور بکر میں فساد ہو گیا تو زید حق پر ہے یا بکر؟ زید حق پر نہیں تو اس کی اقتدا میں نماز درست ہے یا نہیں بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : داڑھی کو حد شرع ایک مشت سے کم کرنا حقیقتاً

حرام ہے۔ درمختار میں فرمایا ہے:

"یحرم علی الرجل قطع لحیته"

اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں "داڑھی کترانا اور منڈانا حرام ہے" اور بہار شریعت میں حضرت نے فرمایا "داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے" لہذا زید اگر مسجد کا امام ہے اور واقعی اس کی داڑھی ایک مشت سے کم ہے تو زید فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ ردمحتار کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

"فان تقدیم الفاسق اثم والصلوۃ خلفه مکروهة تحریما"

بکر اپنے قول میں سچا ہے۔ **واللہ اعلم**

کتبہ: محمد نذیر احمد رضوی امجدی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۹/نومبر ۲۰۰۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم

محمد کہف الوریٰ المصباحی

ایک عجیب وغریب شخص کی امامت کے بارے میں سوال اور اس کا جواب

مسئلہ: از محمد عبد الکریم راحت کیفے ہوٹل ہرن چوک ہنگولی مہاراشٹر ۸/ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

زید سے جب سوال کیا گیا کہ تبلیغی جماعت والوں کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں تو اس نے کہا کہ اگر دل گواہی دے تو نماز ہو جائے گی اور اگر دل گواہی نہ دے تو نہیں ہوگی۔ زید کا یہ بھی کہنا ہے کہ کافر کو کافر نہیں کہہ سکتے ہیں۔

(۲) زید کا کہنا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اگر وہ نماز نہ پڑھے اور برائیاں کرے تو فرشتوں سے بدتر ہے ایسا کہنے والے پر از روئے شرع کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟

(۳) زید کی داڑھی حد شرع سے کم ہے جب اس سے داڑھی کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا کہ حدیث میں ہے جو چالیس قدم سے دکھائی دے وہ داڑھی ہے نیز اس کے ہاتھ میں تین انگوٹھی ہیں جب انگوٹھی کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا کہ سرکار نے عقیق پہنا ہے یہ ذکر نہیں کہ کتنے پہنے ہیں۔

مذکورہ بالا باتیں جس شخص کے اندر ہوں اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور ایسے شخص کو پیر بنا سکتے ہیں یا نہیں نیز ایسے شخص پر شرع کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : (۱) نماز کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ دل کی گواہی پر موقوف کرنا یہ نہایت کم علمی اور بدعقلی کی بات ہے اور ایسے ہی کافر کو کافر نہیں کہہ سکتے ہیں یہ بھی اپنے جی سے مسئلہ گڑھنا ہے اور شرع پر افترا ہے اور من گھڑت مسائل شرعیہ بیان کرنا حرام ہے۔ نماز کی صحت اور عدم صحت شریعت سے معلوم ہوگی نہ کہ اپنی بے لگام طبیعت سے۔ کافر کا علم ہونے کے بعد اس کے متعلق پوچھا جائے تو اس کو کافر بتانا فرض ہے اور جو کسی قطعی کافر کے کفر پر علم و واقفیت کے باوجود اس کے کفر پر پردہ ڈالے گا اور اپنی صلح کلیت سے اسے کھلے لفظوں میں کافر نہیں بتائے گا تو وہ خود کافر ہو جائے گا کہ قطعی کافر کے کفر میں شک بھی کفر ہے۔

(۲) زید کا یہ قول اگر انسان نماز نہ پڑھے اور برائیاں کرے تو وہ فرشتوں سے بدتر ہے یہ جملہ لزوماً کفر ہے کہ اس میں فرشتوں کی جانب لفظ بد کی نسبت پائی گئی اور فرشتوں کی جانب بد کی نسب کرنا یہ استخفاف و توہین ہے کہ وہ معصوم ہیں اور فرشتوں کی توہین کفر ہے اور لزوم کفر پر توبہ تجدید ایمان کا حکم ہے۔

(۳) داڑھی کی حد شرع (ایک مشت) سے کم کرنا اور تین انگوٹھی پہننا یہ دونوں باتین شرعا حرام ہیں اور فعل حرام کا مرتکب فاسق معلن ہوتا ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور فاسق معلن سے مرید ہونا بھی شرعا درست نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح	**کتبہ : محمد نذیر احمد امجدی غفرلہ**
ابو القیس مصباحی قادری غفرلہ	رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
دار العلوم امجدیہ ناگ پور ۲۵ر دسمبر ۲۰۰۸ء	۲۳ر ذی الحجہ شریف ۱۴۲۹ھ۔ ۲۴ر دسمبر ۲۰۰۸ء

کرکٹ کامنٹری سننے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ : ازشاداب رضا، وسیم رضا متعلم جامعہ ہٰذا

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان دین اس مسئلہ پر کہ زید جوایک مسجد کا امام ہے وہ ریڈیو پر میچ کی کامنٹری سنتا ہےاور ٹی وی پر میچ دیکھتا ہےاور ریڈیو پر گانے سنتا ہےتو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : (۱)مذکورہ چیزیں لہوولعب ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اور فعل حرام کا ارتکاب کرنا فسق ہے،لہذا زیداگر مذکورہ چیزوں کا عادی ہےتو وہ فاسق معلن ہےاس کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ اور جو پڑھی ان کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔زید پر لازم ہے کہ اس سےتوبہ واستغفار کرےاور آئندہ اس سے پرہیز کرے یہ حکم مقتدی ہو یا امام ہر شخص کے لیے عام ہے لہذا جو بھی اس کا عادی ہوگا وہ فاسق معلن ہوگا۔

درمختار مع تنویرالابصار میں ہے:

"وكره تحريما اللعب بالنرد وكره كل لهو لقوله عليه الصلوة والسلام : "كل لهو المسلم حرام الا ثلثة."اه ملخصا.

اس کےتحت ردالمحتار میں ہے:

"اى كل لعب وعبث والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذالك حرام ." اه ملخصا.(ج۹،۵٦۵،٥٦٦،باب الاستبراء من كتاب الحظر والاباحة)

ردالمحتار میں ہے میں فاسق کی امامت کے بارے میں ہے:

"تكره امامته بكل حال بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم." (ج۲،ص ۲۹۹،باب الامامة من كتاب الصلوة)

درمختار میں ہے:

"کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا." (ج۲،ص۱۴۷۔۱۴۸،باب صفۃ الصلوۃ من کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ
۹؍ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مسجد و مدرسہ کے نام پر کھال جمع کر کے بیچ لینے اور اس رقم کو اپنے مصرف میں خرچ کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

مسئلہ : از ریاض احمد بنگالی متعلم رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے وہ قربانی کے موقع پر مسجد یا مدرسے کے نام پر کھال جمع کرتا ہے اور ان کھالوں کو بیچ کر تمام روپے اپنے پاس رکھ لیتا ہے نہ مسجد میں دیتا ہے اور نہ مدرسہ میں دیتا ہے بلکہ اپنے مصرف میں لاتا ہے تو کیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں اور اس پر توبہ لازم ہے یا نہیں اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مسجد یا مدرسہ کے نام پر کھال جمع کرنا اور اس کو بیچ کر اس کی رقم اپنے پاس رکھ لینا اور اسے اپنے اوپر یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا ناجائز وگناہ ہے کیوں کہ یہ کھال دینے والوں کے مقصد کے خلاف ہے اس لیے کہ وہ لوگ جو کھال دیتے ہیں اس سے ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگے، ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ ناظم، مہتمم یا امام اس کی رقم اپنے مصرف میں لگائیں۔ نیز سوال سے بھی ظاہر ہے کہ امام مسجد یا مدرسہ ہی کے لیے جمع کرتا ہے تو اب اسے ہرگز یہ جائز نہیں کہ اسے بیچ کر اپنے کام میں لائے۔

فتاوی عالمگیری میں تبیین الحقائق، کافی اور ہدایہ سے ہے:

"لایبیعه بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله." (ج۵،ص ۳۰۱،الباب السادس من کتاب الاضحیة)

لہذا امام مذکور اگر اس کا عادی ہے تو وہ فاسق معلن ہے اس پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہے، اور اب تک اس طرح کی جتنی رقم اس نے اپنے مصرف میں استعمال کیا ہے وہ سب مسجد یا مدرسہ کو ادا کرے۔ اور اگر وہ مذکورہ حکم پر عمل نہ کرے، تو اس کی امامت جائز نہیں اس لیے لوگ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور اگر پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی جس کی وجہ سے وہ گنہگار ہوں گے اور نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔

ردالمحتار میں فاسق کی امامت کے تعلق سے ہے:

"تکره امامته بکل حال، بل مشی فی شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم." (ج۲،ص ۲۹۹،باب الامامة من کتاب الصلوۃ)

درمختار میں ہے:

"کل صلوة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها." (ج۲، ص۱۴۷. ۱۴۸، باب صفة الصلوۃ ن کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۶/ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی

جواپنے اہل وعیال سے دور رہ کر امامت کرتا ہو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

مسئله : ازمحمد طہور القادری مدینہ مسجد عمر کھیڑ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے جو اپنے اہل وعیال (بیوی بچے) کو چھوڑ کر اپنے وطن سے دور امامت کرتا ہے جن کے والدین بوڑھے ہیں سال میں ایک دو مرتبہ گھر جاتا ہے، اس بنیاد پر کچھ حضرات یہ انتشار پھیلا رہے ہیں کہ ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہیں۔ لہذا کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ ایسے امام کے پیچھے نماز درست

ہے یا نہیں اگر ہے تو جو حضرات شر پھیلا رہے ہیں ان پر کیا حکم ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا امام موصوف (زید) میں اگر اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں جو مانع امامت ہو تو بلا شبہ اس کے پیچھے نماز درست ہے اور جو حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز درست نہیں وہ خلاف شرع حکم لگا رہے ہیں اور یہ ان کا حق نہیں وہ لوگ اس طرح انتشار نہ پھیلائیں وہ اس حرکت سے توبہ کریں اور بلا وجہ شرعی کسی امام پر کوئی حکم نہ لگائیں اور امام موصوف کو بھی چاہیے کہ اپنے اہل سے ملنے میں اتنا طویل وقفہ نہ دیں بلکہ تین چار ماہ میں اپنے اہل سے ملاقات کریں یا اپنے پاس رکھنے کا انتظام کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ۔۲؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز چہار شنبہ

الجواب صحیح

محمد مجیب اشرف رضوی

ردوہابیہ کرنے کے لیے کہا گیا تو امام نے کہا کہ ”کب تک ان سے الجھو گے اور مخالفت کروگے؟ بڑی بڑی داڑھی والے ان سے چندہ لیتے ہیں“ تو ایسے امام کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از سید محمد علی رضوی مودہ ضلع ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد کے امام ہیں جو مدرسہ بغدادیہ سے اپنے آپ کو فارغ بتاتے ہیں، جب ان سے ایک مقتدی بکر نے کہا، امام صاحب کبھی کبھی ردوہابیت کیا کیجیے اور عوام کو ان کے عقائد سے آگاہ کیا کیجیے اس بات پر امام صاحب نے جواب دیا کہ ارے جناب! کب تک آپ ان سے الجھو گے اور مخالفت کروگے ہم نے تو بڑی بڑی داڑھی والے اور صافے والے سنی حضرات کو وہابیوں سے چندہ لیتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے یہ بات ہم ڈنکے کی چوٹ

پر کہتے ہیں اور امام صاحب قوالی کی محفل میں شرکت کرتے ہیں اور قوالی سنتے ہیں لہذا جواب طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کی امامت درست ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : امام موصوف سے ردوہابیہ کرنے کی گزارش کرنے پر ان کا یہ جواب کہ کب تک آپ ان سے الجھتے اور مخالفت کرتے رہو گے اور بڑی بڑی داڑھی وصافے والے کا حوالہ بھی دیا کہ وہ لوگ وہابیوں سے چندہ لیتے ہیں، تو امام موصوف کان کھول کر سن لیں کہ ہم ایسے بڑی بڑی داڑھی وصافے والوں کی پیروی نہیں کرتے ہیں جو وہابیہ کے ہم پیالہ وہم نوالہ ہیں۔ امام موصوف کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہابیوں سے نہ الجھو اور نہ ان کی مخالفت کرو بلکہ ان کی ہاں میں ہاں ملاؤ اور ان کی ہر بات میں موافقت کرو یعنی ان کے کفریات کو اسلام سمجھ کر ان کو مسلمان مان لو اگر امام موصوف اس بات کے قائل ہیں تو ایسے امام کے پیچھے ایک وقت کی بھی نماز نہ پڑھی جائے ،اگر پڑھ لی ہو تو لوٹائی جائے اور ایسے امام کو فوراً مسجد سے باہر کر دیا جائے۔ مزامیر کے ساتھ قوالی سننا حرام ہے اور اس کا مرتکب فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اگر امام موصوف وہابی نہیں ہے تو فاسق معلن ضرور ہے وہ امامت کے لائق نہیں۔ قرآن عظیم نے فریا:

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ."

معلوم ہونے کے بعد ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھو، دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ"

تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے وہ بے شک انہیں کی طرح کافر ہے۔

ان کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

"واغْلُظْ عَلَيْهِمْ"

ان پر سختی کرو۔

اور حدیث پاک میں ہے:

"ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم"

ان سے بچو اور ان کو اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

دوسری جگہ حدیث پاک میں فرمایا:

"لاتجالسوهم ولاتواكلوهم ولاتشاربوهم واذا مرضوا فلا تعودوهم واذا ماتوا فلا تشهدوهم ولا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم."

نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پانی پیو بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ نہ ان پر نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

خادم رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۵؍جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ۔۲۸؍مارچ ۲۰۱۳ء بروز پنجشنبہ

فجر کی سنت چھوڑنے والے کو امام بنانا کیسا ہے؟

مسئلہ : از محمد منور آگرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام درج ذیل مسائل میں

(۱) ایک امام فجر کی سنت چھوڑ کر فجر کی نماز پڑھاتے رہے تین چار مرتبہ لوگوں نے دیکھا تو لوگوں نے جماعت کے سامنے اعتراض کیا تو امام صاحب نے غلط مسئلہ بیان کر دیا اور فرمایا کہ فجر کی سنت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر جماعت کا قعدہ اخیرہ مل جائے تو پہلے سنت پڑھے۔ (جب کہ یہ مسئلہ عوام کے لیے ہے تو امام کا کیا حکم ہے)

(۲) امام صاحب اپنے بیان کو خوب صورت بنانے کے لیے اکثر غلط بیانی سے کام لیتے ہیں مثلاً حضرت جعفر طیار کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد بتانا۔

حضرت قطب غوری آپ کے مرید آپ کے جنازہ کو بارہ سال لے کر چلے۔

مگر امام صاحب نے کہا کہ بہتر سال تک لے کر چلتے رہے امام صاحب سے کہا گیا وہ بہتر سال نہیں بلکہ بارہ سال ہے تو امام صاحب نے کہا کہ یہ واقعات ہیں بارہ اور بہتر سب برابر ہیں جب دوبارہ کہا گیا کہ بارہ سال اور بہتر سال کس طرح برابر ہیں تو امام صاحب نے کہا کہ کیا میں نے ناجائز وحرام کہا

اس سے مجھ پر ناجائز وحرام کا حکم لگ جائے گا۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا واقعہ اس طرح قرآن میں ذکر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس کو لانے کا حکم دیا مگر امام صاحب نے اپنے بیان میں شدت پیدا کرتے ہوئے کئی بار کہا کہ قرآن میں ذکر ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ کون بلقیس اور اس کے تخت دونوں کو ساتھ اٹھا کر لائے گا۔

(۳) اسی طرح امام صاحب سے کچھ مسئلہ میں بحث ہوئی تو اما صاحب نے فرمایا کہ تم کو نحو صرف کیا سمجھتا ہم تم کی ضمیر گھما دیتے ہیں۔

جو امام ان اوصاف کے مالک ہوں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : بلا عذر شرعی سنت مؤکدہ کا ترک کرنے والا مستحق عتاب وملامت ہے۔اور جو اس کی عادت بنالے وہ گنہ گار فاسق مردود الشہادۃ اور مستحق نار ہے، بلکہ بعض ائمہ نے ایسے شخص کو گم راہ قرار دیا ہے۔اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جو میری سنت کو ترک کرے گا اسے میری شفاعت نہ ملے گی۔معاذ اللہ! **ھکذا فی** بہار شریعت ج ۴، ۲۸۵، سنن ونوافل کا بیان۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''شبانہ روز میں بارہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں دو صبح سے پہلے اور چار ظہر سے پہلے اور دو بعد اور دو مغرب وعشا کے بعد جو ان میں سے کسی کو ایک آدھ بار ترک کرے مستحق ملامت وعتاب ہے اور ان میں سے کسی کے ترک کا عادی گنہ گار و فاسق ومستوجب عذاب ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ (ج ۳، ص ۲۰۱، باب الامامت کتاب الصلوۃ)

لہذا سوال میں لکھی گئی بات اگر سچ ہے تو امام مذکور لائق امامت نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے مذکورہ غیر شرعی حرکت سے توبہ واستغفار کرے اور آئندہ اس سے سختی کے ساتھ بچے اگر وہ اس پر عمل کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو منصب امامت سے علاحدہ کر دیا جائے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

الجواب صحیح — خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
نسیم احمد اعظمی غفرلہ — ۲۹/۱۱/۱۴۳۶ھ۔ ۱۴/۹/۲۰۱۵ء

علانیہ گالی گلوچ کرنے والے کو امام بنانا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد عرفان انصاری، مقصود احمد قریشی، عمران احمد، شیخ اظہر، محمد فاروق، شہباز، شیخ لطیف، نور محمد، حفیظ اللہ، وارث خان، محمد صدام خان، شکیل، محمد سلام، محمد سفیان، سید چاند علی، سہیل، عثمان، عبد الجبار قادری، سید عیان، پٹھو، شبیر خان۔

کیا فرماتے ہیں مفتی صاحب قبلہ اس مسئلے میں کہ

ایک جگہ اہل سنت و جماعت کا ایک دینی اسلامی جلسہ ہو رہا تھا، اسٹیج پر علمائے کرام اور مفتیان عظام تشریف فرما تھے۔ وہاں اسٹیج پر زید کا بیٹا تقریر کر رہا تھا، اہل اسٹیج میں سے کسی نے اس بچے کو بٹھانے کا اشارہ کیا، جس پر زید اور اس کے بھائی بکر نے یہ ہنگامہ برپا کیا کہ چپل پہن کر اسٹیج پر چڑھ گیا اور ایک شاعر اسلام کو مارنے کے لیے کرسی اٹھایا وہ کرسی بجائے شاعر کو لگنے کے شہر کے ایک ذمہ دار مفتی کو لگی اور بکر نے مفتی صاحب اور شاعر کو گالی گلوچ کیا برا بھلا کہا جلسے کو برباد کیا لوگوں کو آپس میں لڑوایا مقرر خصوصی کی تقریر نہیں ہونے دی لہذا معلوم یہ کرنا ہے کہ بکر جس نے علانیہ گالی گلوچ کیا اور یہ حرکتیں کیں اسے امام بنانا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : استفتا میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں اگر وہ واقع کے مطابق ہیں کہ زید و بکر دونوں بھائی دینی اسٹیج یعنی منبر رسول پر جوتا چپل پہن کر چڑھ گئے اور ہنگامہ کر کے جلسہ کو روکا یہاں تک کہ علمائے کرام و مفتی صاحب جو وہاں موجود تھے ان کو گالی گلوچ کیا اور برا بھلا کہا اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کر کے آپس میں لڑوایا یہ ساری حرکتیں ناجائز و حرام ہیں قرآن عظیم میں ہے:

”وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ.“

اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا۔

خزائن العرفان میں فرمایا: ”بعض علما نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو کتا، گدھا یا سور کہنا بھی اس میں داخل ہے۔ حدیث پاک میں ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا:

"سباب المسلم فسوق وقتاله کفر"

یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کفر ہے، یہ تو عام مسلمان کی بات ہے چہ جائیکہ علمائے کرام ومفتیان عظام کو گالی دینا اگر زید وبکر نے سب وشتم کے طور پر گالی دی ہے تو حرام ہے اور اگر بروجہ علم دین گالی گلوج کیا ہے تو کفر ہے۔ (فتاوی رضویہ ج۶ ص۱۸۲)

زید وبکر علی الاعلان توبہ کریں اور جن کو گالی گلوج کیا ہے ان سے معافی طلب کریں تو بہتر ہے ورنہ ان کو امامت سے برطرف کردیں کہ فاسق کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

"فان تقدیم الفاسق اثم والصلوة خلفه مکروهة تحریما ." واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

خادم رضا دار الیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور

۱۵ر صفر ۱۴۳۵ھ-۱۹ر دسمبر ۲۰۱۴ء پنجشنبہ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
غلام صابر رضوی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد کلیم اشرف

الجواب صحیح
نہال اختر

جو شخص نماز پڑھاتے پڑھاتے بھول جاتا ہو اور اس کی زبان میں لکنت بھی ہو اس کی امامت کیسی ہے؟

مسئلہ : ازاراکین کمیٹی شطرنجی پورہ بڑی مسجد ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ ہمارے یہاں امام صاحب کافی سالوں سے امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن چند سالوں سے امام صاحب کے اندر یہ خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں کہ وہ حالت نماز میں کبھی کبھی سو جاتے ہیں اور زبان میں لکنت پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے قرآن شریف کے پڑھنے میں بھی غلطی ہوتی ہے سوال یہ ہے کہ ایسے امام کو منصب امامت سے برطرف کرنا درست ہے یا نہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : امام مذکور میں جب مذکورہ اعذار چند سالوں سے ہیں تو اب تک کمیٹی والے یا مصلیان مسجد مذکور نے اس پر توجہ کیوں نہیں دی؟ ان چند سالوں تک ان اعذار کے باوجود امام مذکور کے پیچھے ان کی نمازیں صحیح ہو رہی تھیں یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہو رہی تھیں تو مذکورہ اعذار کے پیدا ہوتے ہی امام مذکور کو کیوں نہیں نکالا گیا؟ اور صحیح ہو رہی تھیں تو اب کیوں برطرف کرنے کا خیال پیدا ہوا؟ کیا وہ اعذار اب مفسد نماز ہو گئے، پہلے نہیں تھے؟ یاد رہے کہ "**اعط کل ذی حق حقه**" کے مطابق ہر حق دار کو اس کا حق دینا لازم ہے، لہذا جو شخص دیدہ ودانستہ کسی نااہل کو اہل یا اہل کو نااہل کے درجے میں رکھے گا، وہ یقیناً ماخوذ اور اس کا ذمہ دار ہوگا۔

سوال میں مذکورہ باتیں اگر اس حد تک ہیں کہ ان کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور ان کے زوال کی کوئی صورت بھی نہیں تو امام مذکور مستحق امامت نہیں لہذا اس تقدیر پر اسے برطرف کرنا درست ہے۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

"**ویشترط لصحة الأركان وغيرها اداؤها مستيقظا فاذا ركع أو قام أو سجد نائما لم يعتد به.**"(**على هامش الطحطاوى ص ١٢٨ ،باب شروط الصلوة من كتاب الصلوة**)

ایسا ہی درمختار ج۲،ص۱۴۰۔۱۴۶،**باب صفة الصلوة، كتاب الصلوة** میں ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"**الراجح المفتى به عدم صحة امامة الالثغ لغيره ممن ليس به لثغة.**"(**ج ٢ ،ص ٣٢٨ ،باب الامامة من كتاب الصلوة**) **والله تعالىٰ اعلم**

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحيح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

بلا عذر بار بار داڑھی میں خلال کرنے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟

دعائے ثانی کے بارے میں حکم

مسئلہ : ازسید محمد علی رضوی

مفتیان کرام وعلمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں

حالت نماز میں اگر امام قیام میں بلاعذر ہاتھ کو چھوڑ کر داڑھی میں کئی بار خلال کرتا ہے اور قعدہ میں ہاتھ اٹھا کر بار بار ناک میں انگلی کرتا ہے تو کیا ایسی صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی؟ امام کا یہ کہنا ہے کہ کسی کی عادت اس طرح کھجلانے کی ہے تو کوئی بات نہیں اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر امام اس طرح کی حرکت حالت نماز میں کرے تو کیا مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی اور ان غلطیوں سے گنہگار صرف امام ہوگا یا مقتدی بھی ہوں گے۔

اگر کوئی مقتدی فرض نماز کے بعد سنتیں اور نوافل ادا کر رہا ہے تو ایسی صورت میں امام دعائے ثانی پڑھے یا نہ پڑھے، بہتر کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : نماز میں ایک رکن مثلاً قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ میں تین بار کھجانے سے نماز جاتی رہے گی جیسا کہ فتاوی عالمگیری ج ا ص ۱۰۴ میں ہے:

"اذا حک ثلاثاً فی رکن واحد تفسد صلاتہ"

آگے فرمایا:

"ھذا اذا رفع یدہ فی کل مرۃ اما اذا لم یرفع فی کل مرۃ فلا تفسد"

یعنی ہر بار کھجانے میں الگ الگ ہاتھ اٹھائے تو نماز فاسد ہوگی اور اگر ایک رکن میں ایک مرتبہ ہاتھ اٹھا کر کئی بار کھجالیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

رہا امام کا یہ کہنا کہ کسی کی عادت اس طرح کھجانے کی ہے تو کوئی بات نہیں نماز میں کوئی فرق نہیں آتا یہ اپنے جی سے مسئلہ گڑھنا ہے جو امام مسائل نماز وطہارت سے ناواقف ہو ایسے کو امام نہ بنایا جائے کہ وہ سب کی نمازیں اکارت کرے گا۔

دعائے ثانی ہمارے علاقے میں شعار سنیت بن چکی ہے لہذا بہتر ہے کہ دعائے ثانی پڑھی جائے

ہاں لوگ سنت ونوافل پڑھ رہے ہوں تو اتنی بلند آواز میں دعا نہ کریں کہ نمازیوں کو خلل ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
خادم تدریس وافتا رضادارالیتامیٰ ناگ پور
۱۳؍ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ بروز سہ شنبہ

تقریر میں انداز بیان ایسا ہونا چاہیے کہ معنی مقصود کے خلاف کا وہم نہ ہو اور اگر ہو تو اس کی وضاحت ضرور کردے

مسئلہ : از حاجی نظام بیگ، جبل پور، ایم۔ پی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید امام ہیں۔ ایک گھنی مسلم آبادی کے امام ہیں اور خود کو عالم بھی کہتے ہیں۔ اور تقریر وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک جلسے میں وہ تقریر فرماتے ہیں کہ زکوۃ کا مسئلہ ایسا ہے۔ اتنے پرسنٹ دینا پڑتا ہے اور یہی کہتے ہوئے پھر یکا یک تقریر کا رخ موڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زکوۃ جو سید ہوتے ہیں ان کو نہیں دی جاسکتی اور ان کو لینا بھی جائز نہیں ہے۔ پھر آگے بڑھ کر ایک لفظ ایسا استعمال کرتے ہیں: سید نہ زکوۃ لے سکتے ہیں نہ دے سکتے ہیں۔ اور اس کے آگے جوش میں یہ فرمایا کہ سید کو زکوۃ لینا دینا دونوں حرام ہے۔ جب میں نے یہ سنا تو سوچا کہ اگر میں جلسے میں ان کو ٹوکتا ہوں تو مجمع ایسا نہیں ہے کہ میرا ساتھ دے۔ میں اسٹیج سے اتر آیا اور صبح کو کچھ لوگوں سے بتایا کہ جو سید با حیثیت صاحب نصاب ہو اس پر زکوۃ دینا فرض ہے۔ امام نے اس بات پر روشنی نہ ڈالتے ہوئے بے باکی سے زکوۃ لینا دینا دونوں حرام قرار دے دیا، تو لوگوں نے میری بات امام تک پہنچائی تو وہ بجائے کچھ سوچنے کے یا نادم ہونے کے بے باکی سے کہتے ہیں کہ میں نے جو کہا ہے وہی سچ ہے میں حدیث دکھا سکتا ہوں۔ لوگوں نے مجھے آکر بتایا کہ وہ ایسا کہہ رہے ہیں۔ میں نے سوچا بجائے ان سے بحث ومباحثہ کرنے کے مفتیان دین سے رجوع کیا جائے۔ اس لیے آپ کی خدمت میں یہ مسئلہ پیش کر رہا ہوں۔ آپ تشریح فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید کی تقریر کے جو جملے منقول ہیں وہ درست ہیں۔ پہلا جملہ تو بالکل واضح ہے اور دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ نہ سید زکوۃ لے سکتے ہیں اور نہ انہیں آپ دے سکتے ہیں۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ نہ وہ خود زکوۃ لے سکتے ہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں۔ یوں ہی تیسرے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ سید کو زکوۃ لینا اور کسی کا انہیں دینا دونوں حرام ہے۔ اسی حکم کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ ج ۴، ص ۴۶۷ کتاب الزکوۃ میں اس طرح بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں: ''سید کو زکوۃ لینا دینا حرام ہے۔'' اسی میں ص ۴۷۸ پر اس حکم کو دوسرے انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں: ''بنی ہاشم کو زکوۃ وصدقات واجبات دینا زنہار جائز نہیں، نہ انہیں لینا حلال۔''

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ زید کی تقریر درست ہے۔ اس کی تقریر کا یہ مطلب نہیں کہ سید صاحب نصاب پر زکوۃ واجب نہیں، جیسا کہ سائل نے سمجھا۔ البتہ جب سائل کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی تو صبح کو کچھ لوگوں سے بتانے کے بجائے وہ خود امام مذکور یعنی زید کے پاس جاتا اور امام کو عاجز یا رسوا کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ مسئلہ کو سمجھنے کی غرض سے نرمی کے ساتھ پوچھتا کہ آپ نے اس طرح بیان فرمایا ہے اور میرے علم میں یہ مسئلہ اس طرح ہے، کیا میں غلطی پر ہوں؟ اگر سائل ایسا کرتا تو یقیناً زید اس کی وضاحت کرتا۔ ہاں اگر وہ نہ سمجھاتا تو اب ضرور اس پر الزام آتا کہ اس نے علم چھپایا۔ اور جب امام کا بتایا ہوا مسئلہ درست ہے تو اس پر نادم ہونے کا کیا معنی؟ ندامت خطا پر ہوتی ہے، جب خطا نہیں، ندامت نہیں۔

ہاں ایک تنبیہ ضرور ہے کہ امام کو ہر معاملہ شرعیہ میں خوش اخلاقی سے کام لینا لازم ہے۔ اور عوام کو سنجیدگی کے ساتھ مسائل واحکام کا درس اس طرح دے کہ تعبیر وبیان سے معنی مقصود کے خلاف کا وہم نہ ہو، اگر وہم ہو تو اس کی وضاحت کرے۔ یوں ہی عوام پر لازم ہے کہ امام کا ہر حال میں احترام کریں، اگر اس کی تقریر میں کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو اس کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کے بجائے انتہائی خلوص اور عاجزی کے ساتھ پوچھیں۔ کیوں کہ امام کا مرتبہ بہت بلند ہے اور امام اسی لیے ہوتا ہے کہ ہر نیک کام میں اس کی اتباع کی جائے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

''انما جعل الامام لیؤتم بہ'' (بخاری شریف ج ۱، ص ۹۵، باب انما جعل الامام

لیؤتم به من کتاب الاذان) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

امام کو جمعہ کی تقریر کے بجائے انتظامیہ کے پاس اپنی تنخواہ کی بات کرنی چاہیے۔

مسئلہ : ازمحمد رئیس الدین فاروق نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں

اگر کوئی عالم امامت کرتا ہواور وہ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے تقریر کرتے وقت اپنے لیے تنخواہ کے بارے میں بیان کرتا ہو کہ میری تنخواہ کم ہے وہ مقتدیوں سے مخاطب ہو کر یہ کہے کہ میں آپ لوگوں کے بچوں کو پڑھاتا ہوں کیا آپ نے کبھی میری تنخواہ کے بارے میں سوچا یا کبھی انتظامیہ کمیٹی سے پوچھا کہ میری تنخواہ کتنی دیتے ہو یا یہ کہے کہ ڈاکٹر، ماسٹر، انجینئر سے زیادہ ہونی چاہیے کیا ایسا بیان کرنا صحیح ہے یا غلط۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : امام مذکور کو چاہیے کہ اپنی تنخواہ کے معاملے کو انتظامیہ کمیٹی کے سامنے رکھے۔تقریر جمعہ میں اس طرح کے بیانات سے اجتناب کرے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۴ رربیع الآخر ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

امام کو اپنی تنخواہ کی بات تقریر جمعہ کے بجائے انتظامیہ کمیٹی سے کرنی چاہیے۔امام کی

جانب سے دوسرے کی نقل کی ہوئی بات کو خود امام کی طرف منسوب کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد رئیس الدین فاروق نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں

اگر کوئی عالم امامت کرتا ہو وہ تنخواہ کے بارے میں یہ سوچ کہ تنخواہ ڈاکٹر، ماسٹر، انجینئر سے زیادہ ہونی چاہیے اور وہ یہ کہے کہ امام مؤذن کی تنخواہ کم رہنے سے لوگ کیا سوچتے ہیں اور مثال اپنے بارے میں بتائے کہ میرے والد نے میرا نام دینی مدرسہ میں لکھوایا میرے والد سے میرے خالو یا ماموں یا چچا نے پوچھا بچے کا نام کہاں لکھوائے ہو میرے والد نے جواب دیا کہ اس کا نام دینی تعلیم کے لیے مدرسہ میں لکھوایا ہوں یہ سن کر میرے خالو یا ماموں یا چچا نے کہا'' یہ کیا کیے گوبر میں اصلی گھی ڈال دیا'' ایسی تقریر جمعہ کے خطبہ سے پہلے کرنا صحیح ہے یا غلط؟ اور ایسی مثال دینے والا امام مسجد میں امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سائل نے بغیر سمجھے سوال میں مذکور قول کا لبول کی نسبت امام مذکور کی طرف کردیا ہے یہ اس کی غلطی ہے لہذا اس پر اس سے رجوع کرنا لازم ہے۔ مذکورہ بالا بیان کی وجہ سے امام مذکور کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ امام کو چاہیے کہ وہ ایسی تقریر نہ کرے جس سے عوام فتنے میں مبتلا ہوں اور اپنی تنخواہ کے معاملے کو تقریر جمعہ میں عوام کے سامنے بیان کرنے کے بجائے کمیٹی کے سامنے رکھے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴/ربیع الآخر ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

خلاف شرع تقریر کرنے والے اور جھوٹ بولنے والے کی امامت کیسی ہے؟

مسئلہ : از حاجی میر عبد القادر علی متولی صدر حضرت فاتح شاہ مزار مسجد ٹرسٹ کمیٹی پولس لائن ٹکراپارہ رائے پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملے میں کہ

ایک مسجد کے امام صاحب ایک مدرسہ کے مہتمم ہیں، اس مدرسہ میں دس سے پندرہ طلبا رہتے ہیں، مگر امام صاحب مسجد میں زیادہ بچوں کا خود اعلان کرتے ہیں اور دیگر مسجدوں میں بھی اعلان بھجواتے ہیں کہ ہمارے مدرسہ میں زیادہ طلبا ہیں اس سال رمضان کے اشتہار و اعلان میں ۷۴ طلبا کا اعلان ہوا۔ اسی طرح امام صاحب نے خود مسجد میں جمعہ کے دن خطبہ کے پہلے ۷۴ طلبا کا اعلان کیا اور اسی طرح دیگر مسجدوں میں بھی اعلان بھجوایا گیا۔ امام صاحب صرف حافظ ہیں عالم نہیں ہیں اور انہوں نے کئی بار باشرع لوگوں کے درمیان اس کا اقرار بھی کیا ہے کہ میں عالم نہیں ہوں اس لیے وہ کئی بار تقریروں میں خلاف شرع بات بیان کرتے ہیں جس پر عوام روک ٹوک کرتے ہیں۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے؟

کئی سالوں سے جھوٹ بولتے آرہے ہیں اور جھوٹا اعلان کرتے اور کرواتے ہیں ایسے شخص کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

غیر عالم کا تقریر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تقریر میں ہمیشہ خلاف شرع بولنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

جو لوگ ایسے شخص کو امامت کے لیے بضد ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

لہذا آپ سے گزارش ہے کہ مذکورہ بالا سوالات کے جوابات شریعت کی روشنی میں دینے کی مہربانی کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : امام موصوف نے اپنے مدرسہ کے طلبا کی تعداد کا جو اعلان کیا ہے پہلے ان سے پوچھ لیا جائے کہ آپ نے طلبا کی تعداد کا جو اعلان کیا ہے وہ کس بنا پر ہے جب کہ آپ کے یہاں اتنے طلبا نہیں ہیں اگر وہ صحیح بات نہ بتاسکیں تو ان کے اعلان کو جھوٹ پر محمول کیا جائے ورنہ ممکن ہے کہ مقامی طلبا جو آنا جانا کر کے پڑھتے ہیں ان کو شامل کرتے ہوئے تعداد مذکور کا اعلان کرتے ہوں اگر ان کا جھوٹ ثابت ہو جائے تو یقیناً یہ فسق بالا علان ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی

واجب الاعادہ ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

"فان تقديم الفاسق اثم والصلوة خلفه مكروهة تحريما."

غیر عالم کا زبانی بلا کتاب کے اپنی طرف سے تقریر کرنا جائز نہیں ہاں اگر کسی سنی صحیح العقیدہ مستند عالم کی کتاب سے یاد کر کے یا کتاب سامنے رکھ کر دیکھ کر تقریر کرتا ہو اور اپنی طرف سے کچھ نہ ملاتا ہو تو جائز ہے سیدنا اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ الملفوظ شریف میں فرماتے ہیں "غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے" اور فرماتے ہیں "عالم کی تعریف یہ ہے کہ وہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور اپنی ضروریات کو کتاب سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے"۔ کسی نے دریافت کیا کہ کتب بینی ہی سے علم ہوتا ہے فرمایا "یہی کافی نہیں بلکہ علم افواہ رجال سے بھی حاصل ہوتا ہے۔" (الملفوظ شریف ج ۱ ص ۷ مطبوعہ قادری کتاب گھر)

امام موصوف سے جھوٹ بولنا یا خلاف شرع باتیں تقریر کرنا ثابت ہو جائے تو لوگوں کا ان کو امامت کے لیے امامت پر رکھنے کے ضد کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا کہ اس سے نماز خراب ہوگی اور اس کی ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔ شرع کے معاملے میں بے جا ضد و ہٹ دھرمی جائز نہیں۔ وہ لوگ گنہگار رہوں گے اور مستحق عذاب نار ہوں گے۔ **ھو تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

یکم ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ۔ ۱۹ ستمبر ۲۰۱۲ء بروز چہارشنبہ

الجواب صحیح

محمد مجیب اشرف رضوی

امام کے خلاف غلط فتویٰ منگانا کیسا ہے؟

مسئلہ : از محمد کلیم انصاری پیلی ندی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ کے بارے میں کہ

زید ایک سنی صحیح العقیدہ حافظ قرآن ہے اور کئی سالوں سے منصب امامت پر فائز ہے۔ ایک دن کی بات ہے کہ زید نے مغرب کی نماز پڑھائی اور مقتدی حضرات کافی تعداد میں موجود تھے جونہی زید نے سلام پھیرا تو بکر کھڑا ہو کر امام صاحب (زید) کو ان جملوں سے مخاطب کیا، کیا نماز ہوگئی اور مزید یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ پڑھ اپنی نماز مردود، خبیث، شیطان۔ اس پر امام صاحب نے پوچھا کیا ہوا تو کیا بول رہا ہے تو بکر کہتا

ہے کیا ہجے کر کے نماز پڑھا رہے ہو اس بات کو سن کر تمام مقتدی تعجب میں پڑ گئے اور بولنے لگے کہ تم یہ کیا کہہ رہے ہو آج تک امام صاحب نے صحیح نماز پڑھائی اور تم بھی پڑھتے رہے اور آج ہجے والی نماز ہو گئی اور اب بھی نماز میں کوئی غلطی دکھ رہا ہے۔ تمام مقتدی اس کو سمجھانے لگے کہ آخر بات کیا ہے اس نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا اور چلا گیا۔ اس دن کے بعد سے بکر جان بوجھ کر جماعت ختم ہونے کے بعد آتا ہے اور تنہا نماز پڑھتا ہے۔ تقریباً سات آٹھ مہینہ کے بعد ایک دن امام صاحب (زید) نماز پڑھنے کے بعد مسجد کے داخل دروازہ سے باہر نکل رہے تھے تو بکر نے امام صاحب کو کاندھا مارا جس سے امام صاحب کو زخم بھی آ گیا۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ تو نے مجھ کو کاندھا کیوں مارا تو بکر غیر مہذب انداز میں آ کر امام صاحب کو ذلیل کرنے کی کوشش کرنے لگا تو امام صاحب نے اس عصا کو ہاتھ میں لیا جو وقت خطبہ لیا جاتا ہے اور یہ کہا کہ اگر تم کو فتنہ پھیلانا ہو تو مسجد میں مت آیا کر اور حرامی ہونے کا کام مت کیا کر تو اس پر بکر کہنے لگا کیا تیرے باپ کی مسجد ہے اس کے بعد بکر نے ساری سچائی کو چھپا کر صرف اس بات پر فتوی منگوایا کہ امام نے مجھ کو حرامی کہا اور مسجد میں آنے سے منع کیا۔ نیز یہ بھی فتوی میں لکھا کہ امام (زید) زانی ہے جب کہ بکر کے پاس اس بارے میں کوئی ثبوت اور کوئی گواہ نہیں ہے اور فتوی لا کر لوگوں میں تقسیم کروا دیا۔

دریافت امر یہ ہے کہ ایسے شخص کا شرع میں کیا حکم ہے جو حقیقت کو چھپا کر اور غلط باتوں کا فتوی منگوا کر تقسیم کروائے اور امام صاحب کو ذلیل کرے اور بے بنیادی چیزوں کی تہمت لگائے۔ نیز امام صاحب (زید) نے جو عصا اٹھا کر بکر سے کہا کہ فتنہ پھیلانا ہو تو مسجد میں مت آیا کر اور حرامی ہونے کا کام مت کیا کر تو کیا از روئے شرع امام پر بھی کوئی حکم نافذ ہو گا یا نہیں قرآن واحادیث کی روشنی میں ان مسئلوں کا جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فراہم کریں کرم ہو گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جب وہ امام کئی سال سے وہاں نماز پڑھا رہا ہے اور پوری قوم کے ساتھ بکر بھی اس کے پیچھے ایک مدت سے نماز پڑھتا آ رہا ہے تو اس سے ظاہر یہی ہے کہ وہ قرآن صحیح پڑھتا تھا اور اب بھی صحیح پڑھتا ہے جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے کہ بکر کے اس طرح کہنے پر لوگوں کو تعجب ہوا لہذا اب بکر کا امام مذکور کے اندر عیب نکالنا یہ ثابت کرتا ہے کہ خود بکر ہی کے اندر کوئی خرابی ہے صورت مسئولہ میں بکر نے ایک نہیں کئی طریقے سے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اولا تو یہ کہ اس نے امام کو مردود، خبیث اور شیطان کہہ

کر گالی دی ہے جو کہ سخت ممنوع ہے۔ارشاد باری ہے:

"وَلَاتَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ .(پ ۲۶،س حجرات ۴۹،آیت ۱۱)

اور آپس میں طعنہ نہ کرو اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

"سباب المسلم فسوق."(مسلم ج ۱،ص ۵۸،باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم :سباب المسلم فسوق من کتاب الایمان)

یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق و گناہ ہے۔

دوسرا یہ کہ اس نے بلاوجہ کندھا مار کر امام کو تکلیف پہنچائی جو کہ ناجائز و گناہ ہے۔ارشاد باری ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَااكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا. (پ ۲۲،س احزاب ۳۳،آیت ۵۸)

اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کیے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

تیسرا یہ کہ بلا عذر شرعی کئی مہینے تک جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گنہگار رہا۔

چوتھا یہ کہ اس نے بلا دلیل امام پر زنا کی تہمت لگائی اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس کو سزا کے طور پر اسی کوڑے لگائے جاتے اور ہمیشہ کے لیے اس کی گواہی مردود قرار دی جاتی۔ارشاد باری ہے:

"وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا اُوْلٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ.(پ ۱۸،س نور ۲۴،آیت ۴)

اور جو پارسا عورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہ معائنہ کے نہ لائیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو اور وہی فاسق ہیں۔

پانچواں یہ کہ اس نے امام کے خلاف غلط فتوی منگا کر لوگوں کو امام سے متنفر کیا جو گناہ پر گناہ ہے کہ خود اس نے غلط کام بھی کیا اور اس غلط کو صحیح ثابت کرنے کے لیے واقعہ کا رخ بدل کر امام کے خلاف فتوی بھی طلب کر لیا تا کہ عوام کی نظر میں امام کو ذلیل و رسوا کرے،لہذا بکر پر واجب ہے کہ وہ مجمع عام میں امام

مذکور سے معافی مانگے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرے۔

حرامی کا معنی ولد الزنا ہے لیکن ہمارے ملک میں عموماً اس کا استعمال گالی کے طور پر ہوتا ہے اور امام نے جو یہ کہا ہے کہ ''حرامی ہونے کا کام مت کیا کرو'' تو اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ حرامی یعنی شریر اور کمینے لوگوں کی طرح کام مت کیا کرو، یا اس طرح کے کام کر کے اپنے حرامی یعنی شریر ہونے کا ثبوت مت دو۔ بہر حال لوگوں کی نظر میں اس لفظ کا استعمال کرنا اچھا نہیں، اس لیے امام کو اس سے بچنا ضروری ہے اور اگر اس نے یہ بات تشبیہ کے طور پر نہیں کہی تھی تو یہ ضرور فسق وفجور ہے اور امام کو اپنے اس قول سے رجوع کرنا لازم ہے کہ مسلم کو گالی دینے کا فسق ہونا مطلق ہے۔ لہذا امام کو چاہیے کہ نرمی کے ساتھ بکر سے مصالحت کرے تاکہ اس کی الجھن اور غم وغصہ ختم ہو کیوں کہ دین کا کام نرمی اور حکمت سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ.''(پ ۱۴، س نحل ۱۶. آیت ۱۲۵)

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲/ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بلا دلیل امام پر جو الزام لگایا گیا اس کا کوئی اعتبار نہیں

مسئلہ : از محمد جمیل شیخ، شیخ علی ۶/مارچ ۲۰۱۲ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں

کہ زید عالم دین ہے دوران امامت کچھ لوگوں نے ان پر یہ الزام رکھا کہ امام صاحب نے فون پر ایک نامحرم عورت سے ناشائستہ باتیں کیں اور کئی مرتبہ اس عورت کو فون لگایا حالانکہ امام صاحب حلفیہ بیان دینے کو کل بھی تیار تھے اور آج بھی تیار ہیں کہ ان پر لگایا گیا الزام غلط ہے۔ محض بعض لوگوں کے غلط الزام لگانے کے سبب زید کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں جب کہ زید بحمدہ تعالیٰ جامع شرائط امامت ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : امام پر الزام لگانے والوں کے پاس جب کوئی ثبوت شرعی نہیں اور نہ گواہان شرعیہ سے اس الزام کا ثبوت ہے تو امام صاحب اس الزام سے بری ہیں، محض اس الزام کی وجہ سے جو شرعاً ثابت نہیں وہ نا قابل امامت نہیں ہو سکتے اور نہ ان کو اس کی وجہ سے امامت سے ہٹانا درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۳؍ربیع الغوث ۱۴۳۳ھ ۔ ۷؍مارچ ۲۰۱۲ء بروز چہارشنبہ

بلا وجہ شرعی کسی امام کو اس کے منصب سے ہٹانا جائز نہیں

مسئلہ : از شارق پرویز شطرنجی پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ

ہماری مسجد میں پہلے سے دو امام ہیں، ایک امام جو پانچوں وقت کی نماز پڑھاتے ہیں اور دوسرے جمعہ میں تقریر، خطبہ اور جمعہ پڑھاتے ہیں۔ مسجد کمیٹی نے ان سب ذمہ داریوں اور خدمات کے لیے ایک تیسرے امام کو پندرہ دن پہلے بلایا اور وہ بھی پندرہ دنوں سے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بغیر کسی شرعی وجہ کے کسی امام کو امامت سے نہیں ہٹا سکتے ایسی صورت میں جب کہ کمیٹی کم سے کم ایک یا دو امام رکھ سکتی ہے کمیٹی کو کیا کرنا چاہیے۔

کمیٹی چاہتی ہے کہ محلے میں دین وسنیت کے کام کو فروغ ملے، کیا ایسی صورت میں اچھے سے اچھا یا بہتر امام کے لیے کسی موجودہ امام کو ہٹایا جا سکتا ہے۔

تینوں اماموں کے رکھنے پر محلے میں اور کمیٹی میں آپسی انتشار پیدا نہ ہو ایسی صورت میں کیا مسجد بہترین عالم کو امامت کے لیے لا سکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : سائل نے خود ہی سوال میں حکم شرعی بیان کر دیا ہے کہ بغیر عذر شرعی کسی امام کو منصب امامت سے ہٹا نہیں سکتے۔اور یہی شرع کا حکم ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

"لایجوز عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة"

امام موصوف جو پنجوقتہ نماز پڑھاتے ہیں ان میں کوئی عذر شرعی نہیں ہے تو ان کو منصب امامت سے نہ ہٹایا جائے ورنہ ہٹانے والے گنہگار ہوں گے۔

رہا سنیت کو فروغ دینا تو ایک خطیب پہلے ہی آپ کے پاس موجود ہے پھر تیسرے امام کو لانا اور ان دونوں کو بلا عذر شرعی ہٹانا یہ بھی ان دونوں کو تکلیف پہنچانا ہے جو شرعاً ناجائز ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من آذای مسلما فقد آذانی و من آذانی فقد آذی اللہ."

جس نے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی ،اس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی،اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکلیف پہنچائی۔

سنیت کے فروغ کے لیے گاہ بگاہ علمائے کرام وخطبائے اہل سنت کو بلا کر اپنے محلے میں دینی پروگرام کرائے جائیں جس سے دین وسنیت کو مضبوطی پہنچے اور تبلیغ دین کا کام ہو۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۳؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ۔

موذن کے جرم کی وجہ سے امام کو بلا وجہ شرعی معزول کرنا جائز نہیں

مسئلہ : ازمحمد شاہد رضا رائے پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مسجد کا موذن الزام زنا کے سبب مسجد سے نکالا گیا امام صاحب مسجد میں صرف نماز پڑھانے آتے ہیں اور نماز پڑھا کر اپنے گھر چلے جاتے ہیں جو مسجد سے دو کلو میٹر دور ہے کمیٹی کے بعض افراد یہ کہہ رہے ہیں کہ موذن کی اس حرکت سے امام صاحب باخبر تھے،مگر انہوں نے کمیٹی والوں کو نہیں بتایا اور امام

صاحب یہ بتاتے ہیں کہ موذن کی اس حرکت کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں تھی ۔ کمیٹی کے بعض افراد امام صاحب کے بارے میں لوگوں کے درمیان بدگمانی پھیلا رہے ہیں اور امام صاحب کو امامت سے معزول کرنا چاہتے ہیں جب کہ ان کے پاس اپنے دعوی کا ثبوت نہیں ہے۔لہذا ایسی صورت میں اگر کمیٹی والے امام کو امامت سے معزول کر دیں،توان لوگوں پر شرعا کیا حکم ہے؟

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب بعون الملک الوهاب : بحسب استفتا جو باتین بیان کی گئیں اگر وہ واقع کے مطابق ہیں تو کمیٹی والوں کو اس طرح امام کے متعلق لوگوں میں بدگمانی پھیلانا شرعاً درست نہیں۔جبکہ امام موصوف کا کہنا ہے کہ مجھے موذن کی حرکت کی بالکل خبر نہیں تو اس بنا پر امام کو منصب امامت سے معزول کرنا بھی درست نہیں کہ بلا وجہ شرعی امام کو امامت سے برطرف کرنا گناہ ہے۔جیسا کہ درمختار میں ہے:

"لا يعزل صاحب وظيفة بغير جنحة."

لہذا کمیٹی والوں کو چاہیے کہ وہ توبہ کریں اور اس سے باز رہیں۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۱/ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ۔ ۲۷/نومبر ۲۰۱۰ء بروز شنبہ

ضرورت مند کے لیے درمیان تقریر مسجد میں اعلان کرنا اور جلوس میں چندہ کرنے والوں کو مسجد میں انعام دینا کیسا ہے؟

مسئلہ : از محمد منیر احمد رضوی یٰسینی ساکن چاند امیٹا ضلع چھندواڑہ ایم پی،بمعرفت عبد السمیع متعلم جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ہماری مسجد کے امام صاحب جمعہ کے دن کسی مجبور یا مسافر یا کسی حاجت مند کے لیے مسجد میں تقریر اور خطبہ کے درمیان اعلان کرتے ہیں کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟

(۲) اکثر جمعہ کے دن تقریر اور خطبہ کے درمیان (تقریر کے بعد خطبہ سے پہلے) امام صاحب کے

ذریعہ یا غیر امام کے ذریعہ دنیوی کاموں کا اعلان اور جلوس وغیرہ میں چندہ کرنے والوں کو انعامات دینا جس سے کہ آداب مسجد مجروح ہوتے ہیں کیا یہ کام درست ہیں مفصل جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) ضرورت منداور مجبور مسلمانوں کی مدد کرنا بہت اچھا کام ہے اور قرآن مجید میں اچھے کام پر مدد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

"تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى." (پ۶، س مائدہ ۵، آیت ۲)

نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

لہذا مسجد میں اس طرح کا اعلان کرنا تاکہ لوگ اس کی مدد کریں جائز و درست ہے خواہ تقریر کرنے سے پہلے ہو یا تقریر کرنے کے بعد خطبہ سے پہلے۔ حدیث پاک میں ہے:

"المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله." (مسلم ج۲، ص۳۱۷، باب تحریم ظلم المسلم وخذله من کتاب البر)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے تو وہ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو بے مدد چھوڑے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۲) مسجد کی تعمیر دنیاوی کاموں کے لیے نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کی تعمیر ذکر الٰہی کے لیے ہوئی ہے۔ اسی لیے مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر کرنا ہی اصل میں اس کو تعمیر کرنا اور آباد کرنا ہے کہ یہی اس کا مقصد اصلی ہے۔ اور اس میں دنیاوی کام کرنا درحقیقت اس کو ڈھانا اور برباد کرنا ہے کیوں کہ یہ اس کی تعمیر کے مقصد کے خلاف ہے اور جو شخص مسجد کی بربادی کے اسباب پیدا کرے اللہ تعالیٰ نے اسے سب سے بڑا ظالم کہا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا." (پ۲، س بقرہ ۲، آیت ۱۱)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

اور اس کو آباد کرنے کو مومن کی شان قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ

یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ۔"(پ ۱۰،س توبہ ۹،آیت ۱۸)

لہذا مسلمانوں پر ہر حال میں مسجد کی تعظیم وتوقیر کرنا اور دنیاوی کاموں سے اسے پاک رکھنا ضروری ہے۔اور مسجد میں اس طرح کا اعلان ممنوع ومکروہ ہے۔اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔ہاں اس دنیاوی کام سے مراد اگر قومی ضرورت کے لیے اعلان کرنا ہو تو یہ جائز ہے جیسا کہ جواب نمبر۲ میں مذکور ہوا۔البتہ انعامات کی تقسیم کرنے میں اگر مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے تو اس سے بچنا واجب وضروری ہے اور انہیں چاہیے کہ یہ کام مسجد کے باہر انجام دیں۔

فتاوی عالمگیری میں محیط سرخسی سے ہے:

"یکرہ کل عمل من عمل الدنیا فی المسجد."(ج۵، ص ۳۲۱،الباب الخامس فی آداب المسجد من کتاب الکراھیة)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۳/رجب ۱۴۲۹ھ

باب احکام المسجد

احکام مسجد کا بیان

کافر مسجد میں کوئی تعاون کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از ظہیر الدین غازی پوریوپی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گاؤں کا لیڈر (مکھیا) جو کہ ووٹ کے لالچ میں گاؤں کی مسجد میں تعاون کرنا چاہتا ہے اور وہ کافر ہے کیا وہ تعاون جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : اگر وہ لیڈر مسجد میں تعاون کرنا چاہتا ہے تو مسجد کمیٹی اس سے روپیہ لے کر از خود کوئی سامان خرید کر مسجد میں لگا دے اور اس پر اس کا نام نہ لکھے تو یہ شرعاً ممنوع نہ ہوگا بشرطیکہ وہ فی الحال یا فی المآل مسلمانوں پر یا مسجد پر احسان نہ جتلائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۵ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ۔۲۳ر دسمبر ۲۰۰۹ء

الجواب صحیح

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

غیر مسلم کی رقم مسجد میں لگانا جائز ہے جب کہ بطور نیاز مندانہ دے

مسئلہ : از شیخ عبد الرحیم مسجد علی میاں کھم تلسی باغ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ غیر مسلم شخص کا پیسہ مسجد کے طہارت خانہ اور وضو خانہ میں استعمال کرنا اور مزدوروں کو اس کا معاوضہ دینا کیسا ہے؟ اس کا جواب قرآن

وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : غیر مسلم اپنی مرضی اور خوشی سے جو رقم دیں اس کو مسجد کے طہارت خانے یا وضو خانے کی تعمیر میں لگانا یا مزدور کی مزدوری میں دینا جائز ہے۔ اور اس میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ مسلمان کافر سے وہ رقم لے کر اپنی طرف سے لگادے۔

ہدایہ میں ہے:

"ان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیہ غدر." (ج۳، ص۸۶، باب الربی من کتاب البیوع)

البتہ یہ ضرور ہے کہ کفار اگر بطور احسان وہ رقم دیں، یا ان سے لینے میں کسی شرعی مصلحت کی خلاف ورزی ہو، یا مسلمان مانگ کر ان سے یہ رقم لیں تو یہ ہرگز جائز نہیں۔ حدیث پاک میں ہے:

"انا لا نستعین بمشرک." (سنن ابی داؤد: ج۲، ص۳۷۵، باب فی المشرک ما یسھم لہ من کتاب الجھاد) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۳ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

حکومت کے فنڈ سے ملنے والی رقم کو مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازنور محمد بخشی یادونگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ حکومت کے فنڈ سے ایم پی، ایم ایل اے وغیرہ کارکنان حکومت کے عطیہ سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : حکومت کے فنڈ کی رقم اس کے کارکنان کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ وہ رفاہ عام اور عوام کی ضروریات کے لیے ہوتی ہے، لہذا اس کے لینے میں اگر کسی مصلحت شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو مسجد

کی تعمیر کے لیے اس رقم کے لینے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کے کارکنان اگر نیازمندانہ طور پر دیں اور اس کے لینے میں کسی مصلحت شرعیہ کے خلاف نہ ہو تو لینا ہی چاہیے کیوں کہ اگر ہم ان رقموں کو نہ لیں گے تو اپنے قانون کے مطابق ان رقموں کو وہ دوسرے ناجائز کاموں میں خرچ کریں گے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

''خزانہ والی ملک کی ذاتی ملک نہیں ہوتا تو اس کے لینے میں حرج نہیں جب کہ کسی مصلحت شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔'' (ج ۶،ص ۴۶۰، کتاب الوقف، باب المسجد)

اسی میں ہے:

''گورنمنٹ اگر اپنے پاس سے امداد کرتی بلا شبہ اس کا لینا جائز اور اس کا قطع کرنا حماقت اور جب وہ مدارس اسلامیہ میں نہ لیا گیا گورنمنٹ اپنے قانون کے مطابق اسے دوسرے مدارس غیر اسلامیہ میں دے گی تو حاصل یہ ہوا کہ ہمارا مال ہمارے دین کی اشاعت میں صرف نہ ہو بلکہ کسی اور دین باطل کی تائید میں خرچ ہو کیا کوئی مسلم عاقل اسے گوارہ کر سکتا ہے۔'' اھ ملخصا۔ (ج ۹،ص ۲۷۷،نصف آخر)

اور اگر وہ کارکنان حکومت خود سے اپنی جیب سے یعنی اپنی ذاتی رقم مسجد کی تعمیر کے لیے اس طور پر دیں کہ اس سے مسجد میں ان کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا یا اور کوئی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو تو بھی ان کی رقم لینے میں حرج نہیں کہ یہاں کے کفار حربی ہیں، لہذا وہ اپنی مرضی سے جو کچھ بھی جائز مال دیں اس کا لینا جائز ہے۔ البتہ ان سے دینی امور میں چندہ مانگنا منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''انا لانستعین بمشرک.''(سنن ابی داؤد ج ۲،ص ۳۷۵،باب فی المشرک مایسهم له من کتاب الجهاد)

ہدایہ میں ہے:

''ان مالهم مباح فی دارهم فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذالم یکن فیه غدر.'' (ج ۳،ص ۸۶،باب الربی من کتاب البیوع)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

غیر مسلم لیڈر کی ذاتی رقم یا گورنمنٹ کے فنڈ کی رقم سے مسجد کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد حبیب الرحمٰن نوری امام وخطیب مکہ مسجد ترمل نگر گوداوری کھنی ضلع کریم نگر اے پی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں کہ مسجد کی ایک خالی جگہ ہے اور اس جگہ کو مسجد کی آمدنی کے لیے عمارت بنوانا چاہتے ہیں بنانے کی صورت یہ ہے کہ ایک غیر مسلم لیڈر کے ذریعے سے چاہے وہ گورنمنٹ فنڈ یا اپنے ذاتی پیسے سے بنوائے تو ایسی صورت میں اس عمارت کی آمدنی کے پیسے کو مسجد میں استعمال کرنا یا مسجد کے دیگر کاموں میں صرف کرنا کیسا ہے از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : غیر مسلم لیڈر کی ذاتی رقم یا گورنمنٹ کے فنڈ کی رقم سے مسجد کی مذکورہ عمارت کو بنانا جائز ہے۔ مذکورہ عمارت سے حاصل ہونے والی رقم مسجد کی ضرورت کے مطابق مسجد کے مصرف میں استعمال کرنا جائز ہے کہ یہاں کے کفار حربی ہیں اور اپنی مرضی سے جو کچھ دیں اس کا لینا جائز ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"لاربوا بین المولی وعبدہ ولابین المسلم والحربی فی دارالحرب لأ ن مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذالم یکن فیہ غدر."

(ج۳،ص ۸۶،باب الربی من کتاب البیوع)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ضرورتاً مسجد کی تعمیر نو اور توسیع وترمیم میں حرج نہیں

مسئلہ : ازمحمد سمیع پٹیل روز کالونی ناگ پور۔۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے مسجد کے لیے زمین خریدی اور والدہ کی طرف سے مسجد تعمیر کی۔نمازی کی کثرت کے سبب اہل محلّہ کے ساتھ کمیٹی کے حضرات

نے تقریباً پانچ ہزار اسکوائر فٹ زمین خریدی، تاکہ اس پر تعمیر کی جائے، اس کا فاؤنڈیشن تیار کیا جا چکا ہے ،ضرورت ہے مسجد کی صفوں کو جدید صفوں کے ساتھ ملانے کی، جو کچھ اونچائی پر ہے، نیز مستقبل قریب میں مسجد قدیم کی تعمیر میں کچھ ردوبدل کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔اس صورت میں کیا کثرت جماعت کو دیکھتے ہوئے مسجد قدیم میں تعمیری اعتبار سے تبدیلی کی جاسکتی ہے؟ نیز حسب ضرورت اس پر تعمیر نو کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ زید اس کے قریبی مسجد کو یادگار کے طور پر قائم رکھنا چاہتا ہے۔

برائے مہربانی حکم شرع ارشاد فرما کر مشکور فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے اگر واقعی وہ مسجد تنگ ہو رہی ہے تو اس مسجد کی توسیع کرنا جائز و درست ہے۔ مسجد قدیم کو اس کی اصل جگہ پر باقی رکھتے ہوئے حسب ضرورت اس میں ترمیم و تعمیر نو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

"لوضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض لرجل يوخذ بالقيمة كرها."(على هامش الهندية ج٣،ص ٢٩٣،باب الرجل يجعل داره مسجدا من كتاب الوقف) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴۳۶/۶/۹ھ-۲۰۱۵/۳/۳۰ء

نئی تعمیر میں اصل مسجد کے کچھ حصے کو چھوڑنا اور اس پر فیملی روم بنانا جائز نہیں

مسئلہ : از شیخ عبد الرحیم مسجد علی میاں کھم تلسی باغ روڈ محل ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں، آپ کو ایک ڈرائنگ بھیج دیا جا رہا ہے جس میں گلابی رنگ اور پیلے رنگ اور ہرے رنگ کی لائن میں ہے۔ پیلے رنگ کی لائن والی لکیر جو ہے وہ پرانی مسجد تھی اور ہری لائن والی لکیر جو ہے وہ نئی مسجد کی تعمیر کی گئی ہے۔گلابی رنگ کی جو

لائن ہے زمین کے لیبل میں دوفٹ کا سلیب نالے پر ڈال کراس پر طہارت خانہ بنایا گیا۔اور جو پرانی مسجد کی تھوڑی سی جگہ ہے اس جگہ سلیب ڈال کر فیملی روم بنانا چاہتے ہیں۔اور باہر آنے جانے کے راستے ہری لائن کے بازو سے جس کے نیچے وضو خانہ اور اس کے اوپر زینہ ہے،اسی راستے سے آنا جانا رہے گا۔

اب کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام کہ پرانی مسجد کی جو تھوڑی سی جگہ چھوٹی ہوئی ہے اس پر فیملی روم بنانا چاہتے ہیں لہذا فیملی کے ساتھ رہنا درست ہے یا نہیں اس کا جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : آپ کے پیش کردہ نقشے سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ نے مسجد کی نئی تعمیر سے پہلے کسی مستند عالم دین سے اس مسجد کی توسیع کے بارے میں مسئلہ نہیں پوچھا تھا ورنہ اتنی بڑی خطا ہرگز نہیں ہوتی۔نقشے کے مطابق اس نئی تعمیر میں پرانی مسجد کو مسجد سے خارج کر دیا گیا ہے جو ہرگز ہرگز جائز نہیں، کیوں کہ جو زمین ایک بار مسجد ہو جاتی ہے وہ اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے اور تحت الثریٰ سے عرش تک ہمیشہ کے لیے وہ مسجد ہی رہتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَاِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ."(۱۸/۷۲)

اور بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔

لہذا اب آپ پر لازم ہے کہ مسجد کی وہ جگہ جسے آپ نے اس نئی تعمیر میں مسجد سے نکال دیا ہے اسے مسجد میں داخل کریں ورنہ سخت گنہگار رہوں گے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ مسجد یا فنائے مسجد یعنی صحن مسجد جسے مسجد صیفی بھی کہتے ہیں اس کو دوکان وغیرہ بنانا جائز نہیں اور مسجد وصحن مسجد کا حکم ایک ہے لہذا صورت مسئولہ میں مذکورہ زمین پر فیملی روم بنانا ہرگز جائز نہیں کہ یہ مسجد کی عزت وحرمت کے خلاف ہونے کے ساتھ وقف کی تبدیلی بھی ہے جو جائز نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"قيم المسجد لايجوز له أن يبنى حوانيط فى حد المسجد أو فى فنائه لأن المسجد اذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لايجوز والفناء تبع المسجد

فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی.‘‘(ج۲،ص۴۶۲،الباب الحادی عشر فی المسجد من کتاب الوقف)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۹؍صفر۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مسجد کی محراب کو بیچ میں رکھنے کی صورت میں قبلہ سے کچھ انحراف ہو تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

مسئلہ : ازمولانا محمد عبد الحبیب رضوی مہتمم جامعہ ہذا تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

ایک مسجد کی جگہ اس طرح ہے کہ اس کی محراب کو بیچ میں رکھنے کی صورت میں جہت قبلہ سے مصلیوں کو منحرف ہونا پڑتا ہے،لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی صورت حال میں محراب کو جانبین کے وسط یعنی بیچ سے کچھ ہٹایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہٹا سکتے تو اسے وسط میں برقرار رکھنے کی صورت میں جہت قبلہ سے کتنا انحراف ہوسکتا ہے کہ جس سے نماز فاسد نہ ہو۔ برائے کرام قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : محراب معروف درحقیقت وسط مسجد کی علامت ہے جسے امام کے کھڑے ہونے کے لیے بنایا جاتا ہے تاکہ وسط مسجد کی تعیین ہوجائے اور امام کا وسط مسجد ہی میں کھڑا ہونا ضروری اور موافق سنت متوارثہ ہے۔لہذا اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔درمختار میں امام کے بارے میں فرمایا:

’’یقف وسطاً.‘‘(فوق ردالمحتار ج۲،ص۳۱۰،باب الامامۃ من کتاب الصلوۃ)

کہ امام وسط میں کھڑا ہو۔

البتہ کعبہ کی طرف رخ کرنے میں کچھ حد تک گنجائش یوں ہے کہ ہمارے بلاد میں عین کعبہ وقبلہ کی

طرف منہ کر کے نماز پڑھنا لازم وضروری نہیں بلکہ صحت نماز کے لیے جہت کعبہ کو ہی منہ کر لینا کافی ہے۔
اس کی تفصیل حسب ذیل نقشہ اور عبارات سے ملاحظہ کریں۔

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے عین و جہت کعبہ کی وضاحت کے لیے یہ نقشہ بنایا ہے:
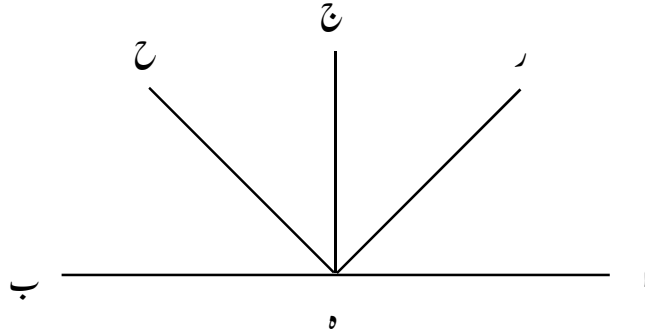
پھر لکھتے ہیں: ''جہت کعبہ کو منہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ منہ کی سطح کا کوئی جز کعبہ کی سمت میں واقع ہو، تو اگر قبلہ سے کچھ انحراف ہے، مگر منہ کا کوئی جز کعبہ کے مواجہہ میں ہے، نماز ہو جائے گی۔ اس کی مقدار ۴۵/درجہ رکھی گئی ہے۔ تو اگر ۴۵/درجہ سے زائد انحراف ہے، استقبال نہ پایا گیا، نماز نہ ہوئی مثلاً ''ا''، ''ب'' ایک خط ہے اس پر ''ہ''، ''ح'' عمود ہے اور فرض کرو کہ کعبہ معظّمہ عین نقطہ ''ج'' کے محاذی ہے، دونوں قائمے ''ا''، ''ہ''، ''ج'' اور ''ح''، ''ہ''، ''ب'' کی تنصیف کرتے ہوئے خطوط ہ، ر، ہ، ح کھینچیں تو یہ زاویہ ۴۵/۴۵/درجے کے ہوئے کہ قائمہ ۹۰/درجے ہے۔ اب جو شخص مقام ہ پر کھڑا ہے، اگر نقطہ ج کی طرف منہ کرے تو عین کعبہ کو منہ ہے اور اگر دہنے بائیں ر یا ح کی طرف جھکے تو جب تک ر، ح، ج، ح کے اندر ہے جہت کعبہ میں ہے اور جب ''ز'' سے بڑھ کر ''ا'' یا ''ح'' کی طرف منہ کرے تو عین کعبہ کو منہ ہے اور اگر دہنے بائیں ''ز'' یا ''ح'' کی طرف جھکے تو جب تک ر، ج، یا ج، ح کے اندر ہے، جہت کعبہ میں ہے اور جب ''ز''، سے بڑھ کر ''ا'' یا ''ح'' سے گزر کر ''ب'' کی طرف کچھ بھی قریب ہوگا تو اب جہت سے نکل گیا نماز نہ ہوگی۔ درمختار وافادات رضویہ'' (بہار شریعت حصہ ۳، ص ۴۸۷، ۴۸۸، نماز کی شرطوں کا بیان، مطبوعہ مجلس المدینۃ العلمیہ دعوت اسلامی)

لہذا صورت مسئولہ میں وہاں کے نمازی مذکورہ ۴۵/درجے کے اندر انحراف کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں ان کی نماز ہو جائے گی۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۳۰/جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

جس اگربتی میں سینٹ کی آمیزش ہو اسے مسجد میں جلانا یا اگربتی کے سلگانے سے مصلیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو مسجد میں اگربتی کا سلگانا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد ذیشان ہاشمی متعلم رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مسجد میں اگربتی سلگانا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ اگربتی کو سینٹ میں ڈبا کر اس میں خوشبو پیدا کرتے ہیں۔اس کے اندر مضر صحت کیمیکلس ڈالتے ہیں اور دھول دھوئیں سے ایلرجی رکھنے والے کئی نمازی نماز کے لیے آتے ہیں جنہیں اگربتی کے دھوئیں کے سبب چھینک یا کھانسی آنے لگتی ہے اس لیے اگربتی مسجد میں نہیں لگانی چاہیے۔ازروئے شرع صحیح مسئلہ سے آگاہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشہور ہے کہ سینٹ میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے اور الکوحل شراب کی ایک قسم ہے اور شراب ام الخبائث اور ناپاک ہے۔اور مسجد عبادت الٰہی کا ایک مقدس، ستھرا اور پاکیزہ مقام ہے جسے ہر نجاست اور ناپاک چیزوں سے بچانا ضروری ولازم ہے۔لہذا اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ اس اگربتی میں مذکورہ سینٹ کی آمیزش اور ملاوٹ ہے تو ایسی اگربتی کو مسجد میں سلگانا جائز نہیں بلکہ ایسی اگربتی کو مسجد میں لے جانا ہی جائز نہیں۔

درمختار میں ہے:

"وکرہ تحریما ادخال نجاسۃ فیہ وعلیہ".اہ ملخصا

اس کے تحت شامی میں ہے:

”عبارۃ الاشباہ :وادخال نجاسۃ فیہ یخاف منھا التلویث اھ.ومفادہ الجواز لو جافۃ، لکن فی الفتاوی الھندیۃ :لایدخل المسجد من علی بدنہ نجاسۃ.“(ج۲،ص۴۲۸،۴۲۹،احکام المسجد باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا من کتاب الصلوۃ)

اور اگر تحقیق سے معلوم نہ ہوسکے کہ اس اگربتی میں مذکورہ سینٹ کی آمیزش ہے تو سوال نامہ میں جو صورت حال مذکور ہے کہ اس کی وجہ سے بعض نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس دھوئیں کے سبب کھانسی اور چھینک سے پریشان لوگوں کی نماز میں خلل ہوگا،لہذا اس صورت میں بھی مسجد میں اگربتی کو سلگانے سے بچنا ضروری ہے بلکہ مسجد کے باہر کسی قریبی حصے میں سلگانے سے اگر دھواں مسجد کے اندر آئے اور اس سے نمازیوں کو تکلیف ہو تو اس جگہ بھی سلگانے سے بچنا چاہیے۔

درمختار میں ہے:

”ویمنع منہ کل موذ ولو بلسانہ.“ اھ ملخصا.(علی ھامش رد المحتار ج۲،ص۴۳۵،باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا من کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲؍جمادی الاخری ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زمین میں پانچ چھ فٹ نیچے شیفٹی ٹینک ہے اس کے اوپر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

مسئلہ : از پیارے خان ایکتا کالونی صدر غوثیہ رضویہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مسجد ہے نمازی زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد کے سامنے ایک جگہ ہے جس میں چھپری ڈال کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں،لیکن کچھ لوگوں کا کہنا ہے اس زمین کے پانچ چھ فٹ نیچے شیفٹی ٹینک ہے ایسی صورت میں اس جگہ نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں فقط والسلام۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذکورہ جگہ پر نماز پڑھنا درست ہے۔فتاوی عالمگیری میں ہے:

"اذاصلی علی حجر الرحی أوعلی باب أو بساط غلیظ أو علی مکعب ظاھرہ طاھر وباطنہ نجس یجوز عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وبہ کان یفتی الشیخ ابوبکر الاسکاف وھو الاشبہ بالترجیح ھکذا فی شرح منیۃ المصلی لابن امیر الحاج . وکذا اللبد .ھکذا فی المحیط. وکذا الخشب اذاکان غلظہ بحیث یقبل القطع ھکذا فی الخلاصۃ."(ج ۱،ص ۶۲،الفصل الثانی من الباب الثالث فی شروط الصلوۃ من کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۴۳۶/۱۲/۶ھ۔۲۰۱۵/۹/۲۱ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ایک مسجد کی کمیٹی کے بارے میں چند سوالات اوران کے جوابات

مسئلہ : از شیخ حسین ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر رضا چوک نوری لائن دادحل وارڈ نمبر ا چندر پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں:

(۱) کسی بھی مسجد یا مدرسہ کمیٹی کے ایسے اراکین کے تعلق سے جو اللہ اور مسجد کے نام پر (قوم) مسلمانوں کو دھوکہ دے اور وعدہ خلافی کرے شرع کا کیا حکم ہے؟

(۲) جو کمیٹی قوم سے صرف چندہ و پیسے کا تعاون مانگے اور قوم کی مسجد کے آمد وخرچ کا حساب نہ بتلائے اور یہ کہے کہ کمیٹی کے معاملات میں مداخلت کا کسی کو حق نہیں ہے ایسی کمیٹی (رکن) کے لیے شرع کیا کا کیا حکم ہے؟

(۳) جو کمیٹی یا کمیٹی کے رکن بلا کسی وجہ شرعی کے صرف اپنی انا اور ذاتی مفاد کی خاطر بارہ سال میں تقریباً دس اماموں کو منصب امامت سے برطرف کر کے علما کا استحصال کرتی (مذاق اڑاتے) رہتی ہے اس کے لیے شرع کا کیا حکم ہے؟

(۴) جو مسجد کمیٹی صرف اپنے ذاتی انا اور اقتدار کے لیے مسجد کا لاکھوں روپیہ کورٹ کچہری اور وکیلوں پر بے جا خرچ کرتی ہے ایسی کمیٹی (رکن) کے تعلق سے شرع کا کیا حکم ہے؟

(۵) بکر (مسجد کا امام) کو مسجد کمیٹی نے لواطت کا الزام لگا کر مسجد (امامت) سے برطرف کر دیا پھر چند سال بعد (اپنی ضرورت پر) اسی امام کو بلا کر نماز جمعہ اور کچھ نمازیں پڑھوائیں اب ایسی صورت میں عوام المسلمین کمیٹی کے اس دوہرے رویے سے پریشان ہے۔ ایسی حالت میں مسجد کمیٹی، امام اور عوام کے لیے شرع کا کیا حکم ہے؟ رہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں۔

کیا ایسے لوگ کسی بھی مسجد مدرسہ کمیٹی میں کسی عہدے پر رہنے کے لائق ہیں یا نہیں؟ جواب باصواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) دھوکا دینا ناجائز و گناہ ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا:

"من غش فلیس منی" (مسلم شریف ج ۱، ص ۷۰، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا فلیس منا من کتاب الایمان)

مذکورہ لوگوں پر لازم ہے کہ توبہ و استغفار کریں اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۲) اگر مذکورہ کمیٹی کے بارے میں لوگوں کو گمان غالب ہے کہ اس نے خیانت کیا ہے اور وہ لوگ کمیٹی سے حساب مانگیں تو کمیٹی کو حساب دینا لازم ہے۔ اور اگر کمیٹی امین ہے تب بھی لوگ حساب لے سکتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں تفصیلاً ایک ایک سامان کا حساب لیا جا سکتا ہے اور دوسری صورت میں اجمالاً ہی کافی ہے۔ نیز اگر خیانت کا صحیح ظن نہ ہو تو کمیٹی کو حساب دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

ردالمحتار میں ہے:

"ان المتولی لا تلزمہ المحاسبۃ فی کل عام ویکتفی القاضی منہ بالاجمال لو معروفا بالامانۃ ولو متھما یجبرہ علی التعیین شیئا فشیئا." (ج ۶، ص ۴۹۶، کتاب الشرکۃ)

درمختار میں ہے:

"سئل قاری الھدایۃ عمن طلب محاسبۃ شریکہ فاجاب لا یلزم بالتفصیل."

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"یحمل اطلاقه علی غیر المتهم."(ج٦،ص ٤٩٦،٤٩٧،کتاب الشرکة)واللہ تعالیٰ اعلم

(٣)وہ لوگ سخت گنہگار،ایذائے مسلم میں گرفتار،مستحق عذاب نار ہیں،ان پر لازم ہے کہ جہاں تک ہوسکے مذکورہ اماموں سے معافی مانگیں۔توبہ واستغفار کریں اور آئندہ ایسی حرکت بے برکت سے باز رہیں۔ارشاد باری ہے:

"اِنَّ الَّـذِیۡـنَ یُـؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَااکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا. (پ٢٢،س احزاب ٣٣،آیت ٥٨)

اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کیے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔واللہ تعالی اعلم

(٤)مسجد کی رقم وقف ہوتی ہے اسے اپنے مصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں۔جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ سب گنہگار ہیں ایسے لوگوں کو مسجد وغیرہ کے اوقاف سے دور رکھا جائے۔مذکورہ لوگوں پر لازم ہے کہ مسجد کی پوری رقم ادا کریں،توبہ واستغار کریں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لایجوز تغییر الوقف عن هیئته."(ج٢،ص ٤٩٠،الباب الرابع عشر فی المتفرقات من کتاب الوقف)واللہ تعالیٰ اعلم

(٥)اگر وہ قبیح فعل شرعا ثابت ہوگیا تھا تو بکر یقیناً امامت کے لائق نہیں اس صورت میں اسے ہٹانے والوں پر کوئی الزام نہیں۔پھر اگر اس نے سچی توبہ کر لی تھی تو اب اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں حرج نہیں۔حدیث پاک میں ہے:

"التائب من الذنب کمن لاذنب له."(ابن ماجه ص ٣١٣،باب ذکر التوبة من ابواب الزهد)

گناہ سے سچی توبہ کرنے والا مثل بے گناہ ہے۔

اور اگر وہ الزام محض الزام ہی تھا،اس پر کوئی شرعی ثبوت نہ تھا تو امام مذکور کو منصب امامت سے ہٹانے والے حق العبد وایذائے مسلم میں گرفتار مستحق عذاب نار ہیں۔ان پر لازم ہے کہ امام مذکور سے معافی مانگیں،توبہ واستغفار کریں اور آئندہ ایسی بری حرکت سے باز رہیں۔مذکورہ کمیٹی یا اس کے افراد اگر

مذکورہ حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنے اندر اخلاص واصلاح پیدا کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ انہیں اس منصب سے ہٹا کر دوسرے دیانت دار اور مخلص افراد کی کمیٹی تیار کی جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶ / جمادی الاول ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

صف کے درمیان پلر آنے سے صف ضرور منقطع ہوگی۔

البتہ بھیڑ کی وجہ سے پلر کو صف کے درمیان رکھنا پڑے تو یہ جائز ہے۔

بھیڑ کی وجہ سے امام محراب کے اندر کھڑا ہو تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

مسئلہ : از انیس خان کرنل باغ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں کی مسجد کی توسیع اتر دکھن کی گئی ہے، لیکن دوسری صف میں کالم (پلر) صف کے درمیان آتا ہے جس کا نقشہ اس طرح ہے:
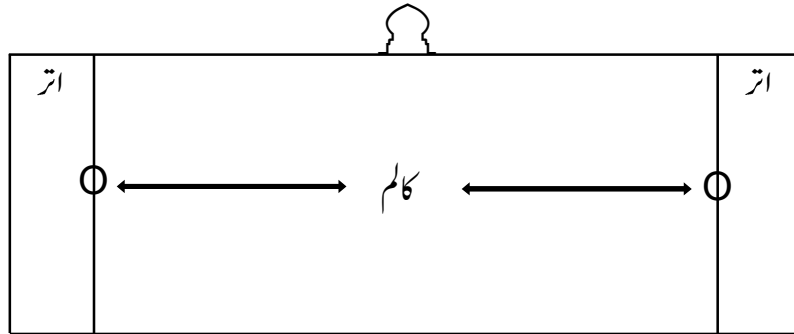
(۱) صف کے درمیان پلر کے آنے سے نماز میں صف منقطع ہوگی یا نہیں؟

(۲) کیا ازدحام کی وجہ سے پلر کا صف کے درمیان آنے سے بھی صف منقطع ہوگی؟

(۳) ازدحام کی وجہ اسے اگر امام محراب کے اندر کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو اس سے امام ومقتدیوں کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

برائے کرم جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صف کے درمیان ستون یعنی پلر کے آنے سے یقیناً قطع صف ہوتا ہے اور بلاضرورت شرعیہ قطع صف کرنا ناجائز و گناہ ہے۔ حدیث پاک یں ہے:

"من وصل صفا وصله الله ومن قطعه قطعه الله." (مشکوۃ ص ۹۹، الفصل الثالث من باب تسویۃ الصفوف من کتاب الصلوۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ہاں اگر ازدحام کی وجہ سے مسجد تنگ ہو گئی اور مجبوراً ستون کو صف کے درمیان رکھ کر صف قائم کرنی پڑے تو اب یہ ضرورتاً جائز ہے۔ **"لأن الضرورات تبيح المحظورات."** علامہ بدرالدین عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں بیان فرمایا ہے:

"قال مالک فی المدونة : لا بأس بالصلوة بينهما لضيق المسجد . وقال ابن حبيب : ليس النهی عن تقطيع الصفوف اذا ضاق المسجد ، وانما النهی عنه اذا كان المسجد واسعاً." (عمدة القاری ج۳، ص ۵۸۳، باب الصلوة بين السواری فی غير جماعة من كتاب الصلوة ، دار الفكر بيروت لبنان) والله تعالیٰ اعلم

(۳) اگر ازدحام کی وجہ سے امام محراب کے اندر کھڑا ہو کر نماز پڑھائے تو نماز بلا کراہت درست ہوگی۔ شامی نے معراج الدرایہ سے نقل فرمایا ہے:

"لايكره قيام الامام فی الطاق عندالضرورة بأن ضاق المسجد علی القوم. اه (رد المحتار مع الدر المختار : ج ۲، ص ۴۱۵. باب مايفسد الصلوة من كتاب الصلوة) والله تعالیٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۱/ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مسجد میں زکوۃ کی رقم لگانا یا اس کے لیے حیلہ شرعی کرنا کیسا ہے؟ مسجد کے مختلف چندوں سے متعلق سوال اور اس کا جواب

مسئلہ : ازمحمد ارکان رضا خان، صدر رضا مسجد پائیلی کلاں ضلع سیونی ایم پی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) سابق صدر ونائب صدر صاحبان نے کمیٹی کے لوگوں کے ساتھ گاؤں کی جماعت سے غلہ ونقدی رقم کی وصولی شروع کی اور مسجد کی ہی زمین میں خارج مسجد کے کاموں میں زکوۃ کی رقم کا استعمال کیا اور امام صاحب کے رہنے کے لیے کمرہ، پاخانہ، غسل خانہ اور مسجد کے سامنے کمپاؤنڈ والے وضوخانہ وغیرہ کو زکوۃ کی رقم سے بنایا اور کمیٹی کا کہنا ہے کہ ہم نے مسئلہ پوچھ لیا ہے، کہ خارج مسجد کے کاموں میں زکوۃ کی رقم کا استعمال کر سکتے ہیں لیکن اس زکوۃ کی رقم بغیر حیلہ شرعی کرائے ہی کیا گیا ہے، حیلہ شرعی کے مسئلے پر کسی نے بھی غور نہیں کیا اور سبھی لوگ اس مسئلے سے انجان وغافل رہے۔

(۲) اب حیلہ شرعی کی کیا کوئی صورت ہوگی جب کہ امام صاحب کا حجرہ، غسل خانہ، پاخانہ ومسجد کے کمپاؤنڈ والا وضوخانہ بن چکا ہے اور اس کا استعمال بھی کیا جا رہا ہے۔

(۳) کیا اس حجرے، غسل خانے، پاخانے اور کمپاؤنڈ والے وضوخانے کو اس کے کسی مستحق کو دے کر اس کا مالک بنا کر حیلہ شرعی کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ مسجد کے پاس اب روپے نہیں ہیں تو کیا ہم میں سے کوئی شخص اپنی طرف سے ادھار دے دے اور مسجد کو زکوۃ کی رقم ملنے پر حیلہ شرعی کرانے کے بعد وہ رقم اس ادھار دینے والے کو واپس دے دیا جائے تو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۴) گزرے وقت میں گاؤں کے رہنے والے سبھی ذات مذہب کے لوگوں نے چندہ جمع کر کے گاؤں میں ایک اسکول بنایا تھا، جس میں سبھی قوم کے بچے پڑھتے تھے، اب حکومت نے اسکول کی نئی عمارت بنوائی ہے، تو وہ پرانے اسکول کی عمارت کو توڑ کر اس کا سامان بیچا گیا ہے اور جو روپے موصول ہوئے اس کو سبھی قوموں میں ان کے اپنے اپنے حصے کے طور پر تقسیم کر دیا گیا ہے تو جو روپے قوم مسلم کے حصے میں آئے اسے مسجد ومینار میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵)اسکول والی رقم ،تعمیر مسجد کے نام پر جمع ہونے والی رقم اور زکوۃ کی رقم ملا کر بھی پوری رقم سے مینار و وضوخانہ کا کام ایک ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے اس پوری رقم میں سے یہ سمجھ کر صرف وضوخانے کے کام میں لیا گیا کہ جب بعد میں زکوۃ کی وصولی ہوگی تو تعمیر مسجد اور اسکول کے حصے سے آئی رقم کو مسجد کے کام کے لیے واپس کر دیا جائے گا ،ایسی صورت میں جو رقم تعمیری و اسکول کے حصے سے ملی تھی ،اسے واپس داخل مسجد کے کام میں لے سکتے ہیں کہ نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱۔۳)صدر نائب صدر اور کمیٹی کے لوگوں نے بہت غلط کام کیا ،زکوۃ فقیروں کا حق ہے ،ارشاد باری ہے:

اِنَّمَاالصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ.(توبہ ۹/۶۰)

زکوۃ تو انہیں کے لیے ہے محتاج اور نرے نادار۔

لہذا جن لوگوں کے زکوۃ کی رقم مذکورہ تعمیر میں لگائی گئی ان کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی اور یہ لگانے والے لوگ سخت گنہ گار ہوئے ،ان پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کریں ،زکوۃ دینے والوں سے معافی مانگیں اور ان سے کہیں کہ ان کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی ،لہذا وہ لوگ چاہیں تو اپنی مذکورہ رقم کو چندہ سمجھ کر انہیں معاف کر دیں اور اپنی زکوۃ پھر سے ادا کریں اور اگر معاف نہ کریں تو یہ لوگ اپنی طرف سے ان کی رقم انہیں واپس کریں یا ان کی اجازت سے فقیروں کو ان کی زکوۃ کی رقم ادا کریں۔

درمختار و ردالمحتار میں ہے:

”ولو تصدق بدراھم نفسه اجزأ ان كان على نية الرجوع اى الوكيل بدفع الزكوة اذا امسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها فى دارهم الموكل صح، بخلاف ما اذا انفقها او لا على نفسه مثلا ثم دفع من ماله فهو متبرع.“اھ ملخصا(ج۳،ص ۱۸۹ ،مطلب فى زكوة ثمن المبيع وفاء من كتاب الزكوة)

مذکورہ عمارتیں جو زکوۃ کی رقم سے بنائی گئی ہیں وہ کمیٹی کے ارکان کی طرف سے تبرع ہے ،لہذا ان کے حیلہ شرعیہ کی ضرورت نہیں اور بلا ضرورت شرعیہ مسجد جیسی مقدس عمارت کے لیے زکوۃ کا حیلہ شرعی کرنا غیر مناسب ہے ،اس سے بچنا ہی چاہیے ،مسجد کے پاس رقم نہ ہو تو حسب ضرورت ادھار دینے والے شخص

کی رقم کی ادائیگی کے لیے عام چندہ کریں یا ہو سکے تو رفتہ رفتہ جمع ہونے والے چندہ سے اسے پورا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) سوال سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مینار وضوخانہ اور تعمیر مسجد کے نام پر الگ الگ رقم جمع کی جاتی ہے، اگر وہاں کا عرف و معاملہ ایسا ہی ہے تو یہ جان لیں کہ چندے کی رقم مثل مال وقف ہے لہذا جس طرح مال وقف کو اس کے مقصد کے خلاف استعمال نہیں کر سکتے یوں ہی چندے کی رقم کو چندہ دینے والے کے خلاف استعمال نہیں کیا جا سکتا، البتہ چندہ دینے والے جس کام کے لیے اجازت دے دیں اس میں بلا شبہ اس رقم کا استعمال کرنا جائز ہوگا، صورت مسئولہ میں چندہ دینے والوں کے مقصد کے خلاف کیا گیا ہے، لہذا ایسا کرنے والے ان سے معافی مانگیں اور کہیں کہ ہم نے آپ کی رقم فلاں کام میں استعمال کر لی ہے، لہذا ہمیں اس کی اجازت دے دو اور آئندہ اگر کوئی خاص فنڈ کی رقم اس طرح جمع ہو اور مسجد کے کسی دوسرے کام میں لگانے کی ضرورت ہو تو چندہ دینے والوں سے اجازت لے کر استعمال کر لیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”**لایجوز تغییر الوقف عن هیئته.**“(ج ۲، ص ۴۹۰ **الباب الرابع عشر فی المتفرقات من کتاب الوقف**) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس و افتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۹ / جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ۔ ۹ / ۳ / ۲۰۱۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

کتاب الجنائز

جنائز کا بیان

مردے کو دیر تک رکھنے کے لیے الکٹرانک مشین میں رکھنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از کلیم اشرف نئی بستی ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

آج کل اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ انتقال کے فوراً بعد الکٹرانک مشین (فریجر) لائی جاتی ہے، چاہے وہ موسم گرمی کا ہو یا سردی کا اور اس میں میت کو رکھا جاتا ہے اور پھر بے فکر ہو کر گھنٹوں میت کو رکھا جاتا ہے، حالت یہ ہوتی ہے کہ جب میت کو نہلانے کے لیے نکالا جائے تو میت کے جسم سے برف لگ جاتی ہے کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

اور پھر وہ برف نہلانے کے بعد منہ سے رال کی شکل میں نکلتی ہے، جو ناپاک ہوتی ہے، ناک اور کان سے بھی نکلتی ہے جس سے کفن گیلا ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میت کے منہ ناک کان وغیرہ سے نجاست نکلی نہلانے اور کفنانے کے بعد تو کیا پھر سے غسل وکفن دیا جائے گا یا اسی حالت میں نماز ادا کی جائے گی؟ جب کہ میت کے بدن وکفن کا پاک ہونا ضروری ہے اس مسئلہ کو واضح کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : الکٹرانک مشین (ڈیپ فریزر) کا استعمال کرنا جس سے میت کو تکلیف ہو اور بلاضرورت غسل وکفن میں دیری ہو درست نہیں جیسا کہ اس سلسلہ میں حدیث پاک میں آتا ہے:

عن عبداللہ بن عمر سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا مات احدکم فلا

تحبسوا واسرعوا به الی قبره."(مشکوۃ ج ۱، ص ۱۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مرجائے تو اسے روکے نہ رکھو اسے اس کی قبر تک جلدی پہنچاؤ۔

رہا بدن وکفن کے سلسلے میں تو بدن پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے غسل دیا گیا ہو یا غسل ناممکن ہونے کی صورت میں تیمّم کرایا گیا ہو۔کفن پہنانے سے پہلے نجاست نکلی تو وہ جگہ دھوڈالے اور بعد میں نکلی ہو تو دھونے کی بھی ضرورت نہیں۔اور کفن پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پاک کفن پہنایا جائے اور بعد میں نجاست نکلی اور کفن آلودہ ہوا تو کوئی حرج نہیں،اسی حالت میں نماز ادا کی جائے گی،نہ دوبارہ غسل دیا جائے گا نہ کفن۔جیسا کہ درمختار ج ۳ص ۱۰۳ میں ہے:

"اذا تنجس الکفن بنجاسة المیت لا یضر دفعا للحرج بخلاف الکفن المتنجس ابتداء وکذا لو تنجس بدنه بما خرج منه ان کان قبل ان یکفن غسل وبعده لا. واللہ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

صح الجواب واللہ تعالی اعلم بالصواب خادم رضادارالیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور

محمد مجیب اشرف غفرلہ ۱۴رجمادی الاخری ۱۴۳۴ھ۔ ۲۵راپریل ۲۰۱۳ء بروز پنجشنبہ

سعودی میں مرنے والے شخص کی نماز جنازہ یہاں ہندوستان میں پڑھنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد منصور رضوی مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کا بھائی سعودی میں رہتا تھا،اس کا انتقال ہوگیا تو زید کے رشتہ دار یہاں نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں۔کیا اجازت ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بالکل اجازت نہ ہوگی کہ نماز جنازہ کے شرائط میں سے ایک شرط میت کا نمازی کے آگے ہونا ہے۔درمختار میں فرمایا:

”شرطها حضوره فلا تصح علی الغائب.“ واللہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفر لہ
رضادارالیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور
۶/ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ ۔ ۲۹/نومبر ۲۰۰۶ء بروز چہارشنبہ

صحن مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں۔ نماز جنازہ کی تکبیر چھوٹ جائے تو کیا کرے۔

پرانی قبر پر نماز جنازہ کی جگہ بنانے کا حکم۔ جنازہ لے چلنے میں سرہانہ آگے ہونا چاہے۔

مسئلہ :
(۱) نماز جنازہ مسجد کے صحن میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟
(۲) اگر نماز جنازہ میں کسی کی تکبیریں چھوٹ گئیں تو وہ کس طرح پورا کرے؟
(۳) ہمارے یہاں قبرستان میں ایک جگہ ایسی ہے کہ پہلے وہاں دفن کیا جاتا تھا اب کافی دنوں سے بند ہے ہم چاہتے ہیں کہ وہاں نماز جنازہ پڑھائی جائے تو کیا جائز ہے؟
(۴) جنازہ لے جانے میں سرہانہ آگے ہو یا پائتانہ؟ ایک شخص کہتا ہے پائتانہ آگے ہو، میں نے علما سے پوچھا ہے۔ تو کیا درست ہے؟
جواب عنایت فرما کر کرم فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : (۱) بحسب استفتا صحن مسجد بھی یقیناً مسجد ہے فقہائے کرام اس کو مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد اور مسقّف درجہ کو مسجد شتوی یعنی جاڑوں کی مسجد کہتے ہیں اور نماز جنازہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے۔
(۲) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اس کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر جنازہ اٹھالیا جانے کا اندیشہ ہو تو جلد جلد تکبیریں بلا دعا کہہ کر سلام پھیر دے، ورنہ ترتیب وار پڑھے۔ مثلاً تین تکبیریں فوت ہوئیں تو

چوتھی امام کے ساتھ کہہ کرامام کے سلام کے بعد پہلی تکبیر کے بعد ثنا پھر درود پھر دعا پڑھے اور دو فوت ہوئیں تو تیسری امام کے ساتھ دعا چوتھی کے بعد جب امام سلام پھیر دے تو اول کے بعد ثنا دوم کے بعد درود اور ایک ہی فوت ہوئی تو بعد سلام امام ایک تکبیر کے بعد ثنا پڑھے۔(فتاوی رضویہ مع اضافہ ج۴،ص۸۳)**واللہ تعالیٰ اعلم**

(۳)بحسب سوال پہلے وہاں دفن کیا جاتا تھا یعنی کہ وہاں قبریں تھیں یا ہیں تو بالکل اس جگہ نماز جائز نہیں ہاں اگر وہاں یا اس کے قریب کوئی قطعہ زمین ایسا ہو جہاں قبریں نہ تھیں نہ ہیں تو وہاں نماز کی اجازت ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

(۴)اس شخص نے محض غلط کہا ہے جنازہ لے چلنے میں سرہانہ آگے کرنے کا حکم ہے۔عالمگیری میں ہے:

"وفی المشی بالجنازة یقدم الراس کذا فی النھر." واللہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ ناگ پور

۷رمحرم الحرام ۱۴۲۸ھ۔۲۷رجنوری ۲۰۰۷ء

مرنے والے شخص کی نماز جنازہ اعلان سے پہلے اس کے عقیدے کی تحقیق کرنا اور اس تحقیق کرنے پر کسی کا برہم ہونا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازشبیر احمد صغیر ٹیچر کالونی جعفر نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مندرجہ مسئلہ کے بارے میں کہ

زید نے ایک شخص کے مرنے پر اس کے اعلان کے لیے مسجد کے موذن سے کہا کہ اعلان کردو موذن نے تحقیق کے لیے کہا کہ کس کا انتقال ہوا ہے یعنی وہ سنی ہے یا وہابی ہے؟ اوراس کی نماز جنازہ کہاں پڑھی جائے گی،انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی خبر نہیں کہ کہاں پڑھی جائے گی اور کون پڑھائے گا لیکن مرنے والی سنی صحیح العقیدہ ہے اس کے بعد وہ حضرات امام کے پاس آئے تو امام نے بھی تحقیق حال معلوم

کرنے کے لیے کہا کہ نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ اور کہاں پڑھی جائے گی؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو تحقیق کر کے بتاتے ہیں اور دونوں سنی صحیح العقیدہ ہیں لیکن کافی وقت گزرنے کے باوجود وہ دونوں حضرات نہیں آئے، آخر میں ایک صاحب نے بتایا کہ نماز جنازہ وہابی پڑھائے گا تو امام وموذن نے اعلان کرنے سے منع کر دیا۔ مرنے والی کے بارے میں تو ہم نہیں کہہ سکتے لیکن ان کی اولاد وہابی کی مسجد میں نماز پڑھتی ہے اور وہابیوں، دیوبندیوں کو مسلمان سمجھتی ہے۔ اعلان نہ کرنے کی بنیاد پر زید نے مسجد میں زور زور سے چلا پکار کی۔ امام وموذن سے ناراض ہوکر کہا کہ ہم کو یہ بحث نہیں کہ کون نماز پڑھائے گا اور کہاں نماز جنازہ ہوگی ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ مرنے والی سنی ہے اور اگر وہابی بھی پڑھائے تو اعلان کرنے میں کیا حرج ہے۔ امام نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ کچھ بھی سننے کو تیار نہیں وہ لوگ یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ ہمارے پڑوسی ہیں آپ کو اعلان کرنا تھا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ جنازے کی نماز ایک بدمذہب یعنی وہابی نے پڑھائی ہے۔ غور طلب یہ ہے کہ اس بات کو لے کر ناراض ہونا امام وموذن پہ زیادتیاں کرنا اور جماعتیوں میں انتشار پھیلانے والے اس شخص کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور امام وموذن کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : وہابی دیوبندی اپنے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس وغیرہ کی بنیاد پر کافر مرتد ہیں بلکہ ان کا کفر وارتداد اس طرح ظاہر وباہر ہے کہ علمائے حرمین طیبین نے ان کے کفر میں شک کرنے والوں کے بارے میں یہ حکم صادر فرمایا کہ:

"من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر."

یعنی جو شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ اور جب یہ وہابیہ دیابنہ کافر مرتد ہیں تو ان کی نماز جنازہ پڑھنا ان کی قبر پر کھڑا ہونا یقیناً ممنوع وگناہ ہوگا بلکہ مذکورہ شرطوں کے ساتھ ان کو مسلمان سمجھ کر ان کی نماز جنازہ پڑھنا کفر ہے اور شرائط مذکورہ کے مطابق ہی حکم ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا بھی ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ." (پ ۱۰، س توبہ ۹، آیت ۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میت پر نماز مت پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بے شک وہ اللہ ورسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

حدیث پاک میں ہے:

"ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم وان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتم فلا تسلموعلیھم ولاتجالسھم ولا تشاربھم ولا تواکلوھم ولاتناکحوھم."

ان سے الگ رہو، انہیں اپنے سے دور رکھو، کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں، کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں اور اگر وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مر جائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو، جب ان سے ملو تو ان سے سلام نہ کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ پانی پیو، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ اور نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرو۔ (یہ حدیث، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور عقیلی کا مجموعہ ہے۔ بحوالہ فتاوی رضویہ ج۶ ص۱۰۳، کتاب السیر)

ردالمحتار میں ہے:

"قد علمت ان الصحیح خلافه فالدعاء به کفر لعدم جوازہ عقلا ولا شرعا و لتکذیبه النصوص القطعیة."(ج۲، ص۲۳۷، باب صفة الصلوۃ من کتاب الصلوۃ)

اور فی زمانہ وہابیہ دیابنہ اپنی آبادیوں میں بھی پائے جاتے ہیں لہذا اگر میت اور اس کے گھر والے غیر معروف ہوں تو اس کی نماز جنازہ کا اعلان کرنے سے پہلے بہتر یہی ہے میت اور اس کی نماز جنازہ پڑھانے والے کے بارے میں تحقیق وتفتیش کر لی جائے۔ یوں ہی اگر میت کا سنی ہونا سب کو معلوم ہے اور اس کے گھر والے وہابی دیوبندی ہیں تو اعلان کرنے سے پہلے نماز جنازہ پڑھانے والے کے بارے میں تحقیق کر لینی چاہیے کیوں کہ ایسی صورت میں عموماً میت کے گھر والے اپنی ہی طرح کے لوگوں سے نماز جنازہ پڑھواتے ہیں، جیسا کہ صورت مسئولہ سے خود ظاہر ہے۔ ہاں اگر میت اور اس کے گھر والوں کی سنیت سب کو معلوم ہے تو اب نماز جنازہ پڑھانے والے کے بارے میں تحقیق کرنا مناسب نہیں کہ یہ بے جا تشدد ہوگا اور لوگ اس سے متنفر ہوں گے کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ جب سب سنی ہیں تو نماز جنازہ پڑھانے والا بھی سنی ہی ہوگا۔

لہذا مذکورہ بالا صورت حال کے پیش نظر جب زید سے اس کی تحقیق کی گئی تھی تو اس کو اس پر خفا نہیں

ہونا چاہیے تھا۔ پھر اس کا یہ کہنا کہ ''ہم کو یہ بحث نہیں کہ کون نماز پڑھائے گا اور کہاں نماز جنازہ ہوگی ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ مرنے والی سنی ہے اور اگر وہابی بھی پڑھائے تو اعلان کرنے میں کیا حرج ہے۔'' یہ بہت ہی بری اور شان مسلم سے گری ہوئی بات ہے کیوں کہ وہابی کی نماز جنازہ پڑھانے کی صورت میں اس اعلان کی بنا پر نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کے گناہ کی ذمہ داری مُعلِن کے سر ہوگی، لہذا اس سے بچنے کے لیے تحقیق کر لینا چاہیے۔ حاصل یہ کہ زید کو اپنے اس قول سے رجوع کرنا لازم ہے نیز مسجد میں شور مچانا اس کی عزت وحرمت کو پامال کرنا ہے، جو ناجائز وگناہ ہے یوں ہی بلا وجہ شرعی امام وموذن کے خلاف انتشار پھیلانا ناجائز وگناہ ہے لہذا زید پر لازم ہے کہ امام وموذن سے معافی مانگے توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہے۔ ارشاد باری ہے:

''اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.'' (پ ۱۸، س نور ۲۴، آیت ۱۹)

وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں برا چرچا پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ بسا اوقات ایسے موقع پر اپنے سنی بھائی بھی ناراض ہو جاتے ہیں، ان کی ناراضگی کی وجہ یہ نہیں ہوتی ہے کہ وہ سنیت سے بیزار اور وہابیت ودیوبندیت سے راضی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ جب ہم سنی ہیں تو پھر ہم سے ایسا سوال کیوں کیا جا رہا ہے؟ لہذا جب اس طرح کی صورت حال پیدا ہو جائے تو امام وموذن کو سنجیدگی اور متانت سے کام لینا چاہیے اور اگر کوئی شخص زبان درازی ہی کرنے لگے تو انہیں اپنے منصب ومرتبہ کا خیال رکھتے ہوئے:

''وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا.'' (پ ۱۹، فرقان ۲۵، آیت ۶۳)

اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔

اور:

''خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ.'' (پ ۹، س اعراف، آیت ۱۹۹)

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔

کی روشنی میں ان سے صرف نظر کرنا چاہیے۔ البتہ حالات کے تقاضے کے مطابق حکمت سے بھری اچھی نصیحت اور مناسب تنبیہ ضرور ہونی چاہیے تا کہ لوگ حقیقت حال سے آگاہ ہوں اور جب ان کو

حقیقت حال معلوم ہوجائے گی،تو خود بخود ایسی حرکتوں سے باز آجائیں گے۔ارشاد باری ہے:

"اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ."(پ۱۴، س نحل ۱۶،آیت ۱۲۵)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۴/ رجمادی الاخری ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مسجد کے مائک سے جنازے کا اعلان کرنا کیسا ہے؟

وہابیوں دیوبندیوں کے جنازے کا اعلان کرنے کا کیا حکم ہے؟

مسئله : ازارا کین الادارۃ السنیہ ناگ پور

محلّہ میں وہابی دیوبندی تبلیغی اہل حدیث فرقوں میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو اہل سنت وجماعت کی مسجد میں مائک سے اس کا اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں۔ نیز جو مسجد کمیٹی مسجد سے ایسے اعلانات کی اجازت دیتی ہے اس کا کیا حکم ہے۔ بیان فرمائیں۔کرم ہوگا۔

ایک سنی صحیح العقیدہ تنظیم جو کہ تعلیم بالغاں کے انتظام کے ساتھ محلے کے بچوں کی مذہبی تعلیم کا اہتمام کرتی ہے اور مکمل طور پر مسلک اعلیٰ حضرت کی پابند ہے۔ایسی تنظیم کے دینی اعلان پر یہی کمیٹی اس مسجد میں پابندی لگا چکی ہے حالاں کہ سالہا سال سے اعلان ہوتا آیا تھا،جس سے محلے میں بے چینی ہے لہذا مسجد کمیٹی کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مسجدیں اللہ رب العزت کی عبادت اور اس سے متعلق امور کے لیے بنائی گئی ہیں، طرح طرح کے اعلان واشتہار وغیرہ کے لیے ان کی تعمیر نہیں ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسجد میں بھیک مانگنا یا کوئی گم شدہ چیز تلاش کرنا جائز نہیں، بلکہ حدیث پاک میں فرمایا، کہ کسی شخص کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتے ہوئے دیکھو تو اس سے کہو کہ اللہ تجھے وہ چیز واپس نہ کرے کہ مسجدیں اس لیے نہیں بنائی گئیں۔

حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا."(مسلم ج ١، ص ٢١٠، باب النھی عن نشد الضالۃ فی المسجد من کتاب المساجد)

درمختار وردالمحتار میں ہے:

"ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء مطلقا وانشاد الضالۃ ھی الشئ الضائع وانشادھا السوال عنھا وفی الحدیث اذا رأیتم من ینشد ضالۃ فی المسجد فقولوا لا ردھا اللہ علیک."اہ ملخصا(ج ٢، ص ٤٣٣، باب مایفسد الصلوۃ من کتاب الصلوۃ)

مسجد کے مائک سے جنازے کا اعلان کرنا جائز نہیں کہ اس کی غرض ومقصد کے خلاف ہے۔ بہار شریعت میں ہے:"مسجد کی اشیا مثلا لوٹا چٹائی کو کسی دوسری غرض سے استعمال نہیں کر سکتے، مسجد کے ڈول، رسی سے اپنے گھر کے لیے پانی بھرنا یا کسی چھوٹی سے چھوٹی شئ کو بے موقع اور بے محل استعمال کرنا ناجائز ہے۔"(ح١٠،ص٩٧٤، مسجد کا بیان)

البتہ مائک اگر کسی شخص کا وقف کردہ ہے یا عام لوگوں کے چندہ سے لیا گیا ہے اور واقف یا عوام کی طرف سے اس کی اجازت تھی تو یہ اعلان جائز ہے۔ خواہ یہ اجازت صراحتاً ہو یا ان کے علم میں ہو کہ اس کا استعمال اس کے لیے بھی ہوگا، جیسا کہ فی زمانہ یہی عرف جاری ہے۔

درمختار میں ہے:

"شرط الواقف کنص الشارع ای فی المفھوم والدلالۃ ووجوب العمل بہ."(فوق رد المحتار ج٦، ص ٦٤٩، ٦٥٠ کتاب الوقف)

اور اگر ان کی طرف سے اس طرح کے اعلان کی اجازت نہیں تھی تو یہ اعلان جائز نہ ہوگا جیسا کہ گزرا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"لایجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ."(ج٢، ص ٤٩٠ الباب الرابع من کتاب الوقف)

وہابی دیوبندی وغیرہ باطل فرقے اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے گم راہ اور کافر ومرتد ہیں لہذا وقف

کرنے والوں کی طرف سے اجازت ہونے کے باوجود ان کے جنازے کے لیے اعلان کرنا کرانا، یا اعلان کرنے کی اجازت دینا، دلانا سخت حرام و گناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔

ردالمحتار میں کافر و مرتد کے لیے دعائے مغفرت کرنے کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ:

"قد علمت ان الصحیح خلافه فالدعاء به کفر لعدم جوازه عقلا ولا شرعا و لتکذیبه النصوص القطعیة." (ج۲، ص۲۳۷، باب صفة الصلوة من کتاب الصلوة)

لہذا جن لوگوں نے اس کی اجازت دی وہ علانیہ توبہ واستغفار کریں اور آئندہ ایسی بات سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں ورنہ خدائے قہار و جبار کے قہر و غضب میں مبتلا ہوں گے۔

مسلک اعلیٰ حضرت کا پابند ہونا ہر شخص پر لازم ہے کہ یہ طریقہ، صحابہ و جمیع مسلمین کا داعی و پابند ہے، مگر اس کی وجہ سے کسی فرد یا تنظیم کے لیے مسجد میں اعلان کرنا کمیٹی کے ذمہ لازم نہیں۔ ورنہ ہر مسلمان مسلک اعلیٰ حضرت کا پابند شخص اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے مسجد میں اعلان کرانے کا دعوے دار ہوگا اور اس طرح سے مسجدیں عبادت گاہ کے بجائے اعلان گاہ ہو جائیں گی۔ حالاں کہ مسجدوں کی تعمیر اس لیے نہیں ہوئی جیسا کہ اوپر بحوالہ حدیث گزرا۔ تنظیم اپنے مذکورہ اعلان کے لیے خود انتظام کرے اس کے لیے کمیٹی پر جبر نہیں کر سکتی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبه : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱؍ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وہابی امام سے نماز جنازہ پڑھانے کے تفصیلی احکام

مسئلہ : از محمد آفتاب عالم غازی پور یوپی، متعلم جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ

زید کی بیوی ہندہ جو کہ سنیہ ہے اور زید بھی سنی ہے جب زید کی بیوی ہندہ کا انتقال ہوا تو زید نے چاہا کہ اپنی بیوی ہندہ کی نماز جنازہ کسی سنی عالم سے پڑھوائے لیکن ہندہ کے دو تین بھائی تھے جو کہ وہابی تھے انہوں نے اس بات پر ضد کیا کہ کوئی وہابی عالم اس کی نماز جنازہ پڑھائے۔ دونوں میں بحث کافی لمبی

ہوئی چوں کہ ہندہ کا شوہر (زید) اور اس کے کچھ رشتہ دار جو سنی عقائد کے ہیں وہ بھی موجود تھے لیکن وہابیوں نے سنی لوگوں کی باتوں کو نہ مان کر ہندہ کا جنازہ وہابی عالم سے ہی پڑھوادیا اور مجبوراً سنی لوگوں نے بھی نماز جنازہ اسی وہابی عالم کے پیچھے پڑھ لی اور دونوں مذہبوں یعنی سنی اور وہابیوں نے مل کر دفن بھی کر دیا تو ہندہ کی نماز جنازہ ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اور ہندہ کا شوہر اور جو سنی لوگ وہاں موجود تھے (نماز جنازہ میں) وہ لوگ گنہ گار ہوئے یا نہیں؟ اگر نماز جنازہ نہیں ہوئی تو دفن کرنے کے بعد ہندہ کے شوہر کو کیا کرنا چاہیے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: اس فتوے کو غازی پور یوپی بھیجا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: وہابی دیوبندی اپنے عقائد کفریہ مندرجہ تقویۃ الایمان، حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس کی بنیاد پر کافر مرتد ہیں حتی کہ علمائے حرمین طیبین نے ان کے بارے میں یہ فتوی صادر فرمایا کہ:

"من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر."

یعنی ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

اور کافر مرتد کی ہر عبادت باطل ہے کہ عبادت کے صحیح ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے اور جب وہ مسلمان ہی نہیں تو اس کی عبادت اور امامت سب باطل کیوں کہ اولا اس پر فرض یہ ہے کہ وہ توبہ وتجدید ایمان کر کے داخل اسلام ہو پھر اس پر عبادت فرض ہوگی۔

لہذا صورت مسئولہ میں وہابی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز جنازہ ہوئی ہی نہیں اور جن لوگوں نے اس کے پیچھے پڑھی اگر وہ لوگ اس کے عقائد کفریہ پر مطلع تھے تو اس وہابی کو اپنا امام بنا کر اس کو عزت وعظمت دیا اور کافر ومرتد کی تعظیم کفر ہے لہذا وہ لوگ بھی کافر ہو گئے لہذا ان پر لازم ہے کہ توبہ تجدید ایمان شادی شدہ ہوں تو تجدید نکاح اور کسی سے مرید ہو چکے ہوں تو تجدید بیعت بھی کریں۔

درمختار میں ہے:

"تبجیل الکافر کفر ولو قال لمجوسی یا استاذ تبجیلا کفر کما فی الأشباہ."(فوق رد المحتار ج۹، ص ۵۹۲، باب الاستبراء من کتاب الحظر والاباحۃ)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ان كانت نية القائل الوجه الذى يوجب التكفير يؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك و بتجديد النكاح بينه وبين امرأته كذا فى المحيط اه ملخصا. (ج۵،ص۲۸۳،الباب التاسع فى أحكام المرتدين من كتاب السير)

اوراگروہ اس کے عقائد کفریہ پر مطلع نہ تھے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی وجہ سے گنہگار ہوئے ان پرلازم ہے کہ توبہ واستغفار کریں اورآئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں۔ارشاد باری ہے:

"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ وَلَاتَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ." (پ ۷،س انعام ۶،آیت ۶۸)

اور جو کہیں تمہیں شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

آپ نے جس مجبوری کی بات کہی ہے وہ ظاہر کے اعتبار ہی سے باطل اور نا قابل اعتبار ہے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو مجبوری سمجھ لیتے ہیں اوراس کو آڑ بنا کر اپنا کام نکالنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں یہ کوئی میدان سیاست نہیں کہ تھوڑی سی چھینک آئی اور سارے دفتری کاموں کو بالائے طاق رکھ کر گھر بیٹھ گئے اور نزلہ کا بہانہ بنا کر سیر وتفریح کے لیے موقع نکال لیا۔یہ حق و باطل اور ایمان وکفر کا معاملہ ہے اور ایمان وکفر کے معاملے میں ہر معمولی اور لچر پوچ باتوں کو شرعاً عذر اور مجبوری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ورنہ شریعت پر عمل کرنے کے بجائے انسان نفس پرستی اور تقیہ بازی کی مہلک بیماری میں مبتلا ہوجائے گا پھر جہاں جیسا دیکھے گا وہاں ویسا کرے گا۔

جب ہندہ اور زید سنی تھے اور ہندہ کے بھائی وہابی تو ہندہ کا رشتہ ہی ان سے ختم ہوگیا۔اب انہیں ہندہ کی ولایت ہی حاصل نہ رہی،لہذا انہیں اس کی نماز جنازہ پڑھنے پڑھانے کا حق بھی نہ رہا بلکہ اب اگر اس کا کوئی ولی نہیں تو اسلام کی شرط کے ساتھ اس کے بیٹوں کو اس کی ولایت حاصل تھی لہذا ان کو اختیار بھی تھا کہ جس سے چاہیں وہ اپنی ماں کی نماز جنازہ پڑھوائیں اس لیے اگر وہ لوگ چاہتے تو زور دے کر اس کی نماز جنازہ پڑھتے ،مگر انہوں نے بلاوجہ بزدلی کو مجبوری بنا کر اپنی میت کی نماز جنازہ کا فر مرتد سے پڑھوا دیا،جس کا پڑھنا اور نہ پڑھنا سب برابر ہے۔اوراس طرح انہوں نے دوطرح سے گناہ کیا۔ایک تو یہ کہ بغیر نماز جنازہ پڑھے اس کو دفن کردیا،دوسرے یہ کہ وہابی کے پیچھے نماز پڑھی جو کہ اس کے عقائد کفریہ

پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے کفر نہیں تو کم از کم حرام و گناہ ضرور ہے کہ ان کو اتنا یقیناً معلوم تھا کہ وہ وہابی ہے اگر چہ اجمالا یا تفصیلا الوہیت وشان رسالت سے متعلق اس کے عقائد کفریہ سے باخبر نہ تھے تاہم اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے گناہ ہونے کے لیے اس کے وہابی ہونے کا علم کافی تھا،مگر انھوں نے مجبوری کا سہارا لے کر اس گناہ کو برداشت کر لیا۔ **معاذ اللہ من ذالک**

ہاں اگر واقعی وہ شرعی مجبوری تھی کہ جماعت کے ساتھ وہابی کے پیچھے نماز جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ ان لوگوں کی طرف سے مسلمانوں کی جان یا ان کے بدن کے کسی عضو کو تلف یعنی بیکار اور برباد کرنے کی دھمکی دی گئی اور یقین کے ساتھ یہ معلوم تھا کہ وہ لوگ ایسا کر گزریں گے تو اب وہ واقعی شرعاً مجبور تھے کہ وہ بظاہر اس وہابی کے پیچھے نماز پڑھ لیتے اور اس کو دل سے برا ہی جانتے بظاہر کی قید اس لیے ہے کہ دلوں کے ارادے اور نیت پر ان کی پابندی یا اکراہ ہو ہی نہیں سکتا اس لیے دکھانے کے لیے صرف اس کے پیچھے جماعت میں کھڑے رہتے اور اپنی تنہا نماز پڑھ لیتے اس طرح ان کے میت کی نماز جو فرض کفایہ ہے وہ بھی ادا ہو جاتی اور وہ وہابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے محفوظ بھی رہتے۔ ارشاد باری ہے:

”مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. (پ ۱۴، س نحل ۱۶، آیت ۱۰۶)

جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہوا سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہوا ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔

اب جب کہ ہندہ کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کر دیا گیا تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ جب تک اس کی لاش کے پھولنے پھٹنے کا گمان غالب نہ ہو اس وقت تک اس کی قبر ہی پر نماز پڑھیں لاش کے پھولنے پھٹنے کو کچھ گھنٹوں اور دنوں کی قید سے مقید کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ موسم، زمین اور جسم کے لحاظ سے لاش کے پھولنے پھٹنے میں بھی تبدیلی آتی ہے، لاش اگر موٹی اور تازہ ہے تو جلدی پھٹے گی، کمزور اور خشک ہے تو دیر سے پھٹے گی، زمین اگر نمناک اور شوریدہ یعنی کھاری ہے تو جلدی پھٹے گی ورنہ دیر سے پھٹے گی۔ موسم گرما میں جلدی اور سردی میں دیر سے پھٹے گی۔ حاصل یہ کہ مذکورہ حالات واوقات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب تک اس کے پھولنے پھٹنے کا گمان غالب نہ ہو اس وقت تک بوجہ مجبوری اس کی قبر ہی پر پڑھ لیں اور اگر

اتنا عرصہ گزر گیا کہ لاش پھولنے پھٹنے کا گمان غالب ہو گیا تو اب اس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے:

"وان دفن و اهيل عليه التراب بغير صلوة صلى على قبره استحسانا مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الاصح."

اس کے تحت رد المحتار میں ہے:

"لانه يختلف باختلاف الاوقات حرا وبردا والميت سمنا وهزالا والأمكنة."(ج۴،ص ۱۲۵ ،باب صلوة الجنازة من كتاب الصلوة)والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس و افتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴/ذی الحجہ۱۴۲۹ھ

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وہابی کی نماز جنازہ پڑھنا حرام و گناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔

مسئلہ : از زید قادری ویشالی نگر بہار۔ بذریعہ مولانا نہال اختر صاحب مدرس جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

کوئی سنی مسلمان کسی وہابی کے جنازہ میں شرکت جان بوجھ کر کرے کہ یہ اپنا رشتہ دار ہے، اس کے لیے حکم شرع کیا ہے، جب کہ وہ عالم، فاضل، سجادہ نشیں اور پیر بھی ہو اور لوگوں کو مرید بھی کرتا ہو۔ اور مجالس میں خطابت بھی کرتا ہو اور یہ بھی کہتا ہو کہ جو وہابی کے جنازے میں شرکت کرے اس پر توبہ لازم ہے اور پھر سے مجلس میں کلمہ پڑھے اور اپنی بی بی سے نکاح ثانی کرے وہ سب میں نے کر لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سب کر لیا، لیکن مریدی اور خلافت و سجادگی باقی رہی یا پھر انہیں کسی پیر سے مرید ہونا ہوگا؟ اور خلافت و سجادگی کے لیے کیا حکم ہے کیا کرنا ہوگا؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : وہابی دیوبندی کی نماز جنازہ میں شرکت حرام و گناہ اور ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو مسلمان سمجھ کر ان کی نماز جنازہ پڑھنا کفر ہے۔ ارتداد کی وجہ سے سارے اعمال،

خلافت وسجادگی اور پیری مریدی سب باطل وبرباد ہوجاتے ہیں۔**لان الکفر یھدم ماقبلہ**
لہذا تجدید ایمان ونکاح کی طرح بیعت وخلافت وغیرہ کی بھی تجدید لازم ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶ / جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ کا اعلان کرنا حرام وگناہ ہے

مسئلہ : ازمحمد تنویر رضا ہوٹل جنکشن کے پاس ہنسا پوری چوک ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے شہر میں اہل سنت وجماعت کی ایک مسجد ہے وہاں کی کمیٹی موذن سے کہتی ہے کہ آپ وہابی دیوبندی کی نماز جنازہ کا اعلان کیجیے، کمیٹی کا کہنا ہے کہ ہمارے علاقے کے حالات بڑے نازک ہیں اس لیے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ اعلان کیجیے اور یہ کہہ کر آپ کو صرف خبر دینا ہے کہ ''فلاں شخص کا انتقال ہوگیا اس کی نماز جنازہ فلاں وہابی دیوبندی مسجد میں پڑھائی جائے گی اور فلاں جگہ تدفین ہوگی'' لہذا کیا اس طرح کا اعلان درست ہے؟ کیا اس کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ اور اگر کمیٹی مجبور کرے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

میں نے اسی طرح کا ایک سوال دوسری جگہ کیا تھا جس سے ہمارا مقصد یہی تھا کہ وہابی دیوبندی کی نماز جنازہ کا اعلان کرنے کا حکم کیا ہے؟ مجھے وہاں سے جو جواب ملا اس میں یہ ہے کہ صرف اس طرح کہنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔لہذا اس سوال کے جواب میں بتائے گئے حکم پر عمل کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ وہ سوال وجواب اسی استفتا کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نقل استفتا وفتوی مفتی جامعہ عربیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع اس مسئلہ ذیل میں

ہمارے شہر میں اہل سنت والجماعت کی ایک مسجد ہے۔ وہاں کمیٹی مؤذن سے کہتی ہیں کہ تم وہابی

مسجد کے نماز جنازہ کا اعلان کریئے۔
کمیٹی کا کہنا ہے کے آپ اعلان کریئے اور یہ کہیئے کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا ہے اس کی نماز جنازہ فلاں جگہ پر پڑھائی جائیگی اور فلاں جگہ تدفین ہوگی۔
کیا ایسا اعلان کرنا از روے شرع درست ہے؟
جواب سے نوازیں۔

سائل
محمد تنویر رضا

باسمه تعالیٰ

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں صرف اس طرح کہنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبه : محمد عبدالقدیر غفرله الرشید

۲۷ر ربیع الاول ۱۴۳۸ھ/۲۷ر دسمبر ۲۰۱۶ء
مفتی جامعہ عربیہ ناگ پور
قاضی عدالت شرعیہ
جامعہ عربیہ ناگ پور

فتوی مفتی رضادار الیتامیٰ

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : بہت سارے سنی مسلمان لاعلمی اور جہالت اور کچھ لوگ دیدۂ ودانستہ اپنی گندی سیاست، سیکولرازم اور چاپلوسی کی بنا پر وہابی دیوبندی اور مسلمانان اہل سنت و جماعت کے درمیان ہونے والے اختلافات کو علما کا جھگڑا اور بی۔ جے۔ پی اور کانگریس کے سیاسی اختلاف کی طرح اس کو بھی ایک سیاسی اور معمولی اختلاف کا درجہ دے کر اس کی حقیقت و واقعیت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لیے اصل جواب سے پہلے آپ یہ جان لیں کہ وہابی دیوبندی اور سنی مسلمانوں کے درمیان جو اختلاف

ہےاس کی حقیقت کیا ہے؟

(۱) ہم اہل سنت و جماعت کا قرآن وحدیث کے مطابق عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سچا ہے۔اس کا کلام سچا ہے۔اوراس سے بڑھ کر سچا کوئی نہیں۔اوراس کو جھوٹا کہنا، ماننا یا جھوٹ کو اس کے لیے ممکن ماننا اس کو عیبی ماننا ہے جو سراسر قرآن وحدیث کے خلاف اور کفر ہے، حالاں کہ وہابی دیوبندی یہی کفری عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ بولنے کو ممکن سمجھتے ہوئے اسی کو حق مانتے ہیں جیسا کہ وہابیوں دیوبندیوں کے جانے مانے بڑے مشہور مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے ''فتاوی رشیدیہ'' مطبوعہ جسیم بکڈ پو دہلی میں صفحہ ۹۶، ۹۷ پر اور انہیں کے حکم پر لکھی گئی مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی کتاب براہین قاطعہ مطبوعہ دارالکتاب دیوبند میں صفحہ ۱۰، ۱۱ پر لکھا ہے۔

(۲) ہم سنی مسلمانوں کا قرآن وحدیث کے مطابق عقیدہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حسب سابق آج بھی زندہ ہیں۔ان کے بدن پاک کو مٹی ہرگز نہیں کھا سکتی ،جیسا کہ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صفحہ ۱۱۸ پر ہے:

''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق.''

اس کے برخلاف وہابیوں دیوبندیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ۔معاذ اللہ۔ نبی مر کر مٹی میں مل گئے۔اور یہ نبی کی توہین ہے جو صاف صاف کفر ہے۔دیکھیے مولانا اسمعیل دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان ص ۱۳۰، ناشر فرید بکڈ پو۔

(۳) قرآن وسنت کی روشنی میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عام مومنین متقین بڑے معزز ومکرم ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

''اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ.''(حجرات ۴۹/ ۱۳)

اور انبیائے کرام والیائے عظام تو متقیوں کے سردار ہیں ،لہذا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ معزز ومکرم ومحترم ہیں۔اس کے برخلاف وہابیوں دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ انبیا واولیائے کرام خدا کی بارگاہ میں چمار سے بھی زیادہ ذلیل اور ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں۔ یہ عقیدہ تمام انبیائے کرام کی شان میں کھلی گستاخی پر مبنی اور کفر ہے۔دیکھیے تقویۃ الایمان ص ۱۴۱ اور ص ۱۱۹، ناشر فرید بکڈ پو۔

(۴) قرآن وحدیث کے قانون کے مطابق ہم سنیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں، اوراب ان کے بعد کوئی دوسرا نبی پیدا نہیں ہوگا۔ قرآن میں ہے:

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ." (الأحزاب ۳۳/ ۴۰)

اس کے برخلاف وہابیوں دیوبندیوں کا یہ کفری عقیدہ ہے کہ حضور کے بعد بھی اگر کوئی نیا نبی پیدا ہو جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہیں آئے گا۔ اس عقیدے میں قرآن کی مذکورہ آیت کا انکار ہے جو یقیناً کفر ہے۔ دیکھیے وہابیوں دیوبندیوں کے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس، ناشر مکتبہ تھانوی دیوبند، صفحہ ۴، ۱۵ اور ۲۱، ۲۲۔

(۵) ہم سنی مسلمانوں کا عقیدہ حقہ یہ ہے کہ نماز میں التحیات میں جب " **السلام علیک ایھا النبی و رحمة الله و بر کاته**"۔ یعنی اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔ پڑھے تو دل میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کا قصد و ارادہ کرے، جیسا کہ تمام علمائے حق کی کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ اس کے برخلاف وہابیوں دیوبندیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جائے تو نماز ہو جائے گی۔ اور اگر حضور کو کسی نمازی نے اپنے خیال میں یاد کر لیا تو شرک ہو جائے گا۔ یعنی اب صرف نماز کے جانے کا ہی مسئلہ نہیں بلکہ ایسے نمازی کا ایمان ہی ختم ہو گیا۔ معاذ اللہ۔ دیکھیے مولانا اسمٰعیل دہلوی کی کتاب صراط مستقیم ناشر زکریا بکڈ پو دیوبند صفحہ ۱۱۲، ۱۱۳۔

(۶) ہم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے جہاں میں سب سے زیادہ علم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ اور جو شخص مخلوق خدا میں حضور سے زیادہ کسی دوسرے کا علم مانے وہ کافر ہے۔ اس کے برخلاف وہابیوں دیوبندیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ شیطان ملعون کا علم حضور سے زیادہ ہے اور شیطان کے علم کا زیادہ ہونا۔ معاذ اللہ۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اور حضور کے علم کو سب سے زیادہ ماننا۔ معاذ اللہ۔ قرآن وحدیث کے خلاف بلکہ شرک ہے۔ دیکھیے مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی کتاب براہین قاطعہ ناشر دار الکتاب، دیوبند صفحہ ۱۲۲۔

(۷) قانون شرع کے مطابق ہم سنیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو رذیل و ذلیل لوگوں کے علم کی طرح کہے وہ کافر ہے۔ جب کہ وہابیوں دیوبندیوں کا یہی عقیدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے جیسا علم تو زید و عمرو، بچوں، پاگلوں بلکہ جانوروں

کو بھی حاصل ہے۔معاذ اللہ رب العالمین۔دیکھیے وہابیوں دیوبندیوں کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب حفظ الایمان مطبوعہ دار الکتاب دیوبند صفحہ ۱۵۔

یہ وہابیوں دیوبندیوں کے صدہا عقائد باطلہ عاطلہ فاسدہ وکاسدہ میں سے بطور نمونہ صرف چند عقیدے شمار کرائے گئے ہیں،جنہیں پڑھ کر ہر تھوڑی سی عقل اور سوجھ بوجھ رکھنے والا کلمہ گو مسلمان یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ واقعی وہابیوں دیوبندیوں کے عقیدے کھلم کھلا قرآن وحدیث کے خلاف اللہ ورسول اور محبوبان خدا کی شان میں گستاخیوں اور گندی گندی گالیوں سے بھرے ہوئے ہیں کہ گالی صرف ماں،بہن کی نہیں ہوتی بلکہ ہر بری بات جو کسی کی توہین کا سبب بنے وہ گالی میں شمار ہوتی ہے۔اور تمام علمائے متقدمین ومتاخرین احناف وشوافع،حنابلہ ومالکیہ وجملہ فقہا ومحدثین کا قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ جو شخص اللہ ورسول کو گالیاں دے ان کی شان میں گستاخیاں کرے وہ کافر ومرتد ہے بلکہ جو شخص ایسے آدمی کے عقیدے سے واقف ہونے کے باوجود اس کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”یکفر اذا وصف اللہ بمالایلیق بہ أو سخر باسم من اسمائہ او نسبہ الی الجھل أو العجز أو النقص ویکفر بقولہ یجوز أن یفعل اللہ تعالیٰ فعلا لا حکمۃ فیہ.“ اہ ملخصا(ص۲۵۸)

اسی میں ہے:

”اذا انکر الرجل آیۃ من القرآن أو تسخر بآیۃ من القرآن وفی الخزانۃ أو عاب کفر کذا فی التتارخانیۃ.“(ج۲،ص۲۶۶،الباب التاسع فی احکام المرتدین من کتاب السیر)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

”وکل مسلم ارتد فتوبتہ مقبولۃ الا الکافر بسب نبی من الانبیاء. ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر، وحکمہ القتل،ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر.“(رد المحتار ج۶،ص۳۷۰،باب المرتد من کتاب الجھاد)

اسی لیے عالم اسلام کے تمام علمائے حق نے ان وہابیوں دیوبندیوں کے عقائد کفریہ کو دیکھ کر یہ فتوی صادر فرمایا کہ:

”من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر.“

کہ جو شخص ان لوگوں کے عقائد کفریہ کو جاننے کے باوجود ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

چوں کہ تقریبا سب کو یہ معلوم ومشہور ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے کلمہ پڑھا جاتا ہے اسی لیے بہت سارے ہوشیار بننے والے لوگ اپنے من سے یہ فتوی گڑھ لیتے ہیں کہ وہابی دیوبندی رات دن کلمہ پڑھتے رہتے ہیں، لہذا اگر انہوں نے کبھی کفر بک دیا، تو کلمہ پڑھ لینے کے بعد ان کا کفر ختم ہوگیا اور وہ مسلمان ہوگئے، حالاں کہ یہ بات سراسر عقل ونقل کے خلاف ہے۔

ہر عقل مند یہ سمجھتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دوست کو گالی دے دے اور بغیر معافی مانگے پھر اسی دوست کے ساتھ پوری آن بان اور شان کے ساتھ رہنے لگے، تو جب تک یہ شخص اپنے اس دوست سے معافی نہ مانگ لے اور وہ اسے معاف نہ کردے اس وقت تک محض ساتھ میں رہنے کی وجہ سے معافی نہیں سمجھی جائے گی، یوں ہی کوئی مسلمان خلاف عقیدہ اسلامیہ بات بول کر اور اللہ ورسول کو گالی دے کر کافر ہوجائے اور نماز روزہ، حج وزکوۃ کی ادائیگی بڑی پابندی کے ساتھ کرتا رہے اور رات دن تسبیح لے کر کلمہ پڑھتا رہے تو جب تک وہ اپنے اس کفریہ قول وعقیدے سے برأت وبیزاری ظاہر کرکے توبہ واستغفار یعنی تجدید ایمان نہ کرلے اس وقت تک صرف روزمرہ عادت کے مطابق کلمہ پڑھتے رہنے کی وجہ سے وہ مسلمان نہ ہوگا۔

یہی حال وہابیوں دیوبندیوں کا ہے کہ وہ اقوال کفریہ بکنے اور عقائد کفریہ اختیار کرنے کے بعد اپنی عادت کے مطابق کلمہ، نماز، روزہ اور حج وزکوۃ کی پابندی اتنی سختی کے ساتھ کرتے ہیں کہ شریعت کی رعایت کرنے کے بجائے اپنی طبیعت کے مطابق پاک ناپاک، وقت بے وقت، جب بھی، جس حال میں بھی اور جیسے بھی چاہتے ہیں، نماز روزہ وغیرہ شروع کرکے اپنی خود ساختہ مسلمانی کا اعلان کرنے لگتے ہیں۔ مگر ان تمام اعمال کی وجہ سے وہ مسلمان نہیں ہوسکتے، جب تک کہ وہ اپنے ان تمام عقیدوں سے برأت وبیزاری ظاہر کرکے توبہ واستغفار نہ کرلیں، جو قرآن وحدیث کے خلاف اسلام دوز وایمان سوز ہیں کہ انہوں نے نماز روزہ، حج وزکوۃ اور کلمہ پڑھنے سے انکار نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے کفر وارتداد کی وجہ ان کے کفریہ عقیدے ہیں، جیسا کہ مذکور ہے۔ اور ایک مرتد کلمہ پڑھ کر اسی وقت مسلمان ہوگا، جب کہ کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی اسلام کی جس ضروری بات کا انکار کیا ہے، اس کا اقرار بھی کرلے۔ اور یہی کام وہابیوں دیوبندیوں سے نہیں ہو پا رہا ہے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں، سنی بھی کہتے ہیں، اللہ ورسول سے محبت کرنے والا بھی

کہتے ہیں علما و اولیا سے عقیدت رکھنے والا بھی کہتے ہیں، وہابی دیوبندی کے نام سے پکارے جانے پر نفرت و بیزاری کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ لوگ بدستور دین کی ضروری باتوں سے انکار والے عقائد کفریہ اور اللہ و رسول کی شان میں گستاخیوں سے بھرے ہوئے کفری عقائد پر نہ صرف یہ کہ قائم و برقرار ہیں، بلکہ انہیں وہابیائی و دیوبندیائی عقیدوں کو پسند بھی کرتے ہیں۔ انہیں کو دین اسلام سمجھتے ہیں۔ رات دن انہیں کو پڑھتے پڑھاتے، لکھتے لکھاتے اور اپنی کتابوں میں چھاپتے چھپاتے رہتے ہیں۔ اور ان کا پرچار کرنے میں اپنی ایڑی سے چوٹی تک کا زور خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ عقیدے کفری ہیں، ان سے توبہ کر لو تو اردو زبان میں لکھی ہوئی ان عام فہم باتوں کو توڑ مروڑ کر بھول بھلیا بنا دیتے ہیں۔ اور الٹا سیدھا اپنے من سے گڑھا ہوا ان کا معنی و مطلب بیان کرتے ہیں۔ حالاں کہ ہر عقل سلیم رکھنے والے کے نزدیک ان کی یہ من مانی گھر جانی تاویلیں اور گڑھے ہوئے مطالب و مفاہیم ایسے ہی مضحکہ خیز وافسوس ناک ہیں، جیسے کہ ایک شخص نے اپنے باپ کو حرامی کہہ دیا تو لوگوں نے اس سے مطالبہ کیا، کہ تو اس سے توبہ کر اور اپنے باپ سے معافی مانگ، تو معافی مانگنے اور توبہ کرنے کے بجائے، وہ اس عام فہم لفظ حرامی کا معنی اپنے من سے گڑھ کر یوں بتاتا ہے، کہ حرام کا معنی مقدس و محترم ہوتا ہے۔ دیکھو کعبہ شریف کا نام ''المسجد الحرام'' ہے یعنی مقدس و محترم مسجد۔ یوں ہی میں نے اپنے باپ کو جو حرامی کہا ہے، اس کا مطلب ہے عزت و احترام والا تو اس میں معافی مانگنے اور توبہ کرنے کی کیا ضرورت؟ لوگوں نے کہا، جب تو آج سے ہم بھی تمہیں اسی مبارک لفظ سے یاد کرتے ہوئے تمہیں حرامی کہیں گے اور تم خود اپنے باپ کو پہلے حرامی کہہ چکے ہو لہذا اب تمہیں حرامی کی اولاد بھی کہیں۔ اسے سمجھ میں آ گیا کہ میری یہ شیطانی تاویل اور لایعنی منطق تو میرے ہی گلے کا پھندا بن جائے گی۔ چنانچہ اس نے معافی بھی مانگی اور توبہ بھی کیا کہ جس طرح کفری عقیدہ سے بیزاری ظاہر کیے بغیر کلمہ کا پڑھنا مفید نہیں یوں ہی بلا معافی کے توبہ بھی بے کار ہے۔

کنز الدقائق اور البحر الرائق میں مرتد کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں ہے:

”واسلامه ان يتبرأ عن الاديان سوى الاسلام او عما انتقل اليه، وافاد باشتراط التبرى أنه لو أتى بالشهادتين على وجه العادة لم ينفعه مالم يرجع عما قال اذ لا يرتفع بهما كفره كذا فى البزازيه وجامع الفصولين.“(ج۵، ص۲۰۲، باب احكام المرتدين من كتاب السير)

مذکورہ مثال بات کو سمجھانے کے لیے محض ایک مفروضہ واقعہ ہے جب کہ وہابیوں دیوبندیوں نے

اپنے کفری عقیدوں کی جو من مانی تاویلیں اور قرآن وسنت واقوال علمائے امت سے ہٹ کر گڑھے ہوئے مفہوم ومعنی بیان کیے ہیں وہ حقیقتاً وواقعتاً ایسے ہی ہیں جیسے کہ اس مفروضہ مثال میں مذکور ہے۔اور ابتدائے وہابیت ودیوبندیت ہی سے ہم سنیوں کی طرف سے یہ اعلان حق ہوتا چلا آرہا ہے کہ وہ لوگ اپنے گندے اور کفری عقیدوں سے برأت وبیزاری ظاہر کر کے توبہ کر لیں،تو ان سے ہمارا کوئی اختلاف نہ ہوگا بلکہ بعد توبہ وہ ہمارے بڑے عزیز بھائی ہوں گے۔

جب یہ باتیں آپ کو معلوم ہوگئیں اور یہ واضح ہوگیا کہ وہابی دیوبندی لوگ اپنے عقائد کفریہ کی بنیاد پر کافر مرتد ہیں تو اب آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم اہل سنت وجماعت اور وہابیوں دیوبندیوں کے درمیان اختلاف کی وجہ اور سبب درحقیقت یہی ان کے گندے اور کفریہ عقیدے ہیں۔اس حقیقت کے واضح ہونے کے باوجود اب بھی اگر کوئی چرب زبان بقراطی کر کے اپنے مفاد کے لیے اس کو علما کا جھگڑا اور ایک معمولی اختلاف کہتا ہے تو وہ دراصل کفر کو اسلام اور کافر کو مسلمان قرار دینے کی غیر شرعی جرأت کر رہا ہے۔

اب قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟اوپر تفصیل سے یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ وہابیوں دیوبندیوں کے عقیدے کفری ہیں،لہٰذا وہابی دیوبندی لوگ کافر مرتد اور اسلام سے خارج ہیں اور قرآن،حدیث،تفاسیر اور تمام محدثین ومفسرین وجملہ فقہا ومجتہدین وائمہ مسلمین کی کتابوں میں نماز جنازہ پڑھنے کے لیے میت کا مسلمان ہونا شرط قرار دیا ہے کہ میت مسلمان ہوگا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور کافر ہوگا تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی چاہے یہ کفر کفر اصلی ہو یا ارتداد کی وجہ سے کفر طاری ہوا اور وہابیہ دیابنہ کافر ہیں،لہٰذا ان کی نماز جنازہ پڑھنا ناجائز وحرام،خدا اور سول کو ناراض کرنے والا نہایت برا کام بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

”وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ.“(توبہ ۹ : ۸۴)

اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا،بے شک وہ اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے۔

مذکورہ آیت کریمہ کے بارے میں بخاری شریف ج۱،ص۱۸۳،باب مایکرہ من الصلوۃ

علی المنافقین و الاستغفار للمشرکین من کتاب الجنائز میں ہے کہ راس المنافقین والکافرین عبداللہ بن ابی ابن سلول کا انتقال ہوا، تو حضور نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اللہ رب العزت نے ہمیشہ کے لیے کافروں کی نماز جنازہ پڑھنے سے مسلمانوں کو روک دیا۔

کنز الدقائق و بحر الرائق میں ہے:

"وشرطها اسلام المیت فلاتصح علی الکافر للآیة و لا تصل علی احد منهم مات ابدا."(ج ۲، ص ۲۸۲، فصل من کتاب الجنائز)

رد المحتار میں ہے:

"ان الدعاء بالمغفرة للکافر کفر لطلبه تکذیب الله فیما اخبره به."(ص ۲۳۶)

اسی میں ہے:

"قد علمت ان الصحیح خلافه فالدعاء به کفر لعدم جوازه عقلا و لاشرعا ولتکذیبه النصوص القطعیة."(ج ۲، ص ۲۳۷، باب صفة الصلوة من کتاب الصلوة)

الحاصل وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ پڑھنا حرام و گناہ اور ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو مسلمان سمجھ کر پڑھنا کفر ہے کہ نماز جنازہ بجائے خود طلب مغفرت کے لیے ہے مزید یہ کہ اس میں معروف و مشہور دعائے مغفرت بھی ہے۔ اور کافر کی مغفرت کی دعا کرنا کفر اور اپنے آپ کو کافر بنانا ہے، لہذا ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا بہر حال حرام و گناہ اور بعض صورتوں میں کفر سے خالی نہیں، جیسا کہ گزرا۔

اوپر گزرا کہ نماز جنازہ طلب مغفرت کے لیے جیسا کہ مسلم شریف ج ۱، ص ۳۰۷، ۳۰۸ کتاب الجنائز اور سنن ابن ماجہ ص ۱۰۷، باب **ماجاء فی من صلی علیه جماعة المسلمین** وغیرہ میں بہ اختلاف روایت یہ ہے کہ جس شخص کی نماز جنازہ چالیس یا سو مسلمان لوگ پڑھیں اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اور وہیں پر یہ بھی ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والے اور نماز جنازہ پڑھنے والے کے لیے احد پہاڑ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ گویا نماز جنازہ میت کے لیے بھی مفید ہے اور پڑھنے والوں کے لیے بھی اجر عظیم کا ضامن ہے۔ اور چوں کہ یہ نماز ایک عظیم کار خیر ہے لہذا اس نیک کام کی دعوت دینا اور اس کا اعلان کرنا بھی نیک کام اور اجر و ثواب کے استحقاق کا ذریعہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"ان الدال علی الخیر کفاعله."(ترمذی ج ۲، ص ۹۵، باب ماجاء ان الدال علی

الخیر کفاعله)

بھلائی کا راستہ بناتے والا بھی بھلائی کرنے والے کی طرح ثواب کا مستحق ہے۔

مگر یہ بشارتیں اور نیکیاں اس وقت ہیں جب کہ میت مسلمان ہو اور اوپر یہ گزر چکا کہ وہابی دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کی بنیاد پر کافر مرتد ہیں، مسلمان نہیں۔ لہذا ان کی نماز جنازہ پڑھنا حرام وکفر ہے۔ اور ان کی نماز جنازہ کی دعوت دینا اور اس کا اعلان کرنا حرام وکفر کی دعوت دینا ہے اور یہ دعوت واعلان چوں کہ حرام وکفر کی طرف لے جانے والا ہے لہذا یہ بھی حرام وکفر ہونے سے خالی نہیں۔

درمختار میں ہے:

"کل ما أدی الی مالا یجوز لایجوز."(علی هامش ردالمحتار ج۹، ص ۵۱۹، فصل فی اللبس من کتاب الحظر والاباحة)

یہی وجہ ہے کہ ایک مُحرِم یعنی احرام باندھنے والے شخص کے لیے جس طرح شکار کرنا حرام ہے اسی طرح شکار کی طرف رہنمائی کرنا بھی حرام ہے کہ یہ بھی شکار کرنے کی طرح ہے۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"کما یحرم علی المحرم قتل الصید یحرم علیه الدلالة علی الصید ویتعلق بها من الجزاء ما یتعلق بالقتل کذا فی المحیط."(ج ۱، ص ۲۵۰، الباب التاسع فی الصید من کتاب المناسک)

لہذا وہابی دیوبندی کی نماز جنازہ کا اعلان کرنا کسی بھی حال میں جائز نہیں۔ اور اگر کوئی استاد یا کوئی ڈھونگی اور جعلی پیر، کوئی کمیٹی یا کمیٹی کا کوئی ممبر یا کوئی بھی شخص جبراً کسی امام، موذن یا کسی بھی سنی مسلمان کو اس کا حکم دے کہ تم وہابی دیوبندی کی نماز جنازہ کا اعلان کرو تو چوں کہ یہ حکم اللہ ورسول کے حکم کے خلاف ہے لہذا اس پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں، اگرچہ ملازمت وغیرہ چھوڑنی پڑے۔ حدیث شریف میں ہے:

"لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق."(مشکوہ ص ۳۲۱، الفصل الثانی من کتاب الامارة)

کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی بندے کی اطاعت نہیں۔

بلکہ اللہ ورسول کے حکم کے خلاف اپنا حکم لگانے اور چلانے کی وجہ سے خود ان لوگوں پر واجب ہوگا کہ وہ توبہ واستغفار کریں اور آئندہ ایسی قبیح حرکت سے باز رہیں۔ اور اگر کمیٹی والے بار بار ایسی غیر شرعی حرکتیں کریں تو محلّہ والوں پر لازم ہے کہ وہ ایسی کمیٹی کو ختم کر کے متدین ومتشرع کمیٹی تیار کریں۔

سوال نامہ میں کمیٹی کی یہ بات بھی منقول ہے کہ ان کے علاقے کے حالات بڑے نازک ہیں اس

لیے وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ کا اعلان کرنا چاہیے۔ان کا یہ عذر لنگ شرعاً نا قابل اعتبار ہے اور یہ خود ان لوگوں کی نزاکتیں ہیں، جو رات دن وہابیوں دیوبندیوں کے پس خوردہ پر زندگی گزارتے ہیں۔ان کے پیچھے پیچھے دم ہلاتے گھومتے رہتے ہیں اور ان کی حمایت ونصرت کے لیے بڑے اوتاولے اور بے قرار رہتے ہیں۔اللہ انہیں ہدایت دے آمین!

سائل نے اس استفتا کے ساتھ اسی مسئلہ دائرہ سے متعلق ایک اور استفتا اور فتوی بھی پیش کیا ہے، جس کے بارے میں سوال میں خود ہی بتا دیا ہے کہ میرا مقصد وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ کے اعلان کے بارے ہی میں حکم معلوم کرنا تھا۔اور اس سائل نے جو زبانی بیان دیا وہ اتنا افسوس ناک ہے کہ **"تکاد السموت یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا"** جسے سن کر آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھ کر گر جائیں۔سائل نے زبانی بیان دیا کہ میں نے وہابی دیوبندی کی نماز جنازہ کے اعلان کے بارے میں ہی میں سوال لکھا تھا، مگر مفتی صاحب نے سوال کو بدلوا کر وہابی دیوبندی کی نماز جنازہ کے بجائے وہابی مسجد کی نماز جنازہ کا اعلان بنوایا اور باقی سوال اس طرح ہے کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا ہے اس کی نماز جنازہ فلاں جگہ پڑھائی جائے گی اور فلاں جگہ تدفین ہوگی۔اس پر مفتی صاحب نے جو ایک سطر کا جواب دیا ہے وہ صرف ایک فتنہ ہی نہیں بلکہ ایک عظیم فتنہ پرور اور فتنہ گر ہے۔

ان مذکورہ باتوں پر کچھ تفصیلی بحث کرنے سے پہلے ہم وہابیوں دیوبندیوں کے اس طرز عمل کی قباحت وشناعت ظاہر کر دیں کہ ایک طرف تو یہ وہابیائے شر پسند اور مقلدین عقائد داروغہائے دیوبند بات بات پر سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں پر اپنے من گڑھت اسلام کے مطابق شرک وبدعت کا فتوی لگا کر انہیں مشرک وبدعتی کہتے ہیں یعنی وہ اپنے نزدیک سنیوں کو مسلمان ہی نہیں مانتے کیوں کہ مشرک کہتے ہی اسے ہیں جو اللہ کی ذات وصفات یا عبادت میں کسی دوسرے کو شریک مانے اور یہ کفر کی سب سے بری قسم ہے جس کی بخشش بھی نہیں۔اور دوسری طرف ان کا عمل یہ ہے کہ اذان ہوئی تو جسے یہ مشرک وبدعتی کہتے ہیں اسی سنی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔کسی کا انتقال ہو گیا تو وہابی امام کو چھوڑ کر سنی امام سے اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے اس طرح بے قرار ہو جاتے ہیں کہ پورے محلے میں جھگڑے کا ماحول بنا دیتے ہیں۔اور سنیوں سے اس کی نماز جنازہ کا اعلان کرنے کے لیے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔سنی نو جوانوں کو اپنا داماد بنانے کے لیے پورے علاقے کی دھول چھان ڈالتے ہیں۔یعنی انہیں خود

اپنے امام اور نوجوان اچھے نہیں لگتے ۔تو پھر وہابی دیو بندی کیوں ہوئے تھے؟ کیا صرف اللہ و رسول اور محبوبان خدا کو گالیاں دینے اور سنی مسلمانوں کو مشرک و بدعتی کہنے کے لیے وہابی ہوئے تھے؟

وہابیت دیو بندیت سے توبہ کر کے سنی مسلمان بن جائیے، پھر شوق سے ایک بار نہیں جتنی بار خواہش ہو اتنی بار اپنی نماز جنازہ کا اعلان کروائیے۔سنی امام سے نماز جنازہ پڑھوائیے۔اس کے پیچھے نماز پڑھیے۔اور سنی نوجوانوں کو اپنا داماد بنائیے۔اور حق کی پہچان یہی ہے کہ حق پسند لوگ سب کو محبوب و مقبول اور سب کو اچھے لگتے ہیں۔اور الحمد للہ ہم سنی مسلمان حق پسند ،حق پرست اور حق گو ہیں ،جس کی دلیل خود ان وہابیوں دیو بندیوں کا عمل بھی ہے۔اور میں ان کے اس عمل کو اپنی حقانیت کی سند نہیں بنا رہا ہوں کہ ہم تو حق پر پہلے ہی سے ہیں، بلکہ ہم اس سے یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ”**الفضل ماشهدت به الاعداء**.“کہ فضیلت وحقانیت یہی ہے کہ وہابی دیو بندی جیسے اسلام دشمن کو مجبوراً ہماری حقانیت وصداقت کی گواہی دینی پڑتی ہے۔

اور یہی عمل وہابیوں دیو بندیوں کے غلط، باطل پرست، بد دین اور بے دھرم ہونے کی روشن دلیل ہے کہ عام طور پر مسلمان کو یہ معلوم ہے کہ جو مسلمان کھلم کھلا گناہ کرتا ہو،شراب پیتا ہو، جوا کھیلتا ہو،زنا کار ہو وہ فاسق وفاجر ہے،اسے امام نہیں بنایا جا سکتا۔اسی لیے علمائے حق نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔یوں ہی بدعتی کی امامت کا بھی حکم ہے۔

درمختار ورد المحتار میں ہے۔

”وتكره امامة فاسق ومبتدع أى صاحب بدعة ، أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن فى تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانته شرعاً فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم. اه ملخصا.(ج ٢،ص ٢٩٨، ٢٩٩ ،باب الامامة من كتاب الصلوة)

تو فاسق فاجر شخص مسلمان ہے مگر پھر بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی فرمایا۔اور بدعتی کا حکم تو اس سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ بعض صورتوں میں اس کی تکفیر بھی کی گئی ہے۔اور کوئی شریف دیانتدار آدمی ایسے بدکار و بددین کو اپنی لڑکی دے کر داماد بنانے کو سوچ بھی نہیں سکتا بنانا تو بہت دور ہے۔اس کے برخلاف وہابیوں دیو بندیوں کا حال یہ ہے کہ جس کو وہ مشرک وبدعتی یعنی اپنے زعم میں کافر وغیر مسلم کہتے اور سمجھتے ہیں،اسی کے پیچھے ان کی نماز بھی ہو رہی ہے۔اس سے ان کی لڑکیوں کا نکاح بھی ہو رہا ہے۔یہ

کون سا عجوبہ دین ہے کہ ایک ہی شخص کے کئی کئی کردار نظر آرہے ہیں؟ کبھی مشرک ہے۔ کبھی بدعتی ہے۔ کبھی مومن ہے اور ہر حال میں ایمان بھی سلامت ہے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اسی سے ظاہر ہے کہ وہابی دیوبندی بددین بدمذہب اور بے دھرم ہیں یعنی ان کا کوئی دھرم ہی نہیں کہ ان کا عمل ان کے قول کو جھٹلا رہا ہے اور ان کا قول ان کے عمل کو جھوٹا قرار دے رہا ہے کہ ایک طرف سنی مسلمان کو مشرک کہتے ہیں۔ یہ قول ہوا۔ اور پھر اس کو مسلمان سمجھ کر اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ عمل ہوا۔ قول کا تقاضا یہ ہے کہ اس امام کے پیچھے ان کی نماز نہ ہو کہ امام ان کے نزدیک غیر مسلم ہے اور اقتدا مسلم غیر فاسق کی ہوتی ہے۔ اور عمل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سنی امام مشرک بلکہ فاسق و بدعتی بھی نہ ہو ورنہ اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ لہذا ان کے اس عمل نے ان کے قول کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور اس سنی امام کے پیچھے نماز پڑھی تو ظاہر ہے کہ اسے مسلمان مان کر ہی پڑھی اور کافر کو مسلمان یا مسلمان کو کافر ماننا، کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر ماننا ہے اور یہ سب خود کفر ہے کہ کفر و اسلام سب کو ایک قرار دینا ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"من اعتقد ان الایمان والکفر واحد فهو کافر ومن لا یرضی بالایمان فهو کافر کذا فی الذخیرة."(ج۲،ص۲۵۷،الباب التاسع من کتاب السیر)

تو جو شرک و کفر کی گن مشین وہ لوگ سنیوں کے سینوں کے سامنے تان کر کھڑے ہوئے تھے اس کی گولیوں سے خود انہیں کی برادری کے تار و پود بکھر رہے ہیں، مگر ان کا ایمان کوہ ہمالیہ کی طرح اتنا مضبوط ہے کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود ابھی بھی دعوائے مسلمانی ہے۔ الحاصل ہر ادنی عقل والے پر یہ روشن ہوگیا کہ وہابیوں دیوبندیوں کا قول ان کے عمل کو جھٹلا رہا ہے۔ اور ان کا عمل ان کے قول کو جھوٹا قرار دے رہا ہے، مگر پھر بھی انہیں شرم نہیں آتی۔ اور شرم کیوں آئے؟ جب ان لوگوں نے اپنے خدا کے لیے جھوٹ بولنے کو کمال سمجھ کر اس کو جھوٹا مان لیا تو اس جھوٹے خدا کے بندے کتنے سچے ہوں گے اس کا فیصلہ کرنا وہابیائی عقل والوں کے لیے ضرور مشکل ہوگا، سنیوں کے لیے مشکل نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت ان وہابیوں دیوبندیوں کے ساتھ کسی طرح کے میل جول کو روا نہیں رکھتے کہ ان کے ساتھ رہنے میں سنیوں کا ہی نقصان ہے۔ اور وہابیوں دیوبندیوں کا کوئی دھرم تو ہے نہیں کہ کسی کے ساتھ رہنے میں ان کا نقصان ہو کہ نقصان اور بگاڑ وہاں ہوتا ہے جہاں اچھائی اور حقانیت ہو اور

وہابیت دیوبندیت کی بنیاد ہی بگاڑ اور فساد و بطلان پر ہے تو وہاں نقصان ہونے کا کیا سوال؟ اسی لیے یہ لوگ جھوٹے اور شیطانی اتحاد کا نعرہ لگاتے ہوئے سب کے ساتھ دوڑتے رہتے ہیں اور اپنا مقصد پورا کر کے یعنی سنیوں کو اپنی طرح بے دھرم اور بدعقیدہ بنا کر چل دیتے ہیں۔ اسی لیے حدیث شریف میں ان دل بدلووں اور بہروپیوں کو حیران و پریشان جوشیلی اور اٹھان پر آئی ہوئی بکری کی طرح کہا گیا ہے کہ جس طرح یہ بکری کسی بھی بکرے سے اپنا منہ مار کر اپنی شہوت اور اپنا مقصد پورا کر کے بکرے کو چھوڑ دیتی ہے ایسے ہی یہ وہابی دیوبندی لوگ بھی اسی حیران بکری کی طرح ایمان برباد کرنے کے نشے میں گھومتے رہتے ہیں اور اپنا شیطانی مقصد پورا کرنے کے لیے اپنی عزت و ناموس کو بھی نیلام کر ڈالتے ہیں۔ اسی لیے آقائے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ رہنے اور ان کو اپنے ساتھ رکھنے سے منع فرمایا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم."(مشکوۃ ص ۲۸)

اس کو ایک اور مثال سے یوں سمجھو کہ ایک بادشاہ کسی کم تر شخص کے ساتھ رہنے کو پسند نہیں کرتا کہ اس میں اسی کے لیے نقصان و بے عزتی ہے، جب کہ ایک کم تر شخص کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ اسے بادشاہ کی صحبت میں رہنا نصیب ہو جائے کہ اس سے اس کا کچھ بگڑنے والا نہیں بلکہ یہ جس بادشاہ کے ساتھ رہے گا اس کے لیے نقصان کا سبب بنے گا۔ یوں ہی سنی کسی وہابی کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتا کہ اس میں اس کا نقصان ہے جب کہ وہابی تو رات دن یہی پہاڑہ پڑھتے ہیں کہ آتے جاؤ بگڑتے جاؤ آتے جاؤ بگڑتے جاؤ۔ اور پھر کہتے ہیں **انما نحن مصلحون** ہم تو سدھارتے ہیں۔ **الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون**۔ سنو یہی لوگ تو فساد برپا کرتے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔

وہابیوں دیوبندیوں کے کرتوت سے زیادہ افسوس مفتی صاحب مذکور کے سوال بدلوانے اور اس پر جواب دینے پر ہے۔ اب تک میں یہی سنتا اور دیکھتا تھا کہ سوال کرنے والے واقعہ سے ہٹ کر اپنے من کے موافق سوال لکھ کر جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر اب یہ بھی ہونے لگا ہے کہ کچھ فتوی لکھنے والوں نے یہ بھی کالا بازاری شروع کر دی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے کسی نے کہا تھا ؎

گر ہمیں مفتی و ہمیں افتا

کار افتا تمام خواہد شد

اولاً تو واقع کے مطابق لکھے ہوئے سوال کو دیدہ و دانستہ بدلوانا مفتی صاحب کی بہت بڑی بددیانتی ہے۔

اور بغیر کسی دلیل شرعی کے اس پر ایک سطر کا جواب لکھ دینا اس بددیانتی پر جرأت مندی ہے۔اور اس تبدیلی کرانے میں ان کا مقصد کیا ہے یہ وہی بتا سکتے ہیں۔البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ فتوی سائل وعوام کے مقصود کے خلاف ہے۔ عوام کو اتنی باریکی کیا معلوم وہ لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ حضرت نے وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ کے اعلان کرنے کے جواز پر فتوی دیا ہے کہ سوال کرنے کا مقصد یہی ہے۔اور حضرت یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جب مجھ پر اعتراض ہوگا تو سوال بدلوانے کا فائدہ مجھے ضرور ملے گا اور میں فوراً کہہ دوں گا کہ میں نے وہابی کی مسجد کے پاس ہونے والی نماز جنازہ کے اعلان کے بارے میں جواز کا فتوی دیا ہے اور وہابی کی مسجد کے پاس جس کی نماز جنازہ ہو کوئی ضروری نہیں کہ وہ میت وہابی ہی ہو، حالاں کہ ان کا یہ کہنا کچھ مفید نہیں کہ یہ جواب لوگوں کے مقصد کے خلاف ہے اور اس تقدیر پر یہ سراسر دھوکہ ہے اور حدیث شریف میں ہے:

"من غش فليس منى." (مسلم ج ١، ص ٧٠، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا من كتاب الايمان)

جو دھوکہ دے وہ مجھ سے نہیں۔

مزید یہ کہ اس خودساختہ سوال کا جواب اور کئی جہتوں سے نادرست ہے۔مثلا:

(۱) یہاں کا عام عرف وعادت یہی ہے کہ جس مسجد کے پاس نماز جنازہ ہوتی ہے عموماً اسی مسجد کا امام نماز جنازہ پڑھاتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہابی مسجد کے پاس والی نماز جنازہ کا امام وہابی ہی ہوگا۔اور میت کا وہابی ہونا سائل کے اصل سوال اور مقصود عوام سے متعین۔اور جنازہ یا نماز جنازہ کے اعلان کا مقصد لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دینا ہے جس کی حرمت وممانعت کا ذکر گزرا۔اور اس اعلان کے بارے میں یہ کہنا کہ "صرف اس طرح کہنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں" تو گویا یہ صرف وہابی کے پیچھے وہابی کی نماز جنازہ پڑھنے کی دعوت دینے ہی کے بارے میں نہیں، بلکہ خود وہابی کی نماز جنازہ وہابی کے پیچھے پڑھنے کے بارے میں بھی یہ حکم لگانا ہے کہ اس نماز کے پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔معاذ اللہ رب العالمین۔

(۲) سائل کا تحریراً وتقریراً امر واقعی بیان کرنا اور کمیٹی کا مذکورہ طریقے پر اعلان کرنے کو کہنا یہ سب قرائن حالیہ ومقالیہ ہیں جو صاف صاف شور مچا کر کہہ رہے ہیں کہ سائل کا مقصود وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ کے اعلان کے بارے میں ہی حکم دریافت کرنا تھا تو پھر بطور دیانت داری صحیح رخ کو ظاہر کرنے کے بجائے اس ایک سطری جواب سے مفتی صاحب کا سوال چنیں وجواب دگر یا مارے گھٹنا پھوٹے سر کا

مظاہرہ کر کے عوام کو گم راہ کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

اوپر بار بار یہ کہا جا چکا ہے کہ یہ سوال وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ کے اعلان کے متعلق حکم معلوم کرنے کے لیے کیا گیا تھا، لہذا اب ہمیں اس سلسلے میں یہ دیکھنا ہے کہ عرف عام میں نماز جنازہ کے اعلان کرانے سے کچھ مقصد ہے یا نہیں؟ اور بہر حال دونوں صورتوں کے احکام کیا ہوں گے؟

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ ہر عقل مند انسان کا کام بلا مقصد نہیں ہوتا اور فقہ کا ضابطہ ہے کہ حتی الامکان عقل مند انسان کے قول و عمل کو با معنی و با مقصد بنایا جائے، لہذا یہ اعلان اگر بلا مقصد ہو تو ماننا پڑے گا کہ اس میں حصہ لینے والے سب کے سب پاگل ہیں یا عقل مند ہوتے ہوئے پاگل جیسا کام کر رہے ہیں، حالاں کہ ایسا ہے نہیں، لہذا اس اعلان کو بے مقصد ماننے کی صورت میں لازم آئے گا کہ عقل مند لوگ بے مقصد و لایعنی کام کر رہے ہیں۔ لہذا اس تقدیر پر بھی اعلان مذکورہ منع ہی ہوگا کہ حدیث شریف میں ہے:

”**من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه.**“(**ترمذی شریف ج ۲، ص ۵۸، ابواب الزھد**)

کہ انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور بے مطلب باتوں کو چھوڑ دے۔

یہ بات تو علی سبیل التنزل تھی، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس اعلان کا مقصد نماز جنازہ میں شرکت کرنے کی دعوت دینا ہی ہے۔ اور یہی عرف عام میں مشہور ہے ”**ومن لم یعرف اھل زمانه فھو جاھل.**“ اور جو اپنے زمانے والوں کے عرف کو نہ جانے وہ جاہل ہے۔ اور عرف عام میں جو چیز جس کے لیے مشہور ہو، وہ عند الشرع مشروط ہو جاتی ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے:

”**المعروف عرفا کالمشروط شرعاً.**“(**ج ۱، ص ۲۷۸، المبحث الثالث من القاعدۃ السادسة من الفن الاول**)

لہذا اب اس اعلان میں یہ شرط بھی ملحوظ ہوگی اور اب اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا ہے، فلاں جگہ پر اس کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی اور فلاں جگہ تدفین ہوگی، لہذا آپ حضرات اس میں شرکت کریں، کہ اس اعلان سے مقصود جنازہ اور نماز جنازہ میں شرکت کی دعوت ہی ہے۔ اب اگر اعلان کرنے والا ”اس میں شرکت کریں“ والا جملہ نہ کہے تو بھی اس کا یہی معنی ہوگا کہ یہ محل، محل بیان ہے۔ اور محل بیان میں خاموشی بھی بیان ہوا کرتا ہے۔ ایک ڈوبنے والا کسی کو پکارے اور یہ نہ کہے کہ میری مدد کرو تو بھی یہی مفہوم ہوگا کہ یہ مدد کے لیے پکار رہا ہے ”**لان السکوت فی معرض البیان بیان**

و دلالة الحال قائمة مقام النية." كما فى الكتب الفقهيه.

اس سلسلے میں بہت سارے ہوشیار جنٹل مین لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہابیوں دیوبندیوں کی نماز جنازہ کا اعلان کرواور "ثواب دارین حاصل کرو" والا جملہ نہ کہو۔ مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں اس قول کی بھی قباحت وشناعت ظاہر ہوگئی کہ ثواب دارین حاصل کرو نہ کہا جائے تب بھی یہ اعلان مرتدین کے جنازہ اور نماز جنازہ میں شرکت کی دعوت ہے۔اور بحوالہ حدیث گزرا کہ جنازہ میں شرکت بہرحال کار دین وثواب ہے۔کوئی اعلان میں یہ لفظ کہے یا نہ کہے لہذا ایسا اعلان بھی جائز نہ ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی کے جنازہ کا اعلان کرنا اس کے جنازہ ونماز جنازہ میں شرکت کی دعوت دینا ہے۔لہذا یہ میت اگر مسلم ہے تو یہ اعلان جائز ہے کہ یہ ایک کار خیر کی دعوت اور اعانت علی البر والتقوی ہے۔اور اگر میت مسلمان نہیں بلکہ وہابی دیوبندی رافضی یا اور کوئی کافر ومرتد ہے تو یہ اعلان ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام وگناہ اور منجر الی الکفر ہے کہ یہ ایک کار شر کی دعوت اور اعانت علی الاثم والعدوان ہے۔

اتنی ساری روشن دلیلوں کے باوجود مفتی صاحب کا سوال بدلوا کر اس پر یہ جواب لکھنا کہ "صورت مسئولہ میں صرف اس طرح کہنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں" یہ ان کی اپنی خود ساختہ شریعت قبیحہ کا مسئلہ ہوگا ورنہ شریعت محمدیہ علیہ التحیۃ والثنا کے نزدیک اس کی قباحتیں وشناعتیں تو وہی ہیں جو قرآن وحدیث کی روشنی میں مذکور ہوئیں اور جو اس کے خلاف کرے وہ گویا ایک امر قبیح کو غیر قبیح کہہ رہا ہے، جو خود اس کے قبیح ہونے کی دلیل ہے۔ **و كفى بالمرء قبيحا ان يحسن قبيحا و من يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه .**" ایسا فتوی نا قابل اعتبار اور عندالشرع مردود ومطرود ہے کہ یہ حکم حکم ما انزل اللہ کے خلاف ہے۔" **و من لم يحكم بما انزل الله فاولئک هم الظالمون۔" و الله تعالىٰ اعلم**

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۵ / ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ۔۲۴ / جنوری ۲۰۱۷

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب حق و الحق احق ان يتبع

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

۲۵ / ربیع الآخر شریف ۱۴۳۸ھ

قبر میں عہد نامہ رکھنے کے فائدے اور اس پر اعتراض کرنے والوں کے بارے میں شریعت کا حکم

مسئلہ : از الحاج محمد محمود علی ریٹائرمنٹ پولس لائن ناگ پور

عالی جناب محترم مفتی صاحب قبلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض گزارش یہ ہے کہ میں جنازے کے ساتھ قبرستان میں گیا تھا وہاں میں نے میت کے ساتھ قبر میں داہنے ہاتھ پر عہد نامہ لگانے کے لیے کہا اس پر وہاں کے لوگوں نے اعتراض کیا جس کی وجہ سے عہد نامہ جنازے کے ساتھ قبر میں نہیں رکھا گیا آپ سے گزارش ہے کہ عہد نامہ قبر میں میت کے ساتھ رکھنے میں کیا فوائد ہیں میت کے لیے۔ اور جن لوگوں نے اعتراض کیا عہد نامہ رکھنے پر ان کے لیے حدیث کے مطابق کیا حکم ہے؟ ان دونوں سوالوں میں مہربانی کر کے حدیث کی روشنی میں بتائیں میں آپ کا شکر گزار اور ممنون رہوں گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : فی زمانہ عموماً جو لوگ شجرہ یا عہد نامہ وغیرہ کو قبر میں رکھنے پر اعتراض کرتے ہیں وہ وہابی دیوبندی ہوتے ہیں جیسا کہ ان کا یہ معمول ہے کہ اس طرح کے امور خیر کو روکنے میں وہ کافی شدت برتتے ہیں اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو ان کے بارے میں حکم دریافت کرنے اور ان کی باتوں پر کان دھرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کہ وہ اپنے عقائد کفریہ کی بنیاد پر کافر مرتد ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ لوگ اللہ رب العزت کی رحمت و مغفرت سے محروم ہیں اسی طرح ہم اہل سنت و جماعت بھی محروم رہیں۔ لہذا مسلمانان اہل سنت کو چاہیے کہ وہ حدیث پاک: "ایاکم و ایاھم." پر عمل کرتے ہوئے ان سے دور رہیں اور ان کی ایسی باتوں پر بالکل توجہ نہ دیں بلکہ ہمارے اسلاف کرام کا جو معمول حسن رہا ہے اس پر عمل کریں۔

اور اگر وہ اعتراض کرنے والے سیدھے سادے سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہیں، تو وہ اس پر اعتراض کر کے غلطی کر رہے ہیں انہیں سمجھایا جائے کہ عہد نامہ کو قبر میں رکھنے سے میت کو فائدہ ہوتا ہے۔ فقہائے کرام نے کفن پر میت کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ شریف اور کلمہ شریف کے لکھنے کو جائز کہا ہے اور فرمایا کہ اس سے

مغفرت کی امید ہے۔اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص نے اس کی وصیت کی تھی اس کے مرنے کے بعد اس کی پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ شریف لکھ دی گئی کسی نے اس شخص کو خواب میں دیکھا اور حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ جب میں قبر میں رکھ دیا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے مگر جب انہوں نے میری پیشانی پر بسم اللہ شریف لکھی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب سے بچ گیا۔درمختار میں ہے:

"کتب علی جبهة الميت او كفنه عهدنامه ترجى ان يغفر الله الميت اوصى بعضهم ان يكتب فى جبهته وصدره بسم الله الرحمن الرحيم ففعل ثم رئى فى المنام فسئل فقال: لما وضعت فى القبر جاء تنى ملئكة العذاب فلما رأوا مكتوبا على جبهتى بسم الله الرحمن الرحيم قالوا امنت من عذاب الله."اه ملخصا .(فوق ردالمحتار ج۳،ص ۱۵۶ ،باب صلوة الجنازة من كتاب الصلوة)

بہتر یہ ہے کہ عہد نامہ وغیرہ کو قبر میں میت کے منہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں اور اس کی پیشانی پر بسم اللہ شریف یا سینے پر کلمہ شریف لکھیں تو نہلانے کے بعد کفن پہنانے سے پہلے لکھیں نیز یہ سب کلمہ کی انگلی سے لکھا جائے ،روشنائی سے نہیں۔ردالمحتار معروف بہ شامی میں ہے:

"يكتب على جبهة الميت بغيرمداد بالاصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحيم وعلى الصدر لااله الاالله محمد رسول الله وذالک بعدالغسل قبل التكفين." اه (ج۳،ص۱۵۷ ،باب صلوة الجنازة من كتاب الصلوة)والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

قبروں پر مکان بنانا کب جائز ہے؟

مسئله : از ظہیر الدین غازی پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

ایک گاؤں میں قبرستان کی جگہ مقرر نہیں ہوئی تھی تو لوگ میت کو اپنی ہی زمین میں دفن کرتے تھے

اب جب کہ قبرستان مقرر ہوگئی ہے اور لوگ میت کو قبرستان میں دفن کرتے ہیں تو اب سوال اس بات کا ہے کہ جن لوگوں کے حصے میں وہ زمین ملی ہے جہاں میت کو دفن کیا گیا ہے تو اس زمین کو کس استعمال میں لائیں گے۔ کیا مکان بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بنا سکتے ہیں تو اس کا طریقہ بتائیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : وہ زمین جن لوگوں کو ملی وہ اس کے مالک ہوگئے ہوں تو انہیں اختیار ہے کہ وہ مکان بنائیں لیکن اس شرط پر کہ قبروں کے باہر باہر سے دیواریں اٹھا کر اس پر چھت ڈال دیں اور اس کے اوپر مکان بنائیں تو یہ جائز ہوگا۔ جیسا کہ فتاوی رضویہ شریف ج۶ ص۴۹۱ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: ''اگر زمین اس کی ملک ہے اور قبور کے باہر باہر دیواریں یا ستون قائم کر کے مسقّف کرتا ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۵/محرم ۱۴۳۱ھ ۔ ۲۳/دسمبر ۲۰۰۹ء

الجواب صحیح

ابو القیس مصباحی قادری غفرلہ

چالیسویں کا کھانا اغنیا کے لیے کیسا ہے؟

مسئلہ : از محمد ظفر بن محمد یعقوب سیفی نگر مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مرحومہ کے ایصال ثواب کے لیے چالیسواں کے دن عصر بعد قرآن خوانی مغرب بعد مدرسہ کے بچوں غربا مساکین اور قریبی رشتہ داروں اور سمدھیانے کے لوگ ہیں ان کو کھانے کے لیے بولنا صحیح ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : جب کہ کھانا ایصال ثواب کے لیے ہے تو قریبی رشتہ داروں اور سمدھیانے کے لوگوں کو اگرچہ وہ سب اغنیا ہی کیوں نہ ہوں کھلانا باعث اجر ہے اور ان سب کو ایصال ثواب کی نیت سے کھانے کے لیے بولنا شرعاً ممنوع نہ ہوگا۔ فتاوی رضویہ شریف

ج۴ص ۲۲۹ میں ہے: ”عرف عام پر نظر شاہد کہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا اصل مقصود میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے اسی غرض سے یہ فعل کرتے ہیں اور شک نہیں کہ اس نیت سے جو کھانا پکایا جائے مستحسن ہے اور عند التحقیق صرف فقرا ہی پر تصدق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیا پر بھی مورث ثواب ہے۔“

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶ر جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ

جواب درست ہے۔

ابو القیس مصباحی قادری غفرلہ

کتاب الصوم

روزہ کا بیان

مرض کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کے احکام

مسئلہ : از قاری غلام مجتبیٰ قادری صاحب مدرس رضا دار الیتامیٰ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متیں مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

ہندہ مریضہ ہے جس کی عمر تقریباً پینسٹھ سال ہے وہ روزہ رکھتی ہے تو مرض میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے اور اس مرض کی وجہ سے وہ اپنے اندر بہت زیادہ کمزوری محسوس کرتی ہے۔اس کے ہاتھ پاؤں میں کھنچاؤ پیدا ہونے لگتا ہے ، اس سبب سے ایام رمضان میں اس کے روزے قضا ہو گئے ، بعد رمضان اس نے اپنے قضا روزوں کی ادائیگی کی بہت کوشش کی ،مگر اس کے باوجود روزہ رکھنے سے عاجز رہی۔ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے تو بہتر ہے۔خود اس کا اپنا تجربہ بھی ہے کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے اس کا مرض اور زیادہ ہو جاتا ہے لہذا ہندہ کی اس صورت حال کے مدنظر ،اس کے قضا روزے اور آئندہ روزے رکھنے کے متعلق حکم شرع بیان فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اگر ہندہ واقع میں ایسی مریضہ ہے کہ روزہ رکھتی ہے تو اس کے تجربہ کے مطابق اس کی مذکورہ حالت ہو جاتی ہے تو جب تک وہ اس مرض میں مبتلا ہے اس وقت تک اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

”فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ.“(پ ۲ ،س بقرہ ۲ ،آیت ۱۸۴)

تو تم میں سے جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔

جو روزے اس کے چھوٹ گئے ہیں، ان کی قضا رکھنا اس پر فرض ہے، لہذا مرض کی وجہ سے اگر وہ گرمی کے دنوں میں نہیں رکھ سکتی ہے اور ٹھنڈی کے دنوں میں رکھ سکتی ہے تو ٹھنڈی کے دنوں میں رکھے۔ اور اگر سب ایک ساتھ نہیں رکھ سکتی ہے الگ الگ رکھ سکتی ہے تو الگ الگ ایک ایک کر کے رکھے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو زندگی میں جب بھی اس کا مرض صحیح ہو جائے اس پر فرض ہے کہ ان روزوں کی قضا رکھے، قضا کے بجائے فدیہ دے دینے سے روزے اس کے ذمے سے ساقط نہ ہوں گے۔

مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس ڈاکٹر کے کہنے پر ہے جو مسلمان ماہر اور مستور الحال یعنی غیر فاسق ہو ورنہ اس کے کہنے پر اجازت نہیں البتہ مرض بڑھنے کا گمان غالب ہو اور اس کی کوئی ظاہر نشانی ہو یا خود اس کا اپنا ذاتی تجربہ ہو تو اس بنیاد پر اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

"لمسافر أو حامل أو مرضع أو مريض خاف الزيادة مرضه بغلبة الظن بأمارة أو تجربة أو باخبار طبيب حاذق مستور، الفطر يوم العذر ،وقضوا لزوما ما قدروا بلا فدية وبلا ولاء. اه ملخصا(ج۳،ص ۴۰۳،۴۰۵،فصل فی العوارض من باب ما يفسد الصوم من كتاب الصوم)

ردالمحتار میں ہے:

"لو لم يقدر عليه لشدة الحر كان له أن يفطر ويقضيه في الشتاء."(ج۳، ص ۴۱۰ باب مايفسد الصوم من كتاب الصوم)

مذکورہ حکم اس وقت ہے جب کہ مرض کے صحیح ہونے کے بعد ہندہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتی ہو، لہذا اگر اس کا مرض پوری زندگی ٹھیک نہ ہوا یا ٹھیک ہوا مگر زندگی کے ایسے حصے میں کہ اب بڑھاپے کی وجہ سے مزید دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے اور مرض ٹھیک ہونے کے زمانہ اور آئندہ زمانہ میں کبھی اتنی طاقت آنے کی امید ہی نہیں کہ وہ روزہ رکھ سکے تو اب اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ اور حالت مرض میں جو روزے چھوٹ گئے تھے، ان کی قضا رکھنا اس پر ضروری نہیں، بلکہ اب اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ گزشتہ اور آئندہ جو روزے اس کو ملیں ان میں سے ہر روزہ کے بدلے آدھا صاع یعنی دو کلو سینتالیس گرام گیہوں یا اس کی قیمت فقیروں پر صدقہ کرے۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے:

”وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبا کالفطرة.“اہ ملخصا.
اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:
”المریض اذا تحقق الیأس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المرض.“(ج۳،ص ۴۱۰، باب مایفسد الصوم من کتاب الصوم)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۹/محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کافر کی مٹھائی سے روزہ افطار کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازظہیرالدین غازی پور
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
رمضان المبارک میں کافر کی طرف سے لائی ہوئی چیز سے روزہ کھول سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کو بچوں میں تقسیم کرنا چاہیے یا نہیں؟ اگر نہیں کھا سکتے تو اس کو کیا کریں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بہتر ہے کہ وہ غیر روزہ داروں کو دے دیا جائے بشرطیکہ گوشت والی کوئی چیز نہ ہو، کہ گوشت والی چیز (جو غیر مسلم کی طرف سے ہو) مطلقاً اس کا کھانا مسلمان کے لیے خواہ روزہ دار ہو یا غیر روزہ دار جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۵/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ۔۲۳/دسمبر ۲۰۰۹ء بروز چہار شنبہ

الجواب صحیح
ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

باب الاعتکاف

اعتکاف کا بیان

مسجد کے احاطے میں استنجا خانہ ہو تو معتکف کو قضائے حاجت کے لیے گھر جانے کی اجازت نہیں۔

مسئلہ : از ارشاد علی فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

رمضان شریف کے آخری عشرہ میں جو اعتکاف کیا جاتا ہے اس اعتکاف میں معتکف بیت الخلاء کے لیے مسجد سے نکلا اور ٹھہر کر اس نے کسی کو سلام کیا یا سلام کا جواب دیا، یا بیت الخلاء کی دعا پڑھی یا پھر وضو کے لیے پہلے اور بعد کی دعا پڑھی یا مسجد کی دعا پڑھی۔ تو اس صورت میں اس کا اعتکاف رہے گا یا فاسد ہو جائے گا؟ جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : اگر احاطہ مسجد میں استنجا خانہ ہو تو رفع حاجت کے لیے گھر جانے کی اجازت نہیں اور جب رفع حاجت کے لیے مسجد سے نکلے تو حاجت سے فارغ ہو کر وضو کر کے فوراً اپنے معتکف کو لوٹ جائے۔ اگر کسی کو سلام یا دعا وغیرہ کے لیے ٹھہرا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۲ میں فرمایا:

"من الاعذار الخروج للغائط والبول واداء الجمعة فاذا خرج لبول او غائط لابأس بان یدخل بیته ویرجع الی المسجد کما فرغ من الوضوء ولو مکث فی بیته فسد

اعتکافه وان کان ساعة عند ابی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ.

آگے فرمایا:

"وان کان خرج لحاجة الانسان له ان یمشی علی التؤدة کذا فی النهایة.

حاجت سے فراغت کے بعد یا پہلے چلتے چلتے کسی کو سلام کرنے دعا وغیرہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم**

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

رضا دار الیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور

۱۹؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ۔۲۴؍جنوری ۲۰۱۱ء دوشنبہ

الجواب صحیح

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

کتاب الزکوۃ

زکوۃ کا بیان

حیلہ شرعیہ کرنے کے لیے مالک نصاب شخص خود کو فقیر بنانے کے لیے حیلہ کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از محمد اقبال ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید جو مالک نصاب نہیں تھا، اس سے لوگ حیلہ شرعیہ کرواتے تھے اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک چلتا رہا، پھر زید صاحب نصاب اور گاڑی وموبائل کا مالک ہوگیا، اب بھی اس سے لوگ اس طور پر حیلہ شرعیہ کرواتے ہیں کہ زید اپنے مال کا مالک دوسروں کو بنا دیتا ہے اور حیلہ شرعیہ کے بعد ان سے واپس لے لیتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں زید سے حیلہ شرعیہ کرانا ازروئے شرع جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید کا اپنا مال دوسرے کو دے کر مالک بنانا ہبہ ہے اور ہبہ کے تام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہبہ کرنے والا جس کو ہبہ کر رہا ہے اسے مکمل طور سے مالک بنا کر قبضہ دے دے اور یہ قبول کرلے۔ اگر زید مذکورہ صورت پر عمل کرتا ہے تو مال اس کی ملکیت سے خارج ہوجائے گا اور وہ فقیر ہوجائے گا، اس لیے اب اس سے حیلہ شرعیہ کرانا جائز ہوگا۔ لیکن اس حیلہ کے بعد زید کا اپنا مال واپس لینا شرعاً سخت ناپسندیدہ ہے حدیث پاک میں ہبہ کرنے کے بعد واپس لینے والے کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وہ اس کتے کی طرح ہے جو قے کرتا ہے پھر اس کو چاٹ لیتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

"مثل السوء الذی یعود فی ھبتہ کالکلب الذی یرجع فی قیئہ."(بخاری ج ۱،ص ۳۵۷، باب لایحل لاحد ان یرجع فی ھبتہ من کتاب الھبۃ)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

"ھی تملیک العین مجانا ورکنھا الایجاب والقبول وحکمھا ثبوت الملک للموھوب لہ غیر لازم بالقبض الکامل.اہ ملخصا(ج۸،ص ۴۸۸، ۴۹۳،کتاب الھبۃ)

اوراگر زید اپنے مال پر مکمل طور سے قبضہ نہیں دیتا ہے تو یہ ہبہ تام نہ ہونے کی وجہ سے مال زید ہی کی ملکیت میں رہے گا اور وہ فقیر نہ ہوگا،لہذا اب اس سے حیلہ شرعیہ کرانا جائز نہ ہوگا اور اگر کسی نے کرایا تو یہ حیلہ نہ ہوگا کیوں کہ حیلہ کے لیے زکوۃ کے مال کو کسی فقیر کی ملکیت میں دینا ضروری ہے اور وہ یہاں پر پایا نہیں جارہا ہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

"ھی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیرھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعۃ من الملک من کل وجہ للہ تعالیٰ."(ج۳،ص ۱۷۰،کتاب الزکوۃ)

حیلہ شرعیہ کی اجازت ضرورت شرعیہ کے وقت ہے۔اپنے لیے مال زکوۃ کو حلال کرنے کے لیے حیلہ کرنا ناجائز وگناہ ہے کہ یہ شرع پر عمل کرنا نہیں بلکہ اپنے نفس کی اتباع کرنا ہے۔صورت مسئولہ کے مطابق زید کا حیلہ شرعیہ کے لیے فقیر بننا انتہائی ذلت ورذالت کا کام ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل سے مال ودولت کی نعمت عطا فرمائی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ فقیر بن کر اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرے بلکہ اس کا شکر ادا کرے اور ہر جائز طریقے سے اس کی نعمتوں کا چرچا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے اور عطا کرے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ناشکری اس کی تمام دولت کو ختم کردے اور جس طرح اسے فقیر بننے کی خواہش ہے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ اسے فقیر بنادے اور پھر اسی فقر ومحتاجی کے عالم میں اسے پوری زندگی گزارنی پڑے۔

ارشاد باری ہے:

"فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْالِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ."(پ ۲،س بقرہ۲،آیت ۱۵۲)

تم میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

دوسرے مقام پر ہے:

"لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیَ لَشَدِیْدٌ." (پ ۱۳، س ابراھیم ۱۴، آیت ۷)

اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"وَاَمَّابِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ." (پ ۳۰، س ضحی ۹۳، آیت ۱۱)

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۰/ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

صح الجواب

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

خادم دار الافتا رضا دار الیتامی ناگ پور

مالک نصاب کو زکوۃ نہیں دے سکتے

مسئلہ : از محمد رئیس الدین ملک فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کے پاس ۵/تولہ سونا اور ۳۰/ہزار روپے نقدی ہے چاندی کچھ بھی نہیں ہے۔ اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

بیوہ عورت نے رفتہ رفتہ دولاکھ روپے جمع کیے وہ بھی مکان خریدنے کے مقصد سے وہ دو لاکھ روپے اس کے پاس ایک سال سے زیادہ رہ گئے اب اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں اور اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں یا نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : زیداور وہ بیوہ عورت دونوں مالک نصاب ہیں لہذا ان پر زکوۃ واجب ہے۔اب اس بیوہ عورت کو زکوۃ نہیں دے سکتے کہ وہ مستحق زکوۃ نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم**

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶ر شوال ۱۴۳۵ھ

کتاب الحج

حج کا بیان

حج بدل کرانے کے مسائل

مسئلہ : از حاجی عبدالحمید ولد شیخ امیر پلاٹ نمبر ۱۶، جعفر نگر ناگ پور

عرض یہ ہے کہ اپنی بیٹی کو میں اپنے مرحوم شیخ نظیم بڑے ابا کے حج بدل میں بھیجنا چاہتا ہوں کیا میں بھیج سکتا ہوں؟ جواب ضرور ضرور دیجیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : آپ یہ حج اگر حج فرض کے بدلے میں کرانا چاہ رہے ہیں اور آپ کے بڑے والد کا کوئی وارث نہیں بلکہ تمام درجوں کے بعد آپ ہی ان کے وارث ہیں تو آپ یہ حج کرا سکتے ہیں، اور اگر یہ حج نفل ہے تو آپ ان کے وارث ہوں یا نہ ہوں بہر صورت کرا سکتے ہیں لیکن عورت کے بجائے مرد سے حج بدل کرانا افضل اور بہتر ہے۔ نیز یہ بھی بہتر ہے کہ وہ شخص ایسا ہو جو حج کے ارکان وافعال سے واقف ہو اور اگر خود اس پر حج فرض ہو تو وہ اپنا حج ادا کر چکا ہو اور اگر ادا نہ کیا ہو تو ایسے شخص سے حج کرانا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے البتہ حج ہو جائے گا۔ اب اگر آپ اپنی لڑکی ہی کو حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں تو اگر مالک نصاب نہ ہونے کی وجہ اس پر حج فرض ہی نہ ہوا ہو یا ہوا تھا مگر ادا کر چکی ہو تو اس کو حج بدل کی ادائیگی کے لیے بھیج سکتے ہیں لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا کوئی محرم ضرور ہو ورنہ بھیجنے والا اور وہ دونوں گنہگار ہوں گے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

”لایجوز حج الغیر عنه بغیر امره الا الوارث یحج من مورثه بغیر امره فانه یجزیه

والافضل للانسان اذا اراد ان یحج رجلا عن نفسه ان یحج رجلا قد حج عنه نفسه ومع هذا لو احج رجلا لم یحج عن نفسه حجة الاسلام یجوز عندنا وفی الکرمانی الافضل ان یکون عالما بطریق الحج وافعاله ویکون حرا عاقلا بالغا ولو احج عنه امرأة جاز ویکره هکذا فی محیط السرخسی اھ ملخصا.(ج ۱،ص۲۵۷،الباب الرابع عشر فی الحج من الغیر من کتاب المناسک) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۵؍جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

حج بدل کرنے والے فقیر پر حج فرض نہیں

مسئلہ : از حضرت مولانا قاری نعمت اللہ برکاتی استاذ رضا دار الیتامیٰ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

فقیر جو صاحب استطاعت نہیں، بلاد ہند سے حج بدل پر گیا، تو کیا اس پر حج فرض ہو گیا، ایک عالم صاحب اس پر حج فرض ہو جانے کے قائل ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گیا ہے، جہاں سے پیدل حج کے لیے جا سکتا ہے، لہذا وہ آئندہ حج کرے گا۔عند الشرع صحیح مسئلے سے آگاہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جو فقیر حج بدل کرنے کے لیے جائے اس پر حج فرض نہیں ہوگا کیوں کہ وہ حج بدل کرانے والے کا نائب اور وکیل ہے۔اور اسی حج کرانے والے کی وجہ سے وہ وہاں تک پہنچا ہے، اس کے اندر اتنی استطاعت ہی نہیں تھی کہ وہ وہاں تک پہنچتا۔اب اگر اس فقیر پر بھی حج فرض ہو جائے تو یہ تکلیف مالا یطاق یعنی قدرت وطاقت نہ ہونے کے باوجود اس کو حج کا مکلّف بنانا ہوگا اور یہ حرج ہے:

"والحرج مدفوع لأن الطاعة بحسب الطاقة."

یعنی شریعت مطہرہ میں حرج کو دفع کیا جاتا ہے کیوں کہ اطاعت وفرماں برداری طاقت وقدرت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔اور ارشاد باری ہے:

”لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا.“(پ ۳،البقرہ ۲،آیت ۲۸۶)
اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔
دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:
”یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَایُرِیْدُبِکُمُ الْعُسْرَ.“(پ ۲،البقرہ ۲،آیت ۱۸۵)
اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

دراصل یہ شبہ یہاں سے ہو رہا ہے کہ وجوب حج کے شرائط میں سے ایک شرط سواری پر قدرت بھی ہے۔اور ردالمحتار میں بحوالہ لباب یہ مذکور ہے کہ اگر آفاقی یعنی غیر مکی فقیر میقات تک پہنچ جائے تو وہ مثل مکی ہے یعنی جس طرح مکی کو چلنے پر قدرت ہو تو بغیر سواری کے اس پر حج فرض ہو جاتا ہے اسی طرح اس فقیر پر بھی فرض ہو جائے گا اور وہ جو حج کرے گا اسے فرض کی نیت سے کرے گا کیوں کہ وہ ایسے مقام پر آ گیا ہے جہاں سے بغیر سواری کے حج کر سکتا ہے۔لیکن آگے چل کر شارح لباب نے مزید یہ بھی فرمایا کہ یہ حکم فقیر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر کوئی غنی غیر مکی بھی سوار ہو کر میقات تک پہنچ جائے اور اس کی سواری فوت ہو جائے تو اس پر بھی حج فرض ہوگا۔پھر اس کی مثال میں علامہ شامی نے یہ بیان فرمایا کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کی جانب سے حج بدل کرنے کے لیے گیا تو جیسے ہی وہ مکہ پہنچا اس پر حج فرض ہو گیا،لہذا اب اس پر لازم ہے کہ وہ حج کر کے وہیں رک جائے اور آئندہ سال اپنا حج کر کے تب واپس آئے۔مگر آگے مزید یہ بھی فرمایا کہ اس کی حقیقت آپ انشاءاللہ حج بدل کے بیان میں جان لیں گے۔لباب،شرح لباب اور ردالمحتار کی عبارت یہ ہے:

”فی اللباب: الفقیر الآفاقی اذاوصل الی میقات فھو کالمکی قال شارحہ : ای حیث لا یشترط فی حقہ الا الزاد لاالراحلۃ ان لم یکن عاجزا عن المشی وینبغی ان یکون الغنی الآفاقی کذلک اذا عدم الرکوب بعد وصولہ الی احد المواقیت، فالتقیید للفقیر لظھور عجزہ عن الرکب ولیفید انہ یتعین علیہ ان لا ینوی نفلا علی زعم انہ لا یجب علیہ لفقرہ لانہ ماکان واجبا وھو آفاقی فلما صار کالمکی وجب علیہ، فلو نواہ نفلا لزم الحج ثانیا. اہ ملخصا.ونظیرہ ماسنذکرہ فی باب الحج عن الغیر من ان المامور بالحج اذاوصل الی مکۃ لزمہ ان یمکث لیحج حج الفرض عن نفسہ لکونہ صار قادرا علی مافیہ کما ستعلمہ ان شاء اللہ تعالیٰ.“ (ردالمحتار ج

ج۳،ص ۴۵۹،مطلب فی من حج بمال حرام من کتاب الحج)

پھر اس کے بعد حج بدل کے بیان میں متعدد فتاوی اور مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد قول مفتی بہ کے ساتھ ساتھ اس عبارت لباب کا جواب بھی تحریر کیا ہے۔فرماتے ہیں، حج بدل کرنے والے پر مکہ میں پہنچ جانے کی وجہ سے حج فرض نہ ہوگا کیوں کہ یہ آمر یعنی حج کرانے والے کے مال سے یہاں تک پہنچا ہے، اپنی طاقت وقدرت سے نہیں، لہذا یہ آمر ہی کی جانب سے احرام باندھے گا اور اسی کی جانب سے حج بھی کرے گا، اس لیے کہ اگر اس پر حج فرض ہونے کا حکم ہوجائے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ حج بدل کر کے یا تو وہیں مکہ میں ایک سال تک ٹھہرے یا آئندہ سال اپنے مکان سے آ کر حج کرے اور دونوں صورتوں میں اس کے لیے حرج عظیم ہے۔ کہ پہلی صورت میں اہل وعیال کو چھوڑ کر مکہ ہی میں رہنا پڑے گا اور دوسری صورت میں فقیر کو مکلّف کرنا ہوگا اور یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"قلت: قد افتی بالوجوب مفتی دار السلطنة العلامة ابو السعود وتبعه فی سکب الانهر وکذاافتی به السید احمد بادشاه والف فیه رسالة. وافتی سیدی عبدالغنی النابلسی بخلافه والف فیه رسالة لانه فی هذاالعام لایمکنه الحج عن نفسه لان سفره بمال الآمر فیحرم عن الآمر ویحج عنه وفی تکلیفه بالاقامة بمکة الی قابل لیحج عن نفسه ویترک عیاله ببلده حرج عظیم وکذا فی تکلیفه بالعود وهو فقیر حرج عظیم ایضا نعم قدمنا اول الحج عن اللباب و شرحه ان الفقیر الآفاقی اذا وصل الی میقات فهو کالمکی ان قدر علی المشی لزمه الحج ولاینوی النفل حتی لو نواه لزمه الحج ثانیا .اه لکن هذا لایدل علی ان الصرورة الفقیر کذالک، لان قدرته بقدرة غیره کما قلنا،وهی غیر معتبرة.اه ملخصا .(ج۴،ص ۲۲ ،باب الحج عن الغیر من کتاب الحج)

خلاصہ تحقیق یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں مذکورہ فقیر پر حج فرض نہیں لہذا عالم مذکور پر اپنے اس قول سے رجوع لازم ہے۔سائل کے لیے اتنا ہی کافی ووافی ہے اور تفصیل کے لیے ایک رسالہ درکار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۴رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کتاب النکاح

نکاح کا بیان

نکاح کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں

مسئلہ : از لیاقت خان آزاد وارڈ بیتول ایم پی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مسلمان مرد ایک وقت میں کتنی عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور نکاح کے لیے عورتوں کی کتنی عمر ہونی چاہیے؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : نکاح کے لیے شریعت اسلامیہ میں عمر کی کوئی قید نہیں۔ شریعت مطہرہ کی جانب سے آزاد مرد کے لیے ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے، جب کہ وہ اس کی استطاعت وقدرت رکھتا ہو اور ان کے درمیان عدل وانصاف اور برابری کا سلوک کر سکتا ہو، ورنہ ایک ہی سے نکاح کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً." (النساء ۴/آیت ۴)

تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بی بیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۳/صفر ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

نکاح کی صحت کے لیے گواہ ہونا شرط ہے

مسئله : مولانا محمد معراج الدین رضوی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

بتاریخ ۳ر اگست ۲۰۱۵ء بروز دوشنبہ شمشیر علی بن نظام الدین ساکن چک عبدالکریم عرف بھلئی کا پورہ پوسٹ بابوگنج تحصیل پھول پور ضلع الہ آباد یوپی میرے پاس ایک لڑکی کے ساتھ آئے، جونومسلمہ تھی حالت کفر میں اس کا نام سوشیلا کماری تھا اور بعد قبول اسلام اب اس کا نام رخسانہ بیگم ہے، شمشیر علی نے کہا، کہ یہ لڑکی اپنی مرضی سے میرے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے، میرا نکاح اس لڑکی سے کروا دیجیے، میں نے لڑکی سے ضروری پوچھ گچھ اور قانونی معاملات سمجھ کر احتیاطاً دوبارہ کلمہ توحید وغیرہ پڑھا کر بعد تجدید اسلام نکاح پڑھا دیا، اس نکاح کے بعد تقریباً چھ ماہ بعد ان کے یہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی، نیز یہ بھی یاد رہے کہ شمشیر علی کے بیان کے مطابق ان دونوں کا نکاح ۲۸ر مئی ۲۰۱۴ء کو پونے میں ہو چکا تھا، بطور ثبوت وہاں کے قاضی کا رجسٹرڈ نکاح نامہ بھی ہے، دوبارہ نکاح کرانا قانونی معاملات کی وجہ سے ہوا تھا، اب سوال یہ ہے کہ

(۱) شمشیر علی اور نو مسلمہ کا نکاح منعقد ہوا کہ نہیں؟

(۲) لڑکا ثابت النسب ہے یا نہیں؟

نوٹ : دونوں نکاح نامے کی زیروکس سوال نامے کے ساتھ منسلک ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صحت نکاح کے لیے گواہوں کا ہونا شرط اور ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے کہ یہ رکن ہیں۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

"اما ركنه فالايجاب والقبول كذافي الكافي واماشروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية في العاقد ومنها الشهادة." اھ ملخصا(ج ۱، ص۲۶۷، الباب الاول من كتاب النكاح)

اور سوال نامہ کی تحریر اور مسمیٰ شمشیر علی بن نظام الدین کے زبانی بیان سے یہ واضح ہوا کہ نکاح کی اہلیت

رکھتے ہوئے گواہوں کی موجودگی میں عاقدین کے درمیان ایجاب وقبول ہوا تھا، لہذا یہ عقد نکاح تام وصحیح ہے اور جب یہ نکاح صحیح ہے تو لڑکا ضرور ثابت النسب ہوگا۔ **لان الولد للفراش . واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۹ / جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ ۔ ۹ / ۳ / ۲۰۱۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید نے نکاح میں کہا ''ان شاءاللہ'' قبول کیا تو نکاح ہوا یا نہیں؟

مسئلہ : از اقبال احمد تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید نے نکاح میں الفاظ قبول بایں طور ادا کیے۔ انشاءاللہ میں نے قبول کیا۔ انشاءاللہ میں نے قبول کیا۔ انشاءاللہ میں نے قبول کیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا نکاح ہوا یا نہیں از روئے شرع مطلع فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : ایجاب وقبول نکاح میں رکن کی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی نکاح کے منعقد ہونے کے لیے ایجاب وقبول کا ہونا ضروری ہے۔ اور عاقدین کے موجود ہونے کی صورت میں ایجاب وقبول اور تقریباً عام حالات میں ایجاب وقبول کا تعلق زبان سے ہوتا ہے یعنی دل میں ایجاب وقبول کی لاکھ نیت کرلیں وہ نیت معتبر نہ ہوگی یا دونوں آمنے سامنے موجود ہوں اور لکھ کر ایجاب وقبول کریں تو وہ تحریر بھی نا قابل اعتبار ہوگی۔ لہذا جب تک ایجاب وقبول کے الفاظ زبان سے ادا نہ ہولیں نکاح منعقد نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ مذاق کے طور پر بھی زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ کہہ دینے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، اگرچہ دل میں نکاح کی نیت نہ ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

''ان العبرة لما يظهر من كلامهما لا نيتهما الا ترى انه ينعقد مع الهزل والهازل لم ينو النكاح.''(ج۴، ص ۲۷، كتاب النكاح)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

"لاینعقد بکتاب حاضر."اھ ملخصا.

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"لو کتب تزوجتک فکتبت قبلت لم ینعقد."(ج۴،ص۷۳، کتاب النکاح)

مذکورہ امور سے یہ واضح ہو چکا کہ ایجاب وقبول کا تعلق زبان سے ہے۔

اوراس طرح کے جن احکام کا بھی تعلق زبان سے ہوان احکام کے ساتھ پہلے یا بعد میں انشاءاللہ ملا کر کہنے کی وجہ سے ان میں تبدیلی ہوجاتی ہے، کیوں کہ انشاءاللہ کا استعمال استثنا یعنی حکم بدلنے کے لیے ہوتا ہے،اسی لیے اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے انشاءاللہ یا انشاءاللہ تجھے طلاق ہے،تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

"ان الاستثناء ابطال و اعدام للحکم کما قال ابویوسف وعلیه الفتوی."(ج۲، ص۴۹، باب التعلیق من کتاب الطلاق)

فتاوی قاضیخاں میں ہے:

"لو علق الطلاق بمشیة اللّٰه تعالیٰ فقال: انت طالق انشاء اللّٰه تعالیٰ لا یقع . ولو قال انشاء اللّٰه فانت طالق لا تطلق."اھ ملخصا.(قاضی خان علی هامش الهندية ج۱،ص۵۰۶،باب التعلیق من کتاب الطلاق)

یہاں پر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انشاءاللہ کا لفظ برکت حاصل کرنے کے لیے کہا گیا ہو کیوں کہ اس کا استعمال حصول برکت یا طلب خیر کے لیے وہاں ہوتا ہے جس کا تعلق دل سے ہو اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ روزہ کی نیت میں اگر انشاءاللہ کہا تو اس نیت سے اس روزہ کی ادائیگی صحیح ہے کیوں کہ اس نیت کا تعلق دل سے ہے البتہ زبان سے کہہ لینا افضل ہے۔

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

"کل ما یختص باللسان یبطله الاستثناء کالطلاق والبیع ، بخلاف مالا یختص به کالصوم لا یرفعه لو قال نویت صوم غد انشاء اللّٰه تعالیٰ، له اداؤه بتلک النية."(ج۴،ص۶۲۳،۶۲۴، باب التعلیق من کتاب الطلاق)

لہذا صورت مسئولہ میں زید کا نکاح نہیں ہوا اس لیے زید کا نکاح جس عورت سے ہو رہا تھا وہ

دونوں ایک دوسرے کے لیے غیر محرم اور اجنبی ہیں ان کا ایک ساتھ رہنا جائز نہیں اگر وہ ایک ساتھ رہ رہے ہوں تو فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں توبہ واستغفار کریں اور پھر سے نکاح کریں۔

درمختار میں الاشباہ والنظائر سے ہے:

"**الخلوة بالاجنبية حرام.**"(**الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج۹ ص ۵۲۹، فصل فی النظر من کتاب الحظر و الاباحة.واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۹/جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

نانا کی بھانجی سے نکاح جائز ہے

مسئلہ : ازمحمد شاہ فیصل تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

خالد اپنے نانا بکر کی بھانجی ہندہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے کیا یہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذکورہ صورت میں ہندہ خالد کی محرمات میں سے نہیں، اس لیے خالد کا ہندہ سے نکاح کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی اور حرمت کی وجہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"**وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ.**"(**پ۵،س نساء ۴،آیت ۲۴**)

اوران کے سوا جو عورتیں ہیں وہ تمہیں حلال ہیں۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۱/ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

زید کے سوتیلے بھائی سے اس کی بیوہ بہو کا نکاح ہوسکتا ہے

مسئلہ : ازمحمد ادریس،نوری کالونی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان وعلمائے کرام کہ زید وبکر سوتیلے بھائی ہیں، زید بڑے بھائی کی بہو بیوہ ہوگئی تواس کا نکاح زید کے چھوٹے بھائی بکر سے ہوسکتا ہے یانہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتاان دونوں کے درمیان نکاح درست ہے جب کہ اورکوئی رشتہ ان دونوں کے درمیان مانع شرعی نہ ہومثلا رضاعت وغیرہ۔ **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۴ ؍ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ۔ ۱۶ ؍ دسمبر ۲۰۰۶ء

صح الجواب

ابوالقیس مصباحی غفرلہ

الجواب صحیح

مجتبیٰ شریف الاشہری

سیدہ کا نکاح غیر سید عالم سے ہوسکتا ہے یانہیں؟

مسئلہ : ازمحمد عبداللہ رضوی وانجراہ ناگ پور مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

سیدہ کا نکاح غیر سید عالم کے ساتھ ہوسکتا ہے یانہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : عالم باعمل شرف علم کی بنیاد پر خود سیدہ کا کفو ہے لہذا اس کا نکاح سیدہ سے ہوسکتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"العالم العجمی یکون کفوا للجاهل العربی والعلویة لان شرف العلم فوق شرف النسب وارتضاه فی فتح القدیر، وجزم به البزازیة وزاد: والعالم الفقیر یکون کفوا للغنی الجاهل." (ج۴،ص ۲۱۸،باب الکفاءۃ من کتاب النکاح)

یوں ہی سیدہ کا ولی کسی غیر سید سے اپنی لڑکی کا عقد اپنی مرضی وخوشی سے کرے تو یہ نکاح بھی ہوسکتا ہے۔

فتاوی رضویہ میں اسی طرح کے سوال کا جواب یہ لکھا کہ: "سائل مظہر کہ لڑکی جوان ہے اور اس کا باپ زندہ دونوں کو معلوم ہے کہ یہ پٹھان ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں باپ خود اس کے سامان میں ہے جب صورت یہ ہے تو اس نکاح کے جواز میں اصلا شبہ نہیں۔" (ج۵،ص۴۴۷،باب الکفائۃ کتاب النکاح)

اسی میں دوسرے مقام پر ہے: "سیدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلہ سے ہوسکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اموی۔ رہے غیر قریش جیسے انصاری یا مغل پٹھان ان میں جو عالم دین معظم مسلمین ہو اس سے بھی مطلقاً نکاح ہوسکتا ہے۔ (ج۵،ص۴۵۴) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۸؍شوال ۱۴۳۵ھ

بالغ زید نے والدین کی مرضی کے بغیر اپنی خالہ زاد بہن سے نکاح کرلیا تو؟ رضاعت کا ثبوت کب ہوگا؟ غیر مدخولہ کو الگ الگ تین طلاق دی تو کون سی طلاق پڑی؟

مسئلہ : از محمد ندیم بورے گاؤں ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید وہندہ خالہ زاد بھائی بہن تھے، دونوں نے اپنی مرضی سے شادی کرلی اس شادی سے زید کے والدین راضی نہیں تھے، نکاح کے بعد لڑکی ہندہ اپنے والدین کے گھر پر ہی تھی زید کے والدین نے کہا کہ لڑکا جب اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے گا تو لڑکی کی رخصتی ہوگی زید وہندہ اس بات پر راضی ہوگئے اور ابھی تک دونوں کے درمیان خلوت صحیحہ بھی نہ ہوئی تھی، اسی درمیان زید کی والدہ نے کہا کہ ہندہ تیری رضاعی بہن ہے کیوں کہ میں

نے اسے دودھ پلایا ہے، ہندہ کے والدین اس سے انکار کرتے ہیں، اب زید کی والدہ کے کہنے پر زید نے اپنی بیوی کو یوں طلاق دیا میں نے تجھے طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا صرف زید کی والدہ کے کہہ دینے سے رضاعت ثابت ہوجائے گی ؟ اگر نہیں تو ہندہ پر کس طرح کی طلاق واقع ہوگی؟ دلائل سے مزین جواب عطا فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید کا نکاح ہندہ ہی کے مکان پر اس کے والدین کی مرضی سے ان کی موجودگی میں ہوا اور بعد میں زید کے والدین بھی اس سے راضی ہوگئے، جیسا کہ سوال نامہ کی رخصتی والی عبارت سے معلوم ہورہا ہے، لہذا موانع نکاح میں سے اگر کوئی وجہ نہیں تو زید اور ہندہ کا نکاح ہوگیا۔

ردالمحتار میں ہے:

"اذا تزوج بنفسه مكافئة أو لا فانه صحيح لازم."(ج۴، ص۲۰۷، باب الكفائة من كتاب النكاح)

ثبوت رضاعت کے لیے شرعاً دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادلہ عورتوں کی شہادت اور گواہی یا خود شوہر کا اقرار ضروری ہے بغیر اس کے صرف زید کی ماں کے کہنے سے رضاعث ثابت نہ ہوگی۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"الرضاع يظهر باحد امرين احدهما الاقرار والثانی البينة كذا فی البدائع . ولايقبل فی الرضاع الا شهادة رجلين او رجل وامرأتين عدول كذا فی المحيط ."
(ج ۱، ص ۳۴۷، كتاب الرضاع)

برتقدیر صدق سائل ہندہ غیر مدخولہ ہے لہذا پہلی ہی طلاق سے وہ بائنہ ہوگئی اور اس پر ایک طلاق بائن پڑگئی، باقی دو طلاقیں لغو ہوگئیں۔ لہذا زید و ہندہ اگر چاہیں تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں مگر اب زید صرف دو ہی طلاق کا مالک رہے گا، لہذا آئندہ طلاق دینے سے اجتناب کرے اور جلد بازی سے گریز کرے۔

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

"قال لزوجته غير المدخول بها انت طالق ثلثا وقعن وان فرق لوصف او خبر او

جمل بعطف او غیرہ بانت بالاولی لا الی عدۃ ولذا لم تقع الثانیۃ. اہ ملخصا.(فوق رد المحتار ج۴،ص ۵۰۹،طلاق غیر المدخول بھا من کتاب الطلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۷؍صفر۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

شوہر جب تک طلاق نہ دے اس وقت تک عورت کا دوسرا نکاح جائز نہیں

مسئلہ : ازمولانا محمد سجاد احمد نقشبندی مجددی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے پانچ ماہ پہلے ہندہ سے نکاح اوردس روز کے بعد پچیس ہزارروپے کی مانگ کرکے کہنے لگا کہ میں ہندہ کو نہیں رکھنا چاہتاہوں۔ یہ کہہ کرزید گھر چھوڑ کر چلا گیا۔اب چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزرگیا ہے کہ زید گھر لوٹ کرنہیں آیا اورنہ اس نکاح کے متعلق کسی قسم کی بات کرنا چاہتا ہے۔زید کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ ہندہ تم دوسرا نکاح کرلو۔زید کے گھر والوں کے کہنے پر ہندہ اوراس کے گھر والے دوسرا نکاح کرنے کے لیے راضی ہوچکے ہیں کیا ہندہ زید کے طلاق اورموجودگی کے بغیر دوسرا نکاح کرسکتی ہے یانہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جب تک زید طلاق نہیں دے گا اس وقت تک ہندہ دوسرا نکاح ہرگزنہیں کرسکتی کہ ایک شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسرے سے نکاح ہوہی نہیں سکتا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”لایجوز للرجل أن یتزوج زوجۃ غیرہ کذا فی السراج الوھاج.“(ج۱،ص ۲۸۰،القسم السادس من الباب الثالث من کتاب النکاح)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱؍جمادی الاولی۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

منکوحہ کا بغیر طلاق کے نکاح کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازعبدالجلیل صدر بازار ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

خالد نے ہندہ منکوحہ کا نکاح بغیر طلاق کے بکر کے ساتھ پڑھایا تو نکاح ہوایا نہیں اور خالد پر کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : جب عورت کسی کے نکاح یا عدت میں ہو تو جان بوجھ کر اس کا نکاح دوسرے سے پڑھانا ہرگز جائز نہیں اور ایسا نکاح حرام ہے۔ ہندہ اور بکر پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور علانیہ توبہ کریں خالد بھی سخت گنہگار ہے وہ بھی توبہ کرے نکاح کے نہ ہونے کا اعلان عام کرے انہیں یہ حکم شرع بتا دیا جائے تاکہ وہ توبہ کرلیں توبہ کرتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ:

"واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعدالذکری مع القوم الظلمین." واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۹ر نومبر ۲۰۰۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح. واللہ تعالیٰ اعلم

محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۷ر ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

اسلام میں چار بیوی رکھنے کی اجازت ہے مگر ان کے درمیان عدل کرنا فرض ہے

مسئلہ : ازمحمد ریاض احمد انصاری ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں زید اور ہندہ دونوں میاں بیوی

ہیں۔اس کے بعد زید اپنے گھر والوں سے چھپ کر اور اپنی بیوی ہندہ سے چھپا کر ایک غیر مسلمہ لڑکی کو مسلمہ بنا کر اس کی رضا اور اس کے گھر والوں کی رضا مندی سے نکاح کر لیا ہے۔اب کچھ دن گزرنے کے بعد زید کے گھر والوں اور اس کی پہلی بیوی ہندہ کو معلوم ہوا ہے تو گھر والے اور اس کی پہلی بیوی ہندہ کو اعتراض ہے کہ آپ نے دوسری شادی کیوں کی ہے؟ زید کی پہلی بیوی ہندہ کہتی ہے کہ میں تمہارے پاس نہیں رہوں گی تم مجھ کو چھوڑ دو اور زید کا قول ہے کہ میں دونوں کو اس کے حقوق کے ساتھ رکھوں گا۔زید کی پہلی بیوی ہندہ کے گھر والے کہتے ہیں کہ آپ کو دوسری بیوی کو چھوڑنا پڑے گا اور زید چھوڑنا نہیں چاہتا ہے۔لہذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو دوسری بیوی کو چھوڑنا پڑے گا ان لوگوں پر کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذہب اسلام نے ایک ساتھ چار بیوی رکھنے کی اجازت دی ہے، جب کہ شوہر چاروں کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ارشاد باری ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً.”(پ ۴،س النساء ۴،آیت ۳)

تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہیں رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔

اور صورت مسئولہ میں جب زید دونوں بیویوں کے حقوق کی ادائیگی پر قدرت رکھتا ہے تو اب اس پر کوئی الزام بھی نہیں۔لہذا جب زید کا نکاح دوسری لڑکی سے ہو چکا ہے، تو اب اس کو بلا ضرورت شرعیہ طلاق دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔اور جو لوگ ایسا کر رہے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائیں، ورنہ وہ سخت گنہگار رہوں گے۔اس لیے کہ زید کا مذکورہ فعل شریعت کے موافق تھا اور اب یہ لوگ جو چاہ رہے ہیں وہ شریعت کے خلاف ہے۔مزید یہ کہ اس میں صرف ظاہر ہی میں دو ناجائز چیزیں موجود ہیں، پہلی یہ کہ طلاق ضرورت شرعیہ کی بنیاد پر دینی چاہیے۔بلا ضرورت شرعیہ طلاق دینا اللہ کو سخت ناپسند ہے اسی لیے اس کو جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ کہا گیا ہے۔گویا ضرورت کے وقت بھی حتی الامکان طلاق دینے سے بچنا چاہیے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اگر زید اس نومسلمہ کو طلاق دے دے گا تو بہت ممکن ہے کہ معاذ اللہ وہ مرتدہ ہوکر پھر اپنے مذہب میں چلی جائے اور یہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے لہٰذا مذکورہ لوگ زید کو طلاق دینے پر مجبور کرنے سے باز آئیں۔اور زید کی پہلی بیوی ہندہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی رضا مندی اور خوشنودی میں خوش رہے۔اس کی نافرمانی نہ کرے ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوگی۔شوہر کا مرتبہ اتنا عظیم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

البتہ زید پر بھی لازم ہے کہ وہ ان دونوں کے حقوق اچھی طرح ادا کرے،ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوگا،کیوں کہ جہاں پر قدرت کی شرط کے ساتھ چار چار بیویوں کے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے وہیں پر اس کے فوراً بعد یہ بھی فرمایا گیا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً.''

کہ اگر ڈرو کہ دو بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔

اور پھر اس کے تھوڑا سا آگے بڑھ کر یہ بھی فرمایا:

''ذٰلِکَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا.''

کہ یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو۔(پ۴،نساء۴،آیت۳) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲/ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بارہ سال سے ہندہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تو کیا زید دوسری شادی کرسکتا ہے؟

مسئلہ : ازعبدالرزاق حسن باغ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

کہ زید کی شادی ہندہ سے تقریباً بارہ سال پہلے ہوئی اور ابھی تک ہندہ سے کوئی اولاد نہیں،علاج ومعالجہ بہت کچھ کیا گیا،لہٰذا زید چاہتا ہے کہ دوسری شادی کرے تو کیا زید دوسری شادی کرسکتا ہے،زید کو

دوسری شادی کرنے کے لیے ہندہ کی اجازت درکار ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : زید اگر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو شرعی اعتبار سے اس کو دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ زید دونوں کے درمیان عدل وانصاف کرے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

"فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً." (پ ۴، س النساء ۴، آیت ۳)

نکاح کرو جو تمہیں خوش آئیں عورتوں سے دو دو اور تین تین اور چار چار اور اگر یہ خوف ہو کہ انصاف نہ کر سکو تو ایک سے۔

دوسری شادی کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۸ ر رجب ۱۴۳۳ھ۔ ۱۲ ر جولائی ۲۰۰۹ء

صح الجواب

محمد مجیب اشرف رضوی غفرلہ

الجواب صحیح

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

کیا شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی اپنے والدین سے ملنے جا سکتی ہے؟

مسئلہ : از محمد سجاد احمد ناگ پور متعلم جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے متعلق کہ بیوی اپنے شوہر کی بلا اجازت میکے جا سکتی ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : عورت اپنے والدین کے یہاں ہر آٹھویں دن صبح سے شام تک کے لیے شوہر کی اجازت کے بغیر جا سکتی ہے، جب کہ یہ مسافت اتنی ہو کہ صبح جا کر شام میں واپس آ سکتی ہو۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

"تخرج للوالدين فی كل جمعة باذنه و بغير اذنه."(ج ۴،ص ۲۹۸،باب النفقة من كتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲/ذی القعدہ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ایک سے زیادہ نکاح کرنے میں بیوی کی اجازت ضروری نہیں تاہم بیویوں کے درمیان عدل ضروری ہے۔

مسئلہ : ازابوطاہر مانکاپور ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

زید شادی شدہ ہے، جس کی شادی کو تقریباً گیارہ سال ہو چکے ہیں، لیکن ابھی تک کوئی اولا دنہیں ہوئی۔ ڈاکٹری چیک اپ، تعویذ، گنڈا وغیرہ تمام علاج کروائے لیکن کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں زید نے اپنی بیوی سے دوسری شادی کرنے کی اجازت مانگی۔ اس بات پر بیوی جھگڑنے لگی اور سسرال والے بھی اس سے جھگڑتے رہتے ہیں، ان حالات کے مدنظر زید بہت پریشان ہو چکا ہے، لہٰذا زید دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : شریعت مطہرہ نے مرد کو چار بیوی رکھنے کی اجازت دی ہے، جس میں بہت ساری حکمتیں پوشیدہ ہیں، جنہیں بیان کرنے کا یہ محل نہیں۔ لہٰذا استطاعت وقدرت کے مطابق نکاح کے سلسلے میں مرد کو یہ اختیار ہے کہ وہ ایک عورت سے نکاح کرے یا دو سے یا تین سے یا چار سے، اس میں بیوی کی اجازت دینے یا نہ دینے کا کوئی دخل نہیں۔ ارشاد باری ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ." (پ ۴، س النساء ۴، آیت ۳)
تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔

لیکن جہاں پر شریعت اسلامیہ نے ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے، وہیں پر ان کے درمیان عدل وانصاف کا بھی حکم دیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جب دوسری آئے تو پہلی کو یوں ہی بے سہارا چھوڑ دے بلکہ اس پر فرض ہے کہ جو چیزیں اس کے اختیار میں ہیں، ان میں ہر بیوی کے ساتھ برابر سلوک کرے یعنی لباس، نان ونفقہ اور رہنے سہنے میں سب کے پورے حقوق ادا کرے، اگر اس میں دوہرا رویہ اختیار کرے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔ ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً." (پ ۴، س النساء ۴، آیت ۳)
پھر اگر ڈرو کہ دو بیویوں کو برابر نہیں رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

"وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا." (پ ۵، س نساء ۴، آیت ۱۲۹)

اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ اور دوسری کو ادھر یعنی بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال : اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط." (ترمذی ج ۱، ص ۲۱۷، باب ماجاء فی تسوية بين الضرائر من ابواب النكاح)

لہذا صورت مسئولہ میں زید کے لیے دوسرا نکاح کرنا جائز ہے کسی کے روکنے یا اجازت نہ دینے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، تاہم دونوں کے درمیان عدل وانصاف ضروری ہے، ورنہ آخرت میں سخت مواخذہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۱ رجمادی الاخری ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

شوہر مرتد ہو جائے تو نکاح فوراً ختم ہو جاتا ہے

مسئلہ : ازمحمد جابر رضا تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خود کو نیو مسلم کہہ کر ہندہ سے نکاح کیا، لیکن ہندہ کا کہنا یہ ہے کہ زید اب بھی پرانے مذہب ہندودھرم کے مشرکانہ رسم ورواج کا پابند ہے۔ مثلاً مندروں میں مورتی پر چڑھاوا چڑھانا، جانور کا بلیدان کرنا وغیرہ اس کے علاوہ زید کے باپ عمرو نے (اپنی بہو ہندہ کا زید کی عدم موجودگی میں) ہاتھ پکڑا اور ہندہ کو اپنے بغل میں لے کر ہندہ کا بوسہ لینے کی کئی مرتبہ کوشش کی، ہندہ نے اپنے شوہر زید سے اس بات کی شکایت کی تو زید ہندہ کے شوہر نے کہا، کہ میرا باپ ایسا نہیں ہے اور میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتا تجھ کو (ہندہ کو) اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو رہ نہیں تو تو اپنے میکے (ماں کے گھر) چلی جا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا اپنے پرانے مذہب ہندودھرم کے مشرکانہ رسم کا پابند رہنا اور زید کے باپ کا ہندہ کے ساتھ اس غیر شرعی فعل پر شرع کا کیا حکم ہے؟ ان باتوں کے پیش نظر کیا ہندہ زید کی زوجیت سے (خارج) نکل جاتی ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اگر واقع میں زید نے اسلام قبول کرنے کے بعد ہندہ سے نکاح کیا اور پھر مرتد ہو گیا یعنی اپنا پرانا مذہب اختیار کر لیا تو اس کی بیوی ہندہ فوراً اس کے نکاح سے نکل گئی، لہذا عدت گزارنے کے بعد ہندہ جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ارتد احد الزوجین وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال قبل الدخول وبعده." (ج ۱، ص ۳۳۹، باب نکاح الکفار من کتاب النکاح)

درمختار تنویر الابصار میں ہے:

"وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل بلا قضاء." (فوق ردالمحتار ج ۴، ص ۳۶۶، باب نکاح الکافرین من کتاب النکاح) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴ر ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

عورت پر مرد کا حق خاص امور زوجیت میں اللہ و رسول کے بعد تمام حقوق سے زیادہ ہے۔

مسئلہ : از محمد حسین ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

زید اور ہندہ دونوں کی شادی ۲۹/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو اسلامی رسم کے مطابق ہوئی۔ اس کے بعد ہندہ اپنے شوہر زید کے ساتھ فرماں برداری کے بجائے نافرمانی اور بیماری کا بہانہ بنا کر سارا دن پریشان کرنا، نماز نہ پڑھنا اور گھر کے افراد جیسے ساس، سسر، نند، دیوران تمام حضرات پر الزام عائد کرنا اور گھر میں موبائل فون کے ذریعہ اجنبی شخص سے باتیں کرنا، یہ تمام حرکتیں اپنے ماں باپ کے کہنے پر کرتی ہے۔ اور اپنے شوہر سے الگ رہنا اور ان کو پریشان کرنا اور اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مائکہ چلی جانا اور ۳۰/ مارچ ۲۰۱۱ء کو شوہر کے منع کرنے پر بیماری کا بہانہ کر کے اپنے گھر سے اپنے والد کو بلا کر اپنے شوہر پر جھوٹے الزام لگا کر اپنے والد کے ساتھ اپنے مائکہ چلی گئی ہے اور ڈاکٹری رپورٹ اس کی بیماری کو جھوٹا ثابت کرتی ہے جو کہ زید کے پاس موجود ہے۔ اس کے باوجود زید نے چند لوگوں کے ذریعے سے صلح کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا بلکہ صلح کرانے والے حضرات کو برا بھلا کہہ کر واپس کر دیا گیا ہے۔ اور جب ۲۳/ رمضان ۱۴۳۲ھ بروز بدھ کو خداوند تعالیٰ نے ہندہ کو لڑکی عطا کی تو اس کی خبر زید کو نہیں دی گئی بلکہ دوسرے شخص کے ذریعے سے خبر ملی ہے۔ اب ایسے رشتے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں ہندہ اور اس کے والدین سخت گنہگار، مستحق قہر قہار و غضب جبار و عذاب نار ہیں۔ ہندہ کے والدین پر لازم ہے کہ جتنی بھی جلدی ہو سکے وہ ہندہ کو اس کے شوہر تک پہنچا دیں۔ یوں ہی ہندہ پر فرض ہے کہ وہ فوراً اپنے شوہر کے پاس آ جائے۔ اور ہندہ اور اس کے والدین مذکورہ باتوں سے توبہ واستغفار کریں اور ہندہ اپنے شوہر سے معافی بھی مانگے کیوں کہ شوہر کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

"لو کنت آمرا بشرا یسجد لبشر لامرت المراۃ ان تسجد لزوجھا." (مسند احمد ج۶، ص ۳۰۰، حدیث معاذ بن جبل، حدیث ۲۱۴۸۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان)

یعنی اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

دوسری حدیث میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک خاتون نے شوہر کے حقوق دریافت کیے تو آپ نے اس کو نصیحت اور کچھ حقوق بتانے کے بعد آخر میں فرمایا کہ اگر تو اپنے شوہر کو اس حال میں پائے کہ اس کے نتھنوں سے خون اور پیپ بہہ رہا ہو اور تو اپنے شوہر کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اس کو منہ سے چاٹ کر صاف کرے تب بھی اس کا حق ادا نہ ہوگا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"وجدت منخریه یسیلان قیحا ودما ثم القمتیهما فاک لکیما تبلغی حقه ما بلغت ذلک ابدا." (**حواله سابق ص ۳۱۷، حدیث ۲۱۵۷۳**)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "عورت پر مرد کا حق خاص امور متعلقہ زوجیت میں اللہ و رسول کے بعد تمام حقوق حتی کہ ماں باپ کے حق سے زائد ہے۔ ان امور میں اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے ناموس کی نگہداشت عورت پر فرض ہے۔" (فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴، ص ۳۸۰، مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۳ / ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

جو شخص بیوی کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اس کے لیے نکاح کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از فیضان احمد خان لشکری باغ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ

زید ایک گونگا شخص ہے جس کی دماغی حالت و ذہنی شعور صرف اتنی ہے کہ کھا پی سکے اور گھر کے افراد کو یقین ہے کہ زید کی شادی کی جائے تو وہ زوجہ کے حقوق مثلاً نان ونفقہ نہیں دے پائے گا، تو اس صورت

میں زید کی شادی کرنا کیسا ہے؟ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : برتقدیر صدق سائل مذکورہ بالاتفصیل کے مطابق زید کے لیے نکاح کرنا حرام ہے۔

تنویرالابصارودرمختار میں نکاح کے بارے میں ہے:

"ویکون واجبا عند التوقان وسنة موکدة فی الاصح حال الاعتدال ای القدرة علی وطء ومهر ونفقة و مکروها لخوف الجورفان تیقنه حرم ذلک."(فوق رد المحتار ج۴،ص ۶۳،۶۶، کتاب النکاح)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتاجامعہ مصطفویہ رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۱/۵/۱۴۳۷ھ۔۲۱/۲/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

باب نکاح الکافر

کافر سے نکاح کے احکام کا بیان

امام نے سنی لڑکی کا نکاح وہابی لڑکے کے ساتھ پڑھانے سے انکار کیا تو اس پر کوئی الزام نہیں

مسئلہ : از محمد اکرم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک مسجد کا امام ہے بکر جو کہ سنی صحیح العقیدہ شخص ہے جس نے اپنی بیٹی کو دیوبندی لڑکے کو دے دیا جس بنا پر امام صاحب نے نکاح پڑھانے سے انکار کیا۔ گاؤں کے لوگ اور بکر اس وجہ سے امام پر اعتراض کرر ہے ہیں۔ آیا ان کا اعتراض امام صاحب پر درست ہے؟ اور امام نے جو کیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ کیا وہابی دیوبندی وغیرہ عقائد والوں سے اس طرح کے تعلقات رکھنا اور ان سے نکاح، سلام، موت، کلام وغیرہ درست ہے؟ اگر نہیں تو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب : بحسب استفتا امام صاحب نے جو کیا وہ صحیح اور مطابق شرع کیا کہ وہابی دیوبندی تبلیغی جماعت اسلامی والے اپنے عقائد کفریہ کے سبب جو ان کی کتابوں مثلاً حفظ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ میں ہیں، کافر ومرتد ہیں۔ بلکہ علمائے حرمین طیبین نے ان کے عقائد کفریہ کی وجہ سے یہ فتوی صادر فرمایا کہ

"من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر."

یعنی جو شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ وہابی دیوبندی وغیرہ مرتدین سے تعلقات رکھنا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ."

یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اور دوسری جگہ ہے:

"وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ."

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم وان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم."

کہ ان سے الگ رہو، انہیں اپنے سے دور رکھو، کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں، وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں اور اگر وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مر جائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو، ان سے ملاقات ہو تو ان سے سلام نہ کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ پانی پیو، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ اور نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرو۔ (یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ کا مجموعہ ہے بحوالہ فتاوی رضویہ ج۶ ص۱۰۳)

اور جس نے اپنی لڑکی وہابی دیوبندی مرتد کو دیا تو حقیقتاً وہ نکاح نہ ہوا کہ وہابی دیوبندی مرتد کا جہان میں کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ عالمگیری ج۱ ص۲۸۳ میں ہے:

"لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتد مع احد کذا فی المبسوط." واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور

۲۰؍ جمادی الاخری ۱۴۳۲ھ ۔ ۲۳؍ مئی ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صورت مسئلہ میں بے شک زید امام کا نکاح پڑھانے سے انکار کرنا یہ حکم شریعت پر عمل کرنا ہے کہ وہابی دیوبندی تبلیغی جماعت اسلامی اپنے عقائد باطلہ کے سبب گمراہ و بدمذہب کافر و مرتد ہیں اور ان

سب سے شرعاً قطع تعلق کا حکم ہے اور نکاح پڑھانا اگر چہ ان کو گمراہ و بدمذہب، کافر و مرتد جان کر کیوں نہ ہو، ناجائز و حرام ہی ہوگا کہ یہ قطع تعلق کے منافی ہے۔ بکر اور گاؤں کے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ امام پر اعتراض نہ کریں کہ امام نے نکاح نہ پڑھایا امام نے تو حکم شرع پر عمل کیا اور بکر اور گاؤں کے لوگوں نے امام کی مخالفت کر کے اسے ایذا پہنچایا اور ایذائے مسلم حرام قطعی ہے اور مرتکب حرام پر توبہ واجب ہے اس لیے بکر اور دوسرے معترضین توبہ کریں امام سے معافی مانگیں مسلمان وہابی دیوبندی وغیرہ گمراہ و بدمذہب کافر و مرتد فرقہ والوں سے اصلا دور رہیں کہ ان سے کسی طرح کا کوئی معاملہ شرعاً جائز نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ
دارالعلوم امجدیہ ناگ پور
۲۴؍مئی ۲۰۱۱ء

جو عالم دین ہوتے ہوئے اپنی بہن کی شادی وہابی دیوبندی سے کرے وہ عالم نہیں بلکہ ظالم ہے

مسئلہ : ازمحمد نعیم الدین مقام ہلبل ڈولی ضلع بانکے نیپال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک عالم دین ہوتے ہوئے اپنی بہن کی شادی وہابی اور دیوبندی کے گھر کر رہا ہے، ان سے میل جول رکھ رہا ہے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : وہابی، دیوبندی اپنے عقائد کفریہ مندرجہ براہین قاطعہ، تحذیر الناس اور حفظ الایمان وغیرہ کی بنا پر کافر مرتد ہیں، بلکہ علمائے حرمین شریفین اور دوسرے علمائے حق نے ان وہابیوں کے کفری عقائد کو دیکھ کر یہ فتوی صادر فرمایا کہ:

"من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر."

یعنی جو شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے عذاب وکفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

اور وہابی دیوبندی چوں کہ کافر مرتد ہیں اس لیے ان کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا کافرة اصلیة وکذلک لایجوز نکاح المرتد مع احد کذا فی المبسوط." (ج ۱، ص ۲۸۲، الباب الثانی فی المحرمات من کتاب النکاح)

ہمیں کسی شخص خاص سے غرض نہیں چاہے وہ زید ہو یا اس کی طرح اور کوئی بے قید ہو، حکم شرع سب کے لیے عام ہے، جو بھی اس کی مخالفت کرے گا، وہ عذاب الٰہی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سوال میں مذکور ہے کہ زید عالم دین ہے حالاں کہ وہ جب دین کا یہ ایک اہم اور ظاہر مسئلہ نہیں جانتا تو وہ عالم دین کیوں کر ہوسکتا ہے۔ ایسا شخص عالم نہیں بلکہ ظالم ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنے مذکورہ عمل سے برأت و بیزاری ظاہر کرتے ہوئے توبہ واستغفار کرکے اپنا حال درست کرے اور اسی پر قائم رہے اور آئندہ ایسی حرکت بے برکت سے سختی کے ساتھ بچے، تو اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی۔ جب کہ اور کوئی ممانعت کی وجہ نہ ہو، ورنہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنا واجب۔

ردالمحتار میں ہے:

"واما الفاسق فقد عللوا کراھة تقدیمه بانه لا یھتم لامر دینه وبان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیھم اھانته شرعا ولایخفی انه اذا کان اعلم من غیرہ لا تزول العلة فانه لایومن ان یصلی بھم بغیر طھارة فھو کالمبتدع تکرہ امامته بکل حال بل مشی فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم لماذکرنا." (ج ۲، ص ۲۹۹، باب الامامة من کتاب الصلوة)

اسی کے حاشیہ بالا پر درمختار میں ہے:

"کل صلوة ادیت مع کراھة التحریم تجب اعادتھا." (ج ۲، ص ۱۴۷، ۱۴۸، باب

صفة الصلوۃ من کتاب الصلوۃ)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۴/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ۔۴/۱۲/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

وہابی دیوبندی کا نکاح سنی سے نہیں ہوسکتا۔وہابی دیوبندی نے جھوٹ بول کر اوراپنے آپ کوسنی کہہ کرسنی لڑکی سے نکاح کرلیاتو بھی یہ نکاح نہ ہوالہذ ا طلاق لینے کی بھی ضرورت نہیں۔

مسئلہ : ازسلیم احمد ٹمکی ناگ پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذامیں سنی شریعت کیا کہتی ہے؟

(۱) کیاوہابی، دیوبندی سے سنی مسلک کےلوگوں کا نکاح جائز ہے یاحرام؟

(۲)اگرکسی وہابی ،دیوبندی تبلیغی مسلک والے نے جھوٹ کہہ کرسنی لڑکی سے نکاح کرلیا،اس نکاح کے بارے میں معلوم پڑاکہ جھوٹ کہہ کردھوکے سے نکاح کیا گیا ہےتو کیاسنی لڑکی یالڑکی کے ماں باپ کوطلاق لے لیناچاہیے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : وہابیہ دیوبندیہ اپنے عقائدکفریہ مندرجہ براہین قاطعہ،تحذیرالناس اورحفظ الایمان کی بنیاد پرکافرمرتد ہیں اورمرتد کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا،چاہے نکاح دھوکہ دےکرہویاجان بوجھ کر۔ اورجب ان کا نکاح کسی سےنہیں ہوسکتا تو پھرطلاق لینے کا کیامعنی کہ طلاق توبعدنکاح ہوتی ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتد مع احد کذا فی المبسوط.“(ج ا،ص ۲۸۲،القسم السابع المحرمات من الباب الثالث فی بیان المحرمات من کتاب النکاح)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۳/۷/۱۴۳۷ھ۔۱/۵/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

لڑکا لڑکی سنی ہوں تو نکاح بلاشبہ درست ہے۔ جو معمولات وعقائد اہل سنت پر قائم ہو وہ وہابی نہیں

مسئلہ : از محمد برہان رضا کامٹی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام مسئلہ ہذا کے متعلق قرآن وحدیث سے وضاحت فرمائیں۔زید کی لڑکی کی شادی ہوئی،حافظ صاحب نے نکاح پڑھایا،نکاح کے بعد صلوۃ وسلام بھی ہوا۔ زید کا بھائی بکر ہے،جس کا لڑکا دیوبندی وہابی مسجد میں اعتکاف کے لیے بیٹھا۔حافظ صاحب کو ان سب باتوں کا علم نہیں تھا۔البتہ حافظ صاحب نے پنج وقتہ نماز کے لیے زید کو سنی مسجد میں جاتے ہوئے پایا اور سنی امام کے پیچھے نماز ادا کرتے پایا،جس کی بنیاد پر حافظ صاحب نے نکاح پڑھایا۔از روئے شرع آپ واضح فرمائیں کہ حافظ صاحب اور زید پر کیا حکم ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جب زید معمولات وعقائد اہل سنت وجماعت پر قائم ہے اور اس کے کسی قول وفعل سے وہابیت دیوبندیت کا شبہ نہیں ہوتا،جیسا کہ سوال نامہ سے ظاہر ہے،تو وہ یقیناً سنی ہے۔لہذا اگر اس نے اپنی لڑکی کا نکاح سنی سے کیا تھا،تو بلاشبہ یہ نکاح ہوگیا،کہ نکاح محض ایجاب وقبول کا نام ہے۔

فتاوی ہندیہ و درمختار میں ہے **واللفظ للدر المختار:**

"وینعقد بایجاب من احدھما وقبول من الآخر."اہ ملخصا(علی ھامش ردالمحتار ج۴،ص ۶۸، ۶۹، کتاب النکاح)

اور مذکور حافظ صاحب پر کوئی الزام نہیں کہ وہ زید کے بھائی بکر کے لڑکے کے اعتکاف والے واقعہ سے ناواقف تھے۔ البتہ زید کے بھائی بکر کے لڑکے پر لازم ہے کہ وہ اپنے مذکورہ فعل سے توبہ واستغفار کرے، اس سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرے اور آئندہ وہابیوں دیوبندیوں کی مسجد میں اعتکاف نہ کرے بلکہ اپنی مسجد میں اعتکاف کرے کیوں کہ ان کے مسجد میں اعتکاف کرنے سے ان سے اختلاط ہوگا، ان کے پیچھے یا ان کے ساتھ نماز پڑھنی پڑے گی اور یہ سب حرام و گناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ اس لیے کہ وہابی دیوبندی اپنے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان، تحذیر الناس اور براہین قاطعہ کی بنیاد پر کافر مرتد ہیں۔ حتی کہ علمائے حرمین شریفین کے ساتھ ساتھ دوسرے علمائے اہل سنت نے ان کے بارے میں یہ حکم صادر فرمایا کہ:

"من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر."

یعنی ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود جس نے ان کے کفر و عذاب میں شک کیا وہ خود کافر ہے۔

لہذا ہر حال میں ان سے دور رہنا ان کو اپنے سے دور رکھنا لازم ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

"ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم."(مسلم ج ۱ ص ۱۰)

یعنی ان سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۶/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وہابیوں دیوبندیوں سے نکاح کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات

مسئلہ : از ریاض احمد خان سنجے باغ کالونی ناگ سین ون ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں:

(۱) زید امام نے بکر سنی صحیح العقیدہ کا نکاح ہندہ کے ساتھ پڑھایا، جس کا پورا گھر دیوبندی ہے۔ کیا ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوگیا یا نہیں؟

(۲) اگر نہیں تو بکر ہندہ کے ساتھ رہ کر زندگی گزار رہا ہے، اس کے بارے میں کیا شرع کا حکم ہے؟

(۳) زید امام جس نے بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح پڑھایا، اس پر از روئے شرع کون سا حکم نافذ ہوتا ہے؟

(۴) اگر زید امام پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم ہے تو علانیہ ضروری ہے یا نہیں؟

(۵) دیوبندیت اور وہابیت کا حکم کسی پر نافذ ہونے کے لیے وہابی کے گھر پیدا ہونا یا اولاد ہو کر رہنا، کس طرح یہ حکم عائد ہوگا، واضح بیان فرمائیں؟

(۶) زید امام نے جس بکر کے ساتھ ہندہ کا نکاح پڑھایا ہے، اس نکاح میں شامل سنی صحیح العقیدہ لوگ جن میں نکاح کے وکیل اور گواہ شامل ہیں ان کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے؟

(۷) زید امام جمعہ کے خطبہ کے بعد یہ اعلان کرے کہ میں نے جس بکر اور ہندہ کا نکاح پڑھایا وہ نادرست ہے اور نکاح نہیں ہوا، اس بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟

(۸) وہ بکر اور ہندہ جس کا نکاح زید امام نے نادرست قرار دیا ہے، اسے درست کرنے کے لیے واضح بیان فرمائیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : (۱،۲) ہندہ کے والدین عقائد وہابیہ رکھتے ہیں اور ہندہ بھی اپنے گھر والوں کی طرح عقائد باطلہ (وہابیہ) رکھتی ہے تو اس صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہندہ کی گمرہی حد کفر تک پہنچی ہے یا نہیں۔ اگر حد کفر تک گمرہی پہنچی ہے، تو بکر سنی کا نکاح ہندہ کے ساتھ باطل ہوگا۔ جیسا کہ عالم گیری میں ہے:

"**لایجوز نکاح المرتد مع احد.**"

اور اگر حد کفر تک گمرہی نہ ہو تو نکاح ہو جائے گا۔ لیکن جان بوجھ کر اس سے نکاح کرنے والا گنہگار ہوگا۔

پہلی صورت یعنی نکاح باطل ہونے کی صورت میں بکر پر فرض ہوگا کہ فوراً وہ ہندہ سے جدا ہو جائے کہ اس صورت میں بکر و ہندہ کا میاں بیوی کی طرح زندگی گزارنا یعنی قربت وصحبت کرنا، خالص زنا ہوگا اور اولاد ولد الزنا ہوگی اور دوسری صورت یعنی گمرہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو تو بکر پر توبہ کا حکم ہوگا اور ہندہ سے

عقائد باطلہ سے توبہ کرانا ضروری ہوگا اگر ہندہ توبہ کرتی ہے تو ٹھیک ورنہ اس سے الگ ہونا لازم ہوگا۔اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۳،۴)امام مذکور نے معلوم ہونے کے بعد جان بوجھ کر نکاح پڑھایا ہوتو امام پر علانیہ توبہ فرض کہ شرعی طور پر فعل حرام کا ارتکاب کرنے والا ہوا۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

(۵)وہابی دیوبندی ہونے کے لیے وہابی دیوبندی کے گھر پیدا ہونا ضروری نہیں بلکہ ان کی طرح عقائد کفریہ رکھتا ہوتو وہابی دیوبندی کہا جائے گا،اگر چہ سنی کے گھر پیدا ہوا ہو،ہاں اگر وہ خود اپنے آپ کو وہابی دیوبندی ہونے کا دعوی کرے یا اس کے متعلق شرعی ثبوت مہیا ہوجائے،تو اس کو تعین کے ساتھ وہابی دیوبندی کہا جائے گا۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

(۶)ہندہ عقائد باطلہ رکھتی ہو اور لوگوں کو اس کا علم تھا اس کے باوجود وہ لوگ اس میں شامل ہوئے ہوں اگر چہ وکیل ہو یا گواہ یا حاضرین ان سب پر علانیہ توبہ فرض ہوگا۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

(۷)زید کا اس طرح کہنا کہ میں نے جس بکر اور ہندہ کا نکاح پڑھایا ہے وہ نادرست ہے وہ نکاح نہ ہوا،یہ صحیح نہیں کہ یہ اس صورت میں صحیح ہوگا جب کہ گمرہی حد کفر تک پہنچی ہو لہذا امام پر توبہ اور رجوع لازم ہوگا۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

(۸)گمرہی حد کفر تک ہوتو عقائد باطلہ سے توبہ اور تجدید ایمان کے بعد ان دونوں کا نکاح درست ہوگا یعنی دوبارہ شرعی طور پر نکاح کرنا ہوگا کہ پہلا نکاح تو ہوا ہی نہیں۔یہ جان لیں کہ ہندہ اگر شرعی طور پر سنیہ ہے تو نکاح درست ہوگا دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں،نہ ہی ہندہ سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔اور امام نے جو نکاح کے نادرست ہونے کا اعلان کیا اس پر توبہ کا حکم باقی رہے گا جب تک کہ وہ اعلانیہ توبہ نہ کرے اس کی اقتدا میں نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔اور بکر پر لازم ہوگا کہ اگر ہندہ کے گھر والے عقائد باطلہ رکھتے ہوں تو ہندہ کو اور خود کو ان سے دور رکھے۔**واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور

۲۷؍فروری ۲۰۱۱ء

صح الجواب

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

وہابیوں اور سنیوں کی مخلوط اور غیر مخلوط اجتماعی شادی کا حکم

مسئلہ : از شیخ محمد شبیر، حاجی مصطفیٰ، محمد اعظم، محمد صادق آزاد نگر، نئی بستی ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی برادری کے لوگوں نے ایک میٹنگ کی، جس میں اجتماعی شادی کے متعلق ذکر ہوا، چوں کہ اس میٹنگ میں دو مکتبہ فکر کے لوگ تھے (۱) اہل سنت و جماعت (۲) مکتبہ دیوبند۔ دوران گفتگو یہ بات آئی کہ اجتماعی شادی میں نکاح کون پڑھائے گا، تو اہل سنت و جماعت کے افراد نے سنی مسجد کے امام کا نام تجویز کیا تو مکتبہ فکر دیوبند سے تعلق رکھنے والے افراد نے اپنے مکتبہ فکر کے امام کا نام پیش کیا، چنانچہ یہ طے ہوا کہ ایک ہی منڈپ میں دیوبندی دولہا اور سنی دولہا ہوں گے، دونوں فریق کے امام اپنے گروہ والوں کا نکاح پڑھائیں گے۔ قابل غور اور دریافت طلب بات یہ ہے کہ

(۱) کیا اہل سنت و جماعت کے افراد ایسی اجتماعی شادی جس میں اہل سنت و جماعت کے علاوہ مکتبہ فکر کے لوگ ہوں شرکت کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی اجتماعی شادی میں سنی امام کا سنی دولہا کا نکاح پڑھانا کیسا ہے؟

(۳) اگر ایسی اجتماعی شادی ہوتی رہے تو آنے والے دور پر کیا اثر پڑے گا؟

(۴) کیا سنی امام دونوں مکتبہ فکر کے دولہا کا نکاح پڑھا سکتا ہے؟

شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) وہابی دیوبندی اپنے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان، تحذیر الناس اور براہین قاطعہ وغیرہ کی بنا پر کافر مرتد ہیں۔ بلکہ علمائے حرمین شریفین اور دیگر علمائے حق نے ان کے عقائد کفریہ کو دیکھ کر یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ:

"من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر."

یعنی جو شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے کفر و عذاب میں شک کرے، وہ خود کافر ہے۔

اجتماعی شادی کرنا یقیناً ایک نیک کام ہے کہ اس کی وجہ سے وہ لوگ بھی نکاح کے پاکیزہ رشتے سے جڑ جاتے ہیں، جن کے اندر خود سے یہ نیک کام انجام دینے کی قدرت نہیں ہوتی ہے، لہذا اس میں کسی طرح سے بھی مدد کرنا نیکی پر مدد کرنا ہے۔ ساتھ ہی اپنے مسلم بھائی اور بہن کا نکاح کرا کے ان کو گناہ میں پڑنے سے بچانا اور مسلم معاشرے کو خوش حال بھی کرنا ہے۔ لیکن جس طرح ہمیں نیکی پر مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح گناہ پر مدد کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ."(پ ٦، س مائدہ ٥، آیت ٢)

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ واضح ہے کہ وہابی دیوبندی کافر مرتد ہیں اور جب وہ کافر مرتد ہیں تو ان کا نکاح دنیا میں کسی سے نہیں ہو سکتا اور جب ان کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا تو ایسی محفل میں شریک ہو کر ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان کو شادی کی مبارک باد دینا یقیناً حرام و گناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ گناہ پر مدد کرنا ہے اور ارشاد باری ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ."(پ ٦، س مائدہ ٥، آیت ٢)

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتد مع احد کذا فی المبسوط."(ج ۱، ص ۲۸۲، القسم السابع المحرمات بالشرک من الباب الثالث فی بیان المحرمات من کتاب النکاح)

نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بدمذہبوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ."(پ ۱۲، س ھود ۱۱، آیت ۱۱۳)

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

دوسرے مقام پر ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ."(پ ۱۰،س توبہ ۹،آیت ۲۳)

اے ایمان والو! اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے تو وہی ظالم ہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

"ایاکم وایاهم لایضلونکم ولا یفتنونکم وان مرضوا فلا تعودوهم وان ماتوا فلا تشهدوهم وان لقیتموهم فلا تسلموا علیهم ولاتجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تواکلوهم ولا تناکحوهم."

کہ ان سے الگ رہو انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکا نہ دیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں، اور اگر وہ بیمار پڑھیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مر جائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو، جب ان سے ملو تو ان سے سلام نہ کرو، نہ ان کے ساتھ بیٹھو، نہ ان کے ساتھ پانی پیو، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ، اور نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرو۔ (یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور عقیلی کا مجموعہ ہے۔ بحوالہ فتاوی رضویہ ج۶،ص۱۰۳، کتاب السیر)

لہذا مسلمانان اہل سنت کا ایسی مجلس میں شرکت کرنا جائز نہیں، بلکہ ان کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے ان پر لازم ہے کہ وہ ان سے الگ اپنی کمیٹی بنائیں اور اجتماعی شادی وغیرہ کی مجلسیں اس کمیٹی کی نگرانی میں منعقد کریں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۲) مذکورہ باتیں پائی جائیں تو ناجائز ہے لہذا بچنا ضروری اور لازم ہے۔ ارشاد باری ہے:

"اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ."(پ۷،س انعام ۶،آیت ۶۸) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اگر ایسی اجتماعی شادی ہوتی رہی جس میں وہابیوں دیوبندیوں سے میل جول ہوتا رہا، تو اس سے اہل سنت و جماعت پر بہت برا اثر پڑے گا، کہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں گے اور پھر آہستہ آہستہ ان کے عقائد کفریہ بھی اختیار کر لیں گے اور اس طرح سے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑیں گے۔ لہذا ایسی مجلس سے خود بچنا اور اپنے اہل و عیال کو بچانا ہر مسلمان پر لازم و ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے:

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ.“(پ۲۸،س تحریم ٦٦،آیت ٦)

اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

اگر ان بدمذہبوں سے اختلاط نہ ہو تو ایسی اجتماعی شادی سے انشاء اللہ معاشرے پر اچھا اثر پڑے گا۔ اسی لیے مذکورہ حکم اسی صورت میں ہے جب کہ وہابیوں دیوبندیوں سے نکاح وغیرہ کے معاملے میں میل جول کرنا پڑے، ان سے تعلقات قائم کرنا پڑے، اور اگر ان سے مسلمانان اہل سنت کا تعلق نہ رہے، بلکہ وہ الگ ایک شامیانہ وغیرہ میں اپنا نکاح کریں اور دوسرے فرقے کے لوگ دوسری طرف اس سے الگ اپنے معاملات انجام دیں تو ایسی مجلس میں اہل سنت کا شرکت کرنا اور امام کا نکاح پڑھانا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) اس کی چار صورتیں ہیں اول یہ کہ لڑکا لڑکی دونوں سنی ہوں دوم یہ کہ لڑکا لڑکی دونوں وہابی ہوں، سوم یہ کہ لڑکا سنی لڑکی وہابی ہو اور چہارم لڑکا وہابی اور لڑکی سنی ہو پہلی صورت کے علاوہ تمام صورتوں میں سنی امام کے لیے یہ نکاح پڑھانا جائز نہیں اس لیے کہ ارتداد کی بنیاد پر وہابی دیوبندی کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا کافرة اصلیة وکذلک لایجوز نکاح المرتد مع احد کذا فی المبسوط.“(ج ا،ص ۲۸۲،القسم السابع المحرمات بالشرک من الباب الثالث فی بیان المحرمات من کتاب النکاح) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

٦ / ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کتاب المفقود

مفقود الخبر کا بیان

مفقود الخبر کی بیوی کے لیے بحالت مجبوری مذہب امام مالک پر عمل کی اجازت ہے۔ مذہب امام مالک کی تفصیل

مسئلہ : ازمحمد عبید الرحمٰن متعلم ادارہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ہندہ اور زید دونوں میاں بیوی ہیں اور ہندہ کا شوہر زید پانچ، چھ مہینہ سے گھر سے غائب ہے اور کوئی پتہ نہیں ہے کہ حیات سے ہے یا نہیں۔ اب زید کی بیوی ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا ہندہ اپنے شوہر کے طلاق کے بغیر دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اس کے لیے کیا حکم ہوگا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر واقعی ہندہ کا شوہر زید غائب ہے اور اس کی زندگی اور موت کے بارے میں کوئی علم نہیں تو وہ مفقود الخبر ہے۔ اور ہمارے مذہب میں مفقود الخبر کی بیوی کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عمر کے اعتبار سے ستر سال تک اس کا انتظار کرے اس کے بعد قاضی یا ضلع کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ عالم کے فیصلہ کرنے کے بعد عورت وفات کی عدت گزار کر دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

لیکن بوقت ضرورت صحیحہ مفقود الخبر کی بیوی کو حضرت سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کرنے کی رخصت ہے۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت قاضی یا ضلع کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ عالم کے پاس اپنے شوہر کے گم ہونے اور نکاح کے فسخ کرنے کا دعوی پیش کرے، وہ قاضی یا عالم اس کا دعوی سننے کے بعد اس کے لیے چار سال کی مدت مقرر کر دے، اس چار سالہ مدت کے درمیان اس گم شدہ شخص کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ وہ جہاں رہتا تھا یا جہاں سے گم ہوا ہے وہاں کے اخباروں میں اس کی تلاش کے لیے اعلانات شائع کرائیں اور ان اخباری اعلانوں کو بطور ثبوت محفوظ کر لیں، جب یہ چار سال کی مدت پوری ہو جائے اور اس کے شوہر کا کوئی حال معلوم نہ ہو تو اب پھر وہ عورت اپنی تمام کاروائیوں کے ساتھ اسی قاضی یا عالم کے پاس اپنے شوہر کے نہ ملنے کا دعوی پیش کرنے کے ساتھ فسخ نکاح کا بھی دعوی کرے، اب وہ قاضی یا عالم مذکور اس کے شوہر کے لیے موت کا حکم دے گا پھر وہ عورت چار مہینہ دس دن تک وفات کی عدت گزار کر جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

کسی قاضی یا مذکورہ شرائط سے متصف عالم کے پاس دعوی پیش کیے بغیر اگر عورت خود سے چار سال کی مدت گزار کر وفات کی بھی عدت گزار لے تو ہرگز اس کو دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ خود سے اگر وہ بیس پچیس سال بھی گزار لے تب بھی وہ دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی ہے، جب تک مذکورہ صورت پر عمل نہ کرے۔ ہندہ کے لیے اگر بغیر نکاح کیے کوئی چارہ ہی نہیں تو وہ مذکورہ صورت پر عمل کر سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"قال مالک : اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینه وبین امراته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوج من شاء ت."(ج۲،ص ۶۲۲، کتاب المفقود)

ردالمختار میں ہے:

"لو افتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما اظن ."اه ملخصا.

اسی میں ہے:

"عند تحقق الضرورة حیث لم یوجد مالکی یحکم به."(ج۶،ص ۴۶۱، کتاب المفقود)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ اسی سے متعلق فرماتے ہیں: ''حنفی وقت ضرورت صحیحہ اس پر عمل کرسکتا ہے۔'' (فتاوی رضویہ ج۶،ص۳۲۰، کتاب المفقود) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲؍ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مفقود الخبر شخص کی عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از جناب شکیل صاحب شانتی نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں کہ

زید دہلی میں رہتا ہے، اس کے رشتے داروں نے اسے گھر سے نکال دیا اور وہ زید سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے، زید نے ۲۵؍مئی ۲۰۰۴ء کو زاہدہ سے ناگ پور میں نکاح کیا، وضع حمل کے وقت زید نے زاہدہ کو ۱۸؍اگست ۲۰۰۵ء کو اس کے گھر ناگ پور روانہ کر دیا۔ وضع حمل کے بعد زید نے نہ ہی فون کیا اور نہ ہی زاہدہ کے متعلق کوئی اطلاع لی، زاہدہ نے اس کا پتہ لگایا اور اسے دہلی میں تلاش کرتی رہی، اس کے دوست واحباب نے بھی اس کو تلاش کیا لیکن اس کا پتہ نہیں چلا، یہاں تک کہ دو سال گزر گئے۔

کیا زاہدہ اب کسی طریقے سے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے؟ قرآن وحدیث واقوال ائمہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زاہدہ کے شوہر زید کی موت وزندگی کا حال جب معلوم نہیں، تو وہ مفقود الخبر ہے۔ اور ہمارے مذہب میں مفقود الخبر کی بیوی کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عمر نوے سال اور امام ابن ہمام کے قول مختار کے مطابق ستر سال ہونے تک انتظار کرے، مگر ضرورت کے وقت مفقود الخبر کی بیوی کو امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کرنے کی رخصت ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت جہاں رہتی ہے

وہاں کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ عالم کے پاس اپنے شوہر کے گم ہونے اور نکاح کے فسخ کرنے کا دعوی پیش کرے، وہ عالم اس کا دعوی سن کر اس کے لیے چار سال کی مدت مقرر کرے اس چار سالہ مدت میں لڑکا،لڑکی کے گھر والے اس کو تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، جہاں سے وہ گم ہوا ہے یا جہاں وہ رہتا تھا وہاں کے اخباروں میں اس کو تلاش کرنے کے لیے اعلانات شائع کرائیں اور ان اخباری نوٹوں کو اپنے پاس محفوظ رکھیں، جب یہ چار سال کی مدت پوری ہو جائے اور اس کے شوہر کا کوئی حال معلوم نہ ہو تو اب پھر وہ عورت اس عالم کے پاس محفوظ کیے ہوئے اخباری نوٹوں کے ساتھ اس کے نہ ملنے کا دعوی پیش کرے،اب وہ عالم اس کے شوہر کے لیے موت کا حکم دے گا۔ پھر عورت چار مہینہ دس دن تک عدت وفات گزارے اس کے بعد جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

کسی عالم کے پاس دعوی پیش کیے بغیر اگر اس نے خود سے چار سال کی مدت گزاری اور اس کے بعد وفات کی بھی عدت گزار لی تو ہرگز اسے دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ خود سے اگر وہ بیس پچیس سال بھی گزار لے تب بھی اسے دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، جب تک مذکورہ صورت پر عمل نہ کرے۔

ہدایہ میں ہے:

"قال مالک : اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینه وبین امراته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوج من شاء ت."(ج ۲،ص ۶۲۲، کتاب المفقود)

ردالمحتار میں ہے:

"لوافتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما اظن ."اه ملخصا.

اسی میں ہے:

"عند تحقق الضرورة حیث لم یوجد مالکی یحکم به."(ج۶،ص ۴۶۱، کتاب المفقود)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:"حنفی وقت ضرورت صحیحہ اس پر عمل کرسکتا ہے۔"(فتاوی رضویہ ج۶ ص۳۲۰، کتاب المفقود)**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۲/ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مفقود الخبر شخص کی بیوی کو نکاح ثانی کرنا کب جائز ہے؟

مسئلہ : ازمحمد شمشیر رضا خادم جامع مسجد مول ضلع چندر پور مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں

ہندہ کی شادی زید سے دو سال قبل ہوئی تھی ،مگر آٹھ مہینے سے زید گھر سے فرار ہے، زندہ ہے یا مردہ اس کا پتہ نہ ہی زید کے گھر والوں کو ہے اور نہ ہندہ کے گھر والوں کو ہے اور نہ ہی ہندہ کے کفالت کی کوئی تدبیر ہے اور جوانی کی شہوت دامن گیر ہے، ایسی صورت میں ہندہ اپنے شوہر کا کب تک انتظار کرے گی؟ کیا ہندہ نکاح ثانی کرسکتی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : ہمارے مذہب میں مفقود الخبر کی بیوی کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی عمر نوے سال اور امام ابن الہمام کے قول مختار کے مطابق ستر سال ہونے تک انتظار کرے، اس کے بعد نکاح ثانی کرسکتی ہے۔ البتہ بوقت ضرورت صحیحہ قول امام مالک رضی اللہ عنہ پر عمل کرنے کی رخصت ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر کے غائب ہونے کے بعد عورت جہاں رہتی ہے وہاں کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ عالم دین کے پاس اپنے شوہر کے گم ہونے اور نکاح کے فسخ کرنے کا دعوی پیش کرے وہ عالم اس کا دعوی سننے کے بعد اس کے لیے چار سال کی مدت مقرر کرے، اس چار سال کی مدت کے درمیان لڑکا لڑکی کے گھر والے ہر ممکن طریقے سے اس کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ اخباروں میں اعلان شائع کرائیں پھر بھی نہ ملے تو چار سال پورا ہونے کے بعد اپنے تمام اخباری ثبوتوں کے ساتھ اس عالم مذکور کے پاس اس کے نہ ملنے کا دعوی پیش کریں اب وہ عالم اس کی موت کا حکم دے گا پھر وہ عورت عدت وفات گزار کر جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ مذکورہ طریقے پر عمل کیے بغیر وہ نکاح ثانی نہیں کرسکتی۔ ہندہ بھی بوقت ضرورت صحیحہ اس پر عمل کرسکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے:

”قال مالک : اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینه وبین امراته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوج من شاء ت.“(ج۲،ص ۶۲۲،کتاب المفقود)

ردالمحتار میں ہے:

”لوافتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما اظن .“اه ملخصا.

اسی میں ہے:

”عند تحقق الضرورة حیث لم یوجد مالکی یحکم به.“(ج٦،ص ٤٦١، کتاب المفقود)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۱/۱۰/۱۴۳۷ھ۔۲۷/۷/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

کتاب الطلاق

طلاق کا بیان

''طلاق دیتا ہوں'' کہنے سے بھی طلاق پڑ جاتی ہے۔

مسئلہ : ازعبدندیم پٹیل ٹیکہ ناکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ مائکہ جانے اور آئے دن شوہر کی نافرمانی اور زبان درازی سے عاجز آکر اور خود بیوی کے بار بار کہنے پر کہ مجھے طلاق چاہیے، کئی لوگوں کے سامنے طلاق دے دیا۔اس کا جملہ یہ ہے ''اس نے اسلام کے اصولوں اور قاعدوں کو توڑ ڈالا ایسی ضدی گھمنڈی لڑکی سے زندگی بسر نہیں ہوسکتی ،اس لیے میرا فیصلہ یہ ہے کہ اس کو میں طلاق دیتا ہوں ، میں طلاق دیتا ہوں ، میں طلاق دیتا ہوں۔ ایسی صورت میں ازروئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب سوال طلاق دیتا ہوں کہنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، واقعی اگر زید نے اپنی بیوی کو ان الفاظ کے ساتھ طلاق دیا کہ ''اس کو میں طلاق دیتا ہوں ، میں طلاق دیتا ہوں ، میں طلاق دیتا ہوں'' تو زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور زید کی بیوی زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: ''فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا

غَیْرَہٗ۔"واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

یکم ربیع النورشریف۱۴۳۲ھ۔۵رفروری۲۰۱۱ءبروزشنبہ

الجواب صحیح

ابوالقیس مصباحی

زید نے کہا"طلاق دیتا ہوں طلاق"تو کتنی طلاق پڑی؟

مسئله : ازمحمد اقبال

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وشرع متین اس مسئلے پر کہ زید نے اپنے گھریلو جھگڑے (جومیاں بیوی میں ہمیشہ ہوتے تھے) میں اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا کہ"میں تجھے طلاق دیتا ہوں طلاق"۔

لہذا اب زید اوراس کی بیوی ایک ساتھ میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر رہنا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ"میں تجھے طلاق دیتا ہوں طلاق"،تو خواہ زید نے خوشی سے ایسا کہا ہو یا جھگڑے کی وجہ سے ناراض ہوکر بہرحال اس کی بیوی پر دوطلاق رجعی واقع ہوگئی،بشرطیکہ اس سے پہلے اس کو کوئی طلاق نہ دی ہو۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"لوقال لها انت طالق،طالق.او انت طالق انت طالق تقع ثنتان اذا كانت المرأة مدخولا بها ولو قال عنيت بالثانی الاخبار عن الاول لم يصدق فی القضاء.اه ملخصا(ج ا ،ص ۳۵۵،باب ايقاع الطلاق من كتاب الطلاق)

درمختار میں ہے:

"كرر لفظ الطلاق وقع الكل وان نوى التاكيد دين."

اس کے تحت شامی میں ہے:

ای وقع الكل قضاء وكذا اذاطلق اشباه ای بان لم ينو استئنافا ولا تاكيدا لان الاصل

عدم التاکید."(ج۴،ص ۵۲۱، ۵۲۲،باب الطلاق غیر المدخول بھا من کتاب الطلاق)

اب زید اگر اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے تو اس سے رجعت کرے جس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ عدت کے اندر دو گواہوں کے سامنے زید اپنی بیوی سے کہے کہ "میں نے تجھے اپنے نکاح میں واپس لیا" خواہ اس کی عورت اس سے راضی ہو یا نہ ہو، بہرصورت رجعت ہو جائے گی اور اگر عدت کے اندر اس سے وطی کر لیا یا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تو بھی رجعت ہو جائے گی ،مگر مکروہ ہوگی ۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"الرجعة السنی ان یراجعھا بالقول ویشھدعلی رجعتھا شاھدین نحو ان یقول لھا راجعتک وان راجعھا بالفعل مثل ان یطاھا او یقبلھا بشھوۃ فانه یصیر مراجعا عندنا الا انه یکرہ له ذلک."اہ ملخصا(ج ۱ ،ص۴۶۸ ،الباب السادس فی الرجعة من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۵/رجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

طلاق طلاق دو بار کہا اور تیسری بار "طل" پر رک گیا تو کتنی طلاق ہوئی؟

مسئلہ : ازغلام قادر اشرفی شاردہ کمپنی کے پیچھے سنگھر ش نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے روز ہم دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا جھگڑے میں میں اپنی بہن کو بلا کر لایا اور میں نے کہا باجی اسے سمجھا دے پھر میں نے اپنی بیوی سے کہا دیکھ سمجھ جا اور دس منٹ تک چپ چاپ بیٹھا رہا اس کے بعد غلطی سے میرے منہ سے نکل گیا طلاق طلاق تیسری بار "طل" پر پہنچ کر رک گیا ،اس کے آگے کچھ نہیں بولا ۔ چپ چاپ بیٹھ گیا ۔اور اس جھگڑے میں میری بہن اور میری والدہ موجود تھیں ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں سائل نے اگرچہ طلاق کی اضافت ونسبت اپنی بیوی کی طرف

نہیں کی ہے، مگر اس کا یہ کہنا کہ ''جھگڑا ہوا......اس کے بعد غلطی سے میرے منہ سے نکل گیا'' طلاق، طلاق، طل'' یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس نے اپنی بیوی ہی کو طلاق دینے کے لیے ایسا کہا تھا، لہذا اس تقدیر پر اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی پڑ گئی، بشرطیکہ اس سے پہلے اس کو طلاق نہ دیا ہو۔ اور لفظ ''طل'' سے کچھ نہیں۔ اس صورت میں اب آئندہ اگر ایک بھی طلاق دے گا، تو مغلظہ ہو جائے گی۔ اب سائل اگر اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے، تو عدت کے اندر اس سے رجعت کرے، جس کا سنت طریقہ یہ ہے کہ دو عادل گواہوں کے سامنے اپنی بیوی سے کہے کہ ''میں نے تجھے اپنے نکاح میں واپس لیا'' اور اگر عدت ہی کے اندر اس سے وطی کیا، یا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا، تو بھی رجعت ہو جائے گی، مگر مکروہ ہوگی۔

ردالمحتار میں ہے:

''لایلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لوقال: طالق فقیل من عنیت؟ فقال: امرأتی طلقت امرأته.''اھ .(ج۴،ص۴۵۸،باب الصریح من کتاب الطلاق)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''الرجعة السنی ان یراجعها بالقول ویشهدعلی رجعتها شاهدین نحو ان یقول لها راجعتک وان راجعها بالفعل مثل ان یطاها او یقبلها بشهوة فانه یصیر مراجعا عندنا الا انه یکره له ذلک.''اھ ملخصا(ج ۱ ،ص۴۶۸،الباب السادس فی الرجعة من کتاب الطلاق)

مگر چوں کہ لفظ طلاق کی اضافت صراحت کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف اس نے نہیں کی ہے اس لیے اگر وہ طلاق سے انکار کرے اور کہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تھی جیسا کہ اس نے تحریر کے علاوہ زبانی بیان میں بھی کہا ہے تو اس سے اس کی بیوی کے سامنے قسم لی جائے گی، اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ اس نے طلاق کی نیت سے ایسا نہیں کہا تھا، تو اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہ پڑی۔ لیکن اگر وہ جھوٹ بولے گا، تو اس کا وبال اس کے سر ہوگا۔ مفتی کا فتوی اس کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اس لیے اس پر لازم ہے کہ جو حق ہے وہ بیان کرے ورنہ جھوٹ بولنے کی صورت میں وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ پوشیدہ نہیں، وہ ہر کھلی اور چھپی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

''سکران هربت امرأتة فتبعها ولم یظفر بها فقال بالفارسیة : بسه طلاق فان قال

عنیت امراتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع کذافی الخلاصة.''(ج ۱،ص ۳۸۲،باب ایقاع الطلاق من کتاب الطلاق)

درمختار میں ہے:

''والقول له بیمینه فی عدم النیة، ویکفی تحلیفها له فی منزله.''(ج ۴،ص ۵۳۳،باب الکنایات من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

دو بار طلاق کہا اور تیسری بار اس کا منہ دبا دیا گیا جس کی وجہ سے طلاق نہیں کہہ سکا تو کون سی طلاق ہوئی؟

مسئلہ : ازمحمد عاقل بھائی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی بیوی کو طلاق کہا دومرتبہ لیکن تیسری مرتبہ زید نے طلاق کہنے کی کوشش کی مگر زید کے بھائی نے زید کے منہ کو دبا دیا، جس کی وجہ سے زید لفظ طلاق بول نہیں پایا۔لہٰذا اس صورت میں کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : طلاق پڑنے کے لیے زبان سے الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اتنی آواز کا ہونا ضروری ہے کہ کوئی رکاوٹ نہ ہونے کی صورت میں کم سے کم خود سن سکے اور سوال نامہ کے مطابق صورت مسئولہ میں منہ پر ہاتھ رکھے جانے کی وجہ سے تیسری بار زید کی زبان سے اس طرح الفاظ طلاق ادا نہ ہوئے کہ وہ سننے کے قابل ہوں لہٰذا اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو اس کی بیوی پر صرف دو طلاق رجعی پڑی۔

درمختار اور تنویر الابصار میں ہے:

''ادنی الجهر اسماع غیره وادنی المخافتة اسماع نفسه ویجری ذلک المذکور

فــی کــل مـــا یتــعــلــق بــنــطــق کتســمیة عــلــی ذبیــحة وعتـــاق و طـلاق.“اھ ملخصا(ج ۲،ص ۲۵۲،۲۵۳،باب صفة الصلوۃ من کتاب الصلوۃ)

اب زید کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اگر اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے تو دو گواہوں کی موجودگی میں عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجعت کر لے،اور اب آئندہ ایسی غلطی نہ کرے ورنہ ایک طلاق بھی اب اگر دے گا تو یہ طلاق مغلظہ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ کے زید کی بیوی اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”اذا طـلـق الـرجـل امـرأتـه تـطـلیقة رجعیة او تطلیقتین فله ان یراجعها فی عدتها رضیـت بـذلک او لـم تـرض.کـذا فـی الهدایة.“(ج ۱،ص ۴۷۰،البـاب السـادس فی الرجعة من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۰/ذی قعدہ۱۴۳۲ھ

فتوی سوال کے مطابق دیا جاتا ہے۔جھوٹ بول کر بیان بدلنے سے حکم شرع نہیں بدلتا۔طلاق دے کر انکار کرے تو اس سے قسم لی جائے۔

مسئله : ازمحمد عاقل بھائی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ لفظ طلاق کہا اور تیسری مرتبہ کہنا چاہتا تھا لیکن زید کے بھائی نے زید کا منہ دبا دیا جس کی وجہ سے لفظ طلاق تیسری مرتبہ ادا ہونے میں تردد ہے، سننے والے کو بھی اور کہنے والے کو بھی کہ یہ لفظ طلاق تیسری بار ادا ہوا کہ نہیں کیا اس سے طلاق ہو جائے گی؟

(۲) پھر اس کے بعد ہوا یہ کہ زید نے بیوی کے بھائی سے کہا، کہ اگر اب اس کو بھیجیں گے تو حرام ہوگا۔

(۳) پھر زید نے اپنے ماموں سے بھی کہا کہ ماموں میں نے بول دیا،اب بات کر کے کوئی

مطلب نہیں سب ہو گیا۔

اس کے بعد پھر زید نے اپنے رشتہ دار بھائی (خالہ زاد) سے فون پر کہا کہ جو بولنا تھا بول دیا اور سب ختم ہو گیا۔ مذکورہ بالا صورت نمبر۲ میں زید نے جو الفاظ کہے ہیں اس سے زید کو کوئی علم نہیں تھا کہ ان الفاظ سے بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ مذکورہ صورتوں میں کیا زید کی بیوی زید کے نکاح سے نکل گئی اور اس پر طلاق واقع ہوئی کہ نہیں؟ اور جب یہ معاملہ ہوا تب زید کی بیوی حاملہ تھی اور اب وضع حمل ہو چکا ہے۔

واضح ہو کہ پہلی صورت کے مطابق رجوع کا فتوی حاصل ہو چکا ہے اور زید نے رجوع کر لیا ہے، زید کو دوسری صورت میں مندرج باتوں کا علم نہ تھا، کہ اس سے بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ اب دریافت یہ ہے کہ دونوں صورتوں کے بعد حکم شرع کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : فتوی استفتا کے مطابق دیا جاتا ہے کہ جیسا سوال ہوگا ویسا جواب ہوگا۔ جھوٹ بول کر اور غلط بیان دے کر فتوی لینے سے جواب تو مل جائے گا، مگر اس جواب کی وجہ سے اصل حقیقت ہرگز نہیں بدل سکتی۔ اللہ ہر کھلی، چھپی، چھوٹی اور بڑی چیزوں کو جانتا ہے اور وہ دلوں کے راز سے بھی خوب واقف ہے۔ اگر جھوٹ بول کر اپنی خواہش کے مطابق فتوی لیا تو مفتی کا فتوی اسے کچھ بھی فائدہ نہ دے گا، بلکہ اس کا وبال اسی کے سر ہوگا۔ وہ سخت گنہگار ہوگا۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس کی گرفت ہوگی۔ اور کل بروز حشر سب لوگوں کے سامنے شرمندہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخت عذاب وسزا میں گرفتار ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے:

الکذب فجور والفجور یھدی الی النار.‘‘(مشکوۃ :ص ۴۱۲،باب حفظ اللسان من کتاب الآداب)

جھوٹ بولنا گناہ ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

اس سے پہلے سائل نے یہ لکھا تھا کہ تیسری بار زید لفظ طلاق نہیں بول پایا تھا، اور اس میں لکھا کہ تیسری بار کے بارے میں تردد ہے کہ لفظ طلاق ادا ہوا یا نہیں۔ لہٰذا اب یہ جاننا ضروری ہے کہ محض شک اور تردد کی وجہ سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا: ’’**لان الیقین لا یزول بالشک.**‘‘

مگر اس بار بار تحریر بدلنے سے دل کا چور ظاہر ہو رہا ہے، اس لیے زید کو کوئی ایک صورت متعین کرنا

ضروری ہے۔لہذا اب وہ لوگوں کے سامنے قسم کھا کر کہے کہ اس نے تیسری طلاق نہیں دی ہے۔اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو تیسری طلاق کا بھی حکم ہوگا کہ اکثر لوگ تینوں طلاقیں دے کر جھوٹ بولتے ہیں اور بیان وتحریر بدل بدل کر غلط فتوی لیتے ہیں۔اور اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑے گی اور وہ بغیر حلالہ زید کے لیے حلال نہ ہوگی۔اور اگر وہ قسم کھالیتا ہے تو دو طلاق رجعی کا حکم ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا جاچکا۔لیکن چوں کہ اس دوسری تحریر میں زید نے تردد اور شک والی بات کہی ہے، لہذا اب اس تقدیر پر زید اپنے گمان غالب پر عمل کرے۔اگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اس نے تیسری طلاق نہیں دی ہے تو وہی مذکورہ حکم رجعت ہوگا۔اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ اس نے تیسری دے دی ہے تو اب طلاق مغلظہ کا حکم ہوگا۔اور سوال میں مذکورہ باتیں جو زید نے اپنی بیوی کے بھائی، ماموں اور خالہ زاد بھائی سے کی تھیں وہ طلاق نہیں لیکن چوں کہ زید نے یہ بھی کہا ہے کہ جو بولنا تھا بول دیا،سب کچھ ختم ہوگیا،اس سے تینوں طلاق کا شبہ ہوتا ہے،اس لیے اوپر قسم کا حکم دیا گیا ہے اور تردد والی صورت میں گمان غالب پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

درمختار میں ہے:

”والقول له بيمينه في عدم النية ، ويكفى تحليفها له في منزله فان ابى رفعته للحاكم فان نكل فرق بينهما .“مجتبىٰ. اه ملخصا(ج۴،ص۵۳۳،باب الكنايات من كتاب الطلاق)

اسی میں ہے:

”علم انه حلف ولم يدر بطلاق او غيره لغا كما لو شك اطلق ام لا ولو شك اطلق واحدة او اكثر بنى على الاقل.“

اسی کے تحت شامی میں ہے:

”اى كما ذكره الاسبيجابى الا ان يستيقن بالاكثر اويكون اكبر ظنه.“(ج۴،ص۵۰۸،باب الصريح من كتاب الطلاق)والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۳۰/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بیوی کی طرف نسبت کیے بغیر طلاق دیا تو طلاق پڑے گی یا نہیں؟

مسئلہ : اززاہد خان ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

زید نے اپنی بیوی سلمہ سے کہا کہ چائے بناؤ مگر سلمہ نے کہا میں چائے نہیں بناؤں گی تو زید نے اپنی بیوی یعنی سلمہ سے کہا کہ میں تمہیں تمہاری ماں کے پاس بھیج دوں گا۔ مگر کچھ دیر بعد ڈرانے کے لیے اوپر کے دل سے سلمہ سے کہا طلاق طلاق طلاق تو کیا واقعی طلاق ہوگئی تو برائے کرم اس کا جواب تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر چہ صراحت کے ساتھ زید نے اپنی بیوی سلمہ کی طرف طلاق کی نسبت نہیں کی ہے، لیکن اس کا اپنی بیوی سے ''طلاق طلاق طلاق'' کہنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے یہ الفاظ اپنی بیوی ہی کو طلاق دینے کے لیے کہے تھے۔ اور لفظ طلاق وقوع طلاق کے لیے صریح ہے، اس لیے یہاں پر اس کے کلام میں صراحتاً سلمہ کی طرف طلاق کی نسبت کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ طلاق پڑنے کے لیے مذکورہ الفاظ کافی ہیں۔

درمختار میں ہے:

''لا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لو قال: طالق فقیل من عنیت؟ فقال امرأتی طلقت امرأته.''اھ (ج۴، ص ۴۵۸، باب الصریح من کتا الطلاق)

لہذا زید نے چاہے اپنی بیوی کو ڈرانے کے لیے طلاق کہا ہو یا مذاق کے طور پر کہا ہو، بہر حال اس کی بیوی سلمہ پر تین طلاقیں مغلظہ پڑ گئیں۔ اور وہ زید کے نکاح سے نکل گئی، اب بغیر حلالہ کے وہ زید کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔ ارشاد باری ہے:

''فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ.''(پ ۲، س بقرہ ۲، آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

"یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولوهازلا ."اھ ملخصا(ج۴،ص ۴۳۸،۳،کتاب الطلاق)

لیکن اگر وہ انکار کرے اور قسم کھا کر کہے کہ میں نے طلاق دینے کی نیت سے یہ الفاظ نہیں کہے تھے،تو اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں پڑی۔مگر جو چیز اس کے لیے حرام ہو چکی ہے،مفتی کے فتوی دینے سے وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔اس لیے اگر زید نے اپنی بیوی کو طلاق ہی دینے کی نیت سے یہ کہا ہے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو چکی ہے، اب اگر وہ جھوٹ بول کر اس کو اپنے لیے حلال کرے گا،تو اس کا سارا وبال اس کے سر ہوگا۔مفتی کا فتوی اسے فائدہ نہ دے گا اور وہ سخت عذاب نار اور قہر قہار کا مستحق ہوگا۔اس لیے جو حق ہے زید اسے ظاہر کرے اور دنیا کی رسوائی اور شرم کی وجہ سے آخرت کی رسوائی مول نہ لے کیوں کہ اللہ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔وہ دلوں کے راز خوب جانتا ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"سکران هربت امرأتة فتبعها ولم يظفر بها فقال بالفارسية : بسه طلاق فان قال عنيت امراتي يقع وان لم يقل شيئا لايقع كذافي الخلاصة."(ج ۱،ص ۳۸۲،الفصل السابع من الباب الثانی فی ایقاع الطلاق من کتاب الطلاق)

درمختار میں ہے:

"والقول له بيمينه في عدم النية."(ج۴،ص ۵۳۳،باب الکنایات من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۶ر جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

"طلاق دیتا ہوں ان شاء اللہ" کہنے سے کوئی طلاق نہیں

مسئلہ : از شبانہ انجم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

سید ایوب اور شبانہ انجم کا نکاح تاریخ ۲۰۱۱/۴/۷ء کے روز ہوا۔کچھ آپس میں معاملات ٹھیک نہ ہونے کی بنا پر سید ایوب نے اپنے ہوش وحواس میں شبانہ انجم کو ان الفاظ میں طلاق دیا کہ میں سید ایوب

سید حسین شبانہ انجم کو طلاق دیتا ہوں ان شاء اللہ۔ سید ایوب سید حسین شبانہ انجم کو طلاق دیتا ہوں ان شاء اللہ۔ سید ایوب سید حسین شبانہ انجم کو طلاق دیتا ہوں ان شاء اللہ۔ لہذا اس صورت میں شبانہ انجم پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : لفظ ان شاء اللہ اگر چہ بظاہر شرط معلوم ہوتا ہے، مگر اس کا شمار استثنا میں ہے، لہذا اس صورت میں سید ایوب نے اپنی بیوی شبانہ انجم کو جو کہا طلاق دیتا ہوں انشاء اللہ تین بار کہا، اس سے مطلقاً طلاق واقع نہیں ہوئی، اس لیے کہ لفظ ان شاء اللہ سے طلاق کا استثنا ہو گیا۔ عالم گیری ج ا ص ۴۵۴ میں فرمایا:

"اذا قال لامرأته انت طالق انشاء اللہ تعالیٰ متصلا به لم یقع الطلاق".

لہذا سید ایوب اور شبانہ انجم بدستور میاں بیوی ہیں۔ شبانہ انجم پہ کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم	کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
محمد مجیب اشرف رضوی	رضا دار الیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور
دار العلوم امجدیہ ناگ پور	۲۹ رشوال المکرّم ۱۴۳۲ھ۔ ۲۸ رستمبر ۲۰۱۱ بروز چہار شنبہ

کہا "مجھے نہیں رکھنا ہے میں نے اسے تینوں طلاق دے دیا" تو کون سی طلاق پڑی؟

مسئلہ : از رضوان انصاری درگانگر کاندری کنہان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید نے کئی افراد کے سامنے اپنی بیوی کے لیے کہا کہ "مجھے نہیں رکھنا میں اسے تین طلاق دے رہا ہوں" پھر کچھ گفتگو کرنے کے بعد کہا کہ مجھے اس کو نہیں رکھنا، میں نے اسے تینون طلاق دے دیا" از روئے شرع حکم بیان کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور وہ زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ کے وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ میاں بیوی کی طرح نہیں رہ

سکتے۔ارشاد باری ہے:

”فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.“بقرہ ۲،آیت ۲۳۰)

اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک وہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۸/۷/۱۴۳۷ھ۔۲۶/۴/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

کہا”منہ بند کرلے نہیں تو میں تجھے چھوڑ دوں گا“تو طلاق پڑی یا نہیں؟

مسئلہ : ازمحمد عارف انصار نگر مومن پورہ ناگ پور

عرض گزارش یہ ہے کہ میری بیوی روزینہ بیگم اور میں محمد عارف آپس میں مل جل کر رہ رہے تھے ہمارا آپس میں جھگڑا ہوا،تو میں نے غصے میں کہا،منہ بند کرلے،نہیں تو میں تجھے چھوڑ دوں گا،اور میں نے یہ الفاظ اس وقت کہے جب میری بیوی حاملہ تھی،چار مہینے تک میری بیوی اور میں ساتھ میں تھے،بچی ہوجانے کے بعد میری بیوی کا کہنا ہے کہ میری طلاق ہوگئی ہے۔لہذا آپ اس مسئلہ کا حل نکال دیجیے کہ میری طلاق ہوئی ہے یانہیں؟بڑی مہربانی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں محمد عارف نے جو یہ کہا کہ منہ بند کرلے نہیں تو میں تجھے چھوڑ دوں گا تو اردو زبان میں چھوڑنے کا لفظ اگر چہ طلاق کے لیے ہے،مگر اس جملے میں محمد عارف نے آنے والے زمانے میں طلاق دینے کی دھمکی دی ہے۔لہذا سائل اگر سچا ہے اور محمد عارف نے واقعی یہی جملہ کہا ہے جو سوال میں مذکور ہے تو اس مذکورہ جملے سے محمد عارف کی بیوی روزینہ بیگم پر کوئی طلاق نہیں پڑی۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶/۱۱/۱۴۳۷ھ۔۲۱/۸/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

عورت ایک غیر مسلم کے ساتھ چلی گئی تو کیا وہ اپنے شوہر کے نکاح سے نکل گئی؟

مسئلہ : ازمحمد بشیر خاں بن محمد خان صاحب مدینہ مسجد گوتم نگر گوندیا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ مسئلہ کے بارے میں کہ میری اہلیہ خورشید بیگم بنت عبدالصمد خاں ایک غیر مسلم لڑکے کے ساتھ چلی گئی اوراس کے ساتھ دوڈھائی مہینے تک رہی، مگراس درمیان اس غیر مسلم کے ساتھ رہتے ہوئے اس نے کوئی مشرکانہ یا کفریہ کام نہیں کیا جس کا اقرار وہ خود بھی کررہی ہے، تو کیا ایسی صورت میں ہماری بیوی ہمارے نکاح میں ہے یا نہیں؟

ازروئے شرع جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : خورشید بیگم سخت گنہگار مستحق قہر قہار وغضب جبار اور سزاوار سزائے نار ہے۔اس پر فرض ولازم ہے کہ وہ اپنی اس گندی اور گھناؤنی حرکت سے توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ایسی بے حیائی وبے غیرتی سے دور رہے۔

برتقدیر صدق سائل خورشید بیگم کا دوسرے کے ساتھ چلے جانے سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹا۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا:

"بِيَدِه عُقْدَةُ النِّكَاحِ."

کہ نکاح کی گرہ یعنی طلاق شوہر کے ہاتھ میں ہے۔

یعنی بیوی نکاح سے اس وقت نکلے گی ،جب کہ شوہر طلاق دے۔اورصورت مسئولہ میں خورشید بیگم کے شوہر نے اسے طلاق نہیں دیا ہے، لہذا وہ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۴/۲/۱۴۳۷ھ۔ ۱۷/۱۱/۲۰۱۵ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

فون پر طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے

مسئلہ : ازمحمد مجیب الرحمٰن ولد جعفر امام انصاری کامٹی کالری نمبر۳ ہواٹحل ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے ۲۹/اگست ۲۰۰۸ء کو اپنی بیوی ہندہ سے ۹/بجے موبائل فون پر کہا کہ میں اپنے ہوش وحواس میں تجھ کو تین طلاق دیتا ہوں طلاق طلاق طلاق۔ لہذا یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ واضح فرمائیں کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں مہربانی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : موبائل پر بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ بحسب استفتا واقعی اگر زید نے موبائل پر اپنی بیوی ہندہ کو ان الفاظ کے ساتھ طلاق دی کہ میں تجھ کو تین طلاق دیتا ہوں طلاق طلاق طلاق تو ہندہ پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور ہندہ زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کے درمیان نکاح درست نہیں۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

”فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ اَنْ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.“ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی ناگ پور
۲۴/ربیع النور شریف مطابق ۱۱/مارچ ۲۰۱۰ء

الجواب صحیح
محمد ناظر اشرف قادری
دار العلوم اعلیٰ حضرت کلمنا ناگپور

فون، خط اور ای میل سے بھی طلاق ہو جاتی ہے

مسئلہ : ازمحمد شبیر خان ایڈوکیٹ مانکاپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

آفتاب خان نے تقریباً دس سال پہلے غزالہ سے نکاح کیا تھا، پھر غزالہ اور آفتاب خان کچھ دن ایک ساتھ رہے، اس کے بعد غزالہ اپنی ماں کے پاس رہنے لگی، اس دن سے لے کر اب تک غزالہ نے آفتاب سے کسی طرح کی ملاقات نہ کی، نہ فون وغیرہ کے ذریعہ آفتاب سے بات چیت کی، ملاقات اور

بات چیت کا سلسلہ بند کر دیا۔آفتاب نے غزالہ کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی ،لیکن غزالہ نے کوئی جواب نہ دیا۔آفتاب نے فون پر طلاق دے دیا، پھراس کے بعد خط کے ذریعہ طلاق دے دیا، پھراس کے بعدای میل پربھی طلاق دیا۔غزالہ اوراس کے گھر والوں نے پڑھا کہ نہیں وہ جانیں کیااس پر طلاق واقع ہوئی کہ نہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔آپ کا کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : فون،خط اورای میل کے ذریعہ طلاق دینے سے بھی طلاق پڑ جاتی ہے۔بشرطیکہ شوہر خوداس کا اقرار کرتا ہو یااس کی شرعی گواہی موجود ہو،لہذا صورت مسئولہ میں لکھی گئی باتیں اگر سچ ہیں اور آفتاب خان اس کا اقرار کررہا ہے یااس طلاق کی شرعی شہادت اور گواہی ہے تو اس کی بیوی غزالہ پر طلاق پڑ گئی۔کماھو مصرح فی الکتب الفقهیة . واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶؍رمضان ۱۴۳۵ھ

تحریر سے بھی طلاق ہوجاتی ہے جب کہ شوہر کواپنی تحریر ہونے کا اقرار ہو یااس پر گواہ ہوں

مسئلہ : از محمد حسین بنگالی پنجہ ناگ پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی ہندہ کو ہمیشہ مارتا پیٹتا تھااور تہمت لگاتا تھااور گندی گالیاں بکتا تھا جیسے رنڈی وغیرہ جس سے لڑکی والے پریشان ہوکر اپنے گھر لے آئے ،اس کے بعد زید اپنی بیوی کواپنے گھر لے جانا چاہتا ہے،تو لڑکی والوں نے منع کردیا اور کہا کہ لڑکی کو بھیجیں گے لیکن کچھ شرطوں کے ساتھ،شرطیں یہ تھیں کہ تم لڑکی کوشدید ماروگے نہیں جس سے جسم پرنشان پڑ جائے یا خون وغیرہ نکل جائے۔دوسری شرط یہ تھی کہ تم لڑکی پرتہمت نہیں لگاؤ گےاور تیسری شرط یہ تھی کہ تم لڑکی کورنڈی نہیں بولو گے۔زیدان شرطوں کو مان لیتا ہےاور لکھ کر دیتا ہے۔سادے کاغذ پر اوراسٹمپ پیپر پر کہ جوتہمت میں اپنی بیوی کو لگاتا تھا،اب اگر میں اپنی بیوی کووہ تہمت لگاؤں گا یا شدید طریقے سے ماروں گا یارنڈی بولوں گا تو خود بخود طلاق ،طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور میں دین مہرادا

کروں گا۔ یہ جو میں لکھ کر دے رہا ہوں میں اپنے ہوش وحواس میں بنا کسی دباؤ کے لکھ کر دے رہا ہوں۔ اوراس کاغذ پراس کے بھائیوں کے دستخط بھی ہیں اوراس نے بھی دستخط کیا ہے۔زید کے لکھ کے دینے کے بعدلڑکی کواس کے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔زید اپنے گھر لے جاتا ہے کچھ دن ٹھیک سے رہتا ہے اور پھر جھگڑا کرتا ہے،مارتا پیٹتا ہے اور رنڈی بھی بول دیتا ہے،لڑکی کہتی ہے تم نے مجھے رنڈی کہا،لہذا طلاق ہوگئی۔اس کے بعدزید اپنی بیوی کواس کے گھر پہنچا دیتا ہے۔زید بھی کسی مولوی صاحب کے پاس اس کی تحقیق کرتا ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں۔اسے بتایا جاتا ہے کہ طلاق ہوگئی۔اس کے بعد زید اپنی بیوی کواس کے گھر پہنچا دیتا ہے،لیکن زید بعد میں انکار کرتا ہے کہ میں نے زبان سے طلاق نہیں دیا ہے،کوئی ثبوت ہے یا کوئی گواہ ہے کیا؟اس مسئلہ میں کس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا زید کا یاہندہ کا۔اب زیدلڑکی کے گھر جاتا ہےاور جھگڑا کرتا ہےاور سارے مجمع میں اپنی بیوی کورنڈی کہتا ہےاورتہمت لگاتا ہے کیا ایسے میں طلاق واقع ہوجائے گی اور ہندہ دین مہر کی حقدار رہے گی کہ نہیں۔آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : تحریر سے بھی طلاق کا ثبوت ہوجاتا ہے جب کہ شوہر کواقرار ہو کہ یہ میری تحریر ہے یا اس کی تحریر پر گواہ موجود ہوں۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فتاوی رضویہ ج۵ص۶۶۶ میں اشباہ،کفایہ اورردالمحتار کے حوالے سے ارشادفرماتے ہیں:

"ان کتب علی وجہ الرسالۃ مصدرا ومعنونا وثبت ذلک باقرارہ او بالبینۃ فکالخطاب."

بحسب استفتا اگر واقعی زید نے طلاق کو چند شرائط پر معلق کیا تھا اور وہ شرائط پالی گئیں تو زید کی منکوحہ ہندہ پرایک طلاق بائن واقع ہوگئی اوراس صورت میں ہندہ دین مہر کی حقدار ہوگئی کہ طلاق بائن سے عورت فوراً نکاح سے باہر ہوجاتی ہے،مردکواس پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

عالمگیری میں ہے:

"اما حکمہ فوقوع الفرقۃ بانقضاء العدۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن کذافی فتح القدیر." (ج۱،ص۳۴۸،الباب الاول فی تفسیرہ ورکنہ وشرطہ وحکمہ من کتاب الطلاق)

ہاں اگر زید پھر سے ہندہ کے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو حکم شرع یہ ہے کہ ہندہ کی رضا سے نکاح جدید اور مہر جدید کے ساتھ زید ہندہ کے ساتھ رہ سکتا ہے لیکن زید یہ خیال رکھے کہ وہ صرف دو طلاق کا مالک رہے گا، جب کبھی زندگی میں دو طلاق دے گا تو ہندہ پر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

۲۵ر ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

ہندہ اور اس کے گھر والوں نے طلاق نامہ اور مہر کی رقم واپس کر دیا تو طلاق پڑے گی یا نہیں؟

مسئلہ : از جناب شعیب خلیل سوا گت نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاق دو گواہوں کے سامنے تحریری طور پر اور زبان سے بھی کہا۔ طلاق نامہ عدت کا خرچ، مہر بذریعہ چیک ہندہ کے گھر پہنچا دیا، لیکن ہندہ اور اس کے گھر کے کسی فرد نے طلاق نامہ کو نہیں لیا، بلکہ اس کو واپس کر دیا تو اس کے واپس کرنے سے یا مہر اور عدت کا خرچ نہ لینے کی وجہ سے کیا اس پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ لڑکی نے طلاق نامہ نہیں لیا اس لیے طلاق نہیں ہوئی اور وہ کبھی بھی واپس آسکتی ہے۔ برائے مہربانی حوالے کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ پر تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور وہ زید کے نکاح سے نکل گئی۔ اب بغیر حلالہ کے ہندہ زید کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

ارشاد باری ہے:

"**فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ**." (پ ۲، س بقرہ ۲، آیت ۲۳۰)

طلاق آگ کی طرح ہے کہ جس طرح آگ کا کام جلانا ہے خواہ آگ لگانے والا یا جسے آگ لگائی جا رہی ہے وہ چاہے یا نہ چاہے اسی طرح طلاق بھی بیوی کے نہ چاہتے ہوئے بھی پڑ جائے گی۔ کیوں کہ

طلاق کا مالک شوہر ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

”بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ۔“(پ ۲ ،بقرہ ۲، آیت ۲۳۷)

لہذا شوہر جب بھی طلاق دے گا طلاق ہو جائے گی، خواہ بیوی طلاق کو قبول کرے یا نہ کرے، بلکہ خود شوہر بھی اگر طلاق کی نیت سے نہیں بلکہ ہنسی مذاق یا بیوی کو ڈرانے دھمکانے کی نیت سے طلاق دے تو بھی طلاق پڑ جائے گی۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”وطلاق اللاعب والهازل به واقع.“(ج ۱ ،۳۵۳،فصل فی من یقع طلاقه من الباب الاول من کتاب الطلاق)

درمختار میں ہے:

”وان قال تعمدته تخویفا لم یصدق قضاء الا اذا اشهد علیه قبله به یفتی.“(علی هامش رد المحتار ج۴،ص ۴۲۰،باب الصریح من کتاب الطلاق)والله تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۳؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی تیسری کے بارے میں شک ہے کہ دیا کہ نہیں تو دو ہی طلاق مانی جائے گی۔

مسئلہ : ازمحمد سجاد احمد متعلم رضا دار الیتامیٰ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیا ایک گھنٹے کے بعد پھر کہا میں نے تجھے طلاق دیا تیسری طلاق کے بارے میں اس کو شک ہے کہ اس نے دیا ہے یا نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید

کی بیوی پر کتنی طلاقیں پڑیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اگر زید اپنی بات میں سچا ہے کہ دو طلاق دینے کا اس کو یقین ہے، لیکن اس بارے میں اس کو شک ہے کہ اس نے تیسری طلاق دی ہے یا نہیں تو جب تک شرعی گواہوں یا خود اس کے غالب گمان کے ذریعہ تیسری طلاق کا اسے یقین نہ ہو جائے اسے دو ہی مانا جائے گا، لہذا اس صورت میں زید کی بیوی پر دو طلاق رجعی پڑے گی۔

درمختار میں ہے:

"ولو شک أ طلق واحدة او أكثر بنى على الاقل."(الدرالمختار فوق رد المحتار ج ۴، ص ۵۰۸،باب الصريح من كتاب الطلاق)

اب اس کے لیے حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجعت کرے، رجعت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ عدت کے اندر دو عادل گواہوں کی موجودگی میں وہ اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھ سے رجعت کی، یا تجھ کو اپنے نکاح میں واپس لیا، اور اگر عورت کی غیر موجودگی میں گواہوں کے سامنے رجعت کرے تو اس کی خبر اپنی بیوی کو دے دے، یہ بھی رجعت کا مسنون طریقہ ہے۔ اور اگر گواہوں کی غیر موجودگی میں اپنی بیوی سے رجعت کی یا صرف گواہوں کی موجودگی میں کی اور بیوی کو خبر نہ دی یا شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کے رخسار، منہ، ٹھوڑی یا پیشانی پر بوسہ لیا یا وطی کی تو ان سب صورتوں میں بھی رجعت ہوگئی، مگر یہ طریقہ سنت کے خلاف اور مکروہ ہے، اس لیے اب مستحب یہ ہے کہ پھر گواہوں کی موجودگی میں اس سے رجعت کرے۔

فتاوی عالم گیری میں رجعت کے تعلق سے ہے:

"هي على ضربين سني وبدعي : فالسني ان يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها شاهدين و يعلمها بذالک فاذا راجعها بالقول نحو ان يقول لها راجعتک او راجعت امراتي ولم يشهد على ذالک او اشهد ولم يعلمها بذلک او ينظر الى فرجها بشهوة فانه يصير مراجعا عندنا الا انه يكره له ذالک ويستحب ان يراجعها بعد ذالک بالاشهاد كذا في الجوهرة النيرة." اه ملخصا(ج ۱،ص ۴۶۸،الباب السادس في

الرجعة من كتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱ رجمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بیوی نے طلاق کا لفظ نہیں سنا تو بھی طلاق ہو گئی

مسئلہ : ازقمرالدین شیخ، تاج آباد ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے اور اس سے پہلے بھی دے چکا ہوں، مگر میری بیوی اس طلاق کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے، اس کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق کے الفاظ نہیں سنے ہیں، اس لیے میں طلاق نہیں مانتی، حالاں کہ میں اب کسی قیمت پر اپنی بیوی کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔

اب آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بیان فرمائیں کہ کیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : طلاق پڑنے کے لیے الفاظ طلاق کا بیوی یا کسی دوسرے کا سننا ضروری نہیں، بلکہ شوہر نے اگر اتنی آواز میں اپنی بیوی کو طلاق دیا کہ آواز اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھی اگر چہ کسی عذر مثلاً شور وغل یا بہرا ہونے کی وجہ سے وہ خود آواز کو نہ سن سکا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔اب عورت کو اگر اس کی خبر ملے تو وہ اپنے آپ کو مطلقہ جانے اور ہر حال میں اپنے شوہر سے جدا ہو جائے۔ہاں اگر اس نے اتنی آواز میں طلاق دیا کہ وہ آواز اس کے کانوں تک پہنچنے کے قابل نہ تھی یعنی بلا عذر وہ خود بھی نہ سن سکا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

درمختار وتنویر الابصار میں ہے:

”ادنى الجهر اسماع غيره وادنى المخافتة اسماع نفسه ويجرى ذالك المذكور فى كل ما يتعلق بنطق كتسمية على ذبيحة ووجوب سجدة تلاوة وعتاق وطلاق واستثناء وغيرها ، فلو طلق أو استثنى ولم يسمع نفسه لم يصح فى الاصح .“اه

ملخصا(ج ۲،ص ۲۵۲، ۲۵۳،باب صفة الصلوة من کتاب الصلوة)

ردالمختار میں ہے:

"المراد بالمسموع ماشانه ان یسمع وان لم یسمعه المنشی لکثرة الاصوات مثلا."(ج۴، ص ۶۲۶،باب التعلیق من کتاب الطلاق)

لہذا صورت مسئولہ میں مذکورہ طریقہ کے مطابق اگر واقع میں قمرالدین نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیا تھا،تو اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں مغلظہ پڑ گئیں اور وہ قمرالدین کے نکاح سے اس طرح نکل گئی، کہ اب اگر وہ پھر اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا چاہے تو بغیر حلالہ کے وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ."(پ ۲،س بقره،آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۵رشعبان المعظم ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بیوی کی غیر موجودگی میں نشہ کی حالت میں طلاق دی تو بھی طلاق پڑ جائے گی

مسئلہ : ازمحمود احمد رضوی مسجد محبوب النساپانڈے گاؤں روز کالونی جعفر نگر پولس لائن ٹاکلی کے پیچھے ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کی غیر موجودگی میں شراب پی کر نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ "بس اب اس کو طلاق" یہ الفاظ کئی بار کہا، اس کے گواہ میں دو عورت اور ایک آدمی ہے اور محلّہ والے جاننا چاہتے ہیں کہ یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

اور محلّہ میں یہ بات ہو رہی ہے کہ زید نے طلاق دی لیکن جو گواہ ہیں وہ طلاق کی گواہی دینے سے

اب انکار کررہے ہیں اور شوہر بھی دی ہوئی طلاق سے انکار کررہا ہے، لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں کہ یہ طلاق واقع ہوئی یانہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : شراب پینے کے بعد نشہ آیا یا اور کسی حالت میں طلاق دیا تو فتوی اسی پر ہے کہ طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

"یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو سکران ولو بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا به یفتی." اھ ملخصا (ج ۴، ص ۴۳۸، ۴۴۶، کتاب الطلاق)

لہذا صورت مسئولہ میں اگر واقع میں زید نے حالت نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیا اور جن گواہوں کا سوال میں ذکر ہے، وہ شرعاً گواہ بننے کے لائق ہیں، یعنی ثقہ اور عادل ہیں اور انہوں نے شرعی طریقے پر زید کے طلاق دینے کی گواہی دے دی ہے، تو زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ زید کے نکاح سے بالکل نکل گئی، اب بغیر حلالہ وہ زید کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ." (پ ۲، س بقرہ، آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

اور اب اس صورت میں زید کا انکار نہ سنا جائے گا، کیوں کہ شرعاً طلاق کا ثبوت ہوچکا ہے بلکہ اب ان گواہوں کا اس سے انکار بھی بے کار ہے کہ محض اس طرح انکار کرنے سے دی ہوئی شہادت سے رجوع نہ ہوگا، لہذا یہ شہادت باطل نہ ہوگی۔

تنویر الابصار مع درمختار میں شہادت سے رجوع کرنے کے بارے میں ہے:

"ھو ان یقول رجعت عما شھدت به ونحوه فلو انکرھا لایکون رجوعاً." (فوق درمختار ج ۸، ص ۲۳۲، باب الرجوع عن الشھادۃ من کتاب الشھادات)

اور اگر شرط مذکورہ کے مطابق طلاق کا ثبوت نہیں ہوا تو جب تک شوہر خود اقرار نہ کرے، طلاق

ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر شوہر دیدہ ودانستہ انکار کررہا ہے، تو اس انکار کی وجہ سے وہ عورت اس کے لیے ہرگز حلال نہ ہوگی، جب تک حلالہ نہ کرے، اگر وہ جھوٹ بول رہا ہے، تو اس کا وبال اس کے سر ہوگا، مفتی کا فتوی اسے کچھ فائدہ نہ دے گا، اللہ دلوں کے راز خوب جانتا ہے، اس کے نزدیک کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ آج جھوٹ بول کر لوگوں کو دھوکا دیا جا سکتا ہے، مگر جب کل خداوند قدوس کی بارگاہ میں حاضری ہوگی، تو وہ ذرے ذرے کا حساب لے لے گا۔

ارشاد باری ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ. "(پ ۳۰، س زلزال ۹۹، آیت ۸)

تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

حالت نشہ میں طلاق ہو جاتی ہے

مسئلہ :

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حالت نشہ میں زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیا، ایک بار نہیں بلکہ دس بار کہہ ڈالا تو کیا اس صورت میں ہندہ پر طلاق واقع ہو جائے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب : نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، جیسا کہ فتاوی عالم گیری ج ۱، ص ۳۵۳ میں ہے:

"طلاق السکران واقع."

بحسب استفتا اگر زید نے اپنی بیوی ہندہ کو نشہ کی حالت میں ''طلاق دیا'' ایک نہیں دس بار کہا تو اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور ہندہ زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔قال اللہ تبارک وتعالیٰ

''فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره.''واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی

غفرلہ

رضادارالیتامی ٹیکہ ناگ پور

۳؍ربیع النور ۱۴۳۶ھ۔۲۲؍جنوری ۲۰۱۵ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

حالت نشہ میں دماغی توازن کھوگیا اور طلاق دیا تو طلاق پڑی یا نہیں؟

مسئلہ : از نثار احمد ڈوبی نگرناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید نشہ کی حالت میں دماغی توازن کھونے کی وجہ سے اپنی بیوی سے بولا طلاق دیتا ہوں پھر تین مرتبہ بولا طلاق طلاق طلاق، اس وقت اس کا بڑا لڑکا بھی وہاں موجود تھا، اس کی بیوی اور لڑکا دونوں اس لفظ کے ساتھ زید کے طلاق دینے کی تصدیق کرتے ہیں، دماغی توازن ٹھیک ہونے کے بعد زید کے بھائیوں نے اس سے پوچھا کیا تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیا؟ تو اس نے جواب دیا، ہاں لیکن کیوں دیا یاد نہیں، اس کی بیوی کا کہنا ہے کہ اس سے پہلے بھی زید بارہا ایسا کر چکا ہے۔ازروئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جب زید خود طلاق دینے کا اقرار کررہا ہے تو اگرچہ اسے یہ نہیں معلوم کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں طلاق دیا اور اگرچہ اس نے نشہ کی حالت میں طلاق دیا ہے، بہرحال اس کی بیوی پر تین مغلظہ طلاقیں پڑگئیں اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی، اب بغیر حلالہ کے وہ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

ارشاد باری ہے:

''فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.''(پ ۲،س

بقرہ، آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

تنویر الابصار میں ہے:

"یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو سکران بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا بہ یفتی۔"اہ ملخصا(فوق ردالمحتار ج۴،ص ۴۳۸، ۴۴۶، کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱ر ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

کیا حالت نشہ میں بھی طلاق واقع ہوتی ہے؟

مسئلہ : از شبنم خاتون، پیلی ندی، ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس ،مسئلہ میں کہ میں شبنم خاتون یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر نے شراب کے نشے میں مجھ سے جھگڑا کیا اور مجھ سے کہا، کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں ،تم فلاں کی لڑکی میں فلاں کا لڑکا تم کو طلاق دیا اور پھر کہا کہ میں نے تم کو دو طلاق دے دیا،صبح میرے بچے دے دوگی تو تیسری طلاق بھی دے دوں گا۔ پھر صبح کہہ رہا ہے کہ اس نے مجھے کوئی طلاق نہیں دیا، وہ بہت جھوٹ بھی بولتا ہے اور مجھے مارتا ہے ،اس نے کئی سالوں سے مجھے گھر خرچ بھی نہیں دیا، میں روز مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ بھرتی ہوں ،اس کے باوجود وہ کھانا کھاتا ہے اور پھر شراب پی کر مجھے اور زیادہ پریشان کرتا ہے اور مارتا ہے ،میرا جینا حرام کر دیا ہے ، مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا ہے، کئی کئی رات میں اپنی جھوپڑی میں بلی سے ٹیک لگائے بیٹھ کر گزارتی ہوں ،مفتی صاحب میرے لیے کوئی راستہ بتائیے ، میں اب نہیں رہنا چاہتی ہوں ، میرا بیٹا جو کہ نو سال کا ہے اور سات سال کی لڑکی ہے ان دونوں نے سنا ہے رات میں کوئی نہیں سنا ہے، ایک دو بار اس نے میری رات میں جان بھی لینی چاہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے،تنویر الابصار مع در مختار میں ہے:

"**یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو سکران بنبیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا به یفتی.**"**اه ملخصا(فوق ردالمحتار ج۴،ص ۴۳۸،۴۴۶، کتاب الطلاق)**

مگر جب تک شوہر خود طلاق دینے کا اقرار نہ کرے یا گواہان عادل سے اس کے طلاق دینے کا ثبوت نہ ہو،اس وقت تک محض عورت کے کہنے سے طلاق ثابت نہ ہوگی۔اور صورت مسئولہ میں یہ دونوں امور مذکورہ نہیں ہیں،لہذا شرعا حکم طلاق نہ ہوگا۔البتہ اگر عورت کو علم و یقین ہے کہ اس کے شوہر نے اسے دو طلاقیں مذکورہ طریقے پر دی ہیں تو چوں کہ یہ طلاقیں رجعی ہوں گی اس لیے وہ شوہر سے رجوع کرنے کو کہے،اگر اس نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تو ٹھیک ہے ورنہ تین حیض گزرنے کے بعد اس پر طلاق بائن پڑ جائے گی،لہذا اس تقدیر پر کہ شوہر نے رجعت نہ کی ہو اور عدت کے گزر جانے سے طلاق بائن ہوگئی ہو اور شوہر اس کو چھوڑتا نہ ہو تو اب اگر عورت چاہے تو دوبارہ اس سے نکاح کرے یا مال وغیرہ دے کر یا مہر معاف کر کے جس طرح بھی ممکن ہو اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"**سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بينة فلااثم عليه .**"**اه ملخصا**

اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی نے یہ تحریر فرمایا:

"**ای وحده وينبغی تقييده بما اذا لم تقدر على الافتداء او الهرب.**"**(ج۵،۵۵،۵۶،باب الرجعة من كتاب الطلاق)**

اور اگر شوہر نے عدت کے اندر رجعت کر لیا تھا اور اب پھر وہی سلوک کر رہا ہے جو سوال میں مذکور ہے تو اس کے لیے عورت قاضی شہر سے رابطہ کرے وہ جو بتائے اس پر عمل کرے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس و افتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶/ رجب ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید نے دباؤ میں آکر تین بار طلاق، طلاق، طلاق کہا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از شیخ صابر بن شیخ عبدالصمد گٹی کھدان ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کا ہندہ سے نکاح ہوا، گھریلو معاملات کی وجہ سے ہندہ کے گھر والوں نے ہندہ کو منگنی کے بہانے سے گھر لے گئے، اس کے بعد زید سے مطالبہ کیا گیا کہ ہندہ کے ساتھ رہنا ہو تو ماں باپ کو چھوڑ کر الگ رہو، زید نے اس بات سے انکار کیا، اس کے کچھ دنوں بعد مسئلہ سلجھانے کے لیے زید کو ہندہ کے میکے میں بلایا گیا، جب زید روانہ ہوا، تو زید کو ہندہ کے میکے نہ بلاتے ہوئے، میکے والے گاؤں سے ساٹھ کلومیٹر دور دوسرے گاؤں میں آنے کو کہا گیا، جب زید وہاں پہنچا، تو زید نے کچھ گڑبڑ پائی، دیکھا کہ وہاں بیس لوگ موجود ہیں، ان بیس لوگوں نے زید پر طلاق دینے کے لیے دباؤ ڈالا، اس دباؤ میں آکر زید نے تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہا، یہ نہیں کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں یا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا۔ تو کیا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں۔ برائے مہربانی بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں لکھی گئی باتیں اگر سچ ہیں تو زید کی بیوی ہندہ پر تین طلاق مغلظہ پڑ گئیں، اس لیے کہ طلاق پڑنے کے لیے لفظ میں صراحتاً بیوی کی طرف اضافت ونسبت کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ دلالتاً اضافت کے پائے جانے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ اور صورت مسئولہ میں ظاہر ہے کہ مذکورہ افراد نے زید پر اس کی بیوی ہی کو طلاق دینے کے لیے دباؤ ڈالا تھا، لہذا اس کے بعد زید کا طلاق طلاق طلاق کہنا، یہ اپنی بیوی ہی کو طلاق دینا ہے، اگرچہ اس نے یہ نہ کہا، ہو کہ میں اسے یا تجھے طلاق دیتا ہوں، یا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیا۔ فقہ کا ضابطہ ہے:

"السوال معاد فی الجواب."

جس کا مطلب یہ ہے کہ جواب میں سوال کو لوٹایا جاتا ہے، یعنی سوال کا تعلق جس سے ہوگا، جواب بھی اسی سے متعلق ہوگا۔ اور مسئلہ دائرہ میں جن لوگوں نے دباؤ ڈال کر زید سے جس طلاق کا مطالبہ کیا تھا اس طلاق کا تعلق اس کی بیوی ہی سے ہے، لہذا زید نے مطالبہ کے بعد جواب میں جو طلاق دیا ہے، اس کا

تعلق بھی اس کی بیوی ہی سے ہوگا۔لہذا زید کی بیوی پر تین طلاقیں مغلظہ پڑ گئیں۔اب بغیر حلالہ کے ان دونوں کا ایک ساتھ رہنا حرام و گناہ ہے۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ." (پ ۲، س بقرہ، آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"يقع طلاق كل زوج اذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا او عبدا طائعا او مكرها كذا في الجوهرة النيرة." (ج ۱، ص ۳۵۳، الباب الاول من كتاب الطلاق)

ردالمحتار میں ہے:

"لايلزم كون الاضافة صريحة في كلامه." (ج ۴، ص ۴۵۸، باب الصريح من كتاب الطلاق) و اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس و افتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

حالت حمل میں تین طلاق دیا تو کیا حکم ہے؟ دوبارہ نکاح میں لانے کی کیا صورت ہے؟

مسئلہ : از کلام خان نظام خان سنگھر ش نگر ٹیپو سلطان چوک پیلی ندی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) زید (کلام خان نظام خان) نے اپنی اہلیہ ہندہ (شمع پروین شیخ غلام نبی) کو بحالت حمل طلاق مغلظہ دیا، جس کے دو گواہ بھی ہیں، جن میں ایک سید لیاقت علی اور دوسرے موسی بھائی ہیں، جنہوں نے شمع

پروین سے بیان بھی لیا کہ کلام خان نے اسے طلاق مغلظہ دی۔اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۲) مطلقہ شمع پروین اب چاہتی ہے کہ اس کا سابق شوہر کلام خان پھر اسے اپنی زوجیت میں لے لے، کیا اس کی شرعی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے سابق شوہر کلام خان کے نکاح میں آجائے۔از روئے شرع جوابات مع حوالہ عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا حالت حمل میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔واقعی اگر زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دی، یعنی تینوں طلاق جیسا سوال میں ہے تو ہندہ زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ : "فان طلقھا فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ."

ہندہ چاہتی ہے کہ پھر سے زید کے نکاح میں آجائے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ ہندہ وضع حمل کے بعد کسی دوسرے سنی صحیح العقیدہ مسلمان سے نکاح کرے، پھر وہ شخص اس سے ہم بستر ہو۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :"لا حتی تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتک."

بعدہ وہ شخص چاہے تو طلاق دے یا اس کا انتقال ہوجائے پھر ہندہ اس کی عدت گزارے اس کے بعد ہندہ زید (شوہر اول) سے نکاح کرسکتی ہے۔بغیر اس حکم شرع پر عمل کیے اگر ہندہ اور زید میاں بیوی کی طرح رہنے لگے تو یہ ناجائز وحرام ہوگا اور ان دونوں کا آپس میں ملنا خالص زنا ہوگا۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۲ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ۔۲۶ر دسمبر ۲۰۰۸ء بروز پنجشنبہ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

لاعلمی میں حالت حمل میں طلاق دی تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از شیخ نظام غریب نواز نگر یشودھرا نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا یعنی شیخ نظام کا اپنی بیوی یاسمین اختر سے کسی معاملہ میں جھگڑا ہوا، بات پولس تھانے تک پہنچی، محلّہ کے لوگوں نے ہم دونوں کو سمجھایا، مگر میری بیوی

میرے ساتھ رہنے سے انکار کرتی رہی، اس وقت میری بیوی ایک مہینے سے حاملہ تھی، یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی میری بیوی کے یہ کہنے پر کہ میں تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی مجھے طلاق چاہیے اس بات پر میں نے تمام موجود لوگوں کے سامنے تمہیں طلاق دیتا ہوں تمہیں طلاق دیتا ہوں تمہیں طلاق دیتا ہوں، ایسا کہہ دیا آج میری بیوی چار ماہ کی حاملہ ہو چکی ہے۔

(۱) ایسی صورت حال کے مدنظر کیا طلاق واقع ہو چکی ہے یا نہیں؟

(۲) کیا میں آج اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہوں؟

(۳) اور اگر اسے میں پھر سے اپنانا چاہوں تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : ایک ساتھ تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہو جاتی ہیں؟ اسی پر اجماع صحابہ تابعین وائمہ مسلمین ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

"ذهب جمهور الصحابة والتابعين وائمة المسلمين الى انه يقع ثلث، ومن الادلة في ذلک مافی مصنف ابن ابی شيبة والدارقطنی فی حديث ابن عمر: قلت يارسول الله! ارأيت لو طلقتها ثلثا؟ قال اذا قد عصيت ربک وبانت منک امرأتک." ملخصا (ج۳، ص ۳۳۰، باب طلاق السنة من كتاب الطلاق)

لہذا صورت مسئولہ میں اگر سوال میں مذکورہ باتیں صحیح ہیں تو سائل شیخ نظام کی بیوی یاسمین اختر پر تین طلاقیں مغلظہ پڑ گئیں اور یاسمین اختر اس کے نکاح سے نکل گئی۔ اگر چہ اس نے حمل کی حالت میں طلاق دیا ہو کیوں کہ طلاق پڑنے کے لیے عورت کا بغیر حمل کے ہونا شرط نہیں ہے۔ اور اب شیخ نظام اپنی بیوی سے رجعت نہیں کر سکتا ہے، کیوں کہ رجعت کرنے کا حق طلاق رجعی میں ہوتا ہے، جہاں پر عدت گزرنے سے پہلے عورت نکاح میں ہوتی ہے اور مذکورہ طلاق رجعی نہیں مغلظہ ہے اور طلاق مغلظہ میں عورت فوراً نکاح سے خارج ہو جاتی ہے۔ لہذا اب اس میں رجعت کی کوئی گنجائش نہیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"الرجعة ابقاء النكاح على ماكان مادامت في العدة كذا في التبيين."

اسی میں ہے:

"واذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة او تطلیقتین فله ان یراجعها فی عدتها کذا فی الهدایة ."اھ ملخصا(ج ا ،ص ۴۶۸،الباب السادس فی الرجعة من کتاب الطلاق)

اب اگر سائل اپنی مطلقہ بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے حلالہ ضروری ہے،لہذا اس کی مطلقہ بیوی عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے نکاح صحیح کرے اور پھر وہ شخص اس سے وطی کرنے کے بعد طلاق دے یا مرجائے پھر وہ عدت گزارے اس کے بعد دونوں آپس میں نکاح کرسکتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا اَنْ یَّتَرَاجَعَا."(پ۲،س بقرہ۲،آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔پھر وہ دوسرا اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"ان کان الطلاق ثلثا لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذا فی الهدایة."اھ ملخصا(ج ا ،ص ۴۷۳،فصل فیماتحل به المطلقة من کتاب الطلاق)

صورت مسئولہ میں شیخ نظام کی مطلقہ بیوی چوں کہ حاملہ ہے اس لیے اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے،لہذا ولادت سے پہلے وہ نکاح نہیں کرسکتی۔

ارشاد باری ہے:

"وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ."(پ۲۸،س طلاق ۶۵،آیت ۴)

اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

طلاق دے کر انکار کررہا ہے تو طلاق ثابت ہوگی یانہیں؟

مسئلہ : از رحمت اللہ راشد احمد آبادی تکیہ معصوم شاہ مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین مرتبہ کہا، میں نے تجھے طلاق دیا، میں نے تجھے طلاق دیا، میں نے تجھے طلاق دیا۔ یہ سن کر ہندہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔

اب زید کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دیا۔ ہندہ کہتی ہے کہ زید نے تین مرتبہ یہ الفاظ (میں نے تجھے طلاق دیا، میں نے تجھے طلاق دیا، میں نے تجھے طلاق دیا) کہے ہیں۔

لہذا دریافت طلب ہے کہ اس صورت میں شرع کا کیا حکم ہے؟ طلاق واقع ہوئی ہے یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاقیں دی ہیں، تو اس کی بیوی ہندہ پر طلاق مغلظہ پڑ گئی اور وہ زید پر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے وہ زید کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ارشادی باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ." (پ ۲،س بقرہ، آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

لیکن صورت مسئولہ میں ہندہ زید کے طلاق دینے کا دعوی کررہی ہے اور شوہر انکار کررہا ہے اس لیے محض ہندہ کے اس بیان سے طلاق کا حکم نہ ہوگا، جب تک ہندہ دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادلہ عورتوں کی گواہی سے اس کے طلاق دینے کا ثبوت نہ پیش کرے۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے:

"وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى." پ۳،س بقرہ ۲، آیت ۲۸۲)

اور دو گواہ کرلو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے۔

ہاں اگر ہندہ گواہ نہ پیش کر سکے تو شوہر سے قسم لی جائے، اگر وہ قسم نہ کھائے تو طلاق ثابت مانی جائے گی اور اگر قسم کھالے تو طلاق کا حکم نہ ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے:

"اَلْبَیِّـنَةُ عَـلَـی الْـمُـدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ."(مشکوۃ ص ۳۲۶،باب الاقضیة والشھادات من کتاب الامارۃ والقضاء)

گواہ مدعی پر ہے اور قسم منکر پر۔

لیکن اگر اس نے واقعی طلاق دے دیا ہے، تو قسم کھا لینے سے اس کی مطلقہ بیوی اس کے لیے بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی۔ جھوٹ بولنے کا وبال اس کے سر ہوگا۔ مفتی کا فتوی اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔ لہذا اگر اس نے طلاق دے دیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اقرار کرلے ورنہ وہ اس مطلقہ عورت کو اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے سخت گنہگار، مستحق عذاب نار و قہر قہار ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے:

"الکذب فجور والفجور یھدی الی النار."(مشکوۃ ص ۴۱۲، باب حفظ اللسان من کتاب الآداب)

مگر ہندہ کو اگر یہ یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ زید نے اس کو طلاق مغلظہ دے دی ہے تو وہ اپنے آپ کو مطلقہ سمجھے اور جس طرح بھی ممکن ہو روپیہ دے کر یا مہر معاف کر کے اس سے علانیہ طلاق لے کر چھٹکارا حاصل کرلے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو وہ معذور ہے، مگر پھر بھی ہر وقت اس سے رہائی حاصل کرنے کی فکر میں رہے اور پوری کوشش اس کی کرے کہ وہ کبھی اس سے صحبت نہ کرنے پائے اور اگر وہ جبراً اس سے صحبت کرے تو کبھی بھی اپنی خواہش کے ساتھ میاں بیوی جیسا تعلق قائم نہ کرے، ورنہ وہ بھی گنہگار ہوگی۔ ہندہ اگر ان باتوں پر عمل کرے گی تو وہ معذور ہے، اس سے مواخذہ نہیں اور شوہر بہر حال گنہگار ہے مستحق عذاب نار ہے۔

ارشاد باری ہے:

"لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا لَھَا مَاکَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَااکْتَسَبَتْ."(پ۳،س بقرہ۲، آیت۲۸۶)

اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برائی کمائی۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر علی منعه من نفسها ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینة فالاثم علیه." اھ ملخصا (فوق ردالمحتار ج۵، ص ۵۵،۵۶، باب الرجعة من کتاب الطلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

غصے میں تین طلاق دیا تو؟

مسئلہ : از رومانہ ناہید سواگت نگر پٹیل صاحب کا باڑا آننت نگر ناگ پور

آپ سے گزارش ہے کہ محمد سلیم بن شیخ خیراتی نے غصے میں آکر رومانہ ناہید بنت محمد چراغ علی خان کو لوگوں کی موجودگی میں طلاق دیا۔ طلاق کے الفاظ اس طرح ہیں" آج میں اپنے نکاح سے باہر کرتا ہوں، طلاق طلاق طلاق" تحریر فرمائیں کہ قرآن وحدیث کے مطابق طلاق ہوگی یا نہیں؟

نوٹ : بعد میں انہوں نے یہ بھی کہا آپ لوگ جو بیٹھے ہو آپ لوگ میرے گواہ رہنا اور پھر تین بار طلاق طلاق طلاق کہا۔ اگر کوئی وقت آیا تو آپ لوگ گواہی دینا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذکورہ صورت میں ذکر کی گئی باتیں اگر سچ ہیں تو محمد سلیم کی بیوی رومانہ ناہید پر تین مغلظہ طلاقیں پڑ گئیں اور اب رومانہ بغیر حلالہ کے سلیم کے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی۔ کیوں کہ سلیم نے جس حالت غضب وغصہ میں طلاق دی ہے، اس حالت میں بھی طلاق پڑ جاتی ہے۔ لہٰذا اب سلیم اگر اس سے انکار کرتا ہے تو اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تنویر الابصار میں ہے:

"یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو هازلا."اه ملخصا(ج ۴،ص ۴۳۸، ۴۳۹، کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۳/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

شوہر نے غصے میں بیوی سے کہا کہ آج سے میری خدمت تجھ پر حرام ہے،حرام ہے،حرام ہے،تو کیا بیوی پر طلاق پڑ گئی؟اوراب اسے شوہر کی خدمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مسئلہ : از حاجی محمد اسلام الدین ماجری کالر ضلع چندر پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

میاں اور بیوی میں کسی بات کو لے کر جھگڑا ہوا، بیوی نے غصہ میں آ کر شوہر کو مارنے کے لیے چپل اٹھایا اور شوہر نے بھی غصہ میں آ کر بیوی کو یہ کہا کہ آج سے میری خدمت تجھ پر حرام ہے،حرام ہے،حرام ہے۔اس دن سے میاں اور بیوی دونوں نے ایک دوسرے سے بات چیت کرنا بند کر دیا ہے،حق زوجیت سے بھی دور ہیں۔

جواب طلب یہ ہے کہ یہ جملہ شوہر کے ادا کرنے سے کیا بیوی نکاح سے نکل جائے گی؟ کیا شوہر کی خدمت یا حق زوجیت ادا کرنا بیوی کے لیے حرام ہوگا؟ یا پہلے کی طرح میاں بیوی دونوں زندگی گزاریں کیا حکم ہے شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مذکورہ طلاق نہیں،لہٰذا عورت پر کوئی طلاق نہ پڑی اور شوہر کے مذکورہ جملوں میں خدمت کے حرام ہونے کی نسبت بیوی کی طرف کی گئی ہے،خود شوہر نے اپنی طرف نہیں کی ہے، لہٰذا یہ تحلیف یعنی قسم کھلانے کی صورت ہے۔حلف یعنی قسم کھانا نہیں۔اور یہاں اس صورت حال مذکور میں شوہر کے قسم دلانے سے قسم ہوئی نہیں،لہٰذا عورت کے لیے اپنے شوہر کی خدمت کرنا حرام نہ ہوگا۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”رجل قال لاخر واللہ لتفعلن کذا و کذا ولم ینو استحلاف المخاطب ولا مباشرۃ الیمین علی نفسہ فلا شئ علی واحد منہما اذا لم یفعل المخاطب ذالک.“(ج۲،ص۶۰،الباب الثانی من کتاب الایمان)

شوہر کے مارنے کے لیے عورت کا چپل اٹھانا بہت بڑی بدتمیزی، بدخلقی اور گناہ کا کام ہے، عورت اپنی اس حرکت بے برکت سے توبہ کرے، شوہر سے معافی مانگے اور شوہر کو بھی چاہیے کہ خوش دلی سے اسے معاف کر دے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے، حدیث پاک میں ہے کہ اگر سر سے قدم تک شوہر کے پورے جسم میں زخم ہو جس سے پیپ اور کچ لہو بہتا ہو پھر عورت اسے چاٹے تو حق شوہر ادا نہ کیا۔(کنز العمال ج۸،ص۲۵۱،باب فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث ۴۰۹۱، بحوالہ امجد الاحادیث ج۲،ص۶۶۴) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۱/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

زید نے بیوی سے ناراض ہو کر تین طلاق دے دیا تو کیا حکم ہے؟ جہیز، مہر، عدت کا خرچ اور سکنی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسئلہ: ازمحمد ارشاد ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید کا نکاح ہندہ کے ہمراہ ایک سال پہلے ہوا، لیکن دونوں میں آئے دن تکرار ہوتی رہتی تھی، ہندہ اپنے میکہ جا کر بیٹھ گئی، زید نے ہر چند کوشش کیا لانے کے لیے، لیکن ہندہ آنے کو تیار نہیں اس لیے زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے ناراض ہو کر کہا کہ میں تجھے طلاق

دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ طلاق کس قسم کی واقع ہوگی؟ اگر طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہے، تو زید پر جہیز، مہر اور عدت کا خرچ، سکنی دینا واجب ہوگا؟ اور اگر زید دوبارہ ہندہ کو رکھنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی، برائے کرم از روئے شرع جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ امید قوی ہے کہ جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مذکورہ مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ پر تینوں مغلظہ طلاقیں پڑ گئیں اور وہ زید کے لیے حرام ہوگئی۔ اب اگر زید ہندہ کو رکھنا چاہتا ہے تو حلالہ کرنا ضروری ہوگا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ." (پ ۲، س بقرہ، آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"لا يحل للرجل ان يتزوج حرة طلقها ثلاثا قبل اصابة الزوج الثانی." (ج ۱، ص ۲۸۲، الباب الثالث فی بیان المحرمات من کتاب النکاح)

عدت کا خرچ اور سکنی زید پر لازم ہے، مگر ہندہ نفقہ یعنی خرچ اس وقت پائے گی، جب کہ وہ زید کے گھر واپس آکر عدت گزارے، بلا وجہ شرعی اگر وہ زید کے مکان پر نہیں آئے گی، تو وہ نفقہ نہیں پائے گی۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

" المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنی كان الطلاق رجعيا او بائنا او ثلثا."

(ج ۱، ص ۵۵۷، الفصل الثالث من باب النفقات من کتاب الطلاق)

اسی میں ہے:

"وان نشزت فلا نفقة لها حتی تعود الی منزله والناشزة هی الخارجة عن منزل زوجها." (ج ۱، ص ۵۴۵، الباب السابع عشر فی النفقات من کتاب الطلاق)

سوال سے یہی ظاہر ہے کہ وطی اور خلوت ہوچکی ہے لہذا اب بعد طلاق مہر معین موکد اور لازم ہو گیا، اس لیے زید پر اس مہر کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ اور جہیز کا جو سامان میکے والے اپنی لڑکی کو دیتے ہیں وہ بہر حال لڑکی ہی کا ہوتا ہے، لہذا وہ ہندہ ہی کی ملکیت ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"والمهر يتاكد باحد معان ثلثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين." (ج ۱، ص ۳۰۳، الباب السابع فی المهر من كتاب النكاح)

ردالمحتار میں ہے:

"الجهاز للمرأة اذا طلقها تاخذه كله." (ج ۴، ص ۳۱۱، باب المهر من كتاب النكاح) والله تعالیٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۴ / جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

الجواب صحيح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ثبوت طلاق کے لیے شوہر کا اقرار یا شہادت شرعی لازم ہے۔

مسئلہ : از ذاکر علی شنکر نگر بھگوڈھانا بیتول

زید کی بیوی ہندہ ان کے درمیان جھگڑا ہوا، پھر ہندہ تقریباً ایک ہفتہ بعد اپنے بھائی کے ساتھ میکے چلی گئی، ابھی وہیں پر ہے۔ ہندہ اور ہندہ کی چار بچیاں جو کہ بالغہ ہیں (اور یہ زید ہی کی اولا دیں ہیں اور زید ہی کے پاس ہیں) ان میں سے ایک کی عمر تقریباً ۲۰ / سال دوسری ۱۸ / سال تیسری ۱۷ / سال اور چوتھی ۱۵ / سال کی ہے۔ یہ سب کہتی ہیں کہ زید نے تین طلاق دے دیا، جب کہ زید حلفیہ انکار کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کیا ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ پھر اگر ہندہ زید کے ساتھ رہنا چاہے تو کیا کرے۔ قرآن، حدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : ثبوت طلاق کے لیے شوہر کا اقرار طلاق یا شہادت شرعی لازم ہے۔ اور مذکورہ

صورت میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں، لہذا زید کی بیوی ہندہ پر طلاق کا حکم نہ ہوگا اور ہندہ زید کی منکوحہ ہی قرار دی جائے گی، کیوں کہ نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

"بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ." (البقرہ ۲/ ۲۳۹)

لہذا جب تک شوہر کی جانب سے بذریعہ طلاق اس گرہ کے کھولنے کا ثبوت شرعی نہ ہو اس وقت تک نکاح کا حکم ثابت رہے گا۔

ہاں اگر زید واقعی طلاق دے چکا ہے اور جھوٹی قسم کھا کر طلاق نہ دینے کا حلفیہ بیان دیتا ہے تو یہ جھوٹا بیان زید کی بیوی پر طلاق پڑنے سے نہیں روک سکتا اور مفتی کا فتوی بھی اسے کچھ فائدہ نہ دے گا، بلکہ اس کا وبال اسی کے سر ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے:

"الكذب فجور والفجور يهدى الى النار." (مشكوة ص ۴۱۲، باب حفظ اللسان من كتاب الآداب)

جھوٹ بولنا گناہ ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

طلاق واقع نہ ہونے کا حکم ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے ہے، لیکن اگر زید کی بیوی کو یقین ہے کہ اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیا ہے اور وہ طلاقیں تین تھیں تو اگر شوہر یعنی زید طلاق کا اقرار کرلے تو بعد حلالہ ہندہ دوبارہ زید کے عقد میں رہ سکتی ہے۔ اور اگر وہ اقرار نہ کرے تو جس طرح بھی ممکن ہو ہندہ زید سے چھٹکارا حاصل کرے۔

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

"سمعت من زوجها انه طلقها ولاتقدر على منعه من نفسها ترفع الامر للقاضى فان حلف ولا بينة فلاثم عليه." اه ملخصا

اس کے تحت شامی میں ہے:

"اى وحده وينبغى تقييده بما اذا لم تقدر على الافتداء او الهرب." (ج۵، ص ۵۵، ۵۶، باب الرجعة من كتاب الطلاق) والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۰؍شوال ۱۴۳۳ھ

طلاق کا مالک شوہر ہوتا ہے

مسئلہ : از افتخار احمد صدیقی، پلاٹ نمبر ۱۱۵، جے ہند نگر، مانکاپور، ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ اگر ایک مسلمان لڑکی (عورت) جو کہ شرعی طور پر اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور کچھ آپسی من مٹاؤ وگھریلو جھگڑے کی بنیاد پر معاملہ کورٹ میں داخل ہے۔کھاؤٹی (نان ونفقہ اخراجات) کا اور خلع کا بار بار مطالبہ کرتی ہے لیکن لڑکا (شوہر) نہیں چاہتا اس پر بیوی نے فیملی کورٹ میں شوہر کے خلاف طلاق کا کیس دائر کیا ہے۔ایسی حالت میں کورٹ کے کیس کے ذریعہ جج صاحب نے طلاق کا فیصلہ سنایا تو کیا شرعی طور پر (مسلم لا) کے تحت طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔عین کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : طلاق کا مالک شوہر ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ."

یعنی نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے۔

لہذا جب تک شوہر طلاق نہ دے گا اس کی بیوی پر طلاق نہیں پڑے گی۔جج کے ذریعہ طلاق کا حکم کیا جانا ہرگز درست نہیں۔یوں ہی ان کا یہ فیصلہ شرعاً قابل عمل نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۵ر شوال ۱۴۳۴ھ

تجدید ایمان ونکاح کے بعد زید کتنی طلاق کا مالک رہے گا؟

مسئلہ : از مولانا احمد رضا تاج آباد شریف ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے اپنی بیوی کو طلاق

دی (ایک یادو) اوراس کے بعد دونوں میں سے کوئی ایک کلمہ کفر بکنے کی وجہ سے خارج اسلام ہوا پھر بعد میں توبہ کرکے داخل اسلام ہوگیا، تواب مذکورہ بالاصورت میں زید کو بقیہ طلاقوں کا حق ہے یا از سرنو تینوں طلاقوں کا اختیار رہے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : تجدید ایمان ونکاح کے بعدزید بقیہ طلاق کا مالک ہوگا کیوں کہ جوملکیت بوجہ ارتداد ختم ہوگئی تھی، وہ بعدتجدید ایمان لوٹ آئی۔ اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیا، پھر مرتد ہوگیا، اب اگر وہ بعدتجدید ایمان اپنی اسی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا چاہےتو بغیر حلالہ کے وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ کیوں کہ قبل ارتداد جوحرمت ثابت ہوچکی تھی، وہ حرمت ثابتہ بعدتجدید ایمان بھی باقی رہی۔ یوں ہی مسئلہ مستفسرہ میں بھی ہے کہ جوملکیت قبل ارتداد ثابت تھی وہ بعدتجدید ایمان عودکرآئی بلکہ تنویرالابصار مع درمختار، مجمع الانہر، بحرالرائق میں یہ صراحت فرمائی کہ زوجین میں سے کوئی ایک بھی مرتد ہوجائے تو نکاح فوراً فسخ ہوجاتا ہے مگر عدد طلاق میں کمی نہیں ہوگی یعنی قبل ارتداد وہ جتنی طلاق کا مالک تھا بعدتجدید ایمان بھی وہ اتنی طلاق کا مالک رہے گا حتی کہ اگر قبل ارتداد طلاق مغلظہ نہیں دی تھی تو بعدتجدید ایمان بغیر حلالہ کے وہ اپنی سابقہ بیوی سے نکاح کرسکتا ہے اگرچہ یہ ارتداد وتجدید متعدد بار ہوں۔

تنویرالابصار ودرمختار میں ہے:

”وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ فلا ینقص عددا.“

اس کے تحت شامی میں ہے:

”فلو ارتد مرارا وجدد الاسلام فی کل مرة وجددالنکاح علی قول ابی حنیفة تحل امرأته من غیر اصابة زوج ثان.“بحرعن الخانیة(ردالمحتار ج۴،ص ۳۶۶،باب نکاح الکافر من کتاب النکاح)

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”لوارتدت المطلقة ثلثا لا یحل له الوطی الا بعد زوج آخر کذا فی النهر الفائق.“اه ملخصا(ج ۱،ص ۴۷۳،فصل فیما تحل به المطلقة من الباب السادس من

کتاب النکاح)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴؍رجب ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

شوہر ثانی وطی سے انکار کرے تو اس کا قول معتبر نہیں

مسئلہ : ازمولانا محمد شکیل خان قادری ازہری مقام جعفر پور وہ بتھنی وارڈ نمبر ۲ ضلع بانکے نیپال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاق دی پھر عدت سے کچھ زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بکر کے ساتھ ہندہ کا عقد التحلیل ہوا پھر بکر نے ہندہ کو طلاق دیا بعدہ عدت پوری ہونے کے بعد ہندہ کا نکاح شوہر اول زید سے ہوا۔

پھر چار سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اب بکر کہتا ہے کہ میں نے ہندہ سے وطی نہیں کیا تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر نے چار سال بعد وطی سے انکار کیا تو کیا اس انکار سے نکاح فاسد ہوگا یا نہیں؟ اور بیان میں ہندہ کے قول کا اعتبار کیا جائے یا بکر کے قول کا؟ اور نکاح خواں پر کوئی شرعا مواخذہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید کی بیوی ہندہ نے زید کی طلاق کی عدت گزارنے کے بعد بکر سے نکاح کیا اور شوہر ثانی نے اس سے وطی کیا اور ہندہ اس وطی کا اقرار بھی کرتی ہے پھر اس کے بعد بکر نے ہندہ کو طلاق دیا اور ہندہ نے اس کی بھی عدت گزار لی اس کے بعد اس نے شوہر اول زید سے نکاح کیا تو زید سے ہندہ کا نکاح صحیح ہوگیا۔ کیوں کہ طلاق مغلظہ میں بیوی کا شوہر اول سے نکاح کے صحیح ہونے کے لیے جو شرط ہے وہ شرط پائی گئی لہذا نکاح صحیح ہوگیا اور اب بکر کا وطی سے انکار کرنا بے فائدہ ہے کہ اس کی بات اس صورت میں معتبر نہیں نکاح خواں سے کوئی مواخذہ نہیں۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

"لو اخبرت المرأة ان زوجها الثانی جامعها وانکر الزوج الجماع حلت للاول."
(ج ۱، ص ۴۷۴، الباب السادس فی الرجعة من کتاب الطلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۵؍شوال ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

شوہر نے تین چار بار طلاق کہا تو کتنی طلاق ہوئی؟

مسئلہ : ازنورالنساء شبانہ انجم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں میں نورالنساء شبانہ انجم مجھے میرے شوہر نے بہت مارا اور گھر سے نکال دیا، اس کے قبل بھی جھگڑے کر کے مارتا رہا۔ دو تین ماہ کی بات ہے میرے شوہر نے مجھے بہت مارا اور گھر سے نکال دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے اس سے پہلے طلاق کہا تھا، اس بار بھی میرے شوہر نے کہا اور مجھے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا اور تین چار بار طلاق کہا جا میں نے تجھے طلاق دیا کیا طلاق ہوئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : واقعی اگر نورالنساء کے شوہر نے نورالنساء کو ان الفاظ کے ساتھ طلاق دیا جیسا کہ سوال میں ہے کہ جا میں نے تجھے طلاق دیا اس طرح کا جملہ تین بار سے چار بار کہا تو یقیناً نورالنساء پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور نورالنساء اپنے شوہر کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالی: "فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ." واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
رضادارالیتامی ٹیکہ ناگ پور
۳؍مئی ۲۰۰۷ء

تین طلاق تین ہی ہوگی حلالہ سے بچنے کے لیے اہل حدیث بننے کا حکم

مسئلہ : از رحمت اللہ راشد احمد آبادی تکیہ معصوم شاہ مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک نشست میں پے در پے تین طلاق دے دیا۔اس کے فوراً بعد ہندہ کے گھر والوں اور ہندہ نے خود پولس تھانے میں اپنے طلاق ملنے کی رپورٹ درج کرادی اور ساتھ ہی فیملی کورٹ میں بھی طلاق کا مقدمہ دائر کروادیا۔اسی طرح زید نے کئی مقامات پر اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دینے والے الفاظ دہرائے حتی کہ اپنے دوستوں میں بھی وہی الفاظ طلاق دے دیا۔یہ الفاظ نہ جانے کتنی نشستوں میں کہہ ڈالا اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ جب میں نے اسے طلاق دے دیا،وہ بھی تین مرتبہ طلاق بول دیا،تو اب اسے رکھنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہا۔پھر کہنے لگا کہ میں نے طلاق دے دیا،میں نے طلاق دے دیا،میں نے طلاق دے دیا،اب قصہ ہی ختم ہوگیا۔لوگوں کا نظریہ ہے کہ کام کسی صورت بن جائے اور کہتے ہیں کہ تو اہل حدیث بن جا تجھے نہ تو نکاح کرنا پڑے گا اور نہ ہی حلالہ۔اس طلاق کو تقریبا پانچ یا چھ ماہ بھی گزر چکے ہیں۔وہ ہر مرتبہ یہی کہتا ہے کہ میں نے اسے (ہندہ کو) طلاق دے دیا،میں اسے رکھنا نہیں چاہتا۔بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ زید والے اور ہندہ دونوں فریق حنفی مسلک کے ماننے والے ہیں پھر بھی کہتے ہیں کہ تو اگر اہل حدیث بن جاتا تو سب ٹھیک ہوجاتا۔

لہذا آپ سے التماس ہے کہ اس پیچیدہ سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : واقعی اگر زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاق دے دیا،جس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے طلاق دے دیا،میں نے طلاق دے دیا،میں نے طلاق دے دیا،تو یقیناً ہمارے ائمہ اربعہ کے نزدیک ہندہ پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور ہندہ زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالی:"فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره."

بحکم فقہا غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں وہ اپنے کفریات کی بنا پر خارج اسلام ومرتد ہیں، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تو اہل حدیث بن جا ان پر توبہ تجدید ایمان اور بیوی والے ہوں تو تجدید نکاح لازم ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ: ''کافر بنانے میں کوشش بلاشبہ بحکم فقہا کفر ہے۔'' **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور
۱۷/ اپریل ۲۰۰۷ء بروز سہ شنبہ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم
ابو القیس مصباحی قادری غفرلہ

تین بار کہا کہ ''میں نے شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل کو طلاق دیا'' تو کون سی طلاق پڑی؟

مسئلہ : از شیخ علیم بن شیخ کلیم لاء کالج صوبیدار ہال کے پاس روی نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

شیخ علیم بن شیخ کلیم میں نے شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل صاحب ان کا رہنا ایم ایل اے کینٹین مومن پورہ ناگ پور بروز جمعہ بتاریخ ۱۶/ اکتوبر ۲۰۱۵ء بوقت ۲:۳۸ بجے میں نے پورے ہوش وحواس میں پورے رشتہ دار اور دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل کو تین بار طلاق دیا میں نے شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل کو طلاق دیا، میں نے شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل کو طلاق دیا، میں نے شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل کو طلاق دیا۔ جب میں نے بولا تو ان کے گھر کے لوگ اور ہمارے گھر کے لوگ موجود تھے۔ لہذا مفتی صاحب قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ وضاحت فرمائیں کہ کیا میری بیوی میرے نکاح میں ہے یا نہیں؟

گواہ (۱) شیخ نعمان بن شیخ عرفان کاورا پیٹھ ناگ پور
گواہ (۲) شیخ شاہ رخ شیخ رفیق حسن باغ ناگ پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : بحسب استفتا اگر واقعی شیخ علیم نے اپنی بیوی شگفتہ انجم کو اس طرح طلاق دیا کہ

میں نے شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل کو تین بار طلاق دیا میں نے شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل کو طلاق دیا، میں نے شگفتہ انجم بنت محمد اسمعیل کو طلاق دیا، تو یقیناً شیخ علیم کی بیوی شگفتہ انجم پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور شگفتہ انجم شیخ علیم کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:"فان طلقها فلاتحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره."واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

۲؍صفر المظفر ۱۴۳۸ھ ۳؍نومبر ۲۰۱۶ء بروز پنجشنبہ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد کہف الوری المصباحی

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ اسی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں

مسئله : ازمحمد جاوید رضا مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید سنی صحیح العقیدہ مسلمان ہے، زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ قریب ۴؍سال قبل ہوا، انہیں ایک بیٹی ہوئی، آج سے پانچ مہینہ قبل ہندہ اپنی سسرال سے اچانک غائب ہوگئی پولس رپورٹ وغیرہ کی گئی، انکوائری کرنے پر پتہ چلا، کہ ہندہ بکر کے ساتھ بھاگی ہوئی ہے۔۲۲؍دن بعد ہندہ اور بکر پولس اسٹیشن میں جا کر پولس سے ملے، ہندہ کہتی ہے کہ میں زید کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہوں، میں زید سے خلع چاہتی ہوں۔ پولس نے زید کے گھر والوں کو اطلاع دے کر تھانہ بلوایا۔ زید اور اس کے گھر والوں نے بھی ہندہ کی بات قبول کرلی اور ہندہ کو زید نے خلع نامہ اور طلاق نامہ لکھ کر دے دیا۔ قریب پانچ مہینہ بعد زید اپنے گھر سے اچانک غائب ہوگیا اور چار پانچ گھنٹہ بعد فون کرکے اپنے والد کو خبر دیتا ہے کہ میں نے ہندہ سے نکاح کرلیا ہے۔ زید کے والد یہ سن کر پریشان ہوجاتے ہیں۔ اب یہ سوال ہے کہ

(۱) کیا زید اور ہندہ کا نکاح از روئے شرع جائز ہے اور ان پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) جس امام یا قاضی نے یہ نکاح پڑھوایا اس پر کیا حکم ہے؟

(۳) ہندہ کے گھر والوں پر کیا حکم ہے جنہوں نے زید کو اپنے گھر بلوا کر نکاح کروایا؟

(۴) اس کے ساتھ طلاق نامہ کا پیپر اور خلع نامہ کا پیپر لگا دیا گیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ پر تین مغلظہ طلاقیں پڑ گئیں کہ خلع خود طلاق ہے اور طلاق نامہ میں بھی تین طلاقین دینے کا ذکر ہے۔ اور یہ طلاق خلع کے بعد عدت کے اندر ہی دی گئی ہے جیسا کہ طلاق نامہ، خلع نامہ کی تاریخ اور زبانی بیان سے ظاہر ہے، لہذا اب ہندہ بغیر حلالہ کے زید کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ." (البقرہ ۲/ ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لایحل للرجل ان یتزوج حرۃ طلقھا ثلثا قبل اصابۃ الزوج الثانی." (ج۲، ص۲۸۲ .الباب الثالث فی بیان المحرمات من کتاب النکاح)

اسی میں ہے:

"ان کان الطلاق ثلثا لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا کذافی الھدایۃ." اھ ملخصا (ج ۱، ص ۴۷۳، الباب السادس فی الرجعۃ من کتاب الطلاق)

زید اور ہندہ کے اس غیر شرعی نکاح میں دیدہ ودانستہ شریک ہونے والے اور ہندہ کے گھر والے سب سخت گنہگار مستحق قہر قہار وغضب جبار ہیں۔ ان پر فرض ہے کہ وہ فوراً زید و ہندہ کو ایک دوسرے سے علاحدہ کریں۔ زید اور ہندہ پر بھی فرض ہے کہ وہ دونوں فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور سب کے سب خدا کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں۔ نکاح پڑھانے والے امام یا قاضی کو زید و ہندہ کے حالات

مذکورہ معلوم تھے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے، جو مذکور ہوا، مزید یہ کہ وہ لوگوں کے درمیان اس نکاح کے نہ ہونے کا اعلان بھی کرے۔ اور اگر اسے زید و ہندہ کے حالات کے بارے میں کچھ علم نہ تھا، تو اس پر کوئی الزام نہیں، البتہ اب معلوم ہونے پر اس نکاح کے نہ ہونے کا اعلان ضرور کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶ / ربیع الآ کر ۱۴۳۸ھ۔ ۱۵/۱/۲۰۱۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

''میں طلاق دیتا ہوں'' تین بار کہا تو کون سی طلاق پڑی؟

مسئلہ : از فیروز سوا گت نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

میں مسمیٰ فیروز ولد عبد السلام قریشی نے اپنی اہلیہ شاہین پروین قریشی بنت عبد الجبار شیخ کو آج بتاریخ ۱۱/اپریل ۲۰۱۵ء کو حاجی عنایت اللہ صاحب اور یوسف اصغر علی خان صاحب ان دو گواہوں کے سامنے طلاق دیا۔

میں طلاق دیتا ہوں۔ میں طلاق دیتا ہوں۔ میں طلاق دیتا ہوں۔ میں نے اپنی بیوی کو اپنے نکاح سے خارج کیا۔ میں نے تین طلاق بغیر کسی دباؤ کے پورے ہوش وحواس میں دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میرے اس کہنے سے میری بیوی میرے نکاح سے خارج ہوگئی۔ جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : طلاق دیتا ہوں کہنے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، بحسب سوال واقعی اگر فیروز نے اپنی بیوی شاہین کو ان الفاظ مذکورہ کے ساتھ طلاق دیا کہ میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہو، میں نے اپنی بیوی کو اپنے نکاح سے خارج کیا، میں نے تین طلاق بغیر کسی دباؤ کے پورے ہوش وحواس میں دیا۔ تو فیروز کی بیوی شاہین پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور شاہین فیروز کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تعالیٰ : "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره." واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور
۲۶؍جمادی الاخری ۱۴۳۶ھ۔۱۶؍اپریل ۲۰۱۵ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم
محمد کہف الوری المصباحی

ایک ساتھ تین طلاق دینا طلاق ہے اور یہ اگرچہ طلاق بدعی ہے مگر اس طلاق کے واقع ہو جانے پر جمہور صحابہ وتابعین وغیرہم کا اجماع ہے۔

مسئلہ : از ارشاد خان آئی، بی، ایم، روڈ نزد بڑی مسجد گٹی کھدان ناگ پور

میرا نکاح ۲۰؍مئی ۲۰۱۲ء بروز اتوار کو ہوا تھا۔ اب میں نے ۱۲؍جون ۲۰۱۴ء کو طلاق دیا۔ اس میں میری اہلیہ اور اس کے ماں باپ اور اس کے رشتہ دار ۲۵؍لوگوں کی گواہی میں میں نے سب کے روبرو طلاق دیا۔ طلاق، طلاق، طلاق۔ اب طلاق دینے کے بابت پوچھنا یہ ہے کہ حکم شریعت کے مطابق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : حکم شرع ہر شخص کے لیے عام ہے، خواہ وہ ارشاد بن الطاف خاں اور عرشیہ امرین بنت ارشاد خان کا معاملہ ہو یا اور کسی کا بہر حال سوال نامہ میں لکھی گئی باتیں اگر سچ ہیں، تو ارشاد بن الطاف خان کی بیوی عرشیہ امرین بنت ارشاد خان پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئی۔ اب بغیر حلالہ کے وہ دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ." (البقرہ ۲؍۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

ہدایہ میں ہے:

"طلاق البدعة ان یطلقها ثلثا بکلمة واحدة او ثلثا فی طهر واحد فاذا فعل ذالک وقع الطلاق وکان عاصیا."

اس کے تحت فتح القدیر میں ہے:

"ذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث."

(فتح القدیر ج۳، ص ۳۲۹، ۳۳۰، باب طلاق السنة من کتاب الطلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴؍ صفر ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

چند لوگوں اور گواہوں کے سامنے تین طلاق دیا تو؟ تین طلاق کے بعد دوبارہ اسی سے نکاح کر لیا تو بعد تفریق عدت کا شمار کس طرح ہوگا؟

مسئلہ : از محمد عبد اللہ رضوی وانجرا، ناگ پور، مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے چند لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق، طلاق، طلاق کہا۔ پھر اس کے بعد دو تین قدم چل کر کہا میں نے اسے چھوڑ دیا۔

(۱) تو کیا تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۲) غلطی سے کسی مفتی نے فتوی دیا کہ طلاق بائن واقع ہوئی شوہر اول سے عدت کے اندر نکاح ہوسکتا ہے، پھر نکاح ہونے کے بعد دوسرا فتوی دیا کہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں تو اس صورت مین عدت کب سے شمار ہوگی۔

(۳) زید نے اپنی بیوی کو گواہوں کے سامنے کہا میں اسے تین طلاق دیتا ہوں، تو کیا تین طلاقیں واقع ہوئیں یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱،۲) سوال نامہ میں صاف صاف لکھا ہے کہ ''زید نے چند لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق ، طلاق ، طلاق کہا۔ پھر دو تین قدم چل کر کہا ''میں نے اسے چھوڑ دیا'' اس سے بالکل ظاہر ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینے ہی کے لیے کہا تھا، لہذا زید کی بیوی پر تین مغلظہ طلاقیں پڑ گئیں اور وہ زید پر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے وہ زید کے لیے حلال نہ ہوگی۔ ارشاد باری ہے:

''فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.'' (البقرہ ۲/ ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

عدت کا شمار طلاق کے وقت سے ہی ہوگا، البتہ صورت مذکورہ میں نکاح کے بعد اگر زید اور اس کی بیوی کے مابین خلوت صحیحہ یا وطی ہوگئی تھی اور یہ نکاح عدت کے اندر ہی ہوا تھا، تو چوں کہ یہ وطی بالشبہ ہے، لہذا زید کی مطلقہ عورت پر دو عدتیں لازم ہوں گی اور بعد تفریق دوسری عدت پہلی عدت میں داخل ہوگی یعنی اب جو حیض آئے گا، وہ دونوں عدتوں میں شمار کیا جائے گا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

''واذا وطئت المعتدة بشبهة ولو من المطلق وجبت عدة اخرى لتجدد السبب وتداخلتا والمرئى من الحيض منها.''

یہیں پر شامی میں ہے:

''وذلک کالموطوء ة للزوج فی العدة بعد الثلث بنکاح.'' (ج۵، ص ۲۰۰، ۲۰۱، باب العدة من کتاب الطلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

تنویر الابصار میں ہے:

''والبدعی ثلث متفرقة.''

اس کے تحت شامی میں ہے:

''وکذا بکلمة واحدة بالاولی.'' (ج۴، ص ۴۳۴، کتاب الطلاق)

فتح القدیر میں ہے:

''ذهب جمهور الصحابة والتابعين وائمة المسلمين الى انه يقع

ثلث.''(ج۳،ص ۳۳۰،باب طلاق السنة من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۸؍شوال ۱۴۳۵ھ

کئی بار کہا''میری طرف سے طلاق ہے اور چھوڑ چھٹی ہے''تو کون سی طلاق پڑی؟

مسئلہ : ازمحمداحفاظ رضوی متعلم دارالعلوم حضور مفتی اعظم ہند،سنگھرش نگر،پیلی ندی ناگ پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زیداور ہندہ کے درمیان کبھی بھی چھوٹی بات پر جھگڑا ہوتا تو زید ہمیشہ ہندہ کو کہتا تھا''تجھ کوطلاق دینا ہے''یا کہتا تھا''تیری چھوڑ چھٹی کرنا ہے''کسی وجہ سے جب زیداور ہندہ کے درمیان بات بڑھی تو زید نے ہندہ سے کہا کہ تواپنے بھائی کوفون کر کے بلا۔جب ہندہ کا بھائی وہاں پہنچا تو وہاں پر جو بھی بات ہوئی تو ہندہ کے بھائی نے زید سے کہا یا زید سے پوچھا تو زید نے کہا میری طرف سے طلاق ہے اور چھوڑ چھٹی دے چکا۔پھراس کے بعد پانچ مہینے سے فون پر بات چلی آرہی ہے تو زید نے ہمیشہ ہندہ کے بھائی کو یہی کہا کہ میری طرف سے طلاق ہے اور کبھی کہتا کہ میری طرف سے طلاق سمجھواور چھوڑ چھٹی سمجھو۔یہ بات فون پر ہمیشہ ہندہ کا بھائی جب بھی زید کوفون لگا کر بولا کہ لے جاؤ تو زید نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ میری طرف سے چھوڑ چھٹی اور طلاق۔ ہمیشہ جب بھی فون پر بات ہوتی رہی تو ہندہ کے بھائی نے زید سے کہا کہ تو طلاق دے تا کہ ہم اپنی بہن کا نکاح دوسری جگہ کریں،تو اس نے کہا میری طرف سے طلاق ہے چھوڑ چھٹی ہے آپ دوسری جگہ نکاح کراسکتے ہیں۔زید نے کہا میرے ماں باپ نے شادی کرائے تھے تو جب تک مجھے نبھانا تھا نبھایا اب میری طرف سے طلاق ہے۔اب ماں باپ نے شادی کرائی تھی ماں باپ سمجھیں اب میں کسی بھی حال میں نہیں رکھ سکتا۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب ہندہ کے گھر والے اس کا دوسرا نکاح کرانا چاہتے ہیں تو کیا ازروئے شرع درست ہے؟برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید نے کئی بارا پنی بیوی کو کہا کہ''میری طرف سے طلاق ہے

اور چھوڑ چھٹی ہے''، لہذا اگر اس نے ہر بار طلاق دینے کی نیت سے مذکورہ الفاظ کہے تھے تو اس کی بیوی پر تینوں مغلظہ طلاقیں پڑ گئیں۔ اب بغیر حلالہ کے زید کی بیوی ہندہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اور اگر زید قسم کھا کر کہے کہ میں نے پہلی بار جو یہ کہا تھا کہ ''میری طرف سے طلاق اور چھوڑ چھٹی دے چکا'' اس کے بعد میں نے اسی طلاق کی خبر دینے اور بتانے کے لیے وہ الفاظ کہے تھے تو اس صورت میں دو طلاق بائن اس کی بیوی پر پڑی، اس لیے کہ زید نے جو پہلی بار یہ کہا تھا ''میری طرف سے طلاق ہے'' یہ طلاق صریح رجعی ہے اور پھر اس کا یہ جملہ کہ ''چھوڑ چھٹی دے چکا یا چھوڑ چھٹی ہے'' یہ طلاق کنایہ سے ہے اور اوپر پہلے صراحتاً طلاق کا ذکر اس کے طلاق ہونے کا قرینہ ہے اور طلاق کنایہ سے طلاق بائن ہوتی ہے۔ اور بائن رجعت کرنے سے مانع ہے لہذا گزشتہ طلاق رجعی بھی بائن ہوگئی اس طرح زید کی بیوی پر دو طلاق بائن پڑی۔ اب اگر اس درمیان ہندہ کی عدت گزر چکی ہے تو وہ جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

''البائن يلحق الصريح . الصريح مالايحتاج الى نية بائنا كان الواقع به او رجعيا .فتح .''(ج ۴، ص ۵۴۰، باب الكنايات من كتاب الطلاق)

ردالمحتار میں کنایہ ہی کے بیان میں ہے:

''المرادبها الحالة الظاهرة المفيدة لمقصوده ومنها تقدم ذكر الطلاق.''بحر عن المحيط (شامی ج ۴، ص ۵۲۸، باب الكنايات من كتاب الطلاق) والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۴ ربیع الآخر ۱۴۳۴ھ

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید نے پہلے ایک طلاق دی تھی پھر دو طلاق دی تو کون سی طلاق ہوئی؟

مسئلہ : از مولانا محمد معراج الدین بوٹی بوری ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ زید وہندہ کی چھ سال پہلے شادی ہوئی، چند دن (سال ڈیڑھ سال) یوں ہی گزر گئے۔ لیکن زید اپنی بیوی کی بہت سی غیر شرعی حرکات کی وجہ سے

نالاں تھا۔جیسا کہ نماز کی پابندی نہ کرنا جھوٹ بولنا،غیبت،شوہراوراس کے ماں باپ کی عزت نہ کرنا اور لوگوں میں ان کی بے جابرائی کرنا،امور خانہ داری کوصحیح طور پرانجام نہ دیناوغیرہ ان برائیوں کے پیش نظر زید نے ہندہ کو بہت کچھ سمجھایالیکن ہندہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی،تو زید نے تنبیہاً ہندہ کوایک طلاق رجعی دی، تا کہ وہ سدھر جائے اورایام عدت میں زید نے رجعت کرلی،اس پربھی ہندہ اپنی حرکتوں اور برائیوں سے باز نہ آئی۔زید نے ان معاملات کو ہندہ کے والدین کے سامنے رکھا،والدین نے پنچایت بلوائی،جس میں ہندہ اوراس کے والدین نے زیداوراس کے والدین پرگھناؤنے الزامات لگائے،جس سے زیداوراس کے گھر والوں کا کوئی تعلق نہ تھااور پنچایت میں خوب لڑائی کروائی اور جبراً ہندہ کوزید کے ساتھ روانہ کردیا گیا۔اب ہندہ کی جرأتیں اوربھی بڑھ گئیں،آئے دن لڑائی جھگڑا ہونے لگا،ایک دن درمیان لڑائی ہندہ نے زید سے کہا تم میں کچھ ہمت نہیں اگر ہمت ہے تو طلاق دے دو،ہندہ کے اس جملہ پر زید بپھر گیااورغصہ میں زید نے کہہ دیا جامیں نے تجھ کوطلاق دیا،طلاق دیا۔مذکورہ بالامضمون میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ

زیداور ہندہ ایک ساتھ رہ سکتے ہیں یانہیں؟

زید نے پہلے ایک طلاق رجعی دی تھی پھر دوطلاق دی تو ہندہ پرکون سی طلاق ہوگی،رجعی،بائن یامغلظہ؟

زید کی ہندہ سے دولڑکیاں ہیں ایک تین سالہ ایک ڈیڑھ سالہ بچیوں کی پرورش کے مسائل وذمہ داری کس پرہوگی؟

ہندہ عدت کہاں گزارے گی جب کہ زیداور ہندہ ایک ہی مکان میں رہتے ہیں ساتھ میں دوچھوٹی بچیوں کےعلاوہ اورکوئی نہیں (مکان کرایہ کا ہے)

نان ونفقہ کے مسائل کیا ہوں گے۔

مندرجہ بالاسوالات کے جواب قرآن وحدیث اور مسائل فقیہ کی روشنی میں عنایت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱۔۲)اب زیداور ہندہ بغیر حلالہ کےایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔اس لیے کہ زید پہلے ایک طلاق دے چکا تھا، پھر وہ صرف دو ہی طلاق کا مالک تھا، جسے دوسری مرتبہ میں اس نے دے دیا۔لہذا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور ہندہ زید کے نکاح سے بالکل

نکل گئی، اب بغیر حلالہ کے وہ زید کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ارشاد باری ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ."

یہ (رجعی) طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

اور فرمان خداوند قدوس ہے:

"فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ." (البقرہ ۲/ ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) نو سال کی عمر تک ان دونوں بچیوں کی پرورش کا حق ان کی ماں کو ہے، ہاں اگر وہ اس کی اہل نہ ہو مثلاً وہ ان بچیوں کے حق میں قابل اطمینان نہ ہو یا اس نے ان کے کسی غیر محرم سے نکاح کر لیا ہو تو اب اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا اور اب یہ حق ان بچیوں کی نانی اور وہ نہ ہو تو ان کی دادی کو ملے گا۔ نو سال کی عمر پوری ہونے کے بعد بچیاں زید کو واپس کر دی جائیں گے، بچیوں کی پرورش کا خرچ زید پر لازم ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں حضانت یعنی پرورش کے بارے میں ہے:

"**تثبت للام ولو بعد الفرقة الا ان تكون غير مأمونة او متزوجة بغير محرم الصغير ثم ام الام وان علت ثم ام الاب.**" **اه ملخصا**

اسی میں ہے:

"**الام والجدة لام او لاب احق بالصغيرة حتى تحيض وغيرهما احق بها حتى تشتهى وقدر بتسع وبه يفتى.**" **اه ملخصا (فوق ردالمحتار ج۵، ص ۲۵۳، ۲۶۸، باب الحضانة من كتاب الطلاق)**

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"**نفقة الاولاد الصغار على الاب لا يشاركه فيها احد كذا فى الجوهرة النيرة.**"

(ج ا ، ص ۵۶۰، باب النفقات من كتاب الطلاق) والله تعالىٰ اعلم

(۴) ہندہ اپنے شوہر زید کے اسی مکان میں عدت گزارے گی جس میں وہ طلاق کے وقت رہتی

تھی خواہ وہ مکان کرائے ہی کا ہو۔ہاں کرائے کی ادائیگی شوہر پر لازم ہوگی، کہ سکنیٰ کی ذمہ داری اسی پر ہے۔ارشاد باری ہے:

"اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ."

عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو اپنی طاقت بھر اور انہیں ضرر نہ دو کہ ان پر تنگی کرو۔

مزید فرماتا ہے:

"لَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡ بُيُوۡتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ."(پ ۲۸،س طلاق ۶۵،آیت ۶،۱۰)

عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں۔

ردالمحتار میں سکنیٰ سے متعلق ہے:

"المراد به ما يضاف اليها بالسكنىٰ حال وقوع الفرقة والموت . هداية. سواء كان مملوكا للزوج او غيره حتى لوكان غائبا وهو فى دار باجرة قادرة على دفعها فليس لها ان تخرج بل تدفع وترجع ان كان باذن الحاكم. بحروزيلعى."(ج۵،ص ۲۲۴،باب العدة من كتاب الطلاق)

اورصورت مسئولہ میں چوں کہ مکان ایک ہی ہے،اس لیے اب اس مکان میں ہندہ کے لیے عدت گزارنے کی صورت یہ ہے کہ زید اور ہندہ کے مابین اس طرح پردہ کر دیا جائے کہ ایک دوسرے کے درمیان خلوت نہ ہو،اور اگر شوہر فاسق ہے جس کی طرف سے برائی کا اندیشہ ہے تو اب اسے حکم ہے کہ وہ دوسرے مکان میں عدت گزارے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"اذا طلقها ثلثا او واحدة بائنة وليس له الا بيت واحد فينبغى له ان يجعل بينه وبينها حجابا حتى لا تقع الخلوة بينه وبين الاجنبية فان كان فاسقا يخاف عليهامنه فانها تخرج وتسكن منزلا آخر."(ج ۱،ص ۴۳۵،الباب الرابع عشر فى الحداد من كتاب الطلاق)والله تعالىٰ اعلم

(۵)صورت مسئولہ میں ہندہ مطلقہ ہے اس لیے اسے نفقہ ضرور ملے گا،مگر یہ نفقہ اس کو اس وقت سے ملے گا جب سے ہندہ نے مطالبہ کیا ہو یا جانبین سے اس کی مقدار معین کر دی گئی ہو اگر اس سے قبل ہی

کچھ دن گزر گئے تو اتنا نفقہ نہیں پائے گی، یوں ہی اگر پوری عدت اس سے قبل گزر گئی تو کچھ نہیں پائے گی۔ نفقہ کا تعلق شوہر اور بیوی کی حالت وکیفیت سے ہے، اگر دونوں مالدار ہیں تو نفقہ مالداروں جیسا ہوگا، دونوں محتاج ہیں تو نفقہ محتاجوں کی طرح ہوگا اور اگر ایک محتاج ہے اور دوسرا مالدار ہے تو نفقہ متوسط درجے کا ہوگا یعنی محتاجوں سے اچھا اور مالداروں سے کم درجے کا۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"**المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنیٰ کان الطلاق رجعیا اوبائنا او ثلثا حاملا کانت المرأة اولم تکن کذا فی فتاوی قاضیخان. المعتدة اذا لم تخاصم فی نفقتها ولم یفرض القاضی شیئا حتی انقضت العدة فلا نفقة لها کذا فی المحیط.**" اھ ملخصا(ج ۱،ص ۵۵۷،۵۵۸،الفصل الثالث من باب النفقات من کتاب الطلاق)

بحر الرائق میں ہے:

"**اتفقوا علی وجوب نفقة الموسرین اذا کانا موسرین وعلی نفقة المعسرین اذا کانا معسرین، وانما الاختلاف فیما اذا کان احدهما موسرا والآخر معسرا فعلی ظاهر الروایة الاعتبار لحال الرجل واما علی المفتی به فتجب نفقة الوسط فی المسئلتین وهی فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة.**" اھ ملخصا(ج ۴،ص ۲۷۰،باب النفقة من کتاب الطلاق)والله تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

تین طلاق کے بعد دوبارہ رکھنا چاہتا ہے تو کیا کرے؟

مسئلہ : ازعبدالخالق ملاجی سنگھر ش نگر متصل آٹو موٹیو شاردا کمپنی کے پیچھے کامٹی روڈ ناگ پور

مندرجہ ذیل سوال کا قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں:

زید نے ہندہ کو تین طلاق چار مہینہ پہلے دے دیا ہے اب وہ ہندہ کو اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہے،

ہندہ زید کے ساتھ دوبارہ زندگی گزارے اس کی کیا شکل ہے۔ میں قرآن وحدیث کو دستورالعمل سمجھ کر عمل کروں گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر واقعی زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاقیں دے دی ہیں تو ہندہ پر تینوں طلاقیں مغلظہ پڑ گئیں اور وہ زید پر اس طرح حرام ہوگئی کہ اب بغیر حلالہ کے وہ زید کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ." (البقرہ ۲/ ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

لہذا اب اگر وہ دونوں ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ہندہ دوسرے شخص سے نکاح صحیح کرے اور وہ شخص اس سے وطی کرے پھر جب وہ ہندہ کو طلاق دے دے تو اس کی عدت گزارنے کے بعد اب زید اور ہندہ دونوں نکاح کر سکتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا اَنۡ يَّتَرَاجَعَا." (پ ۲ ،بقرہ ۲ ،آیت ۲۳۰)

پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"ان کان الطلاق ثلثا لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرة نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها کذافی الهدایة (ج ۱ ،ص ۴۷۳ ،فصل فیما تحل به المطلقة من کتاب الطلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۶/ ربیع الآخر ۱۴۳۰ھ

ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تین ہی ہوں گی۔

مسئلہ : ازعبدالمجیدنئ بستی ناگ پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زیدنے اپنی بیوی پروین بانو بنت احمد علی کو اپنے ہوش وحواس میں ان الفاظ کے ساتھ طلاق دیا کہ میں نے پروین بانو بنت احمد علی کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا تو کیا اس صورت میں طلاق ہوگئی ؟ اب پروین بانو اگر دوسرا نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے؟ جواب عنایت فرما کر کرم فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتاواقعی اگر زید نے اپنی بیوی پروین بنت احمد علی کو اپنے ہوش وحواس میں رہ کر ان الفاظ کے ساتھ طلاق دیا کہ میں نے پروین بنت احمد علی کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا تو یقیناً زید کی بیوی پروین پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور پروین زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالی : فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ."

ہاں اگر پروین دوسرا نکاح کسی اور سے کرنا چاہتی ہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ پروین عدت طلاق یعنی حائضہ ہے تو تین حیض مکمل گزر جائے یا حاملہ ہے تو وضع حمل ہوجائے اور اگر اس عمر کو پہنچ گئی ہے کہ اس کو حیض آنا بند ہوگیا ہے تو وہ تین مہینے مکمل گزار لے اس کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دارالیتامی ناگ پور

۱۲/مارچ ۲۰۰۷ء بروز دوشنبہ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہیں اس پر جمہور کا اجماع ہے

مسئلہ : ازمحمد شریف واجد کرانہ اسٹور نوری مسجد کے پاس، اٹکھانہ، ضلع چھندواڑہ، ایم۔ پی

۴/جنوری ۲۰۰۸ء جمعہ کا دن تھا۔ میں عبدالرب عارف جمعے کی نماز کے لیے غسل کرنے کے لیے

پانی گرم کرنے کے لیے بیگم کو کہا۔اور جمعے کی اذان ہورہی تھی میں نے آکر کہا پانی نکال دو۔ پانی گرم نہیں کری بیگم نے تو مجھے غصہ آیا۔تم کون سی عبادت کررہی تھی، کیا جمعے کی اذان کے پہلے سے تم نماز پڑھ رہی تھی،اس لیے مجھے غصہ آیا، کیا میرے لیے پانی نہیں گرم کرسکتی، کیا مجھے نماز کو نہیں جانا تھا، مجھے غصہ بہت آیا اور میں نے تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ دیا۔ میں نے کہا میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔اس وقت میرا لڑکا محسن جس کی عمر ۱۳؍سال کی ہے، وہ موجود تھا۔ میری بڑی بیٹی گیارہویں میں ہے۔ دوسری نویں میں ہے اور پھر دو بیٹے ہیں۔ بڑا بیٹا محسن نویں میں ہے اور سب سے چھوٹی تیسری کلاس میں پڑھتی ہے، اس کی عمر آٹھ سال ہے۔ میری شادی کو اٹھارہ سال ہوگئے ہیں۔ بڑے بیٹے کی عمر ۱۷؍سال کی ہے، محسن کی عمر ۱۳؍سال کی ہے۔ گولو کی عمر ۸؍سال کی ہے۔ طلاق دیتے وقت میرا ایک بیٹا محسن موجود تھا، ۳؍بچے اسکول میں تھے۔اب آپ بتائیں طلاق ہوگئی کیا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اس بات پر جمہور صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ مسلمین کا اجماع ہو چکا ہے کہ ایک بار میں تین طلاق دینے سے تینوں پڑ جاتی ہے ہیں، چاہے یوں کہے کہ جا میں نے تجھے طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا یا یوں کہے کہ جا میں نے تجھے تین طلاق دیا۔لہذا صورت مسئولہ میں اگر واقعی عبدالرب عارف نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو تینوں اس پر پڑ گئیں اور وہ عبدالرب عارف کے نکاح سے نکل گئی۔غصہ کی حالت میں بھی طلاق دینے کا یہی حکم ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

”وذهب جمهور الصحابة والتابعين وائمة المسلمين الى انه يقع ثلث ومن الادلة فی ذلک مافی مصنف ابن ابی شیبة والدارقطنی فی حدیث ابن عمرا لمتقدم قلت یارسول الله ارأیت لو طلقها ثلثا؟ قال اذا قدعصیت ربک وبانت منک امرأتک.“(ج۳،ص۳۳۰،باب طلاق السنة من کتاب الطلاق)

اب اگر عبدالرب عارف اور اس کی بیوی دونوں ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس کی بیوی عدت گزارنے کے بعد دوسرے آدمی سے نکاح کرے اور پھر وہ شخص اس سے وطی کرے پھر اس کو طلاق دے پھر اس کی بیوی عدت گزارے اس کے بعد عبدالرب عارف اور اس کی مطلقہ بیوی دونوں دوبارہ نکاح کریں۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا." (البقرہ ۲/ ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

ان كان الطلاق ثلثا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم طلقها او يموت عنها كذافى الهداية." (ج ۱، ص ۴۷۳، فصل فيماتحل به المطلقة من كتاب الطلاق. والله تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

سسرال والوں نے کہا کہ میری لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی اگرچہ تم طلاق دے دو تو اس نے تین طلاق دے دیا لہذا طلاق پڑی یا نہیں؟

مسئلہ : ازمحمد عابد انصاری کلمنا ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میں محمد عابد انصاری نے یاسمین بنت فیروز انصاری سے تقریباً تین سال پہلے نکاح کیا تھا، وہ صرف دو تین مہینے ہی ہمارے ساتھ ٹھیک سے رہی اس کے بعد اس نے میری نافرمانی شروع کردی، یہاں تک کہ وہ ہر بات میں میری مخالفت کرتی بے پردگی کے ساتھ گھر سے باہر جانا، خود اپنے ہاتھوں کو چاکو سے کاٹنا انہیں بری عادتوں پر جب میں نے اسے تنبیہ کرنا چاہا تو لڑائی کرکے اپنے میکے چلی گئی۔ جب میں لینے کے لیے وہاں گیا تو میرے ساتھ رہنے سے انکار کردیا اور اس کے والدین بولے کہ میری

لڑکی تمہارے گھر نہیں جائے گی ،اگر چہ تم اسے طلاق دے دو۔انہیں معاملات کے پیش نظر میں نے اپنی بیوی کو اس کی موجودگی میں تین طلاقیں دے دیا۔حضور والا سے التماس ہے کہ طلاق کے وقوع اور جواز کو شریعت کی روشنی میں واضح فرما دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : برتقدیر صدق سائل محمد عابد انصاری کی بیوی پر تینوں مغلظہ طلاقیں پڑ گئیں اور وہ محمد عابد کے نکاح سے نکل گئی اب بغیر حلالہ کے دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے ۔ارشاد باری ہے:

”فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.“(پ ۲ ،بقرہ ۲، آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”لایحل للرجل ان یتزوج حرة طلقها ثلثا قبل اصابة الزوج الثانی.“(ج ا ،ص ۲۸۲ ،الباب الثانی فی بیان المحرمات من کتاب النکاح)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴۳۶/۷/۷ھ۔۲۰۱۵/۴/۲۷ء

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

تین طلاق دینے کے بعد سسرال والوں کا پریشان کرنا پولس والوں کے پاس کمپلین کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از ناصر خان ویشالی نگر ڈاکٹر امبیڈکر گراؤنڈ کے پاس ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

میرے لڑکے فرحان ناصر خان کی شادی ۱۵/جنوری ۲۰۱۲ء کو امراوتی کے آفتاب خان کی لڑکی نایاب آرزو سے ہوئی ،شادی کے بعد تقریباً دوڈھائی مہینے تک لڑکی ہمارے گھر رہی ،اس کے بعد میکے آنا جانا چالو ہوگیا اور چوں کہ ابھی وہ لڑکی پڑھ رہی تھی اس لیے بھی اس کا آنا جانا لگا رہا،اس درمیان اس کے

لیے ہماری طرف سے ساری سہولتیں دی گئیں، کسی طرح کی کوئی تکلیف اسے نہیں دی گئی اور جب پیپر ہونے کا وقت آیا، تو وہ اپنے میکے چلی گئی اور جب ۱۵رمئی سے ۷رجون تک اس کا پیپر شروع ہو کر ختم ہوا، اس درمیان اس کے میکے سے لانے لے جانے کا کام بھی ہمارے لڑکے ہی نے کیا، پھر اس کے بعد ۹رجون کو جب ہم لوگ لڑکی کے گھر گئے، تو لڑکی والوں نے بھیجنے سے انکار کر دیا اور بھیجنے کی یہ شرط لگائی کہ لڑکا یعنی فرحان یہاں کا جاب چھوڑ کر دوسرے شہر چلا جائے اور ہماری لڑکی کی جاب لگنے پر وہ امراوتی ہی میں رہے گی اور تیسری شرط یہ ہے کہ لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ اس وقت رہے گی جب کہ لڑکا ماں باپ کے ساتھ نہ رہے، پھر اس کے بعد بحث وتکرار ہوئی، یہاں تک کہ لڑکے کے سسر نے گالی گلوج کیا اور مارنے پیٹنے کے لیے تیار ہو گیا، تب ہمارے لڑکے نے اپنی بیوی یعنی نایاب آرزو کو تینوں طلاق دے دی، اس کے بعد ناجائز پریشان کرنے کے لیے ان لوگوں نے ہمارے خلاف پولس اسٹیشن میں کمپلین کیا۔ اب شریعت کی روشنی میں کیا حکم ہے؟ کیا طلاق کے بعد فرحان کے سسرال والوں کو اس طرح سے پریشان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں فرحان ناصر خان کی بیوی نایاب آرزو پر تینوں مغلظہ طلاقیں پڑ گئیں، اب بغیر حلالہ کے وہ دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، اس لیے کہ طلاق پڑتے ہی نایاب آرزو فرحان کے نکاح سے نکل گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

”فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.“(پ ۲، بقرہ ۲، آیت ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

ناجائز پریشان کرنا ناجائز ہی رہے گا۔ بلا وجہ شرعی کسی کے خلاف پولس اسٹیشن میں کمپلین کر کے اس کو تکلیف دینا ہرگز جائز نہیں ایسا کرنے والا شخص سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

”من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ.“

یعنی جس نے کسی مسلمان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو اذیت اور تکلیف دی۔

سوال نامہ اور سائل کے بیان سے ظاہر یہی ہے کہ فرحان کے سسر نے فرحان اور اس کے گھر

والوں کے ساتھ بہت برا اور غلط سلوک کیا ہے، یہاں تک کہ گالی بھی دیا ہے، جو کہ ناجائز اور گناہ ہے۔
حدیث شریف میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"سباب المسلم فسوق."(مسلم ج ۱، ص ۵۸)
یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق وفجور اور گناہ ہے۔
اور دوسری جگہ فرمایا:

"الفجور یھدی الی النار."(مشکوۃ ص ۴۱۲،باب حفظ اللسان)
یعنی فسق وفجور اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

لہذا فرحان کے سسر آفتاب خان پر لازم ہے، کہ وہ فرحان اور اس کے گھر والوں سے معافی مانگے، اپنی غلطی سے توبہ کرے اور پولس کے پاس کو جو کمپلین کیا ہے، اس کو ختم کرے، ورنہ وہ سخت گنہگار مستحق قہر قہار و غضب جبار ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۵؍رمضان ۱۴۳۴ھ

بعد طلاق تا عمر نان ونفقہ کا مطالبہ ہرگز جائز نہیں

مسئلہ : ازمحمد علیم الدین ۴۰ گیتا کالونی انت نگر ناگ پور ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ کاشف اقبال نے اپنی منکوحہ کو طلاق مغلظہ دی اور طلاق نامہ کے ساتھ ساتھ مہر اور عدت کے نان ونفقہ کی رقم کا چیک پوسٹ کے ذریعہ لڑکی کے پاس بھیج دیا، جو ان کو حاصل بھی ہوگیا، جس کی سند کاشف اقبال کو مل گئی، لیکن لڑکی والوں نے چیک کیش نہیں کرایا اور نہ ہی جہیز کا سامان یہاں سے لے گئے، بلکہ لڑکی کے ماں باپ نے تین کیس کاشف اقبال کے خلاف کورٹ میں درج کرادیا، جو ابھی بھی چل رہے ہیں۔
(۱) کیا اس صورت میں کاشف اقبال کو از روئے شرع کسی دوسری لڑکی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے؟
(۲) مطلقہ کے ماں باپ تا عمر نان ونفقہ اور شادی کے خرچ کی بھرپائی کا مطالبہ کررہے ہیں اور

انہوں نے کورٹ میں کیس بھی ڈال رکھا ہے، کیا طلاق کے بعد تاعمر اس طرح کے مطالبات کرنا درست ہے اور شادی کے خرچ کی مانگ کرنا کسی مسلمان کے لیے درست ہے، جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) کرسکتا ہے۔

ارشاد باری ہے:

"فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ."(نساء ۴/۲)

تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اس نفقہ کا تعلق عدت سے ہے، یعنی جب تک عورت عدت میں رہے گی، اس وقت تک شوہر پر نفقہ کی ادائیگی لازم ہے اور عدت کے گزر جانے کے بعد نفقہ نہیں۔

ردالمحتار ج ۵ ص ۳۳۳ باب النفقة کتا ب الطلاق میں ہے:

"النفقة تابعة للعدة."

یعنی نفقہ عدت کے تابع ہوتا ہے۔

لہذا پوری زندگی کے نفقہ کا مطالبہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ یوں ہی شادی کے خرچ کا بھی مطالبہ کرنا جائز نہیں، اس لیے لڑکی کے گھر والوں پر لازم ہے کہ وہ کورٹ سے کیس کو ختم کرکے اس طرح کے ناجائز مطالبات سے باز آجائیں ورنہ وہ سخت گنہگار مستحق قہر قہار وغضب جبار ہوں گے اور اگر انہوں نے کورٹ سے کیس کو ختم نہیں کیا اور کورٹ نے لڑکی والوں کے حق میں فیصلہ دے کر کاشف اقبال کو پوری زندگی نفقہ دینے پر مجبور کیا، تو اس سے جو رقم ملے گی لڑکی کو یا لڑکی کے گھر والوں کو اس کا لینا کھانا پینا اور کسی طرح سے اس کو اپنے مصرف میں لانا سب حرام وگناہ ہے لہذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات شریعت مطہرہ کے دائرے میں رہ کر کریں، شریعت جس پر عمل کرنے کا حکم دیتی ہے اس پر عمل کریں اور جس سے بچنے کا حکم دیتی ہے اس سے دور رہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ .(بقرہ ۲/ ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لیے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو جان بوجھ کر۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۱ر رجب ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

طلاق سے پہلے وہابی کی نماز جنازہ پڑھی تھی تو یہ طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟

مسئلہ : محمد ندیم قبرستان روڈ مومن پورہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی بیوی کو ان الفاظ کے ساتھ طلاق دی ”میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں“ ”میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں“ ”میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں“ مگر اس کے ساتھ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ طلاق دینے سے پہلے زید نے اپنے ایک رشتہ دار کی نماز جنازہ پڑھی تھی جو وہابی تھا اور امام بھی وہابی تھا، نماز جنازہ پڑھتے وقت زید کو اس کے وہابی ہونے کا علم تھا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی بیوی طلاق دینے سے پہلے ہی نکاح سے نکل گئی تھی یا طلاق کے بعد نکلی؟ صورت مسئولہ میں شریعت کا جو بھی حکم ہو بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : انتہائی افسوس کی بات ہے کہ آج کل مسلمان دیدہ ودانستہ خلاف شرع کام کررہا ہے، اور شریعت پر عمل کرنے کا شوق وجذبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ خود اس میں اس کا اپنا ذاتی فائدہ ہو۔ جب زید کو معلوم تھا، کہ مرنے والا وہابی ہے، تو اس کی نماز جنازہ کیوں پڑھی تھی؟ اور اگر شامت نفس اور شیطان کے کچوکے مارنے کی وجہ سے پڑھ ہی لی تھی تو توبہ کیوں نہیں کی؟ اب جب کہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے تو اب وہابی کی نماز جنازہ پڑھنے کا خیال کیوں آیا؟ کیا اس لیے کہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے چکا ہے؟ اور اسے دوبارہ رکھنے کے لیے حلالہ کی ضرورت ہوگی جو زید کی طبیعت کو سخت ناپسند ہے اس لیے؟ تو یاد رہے۔ **اللہ یعلم المفسد من المصلح** ۔ اللہ خوب جانتا ہے مفسد کو مصلح سے۔ یہ شریعت پر نہیں بلکہ اپنی طبیعت پر عمل کرنا ہے کہ شرع نے جس کو جائز رکھا ہے اس سے اپنی طبیعت

کی ناگواری کی وجہ سے بچنے کے لیے دور کی کوڑی لاکر بہانے بنا رہا ہے اور وہابی کی نماز جنازہ جو اللہ ورسول کو سخت ناپسند ہے اسے بڑے چاؤ سے پڑھ کر دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھنا چاہ رہا ہے کسی نے کہا تھا۔

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا — سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

یہ دورخا پن ہے اور حدیثوں میں دورخے آدمی کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں۔

وہابیوں دیوبندیوں کے کفری عقیدے جوان کی کتابوں تقویۃ الایمان، براہین قاطعہ، تحذیر الناس اور حفظ الایمان وغیرہ میں مذکور ہیں ان کی بنیاد پر وہ کافر ومرتد ہیں، اس لیے ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوتے ہوئے انہیں مسلمان سمجھ کر ان کی نماز جنازہ پڑھنا کفر ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"ان الدعاء بالمغفرة للكافر كفر لطلبه تكذيب الله فيما اخبر به. قدعلمت ان الصحيح خلافه فالدعاء به كفر لعدم جوازه عقلا ولا شرعا ولتكذيبه النصوص القطعية." اه ملخصا (ج ۲، ص ۲۳۶، ۲۳۷، باب صفة الصلوة من كتاب الصلوة)

سوال میں لکھا ہے کہ زید نے جس وہابی کی نماز جنازہ پڑھی تھی، اس کے وہابی ہونے کا علم زید کو تھا، لہذا زید اگر وہابیوں دیوبندیوں کے عقیدوں سے واقف تھا اور مسلمان سمجھ کر اس وہابی کی نماز جنازہ پڑھی تو زید کافر ہو گیا۔ ایسی صورت میں زید کی بیوی پر مذکورہ طلاق نہیں پڑی کہ بوجہ کفر زید وہ پہلے ہی اس کے نکاح سے نکل چکی ہے لہذا اب اگر وہ دونوں ایک ساتھ رہنا چاہیں تو بعد توبہ وتجدید ایمان زید دوبارہ اس سے نکاح کرے اور اس درمیان اگر وہ دونوں ایک ساتھ رہتے رہے ہوں اور وطی ہوئی ہو تو یہ سب حرام وگناہ ہوا اس سے بھی توبہ واستغفار کریں۔

اور اگر زید کو وہابیوں دیوبندیوں کے عقائد کفریہ کا علم نہیں تھا، تو اس نماز جنازہ کی وجہ سے وہ حرام کار ہوا، جس سے توبہ واستغفار فرض ہے، اور اس صورت میں اس کی بیوی اس کے نکاح سے نہیں نکلی کہ حرام کے ارتکاب سے نکاح نہیں ٹوٹتا لہذا اس تقدیر پر زید نے اپنی بیوی کو جو طلاق دی ہے، وہ تینوں مغلظہ طلاقیں اس پر پڑ گئیں اور وہ زید پر حرام ہو گئی۔ اب بغیر حلالہ کے وہ دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ." (البقرہ ۲/ ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۰ر جمادی الاولی ۱۴۳۸ھ۔۱۸/۲/۲۰۱۷ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

طلاق عنداللہ مباح چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے۔طریقت کا نام لے کر اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے والے ڈھونگی باباؤں کی حقیقت۔سوال میں مذکور ایک ایسے ہی بابا کی افسوس ناک داستان اور اس کا جواب

مسئلہ : ازمحمد ادریس محمد نذیر احمد پرسوڑی امریڈ ضلع ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں کہ

زید کا نکاح ۱ر جون ۱۹۹۴ء کو ہوا جس سے ایک لڑکا بالغ اور ایک لڑکی بالغہ ہے جب سے نکاح ہوا تب سے لے کر اب سے دوسال پہلے تک زید کا اپنی بیوی ہندہ کے ساتھ بہت اچھا سلوک رہا،کوئی جھگڑا یا ناراضگی وغیرہ بھی نہیں تھی پورا پریوار خوشحال تھا لیکن تقریباً دوسال سے زید اور ہندہ کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہے، زید کا کہنا ہے کہ ہندہ کا میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہے وہ نہ مجھے کھانے کا پوچھتی ہے نہ پانی کا جس کی وجہ یہ ہے کہ زید کی بستی میں ایک بابا جو خود کو بابا جیلانی سرکار کا فیض یافتہ بتاتا ہے اور ان کے نام سے بیٹھک لگا کر لوگوں کی پریشانیاں حل کرنے کا دعوی کرتا ہے اور حضرت جیلانی سرکار کے نام سے ان کا جنم دن منانے کے لیے لوگوں سے پیسہ لیتا ہے اس بابا کا آنا جانا میرے گھر میں شروع ہوا کچھ دنوں بعد صلاح مشورے سے گھر کو پکا اور Modifeied بنانے کا فیصلہ ہوا اور بابا نے کچھ پیسے ادھار بھی دیے گھر

بنانے کے لیے اور گھر بنانے میں بابا کی دخل اندازی زیادہ رہی، گھر کا کام مکمل ہوا Inougretion ہوا اور Inougretion کے دن بابا نے گھر کو اپنی بیٹھک اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی بھرپور کوشش کی، یہاں تک کہ پریوار کے لوگوں میں نا اتفاقی پیدا ہوگئی اور زید کا کہنا ہے کہ میں یہ سب دیکھتا رہا مگر کم علمی کی وجہ سے بابا کے فریب کو سمجھ نہ سکا اور اس بابا کے دھوکہ میں آ گیا بابا نے گھر کا second flour بھی جیلانی ٹرسٹ کے نام سے مجھ سے اگریمنٹ کروایا ان سب باتوں کے بیچ میری بیوی مجھے بتائے بغیر بابا کے ساتھ اجمیر شریف چلی گئی میں سرکاری نوکری کرتا ہوں دن میں میرا گھر پر رہنا مناسب نہیں رات میں جب گھر آتا تو میری بیوی کمرے کا دروازہ بند کر کے الگ سے سوجاتی اسے یہ فکر تک نہیں رہتی کہ شوہر گھر پر آیا بھی کہ نہیں۔ ایک دن مجھے پتہ چلا کہ میرے گھر سے جانے کے بعد میری بیوی بابا کو گھر پر بلاتی ہے تو مجھے برداشت نہیں ہوا، میں نے بابا سے کہا، حضرت جب میں نہ رہوں تو آپ یہاں پر نہ آیا کریں تو بابا الٹا مجھ پر بھڑک گئے اور مجھ پر الٹا سیدھا الزام لگانے لگے یہاں تک کہ مجھے مارنے کے لیے میرے دفتر میں لوگوں کو بھیجا اور ساڑھے چار ایکڑ زمین جو میں نے اپنی بیوی کو دیا تھا وہ بھی بابا کے کہنے پر میری بیوی نے گروی رکھوادی اور میرے نام سے جھوٹا لون لینے کی کوشش کر رہا تھا میں نے اور میرے پریوار کے سبھی لوگوں نے میری بیوی کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کئی دفعہ بیٹھک ہوئی جس میں میری بیوی کے بھیا اور بھابھی شامل رہتے تھے وہ بھی سمجھاتے تھے لیکن وہ کچھ سمجھنے کو تیار نہیں تو میں اب مجبور ہو کر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں لہذا مذکورہ بالا بیان کی بنیاد پر زید کا اپنی بیوی کو طلاق دینا کیسا ہے؟ اور اس بابا کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ایسے بابا کے ساتھ لوگوں کا کیا برتاؤ ہونا چاہیے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اصل جواب سے پہلے کچھ ضروری باتیں سن لیں۔ اسلام ایک صاف ستھرا اور پاکیزہ مذہب ہے۔ اس کے اصول وقوانین میں انسانی زندگی کے لیے خیر ہی خیر اور بھلائی ہی بھلائی ہے، کیوں کہ اس کے قوانین انسانی ذہن وفکر کی پیداوار نہیں، بلکہ یہ اس ذات والا صفات کے عطا کردہ ہیں جس میں کسی خامی، کمی اور نقص ونقض کا کوئی شبہ نہیں۔ نکاح، طلاق اور پردہ وغیرہ سب خدائی قانون ہی ہیں، جن کی پاس داری ہر مسلمان پر فرض ہے۔

طلاق اللہ رب العزت کے نزدیک مباح وحلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز

ہے مگر نکاح کے بعد طلاق کا قانون اس لیے رکھا گیا ہے کہ اگر زوجین یعنی میاں بیوی میں نا اتفاقی ہوجائے اور وہ لوگ ایک ساتھ رہتے ہوئے حدود شرعیہ وقوانین الٰہیہ کی حفاظت ورعایت نہ کرپائیں تو طلاق کے ذریعہ وہ ایک دوسرے سے علاحدہ ہوکر قانون شرع کی حفاظت کرلیں۔

یوں ہی پردہ بھی ایک ایسا شرعی قانون ہے جو تمام انسانوں کی عزت وآبرو کی حفاظت وصیانت کا عظیم ذریعہ ہے، مگر آج لاعلمی اور جہالت کی بنیاد پر مسلمان ہی اسے فرسودہ، ترقی کی راہ میں رکاوٹ اور عورتوں کے لیے اسے ظلم قرار دے کراس سے اپنی نفرت وبیزاری کا اظہار کررہا ہے یعنی ان کے نزدیک بے پردہ گھومنا ہی ترقی ہے۔ ہاں میں بھی مانتا ہوں کہ یہ ترقی ہے مگر یہ ترقی نیکی اور خیر کی ترقی نہیں بلکہ زنا،عصمت دری، بے آبروئی اور ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت وآبرو کے لٹنے کی ترقی ہے، جسے ایک مسلمان تو کیا کوئی سنجیدہ عقل مند بھی اچھا نہیں کہہ سکتا۔

اسی لیے قرآن مجید نے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے واسطے سے تمام امت مسلمہ کو یہ خوب صورت پیغام دیا کہ اللہ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ جب امہات المومنین سے کوئی چیز مانگیں تو پردے کے پیچھے سے مانگیں اور امہات المومنین کو حکم دیا کہ جب پردے کی آڑ سے ضرورتاً کوئی بات صحابہ کو بتانی پڑے تو بات میں نرمی اور لچک پیدا کرکے گفتگو نہ کریں جس کی تفصیل سورہ احزاب میں موجود ہے۔ یہ احکام ہمیں بتاتے ہیں کہ قانون خدا اور مشیت الٰہی یہی ہے کہ عورتیں پردے میں رہیں یہی ان کے لیے ترقی اور ڈیولپمنٹ ہے، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر سب سے زیادہ مہربان اور رحم فرمانے والا ہے تو اگر یہ پردہ عورتوں کے حق میں ظلم ہوتا تو وہ کبھی اس کا حکم نہ دیتا۔ اب وہ لوگ جو اس شرعی والٰہی قانون کو فرسودہ، بے کار اور اولڈن کلچر کہہ کر اسے ختم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں وہ دراصل اپنے آپ کو عملی طور پر معاذ اللہ خدا سے بڑھ کر سمجھ رہے ہیں۔ یہ حکم وقانون اس زمانے کا ہے جس کو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بہتر زمانہ بتایا ہے۔ اور اسی پر حضور کے ساتھ ساتھ تمام صحابہ وصحابیات کا عمل بھی تھا۔ حتی کہ حدیثوں میں مذکور ہے کہ بیعت لیتے وقت حضور عورتوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں کبھی نہیں لیتے تھے، مگر آج کچھ بے حیا، ڈھونگی، چونچلے باز ،مکار، شیطان کے چمچے اور چیلے حضور کے اس طریقہ وفرمان کے علاوہ بہت سارے قوانین مصطفیٰ کی مخالفت کرنے میں ذرہ برابر اللہ ورسول کا خوف نہیں کرتے۔ اولیائے کرام کے ناموں کا سہارا لے کر سادھوؤں کی طرح سوانگ رچاتے ہیں۔ پاکیزہ اسلام، ستھرے اسلامی سماج اور پاک

صاف مسلمانوں کو اپنے عمل وکردار کے ذریعہ بدنام کرنے میں لگے ہوئے ہیں، وہ رات دن اپنی شیطانی ولایت کے پرچار کرنے میں کوئی لمحہ بیکار نہیں جانے دیتے۔اولیاء اللہ کے نام کا سہارا لے کر سیدھے سادے مسلمانوں کو بے وقوف بناتے ہیں اور لنگر میلہ وغیرہ کے نام پر ان کی رقمیں جمع کرتے ہیں اور دکھانے کے لیے تھوڑا سا خرچ کر کے باقی اپنی جیبوں اور توندوں میں بھر لیتے ہیں، عورتوں سادھوؤوں اور ہجڑوں کی طرح لمبے لمبے بالوں کو اپنی فضیلت وولایت کی دلیل بناتے ہیں۔عورتوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔تنہائی میں ان سے اپنے بدن کی مالش کرواتے ہیں۔بڑی شرافت کے ساتھ ان کی عزت کو تار تار کرتے ہیں۔اپنے ساتھ غنڈوں کی ٹیم بھی رکھتے ہیں تا کہ ان کی غیر شرعی کرتوت پر کوئی انگلی اٹھانے کی ہمت نہ کر سکے اور اگر کوئی اعتراض کرے تو اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے۔اپنی تمام ناجائز حرکتوں کو صحیح اور درست ثابت کرنے کے لیے عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ فقیر لوگوں میں اور مولانا میں کبھی نہیں بنتی کیوں کہ وہ لوگ شریعت والے ہیں اور ہم طریقت والے۔لہذا وہ لوگ ہماری باتوں کو سمجھ نہ پانے کی وجہ سے ہم پر اعتراض کرتے ہیں۔معاذ اللہ رب العالمین۔اللہ تمام مسلمانوں کو ان بوالیوں اور فسادیوں سے محفوظ رکھے۔

علما فرماتے ہیں کہ جو شخص خود کو شریعت سے آزاد کرنے کے لیے ایسی بات کہے وہ گمراہ و بددین ہے۔

بہار شریعت میں ہے: ''طریقت منافی شریعت نہیں وہ شریعت ہی کا باطنی حصہ ہے، بعض جاہل متصوف جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ طریقت اور ہے شریعت اور محض گمراہی ہے اور اس زعم باطل کے باعث اپنے آپ کو شریعت سے آزاد سمجھنا صریح کفر والحاد ہے۔احکام شرعیہ کی پابندی سے کوئی ولی کیسا ہی ہو سبک دوش نہیں ہوسکتا۔بعض جہال جو یہ بک دیتے ہیں کہ شریعت راستہ ہے راستہ کی حاجت ان کو ہے جو مقصود تک نہ پہنچے ہوں تو ہم تو پہنچ گئے۔سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں فرمایا ''**صدقوا لقد وصلوا ولكن الى اين ؟ الى النار.**'' وہ سچ کہتے ہیں بے شک پہنچے مگر کہاں جہنم کو۔(حصہ اول ص ۲۶۵، ۲۶۶، ناشر مکتبۃ المدینہ دہلی)

راہ تصوف کے عظیم سالک حضرت سیدنا میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: ''اصحاب تصوف میں اکثر مجتہد بھی گزرے ہیں اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ''**كل طريقة ردته الشريعة فهي زندقة**'' ہر طریقت جسے شریعت ٹھکرا دے زندقہ ہے۔یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ ہوا پر اڑتا ہے یا پانی پر چلتا ہے اور اس کا پیر تر نہیں ہوتا یا آگ میں گھستا ہے اور نہیں جلتا یا غیب کی خبریں دیتا

ہے اور اسی طرح کی اور باتیں اس میں ہیں اس کے باوجود اس میں ذرہ برابر شریعت کا خلاف پاؤ تو سمجھ لو کہ وہ اپنے وقت کا زندیق اور ملحد ہے۔(سبع سنابل مترجم ص ۱۸۵، ۱۸۶ ناشر رضوی کتاب گھر بھیونڈی)

اسی میں ہے:"پیری کی دوسری شرط یہ ہے کہ پیر عالم وعامل ہو جملہ عبادات کا، فرائض اور واجبات اور سنتوں اور نفلوں اور مستحبات کا۔ اور ان احکام کی پابندی میں کوتاہ اور سست نہ ہو۔ اور وضو کے لیے مسواک کرے، داڑھی میں کنگھا کرے کہ یہ دونوں سنتیں ہیں، پانچوں نمازیں اذان اقامت اور جماعت کے ساتھ ادا کرے تعدیل ارکان کا خیال رکھے اور اسی قسم کی دوسری باتیں نگاہ میں رکھے۔ اور اگر وہ ان عبادتوں کا عالم نہ ہوگا تو ان پر عمل نہ کر سکے گا تو حد شرع سے گر جائے گا، لہذا پیر نہیں بن سکتا، اس لیے جو شخص حقیقت کے مقام سے گر جاتا ہے وہ طریقت پر آ کر رک جاتا ہے اور جو طریقت سے گر جاتا ہے شریعت پر ٹھہر جاتا ہے اور جو شریعت سے گرا گمراہ ہوا اور گمراہ شخص پیر بننے کے لائق نہیں۔ اور وہ درویش جس کی جانب مخلوق جھکی پڑتی ہو مثلا اکثر مخلوق اس کی بیعت اور ارادت پر رجوع رکھتی ہو، اس پر تو شریعت کے جزئیات میں بھی احتیاط فرض اور لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ شریعت کے دقائق میں سے ایک شمہ بھی فوت نہ ہونے دے کہ یہ چیز اس کے مریدوں کی گمراہی کا ذریعہ بنے گی ظاہر ہے کہ وہ ایسے فعل سے حجت لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے پیر نے ایسا کام کیا ہے لہذا وہ گمراہ اور گمراہ کن ہو جاتے ہیں۔(مرجع سابق ص ۱۱۴، ۱۱۵)

بلکہ حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولایت میں مشہور ایک شخص کے پاس ملنے کے لیے گئے مگر اتفاقا اسے قبلہ کی طرف تھوکتے ہوئے دیکھا تو اسے سلام تک نہ کیا اور فورا واپس ہو گئے اور فرمایا کہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سے ایک ادب پر تو امین ہے نہیں تو جس چیز کا وہ دعوی کرتا ہے اس پر کیا امین ہوگا۔(فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۱، ص ۵۳۹)

مگر آج کل کے لوگ اللہ کی پناہ! تعلیم اسلام سے کوسوں دور ہونے کی وجہ سے خلاف عادت شیطانی حرکتوں اور جادوئی کرشموں سے متاثر ہو کر کسی بھی سادھو چھاپ، چور مکار اور زنا کے دلال کو ولی مان لیتے ہیں۔ اور پھر اس کے پیچھے اپنی دنیا وآخرت برباد کر ڈالتے ہیں۔ اور علمائے کرام جب انہیں اسلام کی صحیح تصویر دکھا کر اولیاء اللہ کا حقیقی تعارف کراتے ہیں اور ایسے گرو گھنٹالوں سے دور رہنے کی تلقین وتبلیغ کرتے ہیں تو بہت سارے پیٹ پر بکنے والے لوگ اس مکار سادھو کی حمایت میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور علمائے حق سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں کا کوئی عالم مسجد کا امام ہوتا ہے تو یہ لوگ اسے مسجد

سے نکالنے کے لیے اپنی پوری طاقت لگا دیتے ہیں بلکہ اسے مسجد سے نکال کر ہی دم لیتے ہیں۔انہیں جائز وناجائز کا کوئی پاس نہیں۔شرم وحیا کا کچھ احساس نہیں۔حرص ولالچ سے بھرے ہوئے، پل بھر میں قارون بننے کی تمنا لیے ہوئے گھومتے ہیں۔اور وہ بابائے نابکار مقلد شیاطین شرار ان کی ان آرزوؤں کو پوری کرنے کی لالچ دلاتا ہے۔ان کی بداعمالیوں کے سبب ان کے رکے ہوئے روزگار کو چلانے کا وعدہ کرتا ہے۔ان کی وہمی وخیالی بلاؤوں کو جلا کر ختم کرنے کا عہد کامل کرتا ہے۔اور اس طرح سے یہ مکار بابا لوگوں کی ماں بہن اور بیٹیوں کی عزت بھی نیلام کرتا ہے اور ان کی رہی سہی جمع پونجی کو بھی ہڑپ کر جاتا ہے۔

شروع شروع میں یہ لوگ اس سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔اپنے آپ میں نہیں رہتے ہیں، بلکہ فخریہ بیان کرتے ہوئے گھومتے ہیں کہ بابا نے ہمارے گھر کو اپنا استھان بنا کر بڑی کرپا اور بڑا احسان کیا ہے۔ہم بڑے بھاگیہ وان اور خوش نصیب ہیں کہ ان کے پوتر چرنوں نے ہماری جھوپڑی کو تاج محل بنا کے چاروں طرف سے پرکاش سے بھر دیا ہے، بلکہ واستو کتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے سنسار ہی میں ہم کو سورگ کا دوار دکھا دیا ہے، مگر کچھ ہی دنوں میں جب یہ مکمل طور سے برباد ہو جاتے ہیں اور اس بھان متی بابا کے کالے اور گھناؤنے کرتوت ان کے سامنے آتے ہیں تب ان کی آنکھ کھلتی ہے مگر تب تک بڑی دیر ہو چکی ہوتی ہے اب خاموش رہیں تو برائی اور کچھ بولیں تو اپنی رسوائی نہ اگلتے بنے نہ نگلتے۔اسی کو کہتے ہیں خود کردہ را علاجے نیست۔بہرحال ایک دو برائیاں ہوں تو بیان کی جائیں یہاں تو بے شمار برائیوں کی قطار ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو ان ڈھونگی باباؤں اور ان کے مکر وفریب سے محفوظ رکھے آمین۔اور ایسے باباؤں سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ مسلمان دین کی تعلیم حاصل کریں۔

اب آپ اصل جواب ملاحظہ کریں سوال نامہ میں لکھی گئی باتیں اگر سچ ہیں اور زید اس کی بیوی میں اس طرح نااتفاقی ہوگئی کہ اب اگر وہ دونوں ایک ساتھ رہیں گے تو حدود شرعیہ کی مخالفت ہوگی اور ظلم وستم کا بازار گرم ہوگا اور جیتے جی پوری زندگی جہنم بن جائے گی تو مذکورہ بالا صورت کی روشنی میں زید کو اختیار ہے کہ وہ اسے ایک طلاق دے کر اس سے الگ ہو جائے۔

ایسے ڈھونگی ناہنجار مکار اور جوکروں کی طرح غیر محرم عورتوں کے ساتھ گھومنے والے بابا کے لیے حکم یہ ہے وہ اپنی تمام خلاف شرع باتوں سے برأت وبیزاری ظاہر کر کے توبہ واستغفار کرے۔اور بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے اپنے علانیہ گناہوں سے توبہ کرنے کے ساتھ ہی جن لوگوں کی حق تلفی کی ہے، بلاوجہ

شرعی ستایا ہےان سے معافی بھی مانگے اور آئندہ اپنی ان حرکتوں سے سختی کے ساتھ بچے، اگر وہ اس پر عمل نہ کرے تو اس کو وہاں سے بھگایا جائے۔ اگر وہ اپنے پروردہ غنڈوں کے ذریعہ دھمکی دے تو قانونی چارہ جوئی کرکے پولس کے ذریعہ اسے فوراً وہاں سے نکالا جائے یا اس کی بابا گیری پر پابندی لگوائی جائے کہ ایسے لوگ اسلام مسلمان اور اولیائے کرام کو بدنام کررہے ہیں۔ اور لوگوں کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اسلام کے ماننے والے اور اولیاء اللہ ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے وہ ہیں۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ اس کام میں ہر انسان اپنی طاقت بھر حصہ لے۔ ذرہ برابر کوتاہی نہ کرے، البتہ اگر اس کو وہاں سے بھگانے یا اس کی غلط حرکتوں میں پابندی لگانے میں جنگ وجدال اور قتل وقتال کی نوبت آجائے تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ جنگ وجدال کرنے کے بجائے اس سے بالکلیہ قطع تعلق کرلیں اس کا شوشل بائیکاٹ کریں اور اس سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ رکھیں۔ اللہ فرماتا ہے:

”**وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ.**“(ہود ۱۱/۱۱۳)

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

ایک مقام پر فرماتا ہے:

”**اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ.**“(الانعام ۶:۶۸)

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

حدیث شریف میں ہے:

”**من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان.**“(مسلم ج ۱ ص ۵۱)

یعنی تم میں سے اگر کوئی شخص کوئی بری بات دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اسے بدل دے اور اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو اپنی زبان سے اسے بدل دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو اپنے دل سے اسے برا جانے اور یہ سب سے کم زور ایمان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴۳۸/۲/۱۵ھ۔ ۲۰۱۶/۱۱/۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید نے انگریزی زبان میں طلاق دیا تو طلاق پڑے گی یا نہیں؟

مسئلہ : ازمحمد علیم الدین گیتا سوسائٹی یوگیندرنگر ناگ پور۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں

(۱) زید نے اپنی منکوحہ کو بذریعہ طلاق نامہ بھیجا جس میں تین مرتبہ انگریزی میں یہ لکھا I divorvce my wife saba khan آئی ڈائیورس مائی وائف صبا خان یعنی میں نے اپنی بیوی صبا خان کو طلاق دی یہ جملہ تین مرتبہ لکھا کیا اس طرح لکھ دینے سے طلاق واقع ہوگئی اوراس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی۔

(۲) کیا حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؟ آپ کی مزید معلومات کے لیے طلاق نامہ بھی ساتھ میں جوڑ دیا گیا ہے جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعوان الملک الوهاب : حالت حمل میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور بذریعہ تحریر بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے جب کہ طلاق دینے والے کواپنی تحریر ہونے کا اقرار ہو بحسب استفتا اگر زید نے اپنی بیوی صبا خان کو ان الفاظ مذکورہ (چاہے وہ انگریزی میں ہوں یا اردو یا کسی اور زبان میں جس کا ترجمہ یہ ہو) کہ میں نے اپنی بیوی صبا خان کو طلاق دی۔ میں نے اپنی بیوی صبا خان کو طلاق دی۔ میں نے اپنی بیوی صبا خان کو طلاق دی۔ تو یقیناً زید کی بیوی صبا خان پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور وہ زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالی:فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره.“واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دارالیتامی ٹیکہ ناگ پور

۱۸/ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ۔ ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

باب العدة

عدت کا بیان

شوہر کے انتقال کے بعد عورت کی عدت کتنے دن ہے اور عدت کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از نصیر بھائی تکیہ دیوان شاہ مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے میں کہ شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کو کتنا دن سوگ منانا چاہیے اور سوگ کس طرح منائے جیسے کہ شوہر کے زمانے میں بیوی سسرال میں گھر کے کام کاج کرتی ہے ساس سسر وغیرہ کی خدمت بچوں وغیرہ کی دیکھ بھال کرتی ہے تو کیا سوگ منانے کی صورت میں بھی اسی طرح کام کاج کرسکتی ہے یا کچھ پابندی عائد ہوتی ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : شوہر کے انتقال کے بعد عورت کے لیے عدت سوگ چار مہینے دس دن ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔ بخاری شریف ج ۲ ص ۸۰۴ میں ہے:

عن ام حبيبة ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لا يحل لامرأة مسلمة تومن بالله واليوم الآخر ان تحد فوق ثلثة ايام الا على زوجها اربعة اشهر وعشرا.“

رہا ساس، سسر اور بچوں کی خدمت کرنا تو گھر میں رہ کر ان کی خدمت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ناگ پور

۸/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ۔ ۲۶/ مئی ۲۰۰۷ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب حق
محمد کلیم

الجواب صحیح
نعیم الاسلام

بعد طلاق عدت گزار کر ہی دوسرا نکاح ہوسکتا ہے

مسئلہ : از حاجی عبدالغفار تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں

ہندہ کا نکاح آٹھ سال پہلے زید سے ہوا، پھر ہندہ تقریباً ایک سال تک زید کے گھر رہی، اس کے بعد اپنے میکے چلے گئی اور اس کا شوہر اسے پھر لینے نہیں آیا۔ واضح ہو کہ اس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا تھا، جس کا تین سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ کوئی آٹھ دن ہوئے کہ زید نے ۱۰/نومبر ۲۰۰۶ء کو ہندہ کو طلاق دے دیا، اب لڑکی دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا وہ ابھی اس وقت نکاح کرسکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا ہرگز ہندہ کو بغیر عدت گزارے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا حلال نہ ہوگا کہ شوہر سے جدائی کتنی ہی طویل مدت سے ہو طلاق کے بعد عدت ضروری ہے۔

"قال اللہ تبارک وتعالیٰ : والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء." واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامی ناگ پور

۲۰/نومبر ۲۰۰۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

جس مکان میں شوہر کے انتقال کے وقت رہتی تھی اسی میں عدت گزارے بلا عذر اس سے نکلنا جائز نہیں۔

مسئلہ : از سید زاہد علی بالاگھاٹ ۱۳ ایم پی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر خالد کا انتقال

ہوگیا تھا،اب وہ وفات کی عدت اپنے گھر میں گزار رہی تھی ،ابھی عدت پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہندہ کی لڑکیاں آئیں اوراس کی عدت گزارنے والے مکان سے اپنے گھر لے کر چلی گئیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہندہ اوراس کی لڑکیوں کا اس طرح کرنا اور ہندہ کا عدت گزارنے والے مکان سے عدت کے درمیان نکلنا جائز ہے یانہیں اوران کے لیے حکم شرع کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے،اس پرواجب ہے کہ وہ چار مہینہ دس دن تک وفات کی عدت اسی مکان میں گزارے جس میں وہ شوہر کی وفات کے وقت رہتی تھی۔

ارشاد باری ہے:

”وَالَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَيَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا يَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّ عَشۡرًا.“(پ۲،س بقرہ۲ آیت ۲۳۴)

اورتم میں سے جومریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کوروکے رہیں۔

لہذا صورت مسئولہ میں اگر کوئی شرعی مجبوری نہیں تھی تو ہندہ پر واجب تھا کہ وہ اپنے اس مکان سے نہ نکلتی جس میں وہ شوہر کے انتقال کے وقت رہتی تھی ، بلکہ اسی میں چار مہینہ دس دن تک وفات کی عدت گزارتی ،مگراس نے حکم شرع کے خلاف کیا ،لہذا ہندہ اور جولوگ اس کو یہاں سے راضی خوشی سے لے گئے وہ سب گنہگار ہوئے ان پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کریں اور ہندہ پر واجب ہے کہ فورا اپنے اسی مکان میں واپس آجائے اوراگر استطاعت ہوتو صدقہ وخیرات کرے کہ نیکیاں گناہوں کو مٹاتی ہیں۔

کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ فی القرآن المجید:”اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّـئَاتِ.“(پ۱۲،س ھود ۱۱،آیت ۱۱۴)

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنیٰ حال وقوع الفرقۃ والموت کذا فی الکافی ولو کانت زائرۃ اھلھا او کانت فی غیربیتھا لامر حین وقوع

الطلاق انتقلت الی بیت سکناها بلا تاخیر وکذافی عدة الوفاة کذافی غایة البیان.“(ج ۱،ص ۵۳۵،الباب الرابع عشرفی الحداد من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۷/ جمادی الاخری ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بعد طلاق مہر وجہیز کا مستحق کون ہے؟

مسئلہ : ازمحمد مظہر الدین قریشی قصاب پورہ ناگ پور

میں منور جمال ابن مظہر الدین قریشی ساکن قصاب پورہ عمر۳۲/سال کچھ ایسے پیچیدہ مرض میں شکار ہوں کہ جس کا علاج بھی اب ناممکن نظر آتا ہے اور جس کی وجہ سے میری زندگی ایک اپاہج کی زندگی بن کر رہ گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ میں اپنی ازدواجی زندگی خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں گزار سکتا اور نہ ہی میں یہ چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے کسی اور کی زندگی خراب ہو،لہذا میں اپنی مرضی سے بقید ہوش وحواس ان دو گواہوں کے روبرو اپنی بیوی کو طلاد یتا ہوں اپنی مجبوری اور اس کی بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

دستخط طلاق دینے والا

منور جمال

(۱)ڈاکٹر محمد رفیق قریشی دستخط

(۲)شمیم اقبال دستخط

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو دو گواہوں کی موجودگی میں اپنے ہوش وحواس میں رہ کر تین طلاقیں دیں،جس کے الفاظ یہ ہیں ”میں نے فلاں بنت فلاں کو طلاق دیا،طلاق دیا،طلاق دیا“ تو شرعی اعتبار سے یہ بتائیں کہ ہندہ پر کتنی طلاقیں واقع ہوگئیں اور مہر وجہیز کے سامان کے متعلق شرع کا کیا حکم ہے؟ بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب : بحسب سوال واقعی اگر زید نے اپنی بیوی ہندہ کو

تین طلاقیں دیں، جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”میں نے فلاں بنت فلاں کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا“ تو یقیناً زید کی بیوی ہندہ پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور ہندہ زید کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب بغیر حلالہ ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

”قال اللہ تبارک وتعالیٰ :”فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ.“

رہا مہر وجہیز کا سامان تو اگر مہر اس سے پہلے ادا نہیں کیا گیا تھا اور اب زید نے طلاق دے دیا تو مہر فوراً واجب الادا ہوگیا اس کی حقدار ہندہ ہے ایسے ہی جہیز کا سامان کہ وہ عورت کی ملک ہے وہ بھی اس کو لوٹا دیا جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

”کل احد یعلم ان الجهاز للمرأة اذا طلقها تاخذہ کله.“ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادار الیتامی ناگ پور

۱۰/مئی ۲۰۰۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بعد طلاق بیوی کو نان ونفقہ کا حق کب تک ہے؟

مسئلہ : از حبیب خان بن سعد اللہ خان خواسہ

میرا نام حبیب خان (جہانگیر خان) بن سعد اللہ خان ساکن خواسہ کا رہنے والا ہوں۔ میں اپنی بیوی سلمہ بیگم بنت شیخ کریم ساکن مورکھا ضلع چھندواڑہ کو ۲۰۰۵/۹/۳ء کو گواہوں کے سامنے تین مرتبہ تحریری طلاق دے دیا تھا اور اس کے کچھ دن بعد بھی تین مرتبہ اس کے روبرو طلاق طلاق کے لفظ دہرادیا تھا۔ طلاق کے الفاظ اس طرح تھے ”میں نے اپنی بیوی سلمہ بیگم کو طلاق دیا۔ میں نے اپنی بیوی سلمہ بیگم کو طلاق دیا۔ میں نے اپنی بیوی سلمہ بیگم کو طلاق دیا۔“ سلمہ بیگم وہاں موجود تھی۔ اس واقعہ کے بعد سلمہ بیگم طلاق نہیں مانتی اور کہتی ہے اس طرح طلاق نہیں ہوتی اور مہر لینے سے انکار کرتی ہے اور ساتھ میں رہنے کے لیے زور وزبردستی کرتی ہے اور نان ونفقہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ ان حالات میں کچھ سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

(۱) اس طرح کی طلاق شریعت میں واقع ہوئی یا نہیں۔

(۲) طلاق کے بعد بیوی کا نان ونفقہ کب تک واجب رہتا ہے۔
فتوی دینے کی مہربانی فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : اگر واقعی حبیب خاں نے اپنی بیوی سلمہ بیگم کو ان الفاظ کے ساتھ طلاق دیا کہ ''میں نے اپنی بیوی سلمہ بیگم کو طلاق دیا۔ میں نے اپنی بیوی سلمہ بیگم کو طلاق دیا۔ میں نے اپنی بیوی سلمہ بیگم کو طلاق دیا'' تو یقیناً سلمہ بیگم پر تینوں طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئیں اور سلمہ بیگم حبیب خاں کے نکاح سے اس طرح نکل گئی کہ اب آپ دونوں کا آپس میں نکاح بغیر حلالہ کے نہیں ہوسکتا۔

''قال اللہ تبارک وتعالیٰ :''فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره.''

رہا سلمہ بیگم کا یہ کہنا کہ میں اسے نہیں مانتی یہ اس کی ہٹ دھرمی اور خلاف شرع بات ہے کہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔

''قال اللہ تعالی:''بیده عقدة النکاح.''

حبیب خاں پر ایام عدت یعنی عورت حائضہ ہو تو مکمل تین حیض گزرنے تک یا حاملہ ہو تو وضع حمل تک یا آئسہ ہو تو تین مہینے تک عدت کا خرچ (نان ونفقہ) واجب ہے۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دارالیتامی ناگ پور

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

عورت نے مہر وحق وراثت معاف کردیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از محمد ظفر ابن محمد یعقوب سیفی نگر مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید کی اہلیہ محترمہ کو اس کے تین بھائی حصہ کے طور پر ۱۹۹۲/۳/۲۸ء کو ۲۰۰۰۰ر نقد دیے تھے۔ شریک حیات نے وہ رقم زید کو کاروبار کرنے کو دی۔ زید اس رقم کو اپنے حساب وکتاب میں قرض لکھتا رہا۔ ۲۰۰۸/۵/۱۵ء کو زید نے کہا، تیرے سے کچھ بات کرنا ہے، عرض کی بولو تو زید نے بولا زندگی اور موت اللہ

کے ہاتھ میں ہے، جب تک زندگی ہے، کوئی موت نہیں دے سکتا، زید نے کہا، تیرے دوحق ہیں ایک مہر کا دوسرا حصہ کا، تو میں ادا کروں؟ شریک حیات نے کہا میں نے مہر معاف کی اور حصہ اپنے اولادوں کے حق میں معاف کردی اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمائے اور اس کے بعد تمام بچوں کا دودھ بھی معاف کردی۔ زید کا ایسا کہنا اور شریک حیات کا معاف کرنا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : اگر مہر کی معافی حالت صحت میں ہو تو مہر معاف ہوجائے گا اور حالت مرض میں ہو تو صرف ثلث مال تک معاف ہوگا اور باقی ترکہ ہوگا۔ رہے شوہر کے کاروبار میں شامل روپے تو اگر اس نے حالت صحت میں اپنے بچوں کو ہبہ کر کے قبضہ دے دیا ہو اور انہوں نے ان پر قبضہ کر لیا ہو تو اس صورت میں وہ روپے ترکہ میں شامل نہیں ہوں گے خاص اولاد کی ملک ہوں گے جب کہ سب بالغ ہوں اور نابالغ ہوں تو بلا قبضہ کے بھی ہبہ درست ہوگا۔ اور اگر حالت مرض میں ہو تو ثلث مال تک ہبہ شروط مذکورہ پر صحیح ہوگا باقی ترکہ ہوگا جس میں شوہر کا بھی حق ہے۔ **اللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامی ناگ پور

۲۰۰۸/۶/۲۳ء

الجواب صحیح

ابوالقیس مصاحی قادری غفرلہ

کئی بار طلاق دینے کے بعد پھر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ رہتے ہیں تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از شیخ قاسم بندہ نواز نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

میرے بیٹے (شیخ انیس) نے اپنی بیوی کو تین سے زائد بار طلاق دیا اس کے باوجود وہ دونوں ایک ساتھ رہتے ہیں ان کے لیے حکم شرع کیا ہے آگاہ فرمائیں۔

اس کے بعد بھی میری بہو مجھ سے پیسوں کا مطالبہ کرتی ہے لہذا اس کے لیے حکم شرع کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مستفسرہ میں شیخ قاسم کے لڑکے شیخ انیس کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑ گئی اور شیخ انیس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی اب حلالہ کے بغیر دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے ان پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں اب ان کا میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ رہنا سخت حرام و گناہ ہوگا اور قربت وصحبت خالص زنا ہوگی اور وہ سخت حرام کار گنہگار مستحق قہر قہار وغضب جبار ہوں گے۔ ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ."(البقرہ ۲، ۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"لایحل للرجل ان یتزوج حرۃ طلقھا ثلثا قبل اصابۃ الزوج الثانی."(ج ۱، ص ۲۸۲، الباب الثالث فی بیان المحرمات من کتاب النکاح)

اگر وہ دونوں الگ نہ ہوں تو مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان کا بائیکاٹ کریں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ترک کریں ان کو اپنی تقریبات میں نہ بلائیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں جب تک وہ توبہ کرکے اس سے باز نہ آجائیں یا حلالہ نہ کریں ورنہ ان کے ساتھ ساتھ دانستہ ان سے میل جول رکھنے والے سب لوگ گنہ گار ہوں گے۔ ارشاد باری ہے:

"اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ."(الانعام ۶: ۶۸)

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

شیخ انیس اگر اپنے باپ شیخ قاسم کے تحت رہ کر کام کرتا ہے ملکیت اور گھر کے خرچ وغیرہ کی ساری ذمہ داری اس کے باپ ہی کی ہے اور طلاق کے بعد شیخ انیس کی بیوی کی عدت ابھی گزری نہیں ہے یا عدت گزر چکی ہے مگر مقدار نفقہ کی تعیین ومطالبہ عدت میں ہو چکا تھا تو وہ شیخ انیس کے باپ شیخ قاسم سے اپنے زمانہ عدت کے نفقے کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اگر عدت گزر چکی ہے اور درمیان عدت مطالبہ نفقہ نہیں کیا تھا تو شیخ انیس کی بیوی کا نفقہ ساقط ہوگیا۔ اب شیخ انیس یا سسر کسی سے اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی ہے، یوں ہی اگر شیخ انیس اپنے باپ سے الگ رہ کر اپنا سارا کاروبار علاحدہ کرتا ہے تو شیخ انیس کی بیوی کی

عدت کا خرچ اس کے باپ شیخ قاسم پر نہیں بلکہ شیخ انیس پر ہے جس کا مطالبہ وہ اسی سے کرے جب کہ عدت کے اندر ہو یا عدت میں مطالبہ وتعین ہو چکا ہو اب اس تقدیر پر کہ شیخ انیس اپنے باپ سے الگ ہو یا الگ نہ ہو مگر عدت گزر چکی ہو اور عدت میں مطالبہ وتعیین نفقہ نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں شیخ انیس کی بیوی کا اپنے سسر شیخ قاسم سے جبراً کچھ مطالبہ کرنا اور لینا ظلم اور گناہ ہے، لہذا اس پر لازم ہے وہ اس مطالبہ سے دور رہے ورنہ وہ حق العبد میں گرفتار سخت گنہ گار مستحق قہر قہار وغضب جبار ہوگی۔

حدیث پاک میں ہے:

"لایحل مال امری الا بطیب نفسه منه ."(مشکوة شریف ص ۲۵۵ .باب الغصب والعارية)

بغیر مرضی کے کسی کا مال حلال نہیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"المعتدة اذا لم تخاصم فی نفقتها ولم یفرض القاضی شیئا حتی انقضت العدة فلا نفقة لها كذا فی المحیط ج ۱، ص ۵۵۸، الباب السابع عشر فی النفقات من کتاب الطلاق) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۹ رشعبان ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

باب الحضانة

پرورش کا بیان

بچے کی پرورش کا حق کس کو ہے؟

مسئلہ : از افتخار احمد صاحب نیا بازار کامٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کا انتقال ہوگیا اس کی چار سالہ بیٹی ہے اور بیوی ہے، زید کی بیوی لڑکی کو لے کر اپنے مائکے چلی گئی جب کہ اسے شوہر کے گھر میں رشتہ داروں سے کوئی تکلیف یا پریشانی نہیں تھی۔ کچھ دن بعد مائکے والوں نے زید کی بیوہ کا کسی سے نکاح کردیا، اب وہ شوہر کے گھر رہتی ہے اور زید کی لڑکی نانا نانی کے پاس رہتی ہے اسکول وغیرہ بھی جاتی ہے اور وہ بچی اکثر بیمار ہوجاتی ہے سست بھی رہتی ہے۔ ہم لوگ بچی کے بڑے باپ چچا وغیرہ ہیں چاہتے ہیں کہ بچی ہمارے بھائی کی اولاد ہے اس کی پرورش تعلیم وتربیت ہم لوگ کریں، مگر اس کے نانا نانی بچی کو ہمارے پاس نہیں رہنے دینا چاہتے ہیں۔ بچی کی ماں بھی اپنے نئے شوہر کے ساتھ ہے اور لڑکی ہم لوگوں سے خوش ہوتی ہے اور چاہتی ہے کہ ددیہال ہی میں رہوں، مگر ننہال والے اسے ہمارے یہاں آنے نہیں دیتے۔ عرض ہے کہ از روئے شرع کیا بچی کے بڑے باپ یا چچا وغیرہ کو بچی کی پرورش کا شرعاً حق ہے؟ بچی کی عمر چار سال ہے بچی اگر کہے کہ میں ددیہال میں رہوں گی تو کیا از روئے شرع تسلیم کیا جائے گا۔ بچی کی ماں نے ہمارے گھر سے اپنے جہیز کا سامان اور ہمارے مرحوم بھائی کے کپڑے وغیرہ بھی مائکے لے کر چلی گئی کیا یہ شرعاً صحیح ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : ماں کو نو سال تک بچی کی پرورش کا حق ہے مگر ماں اگر بچی کے غیر محرم سے نکاح کرلے تو اس کا حق ختم ہوجاتا ہے، لہذا اصورت مسئولہ میں زید کی بیوی نے اگر بچی کے کسی نسبی محرم سے

مثلا چچا سے نکاح کیا ہے تو اس کو پرورش کا حق ہے ورنہ نہیں۔ بلکہ اب یہ حق بچی کی نانی کو حاصل ہے لہذا اگر بچی کی نانی بچی کو اپنے پاس رکھ کر پرورش کرنا چاہتی ہے تو اب نو سال کی عمر تک ہونے سے پہلے بلا وجہ شرعی کسی کو اس کی نانی سے بچی کو لینے کا اختیار نہیں۔ ہاں نو سال پورا ہونے کے بعد بچی کے ولی میں دادا نہ ہو تو چچا کو اپنے پاس رکھنے کا اختیار ہے۔ بچی کا نانی کے یہاں اکثر بیمار رہنا یا سست رہنا یہ کوئی ایسا عذر نہیں جس سے نانی کا حق پرورش ساقط ہو جائے ، یہ تو طبعی چیز ہے یہی بات اگر دادا یا چچا کے یہاں پیدا ہو جائے تو کیا وہ اس کے ولی نہیں رہیں گے؟

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"الام والجدة احق بالصغيرة حتى تحيض وقدر بتسع وبه يفتى." اھ ملخصا(فوق ردالمحتار ج۵،ص۲۶۸،باب الحضانة من كتاب الطلاق)

جہیز عورت ہی کا ہوتا ہے اس لیے زید کی بیوی کو جہیز کا سامان لے جانے کا بالکل حق ہے۔ اس نے اپنے شوہر کا جو سامان لیا ہے وہ اگر اس کا شرعی حق تھا مثلا وراثت میں ملا تھا تو اس پر کوئی الزام نہیں اور اگر بلا وجہ شرعی لے گئی ہے تو اس کو واپس کرنا لازم ہے، نہیں کرے گی تو حق العبد میں گرفتار ہو کر گنہگار ہو گی۔

حدیث پاک میں ہے:

"الالا تظلموا الا لايحل مال امرئ الا بطيب نفس منه." (مشكوة ص۲۵۵،باب الغضب والعارية)

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"لايجوز التصرف فى مال غيره بغير اذنه." (ج۲،ص۴۴۴،الفن الثالث من كتاب الغضب)

ردالمحتار میں ہے:

"الجهاز للمرأة اذا طلقها تاخذه كله واذا ماتت يورث عنها." (ج۴، ص۳۱۱، باب المهر من كتاب النكاح) والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۵/صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

الجواب صحيح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

طلاق کے بعد بچے کس کے پاس رہیں گے؟

مسئلہ : از شمیم بانو نئی بستی آزاد نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ شمیم بانو کا نکاح نسیم کے ہمراہ ہوا،نسیم کو شراب پینے کی عادت ہے،اس کی خالہ ساس اور ساس اس کو سمجھانے کی کوشش کررہے تھے کہ آئے دن تم دارو پی کر مار پیٹ کرتے ہو تم کو کیا اچھا لگتا ہے؟سمجھانے سمجھانے میں بات کا بتنگڑ بن گیا اور نسیم،شمیم کو تین طلاق دے کر غائب ہوگیا؟اور تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد آیا اور کہنے لگا میرے بچے مجھے دے دو۔لوگوں نے کہا طلاق دینے کے ڈیڑھ سال بعد آیا۔بچے نہیں دیتے تو نسیم نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دیا۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شمیم کی طلاق ہوئی یا نہیں اور بچے کس کے پاس رہیں گے۔برائے کرم جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں لکھی گئی باتیں اگر سچ ہیں تو شمیم بانو پر تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور وہ نسیم پر حرام ہوگئی۔نسیم کی اولاد میں جو بچے ہیں وہ سات سال تک اور بچیاں نو سال تک شمیم بانو کی پرورش میں رہیں گی جب کہ وہ اس کی اہل ہو اس کے بعد نسیم کے بچے اسے دے دیے جائیں گے۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"الحاضنة اما او غيرها احق به اى بالغلام حتى يستغنى عن النساء و قدر بسبع وبه يفتى والام احق بها بالصغيرة حتى تحيض اى تبلغ فى ظاهر الرواية وغيرهما احق بها حتى تشتهى وقدر بتسع وبه يفتى وعن محمد ان الحكم فى الام كذلك وبه يفتى لكثرة الفساد."اه ملخصا(فوق ردالمحتار ج۴،ص۲٦٧،۲٦٨،باب الحضانة من كتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الورى المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۰/۵/۱۴۳۷ھ۔۲۰/۲/۲۰۱٦ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

باب اللعان

لعان کا بیان

زید نے اپنی بیوی ہندہ پر زنا کی تہمت لگائی تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ : ازمحمد شاداب رضا نوری متعلم رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک بیوی ہندہ اس کے دو لڑکے ہیں اور اس کے پیٹ میں ایک بچہ ہے۔ زید نے ہندہ پر صراحتاً زنا کی تہمت لگائی اور یہ کہتا ہے کہ جو ہندہ کے پیٹ میں بچہ ہے وہ اس کا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے، مگر زید کے پاس کوئی اس کا ثبوت نہیں اور ہندہ کا کہنا ہے کہ یہ زید ہی کا بچہ ہے، تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ اور اگر زید نے ہندہ کو طلاق دی تو مہر وجہیز کا کیا حکم ہے بچہ کس کے پاس رہے گا اور اگر عورت بچہ کو رکھ لے تو اس کا خرچ شوہر دے گا یا نہیں اور عورت اگر کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا چاہے تو کتنے دنوں بعد کرے گی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذکورہ صورت لعان کی ہے، لیکن لعان کی جو شرطیں ہیں ان کا اس زمانہ میں پایا جانا قریب قریب ناممکن ہے۔ اور اگر پائی بھی جائیں تو اس کا ترک کرنا ہی افضل وبہتر ہے، بلکہ اگر عورت قاضی وغیرہ کے پاس اپنا دعوی بھی پیش کرے تو اس کے لیے مستحب یہی ہے کہ وہ عورت کو اس کے ترک کرنے کا مشورہ دے لہذا ہندہ کے لیے اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔

فتاوی عالم گیری میں لعان کو ترک کرنے کے تعلق سے کہا:

”الافضل للمرأة ان تترک الخصومة والمطالبة فان لم تترک وخاصمته الی القاضی یستحسن للقاضی ان یدعوها الی الترک فیقول لها اترکی واعرضی عن

هذا."(ج ۱، ص ۱۶ ۵، الباب الحادی عشر فی اللعان من کتاب الطلاق)

جب زید کے پاس ہندہ پر لگائی ہوئی تہمت پر کوئی گواہ یا اس کا کوئی ثبوت نہیں اور ہندہ اس کا انکار بھی کرتی ہے تو زید کا اپنی اس بے ثبوت بات پر اڑا رہنا ایک مسلم کو تکلیف دینا اور شریعت پر سخت جرأت مندی دکھانا ہے جس سے زید کو بچنا ضروری ہے۔ ہندہ اور زید کے گھر والے ان دونوں کے درمیان صلح کرائیں اگر وہ دونوں سوال میں مذکورہ واقعہ کو بھلا کر خوشی خوشی ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر ان دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے تعلق سے ایسی نفرت پیدا ہوگئی ہے کہ اب وہ ایک ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں تو زید سے کہا جائے کہ وہ ہندہ کو طلاق سنت یعنی ایک طلاق رجعی دے کر چھوڑ دے۔

ارشاد باری ہے:

"وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا."(پ ۵، س نساء ۴ آیت ۳۵)

اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا، بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ."(پ ۲، س بقرہ ۲، آیت ۲۲۹)

یہ طلاق دو بار ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

اب اس طلاق رجعی کی عدت گزارنے کے بعد زید کے نکاح سے نکل جائے گی۔ لہذا وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے زید کو پورا مہر دینا ضروری ہے اور عدت گزارنے کے درمیان ہندہ کے نفقہ وسکنیٰ یعنی خرچ اور رہنے کے مکان کی ذمہ داری بھی زید پر ہے۔ رخصت کے وقت باپ کی طرف سے جو مال دولہن کو بطور جہیز ملتا ہے وہ خاص اسی کا ہوتا ہے کوئی دوسرا شخص اس کی اجازت کے بغیر اس کو اپنے استعمال میں نہیں لا سکتا لہذا طلاق کے بعد یہ ہندہ ہی کو ملے گا۔ ارشاد باری ہے:

"وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً."(پ ۴، س نساء ۴، آیت ۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنی کان الطلاق رجعیا او بائنا کذافی فتاوی قاضیخان."اه ملخصا(ج ۱،ص ۵۵۷،الباب السابع عشر فی النفقات من کتاب الطلاق)

ردالمختار میں ہے:

"کل احد یعلم ان الجهاز للمرأة اذا طلقها تاخذه کله."(ج۴،ص ۳۱۱،باب المهر من کتاب الطلاق)

بچہ شوہر ہی کا ہوتا ہے اس لیے وہ اسی کے پاس رہے گا البتہ طلاق دینے کی صورت میں ہندہ کو سات سال تک اور بچی ہو تو نو سال تک اس کی پرورش کا حق ہے جب کہ وہ بچے کی خیر خواہ ہو اور اس نے بچے کے کسی محرم مثلاً نسبی چچا سے نکاح کیا ہو اور اگر بچے کے غیر محرم سے نکاح کیا تو اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا بچے کی پرورش میں جو رقم خرچ ہوگی اس کی ذمہ داری باپ پر ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقة الام الا ان تکون غیر مامونة کذافی الکافی او متزوجة بغیر محرم کذافی فتح القدیر والام احق بغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین."اه ملخصا(ج ۱،ص ۵۴۱،۵۴۲،الباب السادس عشر فی محاضنة من کتاب الطلاق)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

"الام والجدة احق بالصغیرة حتی تحیض وقدر بتسع وبه یفتی." اه ملخصا(فوق ردالمحتار ج۵،ص ۲۶۸،باب الحضانة من کتاب الطلاق)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"نفقة الاولاد الصغار علی الاب لا یشارکه فیها احد کذا فی الجوهرة النیرة."(ج ۱، ص ۵۶۰،الفصل الرابع من الباب السابع عشر فی النفقات من کتاب الطلاق)

عدت کے تعلق سے اوپر بات گزر چکی ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ اگر زید ہندہ کو حمل کی حالت کے

علاوہ کسی اور وقت طلاق دے گا تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر حمل کی حالت میں طلاق دے گا تو اس کی عدت وضع حمل یعنی پیدائش ہے پھر اس کے بعد وہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ارشاد باری ہے:

”وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ.“(پ ۲،س بقرہ ۲،آیت ۲۲۸)

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔

دوسرے مقام پر ہے:

”وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.“(پ ۲۸/س طلاق ۶۵ آیت ۴)

اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۹/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

باب الحلف بالطلاق

تعلیق کا بیان

اس سال کا امتحان دینے پر طلاق کو معلق کیا تو امتحان دینے پر طلاق پڑ جائے گی۔اب اس طلاق سے بچنے کی صورت کیا ہوگی؟

مسئلہ : از جواز الدین قاضی،شیواجی وارڈ ہنگن گھاٹ ضلع وردھا مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی زوجہ سے کہا: اگر تو نے ابھی اس سال کا امتحان دیا،تو میری طرف سے تجھ پر ایک طلاق واقع ہوجائے گی،پھر آٹھ دن بعد چاچا کو کہا اگر اس پر ایک طلاق واقع ہوگئی تو اس طلاق کے عوض میں دو طلاق اور میری طرف سے ہوجائے گی۔یعنی تین طلاقیں واقع ہوجائے گی۔

نوٹ : امتحان مارچ کے مہینے میں ہونے والے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اس کہنے پر اس کی بیوی امتحان دینے کی وجہ سے زید کے نکاح سے باہر ہوجائے گی؟ کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟

(۱) کیا زید اپنے کہے ہوئے ان الفاظ کو واپس لے سکتا ہے۔

(۲) یہ نکاح نہ ٹوٹے اور میاں بیوی کا رشتہ برقرار رہے اس کے لیے کیا تجویز ہے؟

مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں لکھی گئی باتیں اگر سچ ہیں تو اس سال کا امتحان دینے پر زید کی

بیوی پر تین طلاق پڑ جائے گی۔اوروہ زید کے نکاح سے نکل جائے گی۔

ہدایہ میں ہے:

"اذا اضافه الى شرط وقع عقيب الشرط مثل ان يقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق وهذا بالاتفاق."(ج ۲،ص ۳۸۵،باب الايمان فى الطلاق من كتاب الطلاق)

اب زید اپنے ان کہے ہوئے الفاظ کو واپس نہیں لے سکتا،لہذا اب اس طلاق سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ زید کی بیوی اس سال کا امتحان چھوڑ دے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱؍جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

صرف طلاق کی دھمکی دینے سے طلاق نہیں پڑتی

مسئلہ : ازمولانا محمد ریحان رضا قادری مقام پوسٹ سبحان پور،کٹوریہ،وایا عمر پور،ضلع بانکا بہار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کا کچھ مہینے سے دماغی توازن بگڑا ہوا ہے اور بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔زید نے اپنی بیوی ہندہ کو فون کیا اور کہا،اپنی ماں سے کہو کہ سوا کٹھا زمین ہم کو دے دے تو ہندہ نے کہا،اس کو بیٹا نہیں ہے جو تم کو زمین دے گی؟اس پر زید نے اپنی زبان میں کہا کہ"اگر زمین نئے دیتوت تورا طلاق دید یبو"یعنی اگر زمین نہیں دے گی تو تجھ کو طلاق دے دوں گا۔تو ہندہ نے کہا میری امی زمین نہیں دے گی،تو زید نے کہا"اگر زمین نئے دیتوت تورا تینوں طلاق دید یبو"یعنی اگر زمین نہیں دے گی تو تجھ کو تینوں طلاق دے دوں گا۔آیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ازروئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : برتقدیر صدق سائل زید کے مذکورہ قول میں صرف وعدہ تطلیق یعنی زمانہ آئندہ میں

طلاق دینے کا وعدہ یا دھمکی ہے، یہ طلاق نہیں، لہذا زید کی بیوی ہندہ پر کوئی طلاق نہیں پڑی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۶/صفر ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

کہا میری اجازت کے بغیر میکہ گئی تو تجھ پر طلاق پھر بلا اجازت گئی تو طلاق پڑ گئی

مسئلہ :

زید نے ہندہ سے کہا کہ اگر تو میرے بغیر اجازت کے میرے گھر سے میکہ گئی تو تجھ پر طلاق پھر بھی ہندہ اپنے میکے بے اجازت شوہر کے چلی گئی، تو کیا اس صورت میں ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوہاب : صورت مسئولہ طلاق معلق کی صورت ہے۔ واقعی اگر زید نے اس شرط پر طلاق کو معلق کیا کہ بغیر میری جازت میکہ گئی تو تجھ پر طلاق پھر عورت بغیر اجازت شوہر میکہ گئی لہذا طلاق واقع ہوگئی۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری ج ۱، ص ۴۱۵ میں ہے:

"اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتهت لانها لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین. واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور
۳۰/ربیع النور ۱۴۳۶ھ۔ ۲۲/جنوری ۲۰۱۵ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح. واللہ تعالیٰ اعلم
محمد کہف الوری المصباحی

کہا ''طلاق دے دوں گا'' تو طلاق پڑی یا نہیں؟

مسئلہ : از نجمہ بیگم اقصی مسجد کے پاس حبیب نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید پینے کی حالت میں نازیبا حرکت کر رہا تھا کہ اس کے چچا نے سمجھانے کے لیے زید سے کہا کہ تو یہ حرکت کرتا ہے، اس لیے تیری بیوی بھی تیرے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ اور اس بات کے کہنے سے پہلے زید کو چند لوگوں نے اس کی حرکت پر مارا تھا۔ بعدہ اس کے چچا نے مندرجہ بالا جملہ کہا اور زید کی بیوی اس کے سامنے تھی، تو زید نے سب کے سامنے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تیرے کو طلاق ہونا؟ تو طلاق ہی لینا چاہتی ہے؟ یہ جملہ کئی بار زید نے کہا، پھر آخر میں کہا، کہ ٹھیک ہے طلاق دے دوں گا۔ تو کیا اس جملہ کے ادا کرنے سے زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ بیان فرمائیں، جب کہ سننے والوں کا کہنا ہے کہ طلاق ہو جائے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید نے جو یہ کہا ہے کہ ''ٹھیک ہے طلاق دے دوں گا۔'' یہ آنے والے زمانے میں طلاق دینے کا وعدہ ہے۔ یہ طلاق نہیں ہے، لہذا زید کے اس جملے سے زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی۔ سننے والے غلط مسئلہ بیان کر کے شریعت مطہرہ پر سخت جرأت مندی دکھا رہے ہیں اور اپنے آپ کو گنہگار بنا رہے ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ توبہ کریں اور آئندہ بغیر جانے سمجھے مسئلہ بیان کرنے سے بچیں۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وعدۂ تطلیق طلاق نہیں

مسئلہ : از محمد صابر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی سے

کئی بار کہا، کہ ہم تم کو طلاق دے دیں گے، تو اس سے زید کی بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں؟ بیان فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید نے جو کہا ہے وہ آئندہ زمانہ میں طلاق دینے کا وعدہ ہے اور وعدۂ تطلیق سے طلاق نہیں پڑتی، لہذا صورت مذکورہ میں زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲؍ ربیع الآخر ۱۴۳۴ھ

صرف بیوی کے کہنے سے طلاق کا ثبوت نہیں ہوگا

مسئلہ : از حافظ وقاری محمد صدر الدین صاحب جون پوری بانی ومہتمم دار العلوم غریب نواز نئی بستی ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ

بیوی کہہ رہی ہے کہ مجھے میرے شوہر نے رات میں کہا کہ طلاق، طلاق، طلاق، اور اس کے بعد کہا کہ میں گھر جا کر طلاق نامہ بھیج دوں گا اور اس وقت زوجین کے علاوہ تیسرا کوئی موجود نہیں تھا اور شوہر یہ بھی کہہ رہا ہے کہ میں تو ابھی تک اس کو طلاق نہیں دیا ہوں لیکن اب میرا اس کو رکھنے کا ارادہ نہیں ہے، شوہر بار بار اقرار کر رہا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دیا ہے اور بیوی بار بار اقرار کر رہی ہے کہ انہوں نے میرے کو طلاق دیا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں کس کی بات مانی جائے اور کس کی بات نہ مانی جائے؟ اور طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اگر طلاق واقع ہوئی تو کون سی طلاق واقع ہوئی ہے؟

برائے کرم شریعت کی روشنی میں قرآن وحدیث کے حوالے سے جواب مرحمت فرمائیں۔ آپ کا کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : ثبوت طلاق کے لیے شوہر کا اقرار طلاق یا شرعی گواہی لازم وضروری ہے اور صورت مسئولہ میں ان دونوں باتوں میں سے کچھ بھی نہیں، صرف عورت کا بیان ہے جو ثبوت طلاق کے لیے کافی اور معتبر نہیں، لہذا مذکورہ بالا صورت میں شخص مذکور کی بیوی پر طلاق پڑنے کا حکم نہ ہوگا اور وہ بدستور اپنے

شوہر کی بیوی ہی رہے گی۔اس لیے کہ نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے۔قرآن مجید میں ہے:

"بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ". (البقره ۲/ ۲۳۹)

لہذا جب تک شوہر کی طرف سے طلاق کے ذریعہ اس گرہ کے کھولنے کا اقرار یا اور کوئی شرعی ثبوت نہ ہو اس وقت تک نکاح کا حکم ثابت رہے گا۔

البتہ وہ شخص مذکور اگر واقعی طلاق دے چکا ہے اور اب جھوٹ بول کر اس کو چھپا رہا ہے تو مفتی کے فتوی سے اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا، بلکہ اس کا گناہ و وبال اسی کے سر ہوگا۔حدیث شریف میں ہے:

"الكذب فجور والفجور يهدى الى النار." (مشكوة ص ۴۱۲، باب حفظ اللسان من كتاب الآداب)

جھوٹ بولنا گناہ ہے اور گناہ جہنم کی آگ کی طرف لے جاتا ہے۔

اور شخص مذکور کی بیوی کے پاس نہ تو کوئی گواہ ہے اور نہ شوہر اقرار کر رہا ہے لہذا اس تقدیر پر کہ وہ تین طلاقیں دے کر انکار کر رہا ہے اس کی بیوی پر لازم ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس سے جدا ہو جائے، خواہ اس کے لیے مہر معاف کرنا پڑے، یا مال دینا پڑے، اور اگر اس پر بھی نہ چھوڑے تو کوشش یہ کرے کہ وہ صحبت نہ کرنے پائے اور نہ اس پر کبھی راضی ہو اگر اس پر عمل کرے گی تو چوں کہ وہ مجبور ہے اس لیے معذور ہے اور شوہر بہر حال گنہگار ہوگا۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"سمعت من زوجها انه طلقها و لا تقدر على منعه من نفسها ترفع الامر للقاضى فان حلف و لا بينة فالاثم عليه." ملخصا

اس کے تحت شامی میں ہے:

"اى وحده وينبغى تقييده بما اذا لم تقدر على الافتداء او الهرب." (ج۵، ص ۵۵، ۵۶، باب الرجعة من كتاب الطلاق) والله تعالىٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۲/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

شوہر نے کہا کہ ”اگر میں کمینہ ہوں تو تجھے طلاق“ تو طلاق ہوگئی اگر چہ عورت نے کمینہ نہ کہا ہو۔ صحت تعلیق کے لیے کیا شرط ہے؟

مسئلہ : از مولانا محمد معراج الدین ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید وہندہ میاں بیوی ہیں، ہندہ نے اپنے شوہر زید سے اس بات پر تکرار کی، کہ ”تم نے میرے باپ کو یہ کہا کہ اپنی بیٹی کو میرے گھر سے لے جاؤ نہیں تو میں ٹکڑے کر دوں گا“ زید نے کہا کہ ”میں نے ایسا کچھ نہیں کہا“ جب ہندہ نے بار بار یہ کہا کہ ہاں تم نے میرے باپ سے ایسا کہا ہے، تو پھر زید نے کہا، کہ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے ایسا کہا ہے۔ پھر اس کے بعد زید نے کہا، اگر میں نے مذکورہ جملہ تمہارے باپ سے کہا ہے تو ٹھیک اور نہیں کہا ہے تو ایک، دو، تین، چھ، دس طلاق۔ سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صحت تعلیق کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس جملہ سے شوہر کا اپنی بیوی کو ایذا دینا مقصود نہ ہو، لہذا اگر اس جملے سے اپنی بیوی کو ایذا دینا مقصود ہو تو وہ تعلیق نہ ہوگی بلکہ تنجیز ہوگی اور سوال نامہ سے یہ صورت حال ظاہر ہے کہ زید نے جو یہ جملہ کہا ہے کہ ”اگر نہیں کہا تو تجھے ایک دو، تین، چھ، دس طلاق“ اس سے اس کا مطلب اپنی بیوی کو تکلیف دینا ہی ہے، لہذا اس کی بیوی ہندہ پر طلاق مغلظہ پڑ گئی، خواہ اس نے مذکورہ جملہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ اب ان پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔ بغیر حلالہ کے اب وہ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”**فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ**. (البقرہ ۲/۲۳۰)

پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

درمختار میں ہے:

"وشرط صحته ان لا یقصد به المجازاۃ فلو قالت یا سفلة فقال ان کنت کما قلت کذا تنجز کان کذلک او لا." اھ ملخصا

اس کے تحت شامی میں بحر الرائق سے ہے:

فلو سبته بنحو قرطبان وسفلة فقال ان کنت کما قلت فانت طالق تنجز سواء کان الزوج کما قالت او لم یکن لان الزوج لا یرید الا ایذاء ھا بالطلاق." (ج۴، ص ۵۹۱، ۵۹۲، باب التعلیق من کتاب الطلاق)

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علیہ الرحمہ بہار شریعت ح۸، ص۲۴، تعلیق کا بیان، مطبوعہ رضا اکیڈمی ناگ پور میں فرماتے ہیں: "تعلیق صحیح ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ سزا دینا مقصود نہ ہو مثلاً عورت نے شوہر کو کمینہ کہا، شوہر نے کہا، اگر میں کمینہ ہوں تو تجھ پر طلاق ہے تو طلاق ہوگئی۔ اگرچہ کمینہ نہ کہا ہو کہ ایسے کلام سے تعلیق مقصود نہیں ہوتی بلکہ عورت کو ایذا دینا (مقصود ہوتا ہے) ملخصا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۹ر شعبان ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

شوہر نے کہا کہ میرے پیچھے نہیں آ ؤ گی تو تم کو طلاق۔ بیوی اس کے پیچھے پیچھے چلی تو طلاق نہیں پڑی۔

مسئلہ:

زید اور ہندہ اپنے مکان کے بغل محمد جاوید کے مکان پر بیٹھے آپس میں خیر وخیریت کی باتیں کر رہے تھے۔ دوران گفتگو کچھ الجھن کی باتیں شروع ہوئیں۔ زید نے ہندہ سے کہا، کہ اگر تم ہمارے پیچھے نہیں، آ ؤ گی تو تم کو طلاق دو مرتبہ کہہ کر زید اٹھا اور اپنے مکان پر چلا گیا اور مکان کے اندر داخل ہو کر چارپائی پر لیٹ گیا، پیچھے پیچھے ہندہ بھی اپنے مکان پر چلی گئی، مکان کے اندر سے ایک ڈائری لے کر باہر نکلی اور دروازے پر بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ تھوڑے ہی وقفہ کے بعد محمد جاوید کی بیوی اور پڑوس

میں رہنے والی نکہت کی والدہ ہندہ کے مکان پر پہنچ گئیں اور ہندہ سے بولیں کہ باہر کیوں بیٹھی ہو مکان کے اندر چلو، ان کے اصرار پر ہندہ اور نکہت کی والدہ اور محمد جاوید کی اہلیہ تینوں خاتون مکان کے اندر داخل ہوگئیں۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ لہذا اس مسئلے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید نے طلاق کو جس شرط پر معلق کیا تھا، وہ شرط نہیں پائی گئی، اس لیے زید کی بیوی ہندہ پر کوئی طلاق واقع نہ ہوئی، کیون کہ زید نے ہندہ سے اس طرح کہا تھا، کہ ''اگر تم ہمارے پیچھے نہیں آؤ گی، تو تم کو طلاق، تم کو طلاق۔'' اس جملے میں زید نے طلاق پڑنے کے لیے جو شرط لگائی تھی وہ ہندہ کا زید کے پیچھے نہ آنا ہے۔ اور آگے سائل نے تحریر کیا ہے کہ ''پیچھے پیچھے ہندہ بھی اپنے مکان پر چلی گئی'' لہذا طلاق پڑنے کے لیے جو شرط تھی وہ باطل ہوگئی اور جب شرط باطل ہوگئی تو اس پر طلاق بھی نہیں پڑی۔

ہدایہ میں ہے:

''اذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط.''(ج۲، ص ۳۸۵.باب الایمان فی الطلاق من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۷رشوال المکرّم ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

باب الکنایة

طلاق کنایہ کا بیان

لفظ ''جا'' طلاق کے لیے کنایہ ہے لہذا اس سے ایک طلاق بائن ہوئی

مسئلہ : ازمحمد بشیر آسی نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے ہندہ سے شادی کیا اور شادی کیے ہوئے تقریباً دس سال ہو گئے۔ کئی سالوں سے شک کی بنیاد پر زید اپنی بیوی کو بارہا منع کرتا رہا کہ تم فلاں شخص سے بات مت کرو، لیکن وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئی، جس بنا پر آج کئی روز سے جھگڑے ہوتے رہے، جھگڑا طول پکڑنے پر زید ہندہ سے پچاسوں بار یہ کہتا رہا کہ آج میں تم کو طلاق دے کر رہوں گا۔ اپنی ماں کی قسم میں تم کو آج طلاق دے کر رہوں گا۔ ہندہ نے اس جملے پر اپنے سامان کو سمیٹا اور باہر نکلی اور بولی کہ میں جارہی ہوں، تو زید نے کہا، ''جا تو جا اگر نہیں مانتی ہے تیری مرضی تو تو جا آزاد ہے۔'' تو کیا مذکورہ بیان سے ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کتنی طلاق واقع ہوگی؟ لہذا از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید نے جو لفظ ''جا'' کہا ہے، وہ طلاق کے لیے کنایہ ہے، لہذا اگر اس سے زید کی نیت طلاق کی تھی تو ہندہ پر ایک طلاق بائن پڑی۔ اور ''تو جا آزاد ہے'' یہ بھی طلاق کے لیے کنایہ ہے اور اس سے پہلے چوں کہ طلاق کا ذکر ہو چکا ہے، اس لیے زید نے اس سے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہے، بہر حال اس سے ایک طلاق بائن ہوئی اور یہاں بائن کو بائن لاحق نہیں ہوسکتی اس لیے لفظ ''جا'' سے طلاق کی نیت تھی یا نہیں تھی بہر صورت ہندہ پر صرف ایک طلاق بائن پڑی۔

تنویر الابصار میں ہے:

"اذهبی یحتمل ردا،حرام بائن یصلح سبا وانت حرة لا یحتمل السب والرد،ففی حالة الرضا تتوقف الاقسام علی نیة،وفی الغضب الاولون وفی مذاکرة الطلاق الاول فقط."اھ ملخصا

اس کے تحت شامی میں ہے:

"والحاصل ان الاول یتوقف علی النیة فی حالة الرضا والغضب والمذاکرة والثانی فی حالة الرضا والغضب فقط ویقع فی حالة المذاکرة بلانیة والثالث یتوقف علیها فی حالة الرضا فقط ویقع فی حالة الغضب والمذاکرة بلانیة."(رد المحتار ج۴،ص ۵۲۹، ۵۳۳،باب الکنایات من کتاب الطلاق)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"لایلحق البائن البائن."

اس کے تحت شامی میں ہے:

"المراد بالبائن الذی لا یلحق هو ماکان بلفظ الکنایة لانه هو الذی لیس ظاهرا فی انشاء الطلاق کذا فی الفتح."(حواله سابق ص ۵۴۲)

اور اب جب کہ ہندہ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی تو وہ زید کے نکاح سے نکل گئی۔اب اگر دونوں ایک ساتھ رہنے کے لیے رضا مند ہوں تو دوبارہ نکاح کرنا لازم ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۰/ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

باب الخلع

تفریق کا بیان

بعد نکاح زوجین کی تفریق کی صورت کیا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد شمشیر رضا خادم جامع مسجد مول ضلع چندر پور

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع عظام مسئلہ ذیل کے بارے میں

ہندہ کی شادی زید سے چار سال پہلے ہوگئی تھی ، جب سے ہندہ کو اس کا شوہر کافی تکلیف دیتا ہے، کھانے پینے ضروریات زندگی کے تعلق سے مطلقا خیال نہیں رکھتا اور ہندہ کا اب اپنے شوہر کے پاس رہنے کا قطعا ارادہ نہیں ہے وہ اپنے شوہر سے تفریق چاہتی ہے لیکن زید اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دینے سے انکار کرتا ہے ،لہذا تفریق کی کیا صورت ہے؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : زیداور ہندہ کے الگ ہونے کی صورت یہی ہے کہ کسی طرح ہندہ زید سے طلاق لے لے یا خلع کرالے۔و اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۱/۱۰/۱۴۳۷ھ۔۲۷/۷/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

میاں بیوی میں نا اتفاقی رہتی ہے تو جدائی کی کیا صورت ہے؟

مسئلہ : از عبدالرزاق حسن باغ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

بکر کی شادی خالدہ سے ہوئی، کافی عرصہ ہوا، لیکن اس وقت سے آج تک دونوں کا آئے دن جھگڑا ہی رہتا ہے کیوں کہ خالدہ زبان دراز، بغیر اجازت شوہر کے بازار میں جانا، اپنے گھر چلی جانا، سمجھانے پر پولس یا خودکشی کی دھمکی دینا، بے پردہ گھومنا لہذا بکر اس کو رکھنا نہیں چاہتا ہے بہت کچھ سمجھایا گیا اس کے باوجود بھی خالدہ کا رویہ وہی ہے تو بکر شرعی اعتبار سے جدائی چاہتا ہے تو بکر کے لیے کیا راستہ ہوگا۔ جواب دے کر کرم فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے، ٹیڑھی ہی چلے گی اور اگر تو اس سے فائدہ لینا چاہتا ہے تو اسی حال پر اس سے نفع اٹھا اور اگر سیدھی کرنا چاہے گا تو ٹوٹ جائے گی اور اس کا ٹوٹنا اسے طلاق دینا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ مسلمان عورت سے اچھا برتاؤ رکھو کہ اگر تمھیں اس کی ایک عادت ناپسند ہوئی تو دوسری عادت پسند ہوگی اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

"عسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔"

قریب ہے کہ تم ایک بات کو مکروہ جانو گے اور اللہ عزوجل اس میں بہت بھلائی رکھے گا۔

حتی الامکان عورت کے ساتھ نیک برتاؤ اور اس کی دل جوئی اور خوش کر کے اپنی اطاعت پر لانا اور اس کی کج خلقی پر صبر کرنا چاہیے اور اصلاح ناممکن ہے ہو تو طلاق دے سکتا ہے اور وہ اس کو حالت طہر میں جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو ایک طلاق رجعی دے تاکہ عدت کے اندر رجعت کر سکے ورنہ بعد عدت وہ نکاح سے نکل جائے گی اور طلاق بائن ہو جائے گی، بحسب سوال خالدہ کے متعلق جو باتین بیان کی گئیں وہ صحیح ہیں اور بکر اب اس سے علاحدہ ہونے پر مجبور ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دے اور اس کو چھوڑے رکھے تاکہ وہ عدت

سے نکل جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

محمد مجیب اشرف رضوی غفرلہ ۱۸؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ۔۱۳؍جولائی ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاضل مجیب نے جو جواب دیا ہے وہ صحیح ہے لیکن موجودہ حکومت عورتوں کی بہت زیادہ طرفداری کرتی ہے، اس لیے اگر خالدہ کے ساتھ زندگی گزارنا دشوار ہو اور اصلاح ممکن نہ ہو تو باہمی رضامندی سے اس معاملہ کو حل کریں تاکہ طلاق کے بعد قانونی دشواریوں سے دوچار ہونا نہ پڑے۔واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ

۳؍جولائی ۲۰۰۹ء

کتاب البیوع

خرید وفروخت کا بیان

مردار جانور اور اس کے اعضا کو مسلم وغیر مسلم سے بیچنے کے احکام۔ایک دیوبندی فتوے کا رد وابطال

مسئلہ : از ابرار احمد رضوی قریشی کامٹی ناگ پور

جو مسلمان حلال جانور کے خرید وفروخت کا کاروبار کرتے ہیں یا پالتے ہیں جب جانور مر جاتے ہیں تو چمار کو دے دیتے ہیں۔عرض ہے کہ کیا مرے ہوئے جانور کی کھال مسلمان خود نکال سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کا گوشت ہڈی چمڑا وغیرہ بیچ سکتا ہے؟ مرے ہوئے جانور کی کون سی چیز مسلمان کس صورت وطریقے سے خرید وفروخت کرسکتا ہے؟ اور اس رقم کو اپنے یا دینی کام میں استعمال کرسکتا ہے؟ شریعت مطہرہ سے جواب عنایت فرمائیں۔نیز اس سے ملحق فتوے کے بارے میں بھی حکم بیان فرمائیں۔

ملحق فتوی مع سوال و جواب

السلام علیکم

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں

عرض گزارش یہ ہے کہ ہم قریش برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ہمارا جانوروں کی خرید وفروخت کا کاروبار ہے، ہمارے جو جانور مر جاتے ہیں، وہ چمار کو دے کر اس سے پیسے لے کر بغیر ثواب کی نیت سے غریب غربا کو دے دیتے تھے۔ہمارا کاروبار جہاں چلتا ہے، وہ زمین ہماری ملکیت نہیں ہے، آج حالات ایسے ہیں کہ ہمیں ہماری خود کی زمین کی بہت ضرورت ہے جس پر ہم کاروبار کرسکیں اس کے لیے ہم مرے

ہوئے جانوروں کے پیسے جمع کر کے اس سے ایک زمین خرید کر اس پر اپنا کاروبار کرنا چاہتے ہیں یہ صحیح ہے یا غلط؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی اور کوئی جائز تدبیر ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں۔ حاجی وکیل احمد قریشی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق حامدا ومصلیا ومسلما

صورت مسئولہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ اسلام میں مردار کو کھانا بیچنا حرام قرار دیا گیا ہے **وکذا بیع المیتۃ والدم والحر باطل (باب البیع الفاسد. کتاب البیوع)**

اسی طرح اگر چمار کو مردار دے دیا جائے اور وہ کچھ پیسے دے تو چونکہ یہ بھی مردار کے عوض میں ہے اس لیے اس کا لینا بھی صراحتاً حرام اور ناجائز ہے۔ اس سے بچنے کی جائز تدبیر یہ اختیار کی جاسکتی ہے کہ اگر اس مردار کے چمڑے کو دباغت دے دی جائے تو یہ دباغت شدہ چمڑہ پاک اور حلال ہوجائے گا اب دباغت کے بعد اس کا استعمال اور اس کو فروخت کرنا جائز ہے۔ **وفی الھدایۃ وکل اھاب دبغ فقد طھر جازت الصلوۃ فیہ والوضوء منہ الا جلد الخنزیر والآدمی لقولہ علیہ السلام ایما اھاب دبغ فقد طھر. ج ۱ ص ۱۲۵ کتاب الطھارات.** مشکوۃ شریف میں ہے **وعنہ قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ بشاۃ فماتت فمربھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا اخذتم اھابھا فدبغتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انھا میتۃ فقال انما حرم اکلھا،متفق علیہ (باب تطھیر النجاسات،مشکوۃ ص ۵۲)** حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باندی کو ایک بکری صدقہ کی گئی تھی جو مرگئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مری ہوئی بکری پر گزرے تو آپ نے فرمایا تم نے اس کی کھال نکال کر دباغت کیوں نہیں دی پس اس سے فائدہ اٹھاتے لوگوں نے کہا کہ یہ تو مردار ہے آپ نے فرمایا اس کا کھانا حرام ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کی کھال اگر دباغت دے دی جائے وہ پاک ہوجائے گی اور اس کا استعمال،خرید وفروغت سب جائز وحلال ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

محمد فاروق
مدرسہ مدینۃ العلوم صدر ناگ پور
۱۲؍جنوری ۲۰۰۸ء

الجواب صحیح
(تصحیح کرنے والے کا نام معلوم نہ ہوسکا)
مدرسہ مدینۃ العلوم کی مہر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : موقع ہوتا تو اس سے ملحق فتوی کے غلط ہونے پر تفصیلی گفتگو کی جاتی۔سائل کے لیے بس اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس فتوی کا لکھنے والا وہابی دیو بندی ہے اور وہابی دیو بندی سے فتوی لینا جائز نہیں کیوں کہ یہ شرعی مسئلہ ہے اور مسائل شرعیہ کا علم علمائے اہل سنت ہی سے حاصل کرنا واجب وضروری ہے۔

امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ان ھذاالعلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم"(مسلم ج ا ص ا ا باب بیان ان الاسناد من الدین)

کہ یہ علم، دین ہے لہذا اسے حاصل کرنے سے پہلے دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

یعنی اس کو اچھی طرح سے دیکھ لو ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فاسق وفاجر، گمراہ یا کافر ومرتد ہو اور اس سے علم دین حاصل کرنے کی نیک تمنا لے کر تم اس کے پاس جاؤ اور دھوکہ کھا کر معاذ اللہ تم بھی اسی طرح ہو جاؤ۔یا وہ غلط فتوی بتا کر تمہارا دینی یا دنیاوی نقصان کر دے جیسا کہ اس سے ملحق فتوی میں ہوا ہے کہ اس میں چمار سے مردار کے بیچنے کو "صراحتاً حرام اور ناجائز" کہا گیا ہے حالاں کہ یہ صراحتاً غلط ہے۔

صحیح حکم یہ ہے کہ ہندوستان کے غیر مسلم چمار ہوں یا اور کوئی وہ سب حربی ہیں اور حربی سے مردار جانور کو بیچنا بیع فاسد ہے اور بیع فاسد کے ذریعہ جو مال یہاں کے غیر مسلموں سے حاصل ہو وہ مسلمانوں کے لیے جائز ومباح ہے۔لہذا یہاں کے غیر مسلموں سے مرے ہوئے جانور کو گوشت پوست اور ہڈی وغیرہ کے ساتھ بیچ کر ان سے روپے حاصل کرنا جائز ودرست ہے۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

"انظروا یاایھاالمومنون ھل فی ھذا الزمان ذمی وتفکروا یاایھاالمسلمون ان ھم الا حربیون وما یعقلھا الاالعالمون."(ص ۳۰۰)

ردالمختار میں ہے:

"لو باعھم درھما بدرھمین او باعھم میتة بدراھم فذلک کله طیب له."۱۵ ملخصا(ج۴، ص۴۲۳،باب الربوامن کتاب البیوع)

مرے ہوئے جانور کی کھال مسلمان خود سے نکال سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث پاک سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی کو ایک بکری صدقہ میں پیش کی گئی پھر وہ مرگئی، لوگوں نے اس کو پھینک دیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس بکری کے پاس سے گزرے تو آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کی کھال کیوں نہیں لے لیا کہ اسے دباغت دے کر اس سے فائدہ اٹھاتے؟ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو مردار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا کھانا حرام ہے یعنی اس کا گوشت کھانا حرام ہے، اس کا چمڑا دباغت کے بعد استعمال کرنا ناجائز نہیں۔ اس حدیث میں اس کی کھال نکالنے کے لیے مسلم یا غیر مسلم کی کوئی قید نہیں لہذا حکم جواز ہی کا ہوگا۔

حدیث مذکور کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ بشاۃ فماتت فمربھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا اخذتم اھابھا فذبحتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انھا میتۃ فقال انما حرم اکلھا۔" (مسلم ج ا ص ۱۵۸ ،باب طھارۃ جلود المیتۃ بالدباغ من کتاب الحیض)

مرے ہوئے جانور کا پٹھا، دباغت کے بعد اس کی کھال، چکنائی ختم ہونے کے بعد اس کی ہڈی، بال، پر، چونچ، کھر، ناخن اور سینگ ان سب کو بیچنا بھی جائز ہے اور اپنے کام میں لانا بھی جائز ہے۔ خواہ مسلمان مسلمان سے بیچے یا غیر مسلم سے۔ حاصل یہ ہے کہ مسلمان سے مردار کا گوشت بیچنا مطلقا جائز نہیں یوں ہی دباغت دینے یعنی پکانے سے پہلے اس کی کھال یا اس کے گوشت کی چکنائی ختم ہونے سے پہلے اس کی ہڈی مسلمان سے بیچنا جائز نہیں اور کھال پکانے کے بعد یا ہڈی سے چکنائی ختم ہونے کے بعد اسے مسلمان سے بھی بیچ سکتے ہیں اور غیر مسلموں سے مردار کا بیچنا تو مطلقا جائز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس طریقے سے جو مال حاصل ہوگا وہ حلال وجائز ہوگا، لہذا جس طرح اس کو اپنے مصرف میں استعمال کرنا درست ہے یوں ہی دینی کام کے لیے بھی اس کو استعمال کرنا جائز و درست ہے۔

درمختار وتنویر الابصار میں ہے:

وجلد میتۃ بعدہ ای بعد الدباغ یباع و ینتفع بہ لطھارتہ حینئذ کما ینتفع بما لا تحلہ حیاۃ منھا کعصبھا وصوفھا۔"اھ ملخصا

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

ادخلت الکاف عظمها وشعرها و ریشها ومنقارها وظلفها وحافرها فان هذه الاشیاء طاهرة لاتحلها الحیاة فلا یحلها الموت."(ج۷ص۲۶۵، ۲۶۷،باب البیع الفاسد من کتاب البیوع)

فتاوی عالم گیری میں ہے:

وفی العیون لا باس ببیع عظام الفیل وغیره من المیتات وهذا اذا لم یکن علی عظم الفیل واشباهه دسومة فاما اذاکان فهو نجس ولایجوز بیعه واما شعر المیتة وعظمها وصوفها وقرنها فلاباس بالانتفاع بها وبیع ذلک کله جائز."اھ ملخصا(ج۳،ص۱۱۵،الباب التاسع فیما یجوز بیعه ومالایجوز من کتاب البیوع)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مبیع وثمن معلوم ہوں اور زبانی ایجاب وقبول ہوجائے تو بیع تام ہوجاتی ہے۔

ادائیگی حج سے پہلے قرض وغیرہ حقوق العباد ادا کردے یا معاف کرالے۔

مسئلہ : از جمال الدین سیفی نگر مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید(داماد) نے اپنے سسر عمرو سے ایک پلاٹ خریدا جس کی قیمت ۶؍لاکھ روپے طے ہوئی اور اس میں سے تین لاکھ نوے ہزار روپے ادا کردی گئی ،باقی دولاکھ دس ہزار روپے زید ادا کرنے کے لیے تیار ہے تاکہ اس کی رجسٹری ہوجائے لیکن جب رجسٹری کی بات ہوئی تو عمرو پلاٹ دینے اور رجسٹری اور اسٹامپ پر لکھ کردینے سے انکار کررہا ہے عمرو کی نیت بدل گئی ہے اس لیے کہ پلاٹ کی موجودہ قیمت دس سے بارہ لاکھ روپے ہے۔ بیچ میں ایک شخص کو ڈالا گیا تو عمرو نے پلاٹ دینے سے انکار کیا۔ جو رقم ۲؍سال قبل ۳؍لاکھ نوے ہزار دی

گئی تھی وہی رقم لوٹانے کی بات کہی۔ جب اس رقم کو واپس مانگا گیا تو عمرو کہتا ہے میں حج کو جارہا ہوں واپسی کے بعد بیٹھک ہوگی تب واپس دوں گا۔

لہذا ایسی صورت حال میں زید کا مذکورہ روپے کی ادائیگی سے قبل حج کے لیے جانا کیسا ہے؟ اور پلاٹ کو بیچنے کے بعد پھر اس سے انکار کرنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔مہربانی ہوگی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : بیع یعنی خرید وفروخت کے تام اور مکمل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مبیع اور ثمن یعنی سامان اور اس کی قیمت متعین اور معلوم ہو۔تنویر الابصار اور درمختار میں ہے:

"وشرط لصحته معرفة قدر مبيع وثمن."(ردالمحتارعلى الدرالمختار شرح تنوير الابصار ج۷،ص۴۸، كتاب البيوع)

اور جب مبیع اور ثمن معین کردیے جائیں تو اب نقد وادھار دونوں طرح سے خرید وفروخت جائز ہے۔تنویر الابصار میں ہے:

"وصح بثمن حال و مؤجل الى معلوم."(حواله سابق ص: ۵۲)

اور زبانی ایجاب وقبول کرنے کے بعد شرعا بیع تام ہوجاتی ہے اس کے بعد رجسٹری کرانا شرعا ضروری نہیں اور جب بیع تام ہوجائے تو بائع اور مشتری یعنی خریدنے اور بیچنے والوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر اس کو رد کرنے کا اختیار نہیں۔فتاوی عالم گیری میں ہدایہ سے ہے:

"اذا حصل الايجاب والقبول لزم البيع ولاخيار لواحد منهما الا من عيب اوعدم رؤية . كذا فى الهداية .اه ملخصا(ج۳،ص۸،الفصل الاول من الباب الثانى من كتاب البيوع)

اس تفصیل کے بعد صورت مسئولہ پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خرید وفروخت مکمل ہوچکی ہے لہذا اب زید کے سسر عمرو کو بغیر زید کی رضامندی کے بیع کو رد کرنے کا اختیار نہیں۔البتہ اس کو یہ حق ضرور حاصل ہے کہ جب تک زید مکمل قیمت ادا نہ کرے اس وقت تک وہ زمین زید کے حوالے نہ کرے اور سوال نامہ کے مطابق جب زید بقیہ قیمت کی ادائیگی کے لیے تیار ہے تو اب عمرو کا اس سے انکار کرنا درست نہیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"لو كان بعض الثمن حالا وبعضه مؤجلا فله حبسه حتى يستوفي الحال ولو بقي من الثمن شئ قليل كان له حبس جميع المبيع. كذافي الذخيرة." ج٣،ص ١٥ ،الباب الرابع في حبس المبيع بالثمن من كتاب البيوع)

فتاوی رضویہ ج ٧، کتاب البیوع ص٣/اور٤/میں ہے:"بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے اور بیع صحیح شرعی واقع ہولے تو اس کے بعد بائع یا مشتری کو بے رضا مندی دوسرے کے اس سے یوں پھر جانا روانہیں۔اس پر لازم ہے کہ مال فروخت شدہ تمام وکمال خریدار کو دے، ہاں پہلے مشتری کو چاہیے کہ ثمن ادا کرے۔ بائع کو اختیار ہے کہ جب تک ثمن نہ لے مبیع سپرد نہ کرے۔"ملخصا۔اسی میں صفحہ ٤٧/ پر ہے:"دوسرے کا اب اس بیع سے تعرض کرنا، قیمت بڑھانا، اپنی طرف پھیرنا سب حرام ہے۔"

لہذا اب عمرو پر لازم ہے کہ وہ مذکورہ زمین کو بقیہ قیمت لے کر زید کو سپرد کردے ورنہ وہ حرام وگناہ کا مرتکب ہوگا۔

حج کو جانے سے پہلے ضروری ہے کہ اس پر جن کے جو جو حقوق ہیں انہیں ادا کردے یا معاف کرالے یا حج سے آنے کے بعد ادا کرنے کی اجازت لے لے۔ اور جن سے وہ اپنے قصور یا حقوق معاف کرنے کی درخواست کرے یا قرض وغیرہ کی ادائیگی کے لیے مہلت طلب کرے ان پر لازم ہے کہ وہ اس کو خلوص دل سے معاف کردیں یا مہلت دے دیں۔حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"چلتے وقت سب عزیزوں، دوستوں سے ملے اور اپنے قصور معاف کرائے اور اب ان پر لازم ہے کہ دل سے معاف کردیں۔ حدیث میں ہے: جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت لائے واجب ہے کہ قبول کرلے، ورنہ حوض کوثر پر آنا نہ ملے گا۔"(بہار شریعت حصہ٦،ص١٠٥٢، حج کا بیان، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، دہلی۔٦)

ایسا ہی فتاوی رضویہ ج٤،ص٦٩١ میں بھی ہے۔

فتاوی رضویہ ج٤،ص٦٩١ کتاب الحج میں ہے:"جس کا قرض آتا ہو یا امانت پاس ہو ادا کردے۔ جن کے مال ناحق لیے ہوں واپس دے یا معاف کرالے۔جس کا اس پر قرض آتا ہے اس وقت نہ دے سکے تو اس سے بھی اجازت لے، پھر بھی حج کسی کی اجازت نہ دینے سے رک نہیں سکتا۔اجازت میں کوشش کرے نہ

ملے جب بھی چلا جائے۔“اھ ملخصا

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ عمرو پر لازم ہے کہ وہ مذکورہ زمین زید کو دے دے، ہاں اگر قبل حج نہیں دے سکتا تو بعد حج بہر حال لازم ہوگا اور اس سے انکار حرام وگناہ ہوگا۔تاہم اگر وہ زمین کو دینے سے انکار ہی کرے تو مذکورہ رقم کی ادائیگی تو بہر حال لازم ہوگی۔خواہ قبل حج ادا کرے یا بعد حج بلکہ ممکن ہو تو قبل حج ہی ادا کرے۔اور زمین نہ دینے کی صورت میں وہ گنہگار ضرور ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

قابل تعلیم کتوں کی بیع جائز ہے

مسئلہ : ازمحمد اویس حسن ساکن کپیل نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ زید بیرون ملک سے پڈگری ڈاگ (pedgree dog) import کرتا ہے اور اسے اپنے ملک ہندوستان میں منافع کی خاطر بیچتا ہے یعنی وہ (زید) تجارت کرتا ہے اور ہندوستان کے dogs کو بیچتا ہے۔کیا اس فعل سے کمائی کرنا جائز ہے؟ اگر ہے تو اس کی کتنی صورتیں نکلتی ہیں؟ برائے کرم اس کا قرآن وحدیث سے جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جو کتے قابل تعلیم ہوں یعنی جن کو شکار پکڑنے اور چھوڑنے، چور وغیرہ کے آنے پر خبر دینے یا گھر وغیرہ کی حفاظت کرنے کی تعلیم دی جاسکتی ہے ان کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والا مال بھی جائز ہے۔سوال سے یہی ظاہر ہے کہ زید انہیں کتوں کو خریدتا اور بیچتا ہے جو قابل تعلیم ہوں لہذا اس تقدیر پر زید کا یہ فعل بھی جائز اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی جائز۔البتہ جو کتے قابل تعلیم نہ ہوں ان کی بیع جائز نہیں۔

تنویر الابصار میں ہے:

"صح بیع الکلب علمت او لا."

اس کے تحت شامی میں ہے:

"لکن فی البحر عن المبسوط انه لایجوز بیع الکلب العقور الذی لا یقبل التعلیم فی الصحیح من المذھب."(ج۷،ص ۴۷۸، ۴۷۹،باب المتفرقات من کتاب البیوع)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۸/ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

شراب کی خالی بوتلوں کی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از محمد صادق تاج آباد شریف ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید کا ایک کاروبار ایسی شراب کی خالی بوتلوں کا ہے جنہیں وہ شراب کی دوکان وکباڑیوں سے خرید کر دھلائی کر کے شراب کمپنی کو دیتا ہے، وہ کمپنی ان بوتلوں میں دوبارہ شراب بھر کر مارکیٹ میں فروخت کرتی ہے۔زید کا ایسا کرنا کیسا ہے اور اس کمائی کے تعلق سے شرعی حکم کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : مذکورہ بیع جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں نہ اس میں شراب ہوتی ہے اور نہ کوئی ناجائز چیز ہوتی ہے۔ہاں اتنا خیال ضرور رکھیں کہ اس میں شراب بھرنے کی نیت نہ کریں۔ہدایہ آخرین ص۴۷۲ کتاب الکراہیۃ میں ہے:

"لاباس ببیع العصیر ممن یعلم انه یتخذہ خمرا لان المعصیة لاتقام بعینه بل بعد تغیرہ."

شیرہ انگور اس شخص سے بیچنے میں کوئی حرج نہیں جس کے بارے میں جانتا ہو کہ وہ اسے شراب بنادے گا کیوں کہ معصیت اس کے عین سے قائم نہیں بلکہ اس کے بدل جانے کے بعد قائم ہوگی۔

اور آگے اسی صفحہ پر ہے:

”ومن آجر بیتا لیتخذ فیه بیت نار او کنیسة او بیعة او یباع فیه الخمر بالسواد فلاباس به.“

اور جو کوئی اپنا گھر کرایہ پر دے تا کہ اس میں کرایہ دار آتش کدہ بنائے یا گرجا یا کلیسا بنائے یا اس میں شراب بیچے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے اسی طرح سوال کیا گیا کہ ہندو مردہ جلانے کے لیے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں تو ارشاد فرماتے ہیں کہ ”لکڑیاں بیچنے میں کوئی حرج نہیں **”لان المعصیة لا تقوم بعینها“** مگر جلانے میں اعانت کی نیت نہ کرے اپنا ایک مال بیچے اور دام لے۔“ (فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۴۰) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمدنذیر احمد رضوی امجدی غفرله

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب خادم رضا دار الیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور

محمد مجیب اشرف رضوی ۲۵ / جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ۔ ۷ / اپریل ۲۰۱۲ء

مسجد کے باہر دوکان لگا کر عطر وغیرہ بیچنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از محمد سلیم نعل صاحب ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے یہاں ایک قبرستان ہے جس کے اندر ایک مسجد ہے زید ہر جمعہ کو مسجد کے باہر عطر اور پھول کی دوکان لگاتا ہے از روئے شرع زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ بکر کہتا ہے کہ یہ فعل حرام ہے اور زید کی کمائی بھی حرام ہے۔ از روئے شرع حکم صادر فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا زید اگر پھول وچادر کی دوکان مسجد وقبرستان سے باہر لگاتا ہے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر مسجد سے باہر قبرستان کے اندر دوکان لگا کر تجارت کرتا ہے تو یقیناً یہ ناجائز ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۴۹۳ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

’’مسلمانوں کا عام قبرستان وقف ہوتا ہے اس میں سوا دفن کے اور تصرف کی اجازت نہیں اسے تجارت گاہ بنانا یا اس پر کھیت کرنا سب حرام ہے۔‘‘

اور فتاوی عالم گیری میں ہے:

’’لایجوز تغییر الوقف عن ہیئته.‘‘

لیکن اس کی کمائی حرام نہیں ہے کہ تجارت فی نفسہ جائز ہے اگر چہ اس کا یہ فعل حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور

۳۰؍ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ۔ ۱۲؍ مئی ۲۰۱۳ء یکشنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم. صح الجواب : اگر زمین مسجد کے لیے وقف ہے اور اس کا کرایہ دے کر دوکان لگاتا ہے تو کوئی حرج نہیں جب کہ مصلیوں کو آنے جانے میں تکلیف نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب محمد مجیب اشرف غفرلہ

زید نے اپنا مکان بکر سے بیچ دیا مگر اب اس کے نام رجسٹری کرنے سے انکار کر رہا ہے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از محمد فضل رضوی ناگ پور ۱۵؍ اکتوبر ۲۰۱۳ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

زید بہنوئی نے سالے بکر سے سوا لاکھ روپے ایک مکان خریدنے کے لیے مانگا سالے نے یہ کہہ کر سوا لاکھ روپے بہنوئی کو دیا کہ تم جس مکان میں رہتے ہو اسے دوسروں کو بیچنے کے بجائے مجھے بیچ دینا، مزید اس مکان کے لیے ۷۵؍ ہزار روپے اور دینا طے ہوا۔ بعد میں بہنوئی نے سالے کی خستہ حالت دیکھ کر وہ ۷۵؍ ہزار روپے معاف کر دیے، بہنوئی نے سالے کو وہ مکان قبضہ میں دے دیا، مگر اس کے کاغذات نہیں دیے۔ اب جب کہ سالا کاغذات کا مطالبہ کر رہا ہے تو بہنوئی کہتا ہے کہ میں تم کو نہیں پہچانتا، تو میری نظر میں کچھ نہیں، تیری ماں کا چہرہ دیکھ کر دیا تھا، اس کے نام کا کاغذ دوں گا، اگر تم اپنے نام کا کاغذ لینا چاہتے ہو تو

اپنے سب بھائیوں کی دستخط کے ساتھ اسٹمپ پیپر لاؤ اس میں لکھوں گا کہ تم لوگ میری اجازت کے بغیر مکان نہیں بیچو گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ کاغذ ماں کے نام کا ہوگا یا سالا جس نے روپیہ دیا ہے اس کے نام کا؟ اگر بہنوئی سالے کے نام کاغذ نہ دے تو اس کے لیے کیا حکم شرع ہے؟

بسم اللہ الرحمہ الرحیم

الجواب : سائل نے اس تحریر کے علاوہ زبانی طور پر بیان بھی دیا کہ یہ بیع یعنی خرید وفروخت مکمل ہو چکی تھی، لہذا بر تقدیر صدق سائل یہ بیع شرعا تام ہوگئی اور جب بیع شرعا تام ہو جائے تو اس کے بعد رجسٹری کرانا لازم وضروری نہیں۔ یوں ہی تمامیت بیع کے بعد بائع ومشتری یعنی خریدنے اور بیچنے والوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر اس بیع کو رد کرنے اور اس سے انکار کرنے کا اختیار نہیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"اذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع ولاخیار لواحد منهما الا من عیب او عدم رویة. کذا فی الهدایة."(ج۳،ص۸،الباب الثانی من کتاب البیوع)

فتاوی رضویہ میں ہے:

"بیع ایجاب وقبول سے تمام ہو جاتی ہے۔ چیز بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔" (ص:۴)

"رجسٹری نہ شرعا ضروری نہ اسے تکمیل عقد میں اصلا کچھ دخل بلکہ شرعا تو صرف ایجاب وقبول کا نام ہے اگرچہ بیع نامہ بھی نہ لکھا جائے۔" (ص:۸)

"دوسرے کا اب اس بیع سے تعرض کرنا، قیمت بڑھانا، اپنی طرف سے پھیرنا سب حرام ہے۔ بائع پر فرض ہے کہ اپنی اگلی بیع پر قائم رہے، شرعا بیع ہو چکی۔ رجسٹری یا اسٹامپ پر لکھا جانا شرعا اصلا ضرور نہیں۔" اھ ملخصا (ص:۴۸،۴۷،ج۷، کتاب البیوع)

حاصل یہ کہ صرف ایجاب وقبول سے بیع تام ہو جاتی ہے اور خریدار اس خریدے ہوئے سامان کا مالک ہو جاتا ہے۔ مگر فی زمانہ گورنمنٹ کی نظر میں ثبوت ملکیت کے لیے رجسٹری بھی ضروری ہے، لہذا بکر اگرچہ شرعا مکان مذکور کا مالک ہو چکا ہے جس میں کسی کو بلا وجہ شرعی عمل دخل یا تصرف کرنے کی اجازت نہیں۔ تاہم بغیر رجسٹری کے حکومت کی نگاہ میں اس کی ملکیت ثابت نہ ہوگی لہذا اس مکان پر کوئی

دوسرا شخص ظلما وجبرا اپنی ملکیت کا دعوی کرسکتا ہے جو یقیناً بکر کی حق تلفی اور تکلیف کا سبب ہوگا۔لہذا زید پر لازم ہے کہ وہ بکر کے نام رجسٹری کردے کہ خرید وفروخت انہیں دونوں سے ہوئی ہے،اس کے لیے وہ کوئی حیلہ بہانہ نہ کرے۔بکر کے بھائیوں اوراس کی ماں کا جب اس بیع سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ سائل نے بیان کیا تو اب رجسٹری کرنے کے لیے زید کا بکر سے ان سب کے نام کا کاغذ مانگنا،بکر کے بجائے اس کی ماں سے بیچنے کی بات کہنا،اوراسی کے نام رجسٹری کرنے کی بات کہنا یوں ہی آئندہ اس مکان کو بیچنے کے لیے اپنی اجازت کی شرط لگانا یہ سب باتیں شرعا لغو اور بے کار ہیں۔زید ان سب باتوں سے اجتناب کرتے ہوئے بکر کے نام رجسٹری کردے ورنہ وہ ایذائے مسلم میں گرفتار ہو کر سخت گنہ گار،مستحق قہر قہار وغضب جبار ہوگا۔حدیث پاک میں ہے:

"المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یخذله."(مسلم ج۲،ص۳۱۷،باب تحریم ظلم المسلم من کتاب الآداب)

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا:

"الظلم ظلمات یوم القیامة."(مشکوۃ ص۴۳۴،باب الظلم من کتاب الآداب)

ظلم قیامت کے دن اندھیروں میں تبدیل ہوجائے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۵؍صفر ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

باب الربا

سود کا بیان

ہندوستان میں بینک سے جو انٹرسٹ ملتا ہے وہ سود نہیں

مسئلہ : ازاحمد رضا بغدادیہ مسجد ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کیا غیر اسلامی بینک کا انٹریسٹ لینا جائز ہے اور اس رقم کو ذاتی اور دینی کاموں میں بالخصوص مسجد کے کاموں میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟ ازروئے شرع جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : ہندوستان کے کفار حربی ہیں۔اور مسلمان کو حربی کا جو مال اس کی مرضی سے ملے وہ مباح وحلال ہے۔لہذا ان کے بینکوں سے جو انٹریسٹ ملتا ہے وہ حلال ہے جس کو ملے وہ اس کا مالک ہے وہ جس نیک کام میں چاہے اس کو استعمال کرسکتا ہے۔اپنے مصرف میں بھی لاسکتا ہے اور مسجد میں بھی لگاسکتا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"لاربیٰ بین المسلم والحربی فبای طریق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر." (ج۳،ص۷۰،باب الربی من کتاب البیوع) **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۴/ر جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ

فائنس کمپنی میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمدعرفان خان نئی بستی ٹیکہ ناگ پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں ایک فائنس کمپنی اینڈ بینک میں جاب کرنا چاہتاہوں، یہ کمپنی گاڑیاں فائنس کرتی ہے،مثلاً ایک شخص ٹرک لے رہاہے وہ ٹرک دس لاکھ روپے کا ہے پر وہ فائنس کرر ہاہے تو فائنس میں پانچ لاکھ زائد دے رہاہے جو کہ یہ بیاض ہے۔یعنی اب وہ ٹرک پندرہ لاکھ کا ہورہاہے اور میں اسے فائنس کروا کردے رہاہوں تو کیا میں اس فائنس اینڈ کمپنی میں جاب کرسکتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : فائنس کے بارے میں حاصل کی گئی معلومات سے یہ واضح ہوا کہ اس کی خرید وفروخت کے مذکورہ اور تقریباً تمام طریقے سود پر ہی مبنی ہوتے ہیں اور سود حرام قطعی ہے۔ارشاد باری ہے:

”احَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔“(البقرہ ۲:۲۷۵)

حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے،سود دینے والے سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔(مسلم ج۲،ص۲۷، باب الربا کتاب المساقاۃ)

لہذا اس کمپنی میں ملازمت کرنا شرعاً جائز نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲/۵/ ۱۴۳۷ھ ـ ۸/۹/ ۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

دس لوگوں نے مل کرایک بسی کا کاروبار شروع کیا اس بسی کی تفصیل اوراس کا حکم

مسئلہ : ازمحمد حیثیت رضا ٹیکہ ناگ پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ دس لوگوں نے مل کر بسی کا کاروبار شروع کیا کہ سب لوگ مل کر ہر مہینہ دس دس ہزار روپے جمع کرتے ہیں اس طرح ہر مہینہ

ایک لاکھ رقم جمع ہوتی ہے یعنی ہر ممبر کو اس میں دس مہینے تک ایک لاکھ روپے جمع کرنے ہوتے ہیں پھر ہر مہینے اس طرح سے بولی لگتی ہے کہ ان دس لوگوں میں سے کوئی اس ایک لاکھ کو نوے ہزار میں کوئی پچاسی ہزار میں اور کوئی اسی ہزار میں لینا چاہتا ہے، پھر مثلاً اسی ہزار پر بولی ختم ہوجاتی ہے اور یہ اسی ہزار اس آدمی کو دے دیے جاتے ہیں اور باقی بیس ہزار روپے دسوں ممبر آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ پھر یہ اسی ہزار کی رقم لینے والا آدمی نفع کی رقم ملا کر بیاسی ہزار لے کر اب سے دس مہینے تک کے لیے اس طرح الگ ہوجاتا ہے کہ دس مہینے پورے ہونے تک وہ مسلسل دس دس ہزار روپے جمع کرتا رہے گا اور ہر مہینے بولی لگنے کے بعد بچنے والی رقم میں برابر کا شریک رہے گا، یہ مسلسل دس مہینے اس طرح چلے گا کہ ہر وہ شخص جو بولی لگا کر اسی پچاسی یا نوے ہزار کی اپنی رقم لیتا جائے گا وہ بولی لگانے والے افراد سے دس مہینہ پورا ہونے تک الگ ہوتا جائے گا اور ہر مہینے دس دس ہزار روپے جمع کرتا رہے گا اور حسب دستور بولی لگنے کے بعد بچنے والی رقم میں برابر کا شریک رہے گا پھر سب سے آخر میں جو شخص بچے گا بغیر بولی لگائے پوری ایک لاکھ کی رقم اس کو مل جائے گی لہذا شریعت طاہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق مذکورہ لوگوں کا یہ عمل حرام، حرام، اشد حرام بہت بڑے گناہ والا بہت ہی برا خلاف شرع کام ہے کہ ان لوگوں کا یہ عمل سود ہے۔

تنویر الابصار و درمختار میں سود کے بارے میں ہے:

"ھو فضل خال عن عوض بمعیار شرعی لاحد المتعاقدین." اھ ملخصا (ج۷، ص ۳۹۸، ۴۰۰، باب الربا من کتاب البیوع)

اور سود حرام قطعی ہے۔ اور سودی کاروبار کرنے والا حرام قطعی کا مرتکب، سخت گنہ گار، مستحق قہر قہار وغضب جبار ہے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

"اَلَّذِیْنَ لَایَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا."(البقرہ ۲: ۲۷۵)

وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر

مخبوط بنادیا ہو یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سود کی مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سود۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَابَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ. (البقرہ ۲:۲۷۸، ۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کرلو اللہ، اللہ کے رسول سے لڑائی کا اور اگر توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ تمہیں نقصان ہو۔

لہذا ان لوگوں پر فرض ہے کہ اپنے اس مذکورہ عمل سے باز آجائیں توبہ واستغفار کریں اور بطور حرام ایک دوسرے کے روپے اس سے پہلے جو لے چکے ہیں وہ واپس کریں۔ اور مسجد میں پنکھا، چٹائی وغیرہ جس کی ضرورت ہو وہ کریں۔ محفل میلاد منعقد کریں۔ اپنی حیثیت کے مطابق جتنا ہوسکتا ہے اتنا صدقات وخیرات کریں کہ یہ سب نیک کام ہیں اور نیکیاں توبہ قبول ہونے اور بلائے گناہ کو دور کرنے میں معاون ومددگار رہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ.“ (ھود ۱۱:۱۱۴)

بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹادیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۸/۱۱/۱۴۳۷ھ۔ ۱۲/۸/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کتاب الھبة

ہبہ کا بیان

دادا اپنے مرحوم بیٹے کی بیوی اور اس کی اولاد کو کچھ بطور ہبہ دے دے اور دوسرے وارثین کو محروم نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں

مسئلہ : ازعبدالرحیم چھوٹے میاں لعل صاحب چوک نمک روڈ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں

زید کو چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، جن میں سے دو لڑکے اور ایک لڑکی کا زید کی حیات میں انتقال ہوگیا۔ ان میں ایک لڑکا اور لڑکی غیر شادی شدہ تھے اور ایک لڑکا شادی شدہ تھا جس کو دو لڑکی اور ایک لڑکا ہے۔

زید کے پاس ایک مکان ہے جو کہ ان کے دادا کا تھا، زید کے دادا کو سات اولادیں تھیں جن میں سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں (۱) چھوٹے میاں جھمو میاں (۲) بابا میاں حمید میاں (۳) غلام غوث چھمو میاں (۴) محبوب میاں چھمو میاں۔ لڑکیاں (۱) مالن بی (۲) حلیمہ بی (۳) فاطمہ بی۔

وراثت میں سے غلام غوث اپنا حصہ بیچ چکے ہیں (۲) فاطمہ بی جو پاکستان چلی گئیں (۳) شیخ محبوب جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کی کوئی اولادیں نہیں تھیں۔

بچے ہوئے وراثت میں سے (۱) چھوٹے میاں چھمو میاں (۲) بابا میاں حمید میاں (۳) مالن بی حلیمہ بی جس میں سے چھوٹے میاں کی وراثت زید (عبدالرحیم) اور ایک بھائی محمود چھوٹے میں تھے جن کا پاکستان چلے جانے کے بعد وہاں انتقال ہوگیا۔ بعد میں زید عبدالرحیم نے اپنے والد یعنی چھوٹے میاں کا حصہ چھوڑ کر باقی کے حصہ کی رقم ادا کر کے ان تینوں لوگوں سے مکان خرید لیا۔ بابا میاں حلیمہ بی اور مالن بی زید عبدالرحیم کا اس مکان میں اپنے والد کا حصہ چھوڑ کر باقی ان کی ملکیت ہے۔

اب زید کی چھ اولادیں ہیں (۱) عبدالسلیم (انتقال) شادی شدہ (۲) عبدالبشیر (۳) عبدالنسیم

(انتقال) غیر شادی شدہ (۴) عبد الفہیم (۵) شہناز (٦) بے بی ناز انتقال۔

اب زید کا مکان تین منزلہ ہے جس میں نیچے والے منزل پر عبد البشیر دوسری منزل پر عبد الفہیم اور تیسری منزل پر مرحوم عبد السلیم کی بیوی اور ان کے تین بچے رہتے ہیں۔

اب مسئلہ یوں ہے کہ زید عبد الرحیم کا لڑکا عبد البشیر ایک فتوی لایا ہے کہ تیسری منزل پر عبد السلیم کی بیوی اور اس کے بچوں کا کوئی حق نہیں بنتا۔

جب کہ زید نے اپنے والد کا حصہ چھوڑ کر باقی کے حصہ کی خود رقم دے کر ادا کر کے خریدا ہے اور زید اس مکان سے ایک حصہ عبد السلیم کی بیوی کو دینا چاہتا ہے۔ امید ہے جواب عنایت فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : صورت مسئولہ میں جب زید اپنی صحت و زندگی میں اپنی ملکیت سے اپنے مرحوم بیٹے کی بیوی اور اس کی اولاد کو مکان کا حصہ دینا چاہتا ہے، جب کہ وہ دوسرے وارثین کو محروم نہیں کر رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اسے اس کا اختیار ہے زید جب اپنے بیٹے کی بیوی اور اس کے بچوں کے لیے مکان کا وہ حصہ ہبہ کر دے اور انہیں مالک بنا دے تو وہ لوگ اس کے مالک ہو جائیں گے اور زید کی طرف سے یہ تبرع و احسان ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

خادم دار الافتا رضا دار الیتامیٰ ناگ پور

۲۲/اپریل ۲۰۱۰ء پنج شنبہ

ہندہ نے شوہر اول کے لڑکے کو چھوڑ کر شوہر ثانی سے ہوئی اولاد کے درمیان اپنا مکان تقسیم کر دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از شمس النسا تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہندہ نے بکر سے شادی کی جس سے دو لڑکے ہوئے بکر کا انتقال ہو گیا، ایک لڑکے کو ہندہ اپنے

ساتھ مائکہ لے کر چلی گئی، دوسرا لڑکا اپنے دادا کے پاس رہا، پھر ہندہ نے زید سے شادی کی اور اپنا لڑکا ساتھ لائی، کچھ دنوں کے بعد ہندہ کے پاس کا لڑکا انتقال کر گیا۔ ہندہ کے دوسرے لڑکے کو اس کے دادا ہندہ کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے شوہر زید سے ہندہ کو ایک لڑکا اور ایک لڑکی تولد ہوئے۔ زید نے ہندہ کے نام ایک مکان کر دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی ملکیت میں ہندہ کے پہلے شوہر کے لڑکے کا از روئے شرع کیا حصہ ہے اور وہ مکان جو زید نے ہندہ کے نام کیا تھا اس کی تقسیم کس طرح ہوگی۔ واضح ہو کہ ہندہ نے زید کے دیے ہوئے مکان کا بٹوارہ اپنی زندگی میں پہلے شوہر کے لڑکے کے علاوہ تمام وارثین میں کر دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : زید نے جو مکان اپنی بیوی ہندہ کے نام کیا تھا، ظاہر یہی ہے کہ زید نے قبضہ دے کر ہندہ کو اس مکان کی مالکہ ومتصرفہ کر دیا تھا، اب جب کہ ہندہ نے اس مکان کو خود تقسیم بھی کر دیا ہے تو اب وہ مکان ہندہ کی ملکیت کا ہو گیا ایسی صورت میں جب کہ ہندہ نے خود اپنے مکان کو اپنے وارثین میں تقسیم کر دیا تو اس کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے تھا کہ بکر سے جو لڑکا ہے خود اس کی حقیقی اولاد ہے لہذا وہ بھی اس مکان میں حق رکھتا ہے، بہر حال اگر اس نے مکان کے حصے کو الگ الگ کر کے وارثین کو ہبہ کر دیا ہے اور انہیں قبضہ بھی دے دیا ہے یا مکان فروخت کر کے رقم تقسیم کر چکی ہے تو اب لوٹانے کی صورت باقی نہ رہی، مگر ایک وارث کو محروم کر کے وہ گنہگار ضرور ہوئی اور اگر اس نے مکان کو الگ الگ کر کے تقسیم نہیں کی ہے بلکہ مکان ان سبھی وارثین کے صرف نام کر دیا ہے کہ وہ آپس میں تقسیم کر لیں تو چوں کہ یہ شئی مشاع کا ہبہ کرنا ہے اس لیے یہ ہبہ صحیح نہیں ہوا۔

سیدنا اعلی حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں: ''اگر وہ بقیہ جائداد بلا تقسیم ان دونوں کے نام ہبہ کر دے گا تو ہبہ ہی صحیح نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں: ''**لو وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبه لا.**'' اور اگر تقسیم کر کے ہبہ کرے گا یا بعد ہبہ تقسیم کر دے گا یا بلا تقسیم ان کے نام بیع کرے گا تو ان صورتوں میں وہ لڑکے ضرور مالک ہو جائیں گے مگر زید دیگر ورثہ کو محروم کرنے کے سبب گنہگار ہوگا۔ حدیث میں ہے: ''**من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة.**'' جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث قطع فرمائے گا۔'' (فتاوی رضویہ ج۸ ص۹۷) واللہ اعلم

وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۹؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

فاضل مجیب نے جو جواب تحریر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے سوال میں صاف طور پر مذکور ہے کہ ہندہ نے مکان وارثوں میں بٹوارہ کر دیا ہے اور پہلے شوہر کے بیٹے کو کچھ نہ دیا تو وہ گنہگار رہوئی مگر جس کو دے دیا وہ مالک ہو گیا جس کو نہیں دیا وہ محروم رہا اور اگر شرعا مکان کا ہبہ ہندہ کے لیے ثابت نہ بھی ہو تو اس صورت میں بھی اب جب کہ ہندہ نے اس مکان کو ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا اس میں سے کچھ بچا نہیں رکھا تو شوہر اول سے جو لڑکا ہے اسے مکان سے کیسے حصہ ملے گا جب کہ ہندہ نے خود اس کو اس مکان سے محروم رکھا کہ ہبہ نہ ہونے کی صورت میں اس مکان میں سے آٹھواں حصہ ہندہ کا حق ہوگا جس کو اس نے اپنی زندگی میں دوسروں کو دے دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ابو القیس مصباحی قادری غفرلہ

دار العلوم امجدیہ ناگ پور

۵؍مارچ ۲۰۱۱ء

باپ کی ہبہ کی گئی پراپرٹی پر گواہ خود اس کا بیٹا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از حبیب الرحمٰن

عرض خدمت ہے کہ ایک ہبہ نامہ تیار کیا گیا اس میں دو گواہوں کی دستخط ہے ان گواہوں میں ایک گواہ اس شخص کا سگا بیٹا ہے جس کے نام پر اس پراپرٹی کو ہبہ کیا گیا ہے، دوسرے گواہ کا انتقال ہو چکا ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا کسی باپ کو ہبہ کی گئی پراپرٹی پر اس کے بیٹے کی گواہی قابل قبول ہے اور ایسی صورت میں اس ہبہ نامہ کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ احکام شرعیہ سے آگاہ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : آپ کا سوال بہت مبہم و مجہول ہے۔ اس میں صرف ہبہ نامہ تیار کیے جانے اور

ایک پراپرٹی کو مجہول طریقے پر ہبہ کیے جانے کی بات لکھی ہے۔ اس میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ ہبہ کرنے والے کے ہبہ کرنے کے بعد موہوب لہ نے اسے قبول کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا یا نہیں ہبہ کے صحیح ہونے کے لیے ہبہ نامہ تیار کرنا اور اس پر گواہ مقرر کرنا ضروری نہیں صرف ہبہ کرنے والے کی طرف سے ایجاب اور جسے ہبہ کیا جائے اس کی طرف سے قبول و قبضہ ہی تمامیت ہبہ کے لیے کافی ہے۔ پھر صورت مسئولہ میں گواہ کی بات کیوں کی جارہی ہے؟ کیا ہبہ کرنے والا یا اس کے وارثین اس شئ موہوب کو دینے سے انکار کررہے ہیں؟ یا اور کوئی معاملہ ہے؟ ہبہ نامہ میں کیا لکھا ہے؟ واہب اور موہوب لہ دونوں باحیات ہیں یا نہیں؟ سوال کی پوری تفصیل ذکر کر کے دوبارہ حکم معلوم کریں۔ لڑکے کی گواہی باپ کے حق میں مقبول نہیں۔

کنز الدقائق میں ہے:

"لا تقبل شهادة الوالد لابویه."اه ملخصا(علی هامش البحر الرائق ج۷،ص ۱۱۲ . ۱۱۶، باب من تقبل شهادته و من لا تقبل من کتاب الشهادات)والله اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۸/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

ہبہ تام ہو جائے تو موہوب لہ کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص اس میں تصرف نہیں کرسکتا

مسئلہ : از محمد محسن رضا ڈٹرا ماری کشن گنج بہار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں اپنے بیٹے بکر کے نام سے زمین کا کچھ حصہ رجسٹری کر کے دے دیا اور اس کو اس کا مالک بنا دیا زید کی بیٹی ہندہ کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔ جب زید کا انتقال ہو گیا اور یہ بات معلوم ہوئی کہ زید نے اپنے بیٹے بکر کے نام سے زمین رجسٹری کیا ہے اس زمین کے علاوہ اس کے باپ کی اور بھی زمین ہے تو ہندہ کہتی ہے کہ میراث

میں مجھے جو حصہ ملے گا تو میں وہی زمین میں سے لوں گی جو میرے باپ یعنی زید نے بکر کے نام سے رجسٹری کیا ہے بکر کہتا ہے کہ میں تمہیں اس زمین کے علاوہ دوسری جگہ دے رہا ہوں مگر ہندہ ماننے کو تیار نہیں تو کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ہندہ اپنے بھائی بکر سے زبردستی اس زمین کا مطالبہ کرے جو اس کے باپ نے اسے رجسٹری کر کے دے دیا ہے۔ شریعت کی طرف سے کیا حکم ہے جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اگر زید نے اپنی صحت اور ہوش و حواس کے عالم میں اپنے بیٹے بکر کو مذکورہ زمین کا مالک بنا کر اس پر قبضہ تام دے دیا تھا تو وہ زمین بکر کی ہوگئی اور وہ اس زمین کا مالک ہوگیا۔ اب بکر کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا شخص اس میں کچھ تصرف نہیں کرسکتا۔

البحر الرائق میں ہے:

"صحت الهبة بالايجاب والقبول فی حق الموهوب له والقبول تارة يكون بالقول وتارة بالفعل."(ج۷،ص ۴۱۴، كتاب الهبة ،دار احياء التراث العربی بيروت لبنان)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"وتتم الهبة بالقبض الكامل."(علی هامش رد المحتار ج۸،ص ۴۹۳، كتاب الهبة)

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"لايجوز التصرف فی مال غيره بغير اذنه."(ج ۲،ص ۴۴۴ الفن الثانی من كتاب الغصب)

لہذا اس تقدیر پر بکر کی بہن کا مذکورہ زمین سے اپنی وراثت کا حصہ مانگنا درست نہیں۔ اور جبراً اسی زمین میں حصہ لینا یا زبردستی اس میں حصہ لینے کا مطالبہ کرنا ناجائز اور بلا وجہ شرعی بکر کو تکلیف دینا ہوگا جو ظلم اور گناہ ہوگا۔ لہذا اس پر لازم ہے کہ اس طرح کے ناجائز مطالبہ سے باز آئے ورنہ حق العبد میں گرفتار ہوکر وہ سخت گنہ گار، مستحق قہر قہار وغضب جبار ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے:

"من آذی مسلما فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی الله."

ایک اور حدیث میں ہے:

"الا لاتظلموا الا لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منه." (مشکوۃ ص ۲۵۵، کتاب الغصب والعاریة) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۷ / جمادی الاخری ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

اپنے لڑکوں کے نام سے پلاٹ خریدا تو یہ ہبہ کب ہوگا؟

مسئلہ : از سرفراز رانا خان گاندھی لے آوٹ جعفر نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ میرے والد عابد علی خان صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے چار بیٹے، ایک بیٹی اور دو اہلیہ تھیں، پہلی اہلیہ زبیدہ بی جن کا انتقال والد کی موجودگی میں ہوگیا تھا، ان سے دو بیٹے (خالد پرویز، زاہد گلریز) ہوئے اور ایک بیٹی (کشور گلریز) ہوئی۔ دوسری اہلیہ عائشہ خان سے دو بیٹے (شہنواز خان اور سرفراز رانا خان) ہوئے۔ عابد علی خان نے دو پلاٹ خریدے بیٹوں کے نام سے پہلا پلاٹ خالد پرویز اور سرفراز خان کے نام سے، دوسرا پلاٹ شہنواز خان اور زاہد گلریز کے نام سے، مگر رجسٹری کے بعد ہر ایک بیٹے کا حصہ الگ الگ کر کے نہیں دیا تھا۔ رجسٹری کے وقت سرفراز خان وشہنواز نابالغ تھے اور خالد پرویز اور زاہد گلریز بالغ تھے، خالد پرویز کا انتقال والد کی موجودگی میں ہوگیا تھا، تو کیا ان کا حصہ ان کے وارث کو ملے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو ان کا بٹوارہ کیسے ہوگا؟ میرے والد عابد علی کے ترکہ میں بیٹی کا کتنا حصہ ہوگا۔ زاہد گلریز کا انتقال والد کے بعد ہوا ان کا حصہ ان کی اہلیہ اور چار بیٹوں میں بٹے گا کہ اس میں اور بھی کسی کا حصہ ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں جناب عابد علی خان صاحب نے جو دو پلاٹ اپنے لڑکوں کے نام سے خریدا تھا، یہ ان کی طرف سے ان کے اپنے مذکورہ لڑکوں کو ہبہ کرنا ہے۔ اور ہبہ کے تام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ شئ موہوب پر موہوب لہ نے قبضہ کر لیا ہو یوں ہی شئ موہوب اگر مشاع ومشترک ہو تو

واہب نے تقسیم کر کے ہر شریک کو اس کے حصہ پر قبضہ دے دیا ہو اور مسئلہ مذکورہ میں ان امور پر عمل نہیں کیا گیا ہے، لہذا یہ ہبہ تام نہیں ہوا۔ اور وہ تام ہو بھی نہیں سکتا کہ واہب کا انتقال ہو چکا ہے لہذا وہ دونوں پلاٹ بدستور عابد علی خان صاحب ہی کی ملکیت میں ہیں، اس لیے ان کے تمام وارثین کے درمیان ان کی تقسیم ہوگی۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ذکر الحاکم وهب دارا لابنین له احدهما کبیر والآخر صغیر وقبض الکبیر انها باطلة وهو الصحیح لان هبة الصغیر منعقدة حال مباشرة الهبة لقیام قبض الاب مقام قبضه وهبة الکبیر محتاجة الی قبول فسبقت هبة الصغیر فتمکن الشیوع."(ج۴، ص ۳۹۳، الباب السادس فی الهبة للصغیر من کتاب الهبة)

ایسا ہی فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج۳، ص۲۷۰، فصل فی ہبۃ المشاع، کتاب الہبۃ میں ہے۔

خالد پرویز کی اگر اپنی کوئی ذاتی ملکیت تھی تو وہ اس کے وارثین کے درمیان تقسیم ہوگی، صورت مسئولہ میں خالد پرویز کے وارثین کو عابد علی خان کے ترکہ سے حصہ نہیں ملے گا۔

عابد علی خان کے ترکہ سے جتنا حصہ اس کے ایک لڑکے کو ملے گا اس کا آدھا اس کی لڑکی کو ملے گا۔

زاہد گلریز کو جو کچھ ترکہ سے حصہ ملے گا وہ اور اس کی اپنی جو ذاتی ملکیت ہو ان تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی تقسیم اس کے وارثین میں ہوگی۔ سوال نامہ میں مذکورہ وارثین کے علاوہ زاہد گلریز کے وارثین اور کون کون ہیں؟ مثلاً ماں، بہن اور بھائی وغیرہ اور ان کی حیثیت کیا ہے؟ اس کی پوری تفصیل ذکر کر کے اس کا حکم دوبارہ معلوم کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۷؍ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد امجدی غفرلہ

کیا کسی کے نام سے زمین کی رجسٹری کرا دینا ہبہ کے تام ہونے کے لیے کافی ہے؟

مسئلہ : از محمد تجمل حسین فاروق نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید نے ایک زمین خریدی تھی اور اس کو اپنے بیٹے اور بیوی کے نام رجسٹری کرائی تھی، لیکن زید نے ان دونوں کو مالک نہیں بنایا تھا، زید کا بیٹا الگ رہتا ہے اور زید کو نہ کھلاتا ہے، نہ دیکھ بھال کرتا ہے، زید اپنی ضعیفی کے سبب یہ چاہتا ہے کہ اس کو بیچ کر اپنا انتظام کرے، لیکن بیٹا زید کو کہتا ہے کہ اس کو بیچ نہیں سکتے بلکہ آدھا آدھا حصہ کرنا ہوگا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ محض رجسٹری کرنے سے کیا وہ زمین زید کے بیٹے اور بیوی کی ہوگئی اور زید کا حق ختم ہوگیا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : زید کا اپنی بیوی اور بیٹے کے نام رجسٹری کرانا دلیل تملیک ضرور ہے، مگر ہبہ کے صحیح اور تام ہونے کے لیے ایجاب وقبول کے بعد قبضہ کاملہ بھی ضروری ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

"**صحت الهبة بالایجاب والقبول فی حق الموهوب له.**" (ج۷، ص ۴۱۴، کتاب الهبة دار احیاء التراث العربی)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

"**وتتم الهبة بالقبض الكامل.**" (علی هامش رد المحتار ج۸، ص ۴۹۳، کتاب الهبة)

فتاوی رضویہ میں ہے: "نام لکھ دینا اگرچہ دلیل تملیک ہے، اور یہ تملیک ہبہ مگر ہبہ بے قبضہ کے تام نہیں ہوتا، نہ بغیر اس کے موہوب لہ کو ملک حاصل ہو۔" (ج۶، ص۵۴، کتاب الہبۃ)

مزید یہ کہ سائل نے زبانی بیان دیا کہ بیوی اور بیٹے کے نام سے رجسٹری کرانے میں ایک مصلحت تھی، انہیں مالک بنانے کا ارادہ نہیں تھا۔ اور سوال نامے میں بھی یہ لکھا ہے کہ "زید نے ان دونوں کو مالک نہیں بنایا تھا" جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ہبہ تام نہیں ہوا تھا۔ تو یہاں پر ایجاب ہی نہیں پایا گیا، تو قبول وقبضہ کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا بر تقدیر صدق سائل مذکورہ زمین زید ہی کی ہے،اس کی زندگی میں اس زمین میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہیں زید کو اس میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار ہے وہ جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے۔زید کے بیٹے یا کسی اور کو جبراً زور وزبردستی کرکے اس سے حصہ لینا ظلم ہے جو سخت ناجائز و گناہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"الا لا تظلموا الا لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منه."(مشکوۃ ص ۲۵۵،کتاب الغصب والعاریة)

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"لایجوز التصرف فی مال غیره بغیر اذنه."(ج ۲،ص ۴۴۴،الفن الثانی من کتاب الهبة)والله تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲/ جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ - ۱۲/۳/ ۲۰۱۷ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

کتاب الوقف

وقف کا بیان

مسجد کے لیے وقف کرنے کی وصیت کے احکام

مسئلہ : ازمحمد سلیم غریب نواز نگر پیلی ندی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بابت اس مسئلے میں کہ ہندہ کی دوشادی ہوئی، پہلے شوہر نے طلاق دی اور اس سے ایک لڑکی ہوئی، جو کہ ہندہ کے پاس ہی ہے اور دوسرے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس سے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ ہندہ نے اپنے دونوں شوہروں کی اولادوں کی شادی کرنے کے بعد ایک مکان نزول کی جگہ پر بنا کر علاحدہ رہنے لگی، جب کہ دونوں لڑکے الگ رہتے ہیں، پھر کچھ دنوں کے بعد ہندہ نے اپنی صحت اور ہوش وحواس میں وصیت کی کہ میرا یہ مکان مسجد کے لیے میں نے وقف کیا۔ میرے مرنے کے بعد میرا مکان غوثیہ مسجد میں دے دینا، اس کے غالبا دو سال کے بعد ہندہ کا انتقال ہوگیا۔ جواب طلب یہ ہے کہ کیا مرحومہ کی وصیت پر عمل کیا جائے یا مکان کو وارثوں میں بانٹا جائے گا؟ کیا ماں کی ملکیت میں اولادوں کا حق ہے اور اگر اولادوں کا حق ہے تو کس کا کتنا؟ کیا وارثوں میں سے کوئی بھی وارث اس مکان کی قیمت مسجد میں ادا کر کے مکان اپنے قبضے میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں ہندہ کا غوثیہ مسجد کے لیے اپنا مکان وقف کرنا وصیت کے حکم میں ہے کہ اس نے اس کو اپنی موت پر معلق کر دیا ہے کہ یہ مکان اس کے مرنے کے بعد غوثیہ مسجد کے لیے وقف ہے اور جو تملیک موت پر معلق ہو وہ وصیت ہوتی ہے اور وصیت میت کے ایک تہائی ترکہ میں نافذ

ہوتی ہے لہذا اگر ہندہ کے پاس اتنا مال ہے کہ یہ مکان اس کی چھوڑی ہوئی پوری جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا تہائی حصہ ہے تو یہ پورا مکان غوثیہ مسجد کی ملکیت ہوگیا اس میں وارثین کا کوئی حق نہیں۔

اور اگر ہندہ کی پوری جائداد صرف یہی ایک مکان ہے تو اس کی تہائی میں وصیت لازم ہے اور اگر مکان کے علاوہ اس نے کچھ اور مال بھی چھوڑا ہے تو اس کو بھی ایک ساتھ جمع کرنے کے بعد جو سب کا تہائی حصہ بنتا ہے اس تہائی حصے کو اس مکان سے نکال کر غوثیہ مسجد کے نام کرنا لازم ہے وارثین کو اس میں تبدیلی کرنا جائز نہیں کہ یہ ہندہ کی مرضی کے خلاف ہے جس کی انہیں اجازت نہیں۔ اگر ہندہ کے تمام وارثین بااختیار یعنی عاقل وبالغ ہیں اور وہ اس پورے مکان میں ہندہ کی وصیت کو جائز قرار دے دیں تو پورا مکان مسجد مذکور کی ملکیت ہوجائے گا۔

ہدایہ میں ہے:

"کل مااوجبه بعد الموت فهو من الثلث وان اوجبه فی حال صحته اعتبارا بحال الاضافة دون حال العقد."(ج۴، ص۶۵۸، باب العتق فی مرض الموت من کتاب الوصایا)

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

"والملک یزول بالموت اذا علق به ای بموته کاذا مت فقد وقفت داری علی کذا فالصحیح انه کوصیة تلزم من الثلث بالموت لا قبله."(اه ملخصا فوق ردالمحتار ج۶، ص۵۲۷، ۵۳۰ کتاب الوصایا)

ماں کے ترکہ میں یقیناً اولاد کا حق ہے لہذا مذکورہ پہلی اور دوسری دونوں صورتوں میں ہندہ کی وصیت پوری کرنے اور تقسیم وراثت سے پہلے مزید جن چیزوں کی ادائیگی ضروری ہے مثلاً تجہیز اور میت پر قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد اگر سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ ہندہ کا کوئی اور وارث نہیں تو اس کی بقیہ جائداد منقولہ وغیر منقولہ یعنی زمین، مکان اور روپے وغیرہ سب کے چھ حصے کیے جائیں گے، جن میں سے دو دو حصے دونوں لڑکوں کو اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو ملے گا، جس کی صورت یہ ہوگی۔

ہندہ میت مسئلہ ۶

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۱	۱

ارشادی باری ہے:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ." (پ۴، س۴، آیت ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مسجد پر مکان یا سامان وقف کرنے اور مسجد کی رقم کو غبن کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از شمیم احمد انصاری وصدر کمیٹی صوفی نگر بھوٹی لائق کامٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ

(۱) ثواب جاریہ کے لیے کسی شخص نے اپنا مکان مسجد میں وقف کر دیا ہے اس لیے کہ مکان سے جو بھی کرایہ وصول ہوگا مسجد کے اخراجات میں خرچ ہوگا اور اسے ثواب ملتا رہے مگر کرایہ دار مکان کا کرایہ نہیں دیتے ہیں اور ان پر ہزاروں روپیہ باقی ہے اور وقف کرنے والا شخص ثواب سے محروم ہے اس بنا پر کرایہ دار پر کیا فتوی لاگو ہوتا ہے۔

(۲) شادی بیاہ ودیگر مواقع پر کرایہ سے برتن دیے جاتے ہیں کرایہ کی رقم کرایہ دار نہیں دیتے ہیں ان پر بھی ہزاروں روپے باقی ہیں برتن کے کرایہ کی رقم بھی مسجد میں خرچ نہیں ہو پاتی اس بنا پر برتن کرایہ پر لے جانے پر کیا حکم لاگو ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(۳) کچھ حضرات مسجد کی نقد رقم بھی غبن کر جاتے ہیں اور مانگنے پر کہتے ہیں کہ ابھی نہیں ہے رہے گا تو دیں گے اللہ کے گھر کا کھاتے ہیں نہیں دیں گے۔ ان پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ جواب سے مشکور فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱،۳) یہ خیال فاسد ہے کہ کرایہ دار کرایہ نہیں دیں گے تو وقف کرنے والے کو ثواب نہیں ملے گا۔حصول ثواب کے لیے ثواب کی نیت سے اللہ رب العزت کی راہ میں وقف کر دینا ہی کافی ہے۔حدیث پاک میں ہے:

"انما الاعمال بالنیات وانما لامری مانوی فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او امراة یتزوجها فهجرته الی ماهاجر الیه." (مشکوۃ ص ۱۱،قبیل کتاب الایمان)

یعنی اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی،تو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت حصول دنیا کے لیے ہو تو وہ اسے پائے گا یا عورت کے لیے ہو تو اس سے نکاح کرے گا تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔

جن لوگوں پر کرایہ کی رقم باقی ہے ان پر لازم ہے کہ کرایہ ادا کر دیں ورنہ وہ سخت گنہگار ہوں گے۔ معاشرے میں اثر ورسوخ رکھنے والے حضرات انہیں نرمی سے سمجھائیں کہ یہ مسجد کا حق ہے آج نہیں ادا کرو گے تو کل بروز قیامت سخت گرفت ہوگی۔اگر وہ اس طرح مان جاتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ سختی سے مطالبہ کیا جائے پھر بھی نہ دیں تو انہیں ان مکانوں سے نکال دیا جائے۔برتن کا کرایہ نہ دینے والوں سے بھی مذکورہ طریقے کے مطابق کرایہ طلب کیا جائے اور نہ دینے کی صورت میں ان سے اس وقت تک ترک تعلق کیا جائے جب تک کہ وہ کرایہ کی رقم ادا نہ کر دیں جو لوگ مسجد کی رقم غبن کرتے ہیں وہ ظالم ہیں ۔مزید اس پر یہ کہنا کہ "رہے گا تو دیں گے اللہ کے گھر کا کھاتے ہیں نہیں دیں گے" یہ شریعت پر بڑی جرأت مندی دکھانا ہے کہ شریعت نے جس کی اجازت نہیں دی ہے،اس کو استعمال بھی کر رہے ہیں اور مطالبہ پر منہ زوری اور زبان درازی کرتے ہیں۔عام لوگوں کے اموال کے بارے میں حکم یہ ہے کہ بغیر ان کی اجازت اور مرضی کے ان کے مال میں کچھ بھی تصرف کرنا جائز نہیں ہے،تو یہ تو مسجد کی رقم کا معاملہ ہے جہاں کسی کو اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کی بالکل اجازت نہیں ، بلکہ وقف کرنے والوں کی غرض اور مقصد کی رعایت کرنا عموماً واجب وضروری ہے اور ظاہر ہے کہ مسجد کے لیے وقف کرنے والوں

کی غرض یہی ہوتی ہے کہ وقف کی ہوئی چیز سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مصارف مسجد میں استعمال کیا جائے نہ کہ اس کو اپنے مصرف میں استعمال کیا جائے لہذا ان لوگوں پر لازم ہے کہ مسجد کی رقمیں ادا کردیں، ورنہ اس کا انجام بہت دردناک ہوگا۔

حدیث پاک میں ہے:

"لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ."(مشکوۃ ص ۲۵۵،باب الغصب والعاریۃ)

ردالمحتار میں ہے:

"مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ."(ج۶،ص ۶۶۵، باب الوقف)

آج کی یہ دنیاوی زندگی چند دنوں کی ہے پھر آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی طرف ہر شخص کو جانا ہے، وہاں ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔آج کسی کا حق چھین کر چند دنوں کے لیے عیش وعشرت کی زندگی گزاری جاسکتی ہے، لیکن کل جب نامہ اعمال کھلے گا تو انتہائی ذلت ورسوائی اور بے پناہ اذیت وتکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا، جہاں کوئی دولت وثروت اورکوئی منہ زوری وزبان درازی کام نہ دے گی۔ اس لیے ابھی آخرت کوسنوارنے کا وقت ہے، ان پر واجب ہے کہ حکم شرع پر عمل کرتے ہوئے جو رقم ان کے ذمہ ہے دے دیں اسے کھا کر اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ نہ بھریں ورنہ،

"سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ."(پ ۱۹،س شوری ۲۶،آیت ۲۲۷)

اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس طرف پلٹا کھائیں گے۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ.(پ۳،س زلزال ۹۹، آیت ۸)

توجو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۸؍صفر المظفر ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وقف کرنے کے بعد رجوع کرنا جائز نہیں

مسئلہ : ازصدر واراکین مسجد نوری محلّہ پھوکٹ نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ہندہ ایک بیوہ عورت ہے جو کئی سالوں سے بے سہارا زندگی بسر کررہی تھی، جس کی کوئی وارث نگہبانی نہیں کررہا تھا، حتی المقدور محلے کے لوگ اس کے کھانے پینے اور دیکھ بھال کے معاملات نبھا رہے تھے، ایک دن ہندہ نے محلے کی مسجد کی کمیٹی کے اراکین کو بلا کر کہا، کہ میری ملکیت میں ایک مکان ہے، میں اس مکان کو مسجد میں وقف کرتی ہوں، رہا میرے کفن دفن کا معاملہ تو کمیٹی کے اراکین اپنے ذمہ لے لیں۔ چنانچہ کمیٹی کے اراکین نے ہندہ کی آخری زندگی تک نان ونفقہ اور نگہبانی اور بعد موت کفن دفن کے سارے معاملات کی ذمہ داری قبول کرلی۔ اس کے بعد ہندہ کی بھتیجی کو خبر ملی، مسجد میں مکان دینے کی، تو بھتیجی نے مکان کے متعلق سوال کیا، تو ہندہ نے جواباً کہا کہ مکان میری ملکیت میں ہے، میں نے اپنی ملکیت مسجد میں دے دیا۔ اس کے بعد بھتیجی نے کہا، میں تمہاری میت میں نہیں آؤں گی، اس کے بعد مکمل لکھائی کے ساتھ کارپوریشن میں مکان مسجد کے نام کردیا گیا اور اسٹامپ پیپر پر ہندہ کی تصویر اور دستخط بھی موجود ہے، لیکن ایک ہفتے کے بعد اس کی بھتیجی اسے اپنے گھر لے کر چلی گئی اور مہینے دنوں کے بعد ہندہ کی بھتیجی کا کہنا ہے کہ ہندہ کا دماغی معاملہ درست نہیں ہے لہذا مکان مسجد میں نہیں دیا جائے گا اور ہندہ کا بھی کہنا ہے کہ میں نے مسجد میں مکان نہیں دیا، مجھ سے جبراً مکان لیا گیا ہے، جب کہ مسجد میں مکان وقف کرتے وقت ہندہ نے نعرہ لگا کر مکان وقف کیا اور دستخط کیا تھا، جس پر بطور شہادت بیس سے زیادہ لوگوں کی دستخط موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہندہ کا مسجد میں مکان وقف کرنے اور اس کے بعد انکار کرنے سے عند الشرع ہندہ کے حق میں کیا حکم ہے؟ اور اس کی بھتیجی کا کہنا کہ مکان مسجد میں نہیں دیں گے اس کا یہ دعوی کرنا کیسا ہے؟ اور اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور مسجد کمیٹی کے اراکین اس میں کون سا طریقہ اختیار کریں؟ کیا مسجد کمیٹی قانوناً مکان مسجد کے لیے لے تو شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر ہندہ نے صحت اور ہوش وحواس کے ساتھ اس زمین کو مسجد

کے لیے وقف کیا تھا تو وہ زمین وقف ہوگئی اور اب وہ زمین اس کی ملکیت سے نکل گئی، لہذا ہندہ کا اب اس میں کوئی اختیار نہیں رہا۔ نہ اب وہ اس وقف سے رجوع کر کے اس کو باطل کر سکتی ہے نہ اس زمین کو بیچ سکتی ہے نہ اس میں وراثت جاری ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی اور کو دے سکتی ہے کیوں کہ جب وہ خود اس کی مالک نہیں رہی تو دوسرے کو اس کا مالک کیسے بنا سکتی ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

عندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته الى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث كذافى الهداية وفى العيون واليتيمية ان الفتوى على قولهما كذا فى شرح الشيخ ابى المكارم للنقاية."(ج٦،ص ٣٥٠،الباب الاول من كتاب الوقف)

تنویر الابصار اور در مختار میں ہے:

"عندهما هو حبسها على حكم ملك الله تعالىٰ فيلزم فلايجوز ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى."اہ ملخصا(رد المحتار ج٢،ص ٥٢٠، ٥٢١،كتاب الوقف)

اور مذکورہ دلیلوں سے یہ واضح ہوگیا کہ جب خود واقف کو اپنی وقف کی ہوئی زمین میں کوئی اختیار نہیں تو ہندہ کی بھتیجی کو بدرجہ اولیٰ اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہوگا، لہذا اس کا مذکورہ دعوی بھی بے کار اور بے اعتبار ہوگا۔

فتاوی رضویہ ج ٦،ص ٣٢٥، کتاب الوقف میں ہے: ''جو شیٔ اللہ عزوجل کے لیے وقف ہوگئی، اس میں کسی کو دعوی نہیں پہنچتا۔ عورت نے اپنی حالت صحت میں یہ وقف کیا تو کسی رشتہ دار کا اس میں مزاحمت کرنا محض ظلم و نامسموع ہے۔ اہ ملخصا''

اسی میں ص ٥١٨ پر ہے: ''وقف جب کہ صحیح واقع ہو، واقف کو اس سے رجوع کا کوئی اختیار نہیں رہا، کہ اب وہ اس کی ملک سے نکل گیا'' **ويتم الوقف بمجرد القول عند الامام ابى يوسف سلمه الله تعالى وعليه الفتوى وبه يفتىٰ."**

اب کمیٹی کے افراد کو لازم ہے کہ وہ قانونی چارہ جوئی کر کے اس زمین کو حاصل کریں اسی طرح کے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کو

چارہ جوئی فرض ہے، لازم ہے کہ بذریعہ حکومت مسجد کی وہ پہلی زمین اور پشتہ کی زمین سب اس کے قبضے سے نکلوائی جائے اور پہلے جس حالت پر تھی اسی حالت پر جبراً اس سے کرائی جائے۔'' اھ ملخصا، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۵ ر ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

جو مکان مسجد پر وقف کیا جائے اسے بیچنا یا کسی دوسرے مکان سے بدلنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد رئیس الدین فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ

ایک خاتون نے اپنا مکان مسجد کے لیے وقف کیا تھا، کہ اس کی آمدنی مسجد کو ملتی رہے، مگر اب صورت حال یہ ہے کہ وہ مکان مسجد سے بہت دور بہت ہی تنگ گلی میں ہے، جس کی وجہ سے کوئی کرایہ دار زیادہ دنوں تک وہاں نہیں رہتا اس لیے اس حال پر اس مکان کو رکھتے ہوئے مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے اور وقف کرنے والی خاتون کا انتقال بھی ہو چکا ہے، لہذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مکان کو بیچنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی کیا صورت ہے کہ اس مکان سے مسجد کو نفع پہنچتا رہے اور وقف کرنے والے کو ثواب بھی ملتا رہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جو مکان یا زمین مسجد پر وقف کردی گئی وہ اللہ رب العزت کی ملکیت میں داخل ہوگئی لہذا اب اسے بیچنا جائز نہیں اور صورت مذکورہ مسئولہ میں مکان مذکور مسجد پر وقف ہو چکا ہے، لہذا اب اسے بیچنا ہرگز جائز نہیں۔

فتاوی عالم گیری میں وقف کے بارے میں ہے:

عندھما حبس العین علی حکم ملک اللہ تعالیٰ علی وجہ تعود منفعتہ الی العباد فیلزم ولایباع ولایوھب ولایورث کذافی الھدایۃ وفی العیون والیتیمیۃ ان الفتوی علی قولھما کذا فی شرح الشیخ ابی المکارم للنقایۃ.''(ج۶،ص ۳۵۰،الباب الاول من کتاب الوقف)

مگر سوال نامہ میں یہ ذکر ہے کہ ”اس حال پر رکھتے ہوئے مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے“ تو اولا تو یہ کوشش کریں کہ کوئی مستقل کرایہ دار مل جائے یا اسی حال پر رکھتے ہوئے کسی اور طریقے سے اس مکان کو نفع بخش بنائیں، اگر ایسا ہوسکتا ہے تو اس کو بیچنا یا بدلنا جائز نہیں۔ اور اگر اس مکان کے قابل انتفاع ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو اگر اس عورت نے متولی کو مکان کے قابل انتفاع نہ ہونے کی صورت میں بدلنے کی اجازت دی ہے تو متولی کو اس کے بدلنے کا اختیار ہے مگر اس میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ اس مکان سے وہ مکان بہتر یا اسی کی طرح ہو اور اگر اس عورت نے اجازت نہ دی ہو تو بھی اس مکان کے قابل انتفاع نہ ہونے کی صورت میں اس کو بدلا جاسکتا ہے، مگر اس کی چند شرطیں ہیں جن کی پابندی لازم ہے پہلی یہ کہ غبن فاحش کے ساتھ تبادلہ نہ ہو، دوسری یہ کہ تبادلہ کرنے والا ضلع کا سب سے بڑا عالم باعمل ہو کہ جس کے تصرفات پر لوگوں کو اطمینان ہو، تیسری یہ کہ تبادلہ غیر منقول سے ہو روپیہ سے نہ ہو، چوتھی یہ کہ ایسے شخص سے تبادلہ نہ کرے جس کی شہادت اس کے حق میں مقبول نہ ہو، پانچویں یہ کہ ایسے شخص سے اس کا تبادلہ نہ کرے جس پر اس کا دین ہو اور چھٹی شرط یہ ہے کہ دونوں جائداد ایک ہی محلے میں ہوں یا ایسے محلے میں ہوں جو اس سے بہتر ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

”لوصارت الارض بحال لاینتفع بها والمعتمد انه بلا شرط یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیة وان لا یکون البیع بغبن فاحش وشرط الاسعاف ان یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل لئلا یحصل التطرق الی ابطال اوقاف المسلمین ویجب ان یزاد آخرفی زماننا وهو ان لا یبیعه ممن لا تقبل شهادته له ولا ممن له علیه الدین وفی القنیة مبادلة دارالوقف بدار اخری انما یجوز اذا کانتا فی محلة واحدة او محلة اخری خیرا وبالعکس لایجوز.“ملخصا(ردالمحتار ج٦، ص٥٨٦،مطلب فی اشتراط الادخال والاخراج والاستبدال من کتاب الوقف)والله تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۰ر جمادی الآخرہ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

پورے سال خدمت انجام دینے والے مدرس کو تعطیل کلاں کی تنخواہ ملے گی یا نہیں؟

مسئلہ : از چاند عالم روز کالونی جعفر نگر ناگ پور مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید عالم دین ناگ پور کے ایک مدرسے میں شوال تا شعبان مدرسے کی تدریسی خدمات سے متعلق رہا، تین ماہ قبل اراکین کمیٹی نے اس کو آگاہ کر دیا، کہ ہم اپنے فنڈ کی کمزوری کے باعث سال آئندہ عید بعد آپ کو مدرسے میں نہیں رکھ سکیں گے، یہ سیشن رمضان تک پورا کر لیجیے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ تعطیل کلاں کا مستحق ہوگا یا نہیں، جب کہ اس نے مدرسے میں پورے سال خدمت کی ہے، از روئے شرع نیز اپنے مدرسے کے اصول کی روشنی میں مسئلے کا حکم واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جب زید نے مدرسے میں پورے سال خدمت کی ہے تو وہ تعطیل کلاں کی تنخواہ کا ضرور مستحق ہے۔ بہار شریعت میں ہے: ''مدرسے میں تعطیل کے جو ایام ہیں، مثلاً، جمعہ، منگل یا جمعرات جمعہ، ماہ رمضان اور عید بقر عید کہ تعطیلیں جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج ومعمول ہیں، ان تعطیلات کی تنخواہ کا مدرس مستحق ہے۔'' (ج ۱۰ ص ۵۴۵ کتاب الوقف مصارف وقف کا بیان مطبوعہ مجلس المدینۃ العلمیہ دعوت اسلامی)

فتاوی رضویہ میں ہے: ''اصل کلی شرعی یہ ہے کہ اجیر خاص پر حاضر رہنا اور اپنے نفس کو کار مقرر کے لیے سپرد کرنا لازم ہے، جس دن غیر حاضر ہوگا، اس دن کے اجر کا مستحق نہیں، مگر معمولی قلیل تعطیل جس قدر اس صیغے میں معروف ومروج ہو عادتاً معاف رکھی گئی ہے، طلبہ بلا تعطیل ہمیشہ پڑھے جائیں تو قلب اس محنت کا متحمل نہ ہو، لہذا ہفتے میں ایک دن یعنی جمعہ اور کہیں دو دن منگل جمعہ تعطیل ٹھہری اور رمضان المبارک میں مطالعہ کرنا سبق پڑھنا یاد کرنا دشوار ہے، لہذا اس صیغے میں رمضان مبارک کی چھٹی معمول ہوئی۔'' اھ ملخصا (ج ٦، ٣٦٩، کتاب الوقف)

ردالمحتار میں ہے:

''حیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلاثاء والجمعۃ وفی رمضان والعیدین یحل

الاخذ.“ (ج٦، ص ٦٨ ٥ مطلب فی استحقا ق القاضی المدرس الوظیفة فی یوم البطالة من کتاب الوقف) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۹/۳/۱۴۳۷ھ۔۲۱/۱۲/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

چندہ دینے والے جس کام کے لیے چندہ دیں اسے اسی کام میں خرچ کرنا لازم ہے اسے دوسرے مقصد میں خرچ کرنا یا بچا کر رکھ لینا جائز نہیں

مسئلہ : ازنوجوانان اہل سنت زینب مسجد ٹیکہ نئی بستی

کیا فرماتے ہیں علماے کرام اس مسئلے میں کہ رمضان کے مہینے میں مسجد کمیٹی کے لوگ شب قدر کے نام سے چندہ کرتے ہیں اور چندہ دینے والے اس غرض سے چندہ دیتے ہیں تا کہ حافظ، امام، موذن کونذرانہ دیا جاے اور کچھ شیرنی کا انتظام کیا جائے مگر مسجد کمیٹی کے کچھ لوگ اس روپے کو دینے والوں کی غرض کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور اس میں سے کچھ روپے رکھ لیتے ہیں تا کہ مسجد کے دوسرے کاموں میں صرف کرسکیں۔ایسا کرنا کمیٹی کے لیے جائز ہے یا نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : چندہ دینے والوں نے جس کام کے لیے چندہ دیا ہے اس چندے کو اسی مقصد میں خرچ کرنا لازم وضروری ہے اس کے خلاف کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ،لہذا کمیٹی کے اراکین جو چندے کی رقم کو بچا کر رکھ لیتے ہیں وہ سخت گنہ گار حق العبد میں گرفتار مستحق قہر قہار وغضب جبار ہیں،ان پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کریں اپنی اس حرکت سے باز آجائیں اور مذکورہ چندے کی رقم کو مذکورہ مقصد ہی میں خرچ کریں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”لایجوز تغییر الوقف عن هیئته فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا

الرباط دکانا. " (ج۲،ص ۴۹۰،الباب الرابع عشر فی المتفرقات من کتاب الوقف)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۲/۹/۱۴۳۷ھ۔۲۸/۶/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح
نعیم الاسلام قادری

غیر مسلم نے مسجد یا مدرسے کے نام پر زمین دیا تو اسے وقف کرنے کی صورت کیا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد فہیم

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

تیغیہ کالونی آزاد نگر ناری ناگ پور جہاں مسلمانوں کی چند گھر کی آبادی ہے،اس لے آوٹ کے مالک نے (ہندو)اپنی خوشی سے مسجد اور مدرسے کے لیے اپنے پلاٹ میں گراؤنڈ کی زمین سے کچھ جگہ (۳۸۰۰/اسکوائرفٹ جگہ)ہماری کمیٹی یعنی غریب نواز کو وقف کیا ہے جو اصل میں اِمائی کی جگہ ہے اور اس زمین کی کوئی قیمت بھی نہیں لیا ہے لہذا ایسی جگہ پر اسلامی مدرسہ اور مسجد قائم کرنا عندالشرع کیسا ہے؟اور اس جگہ پر نماز وغیرہ درست ہے یا نہیں؟جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : زبانی طور پر معلوم ہوا کہ پبلک پوٹی لیٹی کی زمین میں سے آدھی زمین بلامعاوضہ اس غیر مسلم نے غریب نواز کمیٹی کو دے دیا ہے تو اب کمیٹی کا کام یہ ہے کہ اس کو گورنمنٹ رول کے اعتبار سے کمیٹی کے نام کرلیں اس کے بعد اس جگہ کو مدرسہ یا مسجد کے لیے وقف کردیں پھر اس جگہ پر مدرسہ ومسجد بنائیں تو بنا سکتے ہیں کہ اب وہ جگہ مسلمانوں کی ہوگئی ہے اور مسلمانوں نے وقف کردیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور
۱۷/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ۔۴/جنوری ۲۰۱۰ء

الجواب صحیح
محمد مجیب اشرف رضوی غفرلہ

کتاب الاضحیۃ

قربانی کا بیان

قربانی کی کھال کی رقم مسجد کی تعمیر یا امام وموذن کی تنخواہ میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ : ازعبدالجبار مانکاپورناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ قربانی کی کھال کی رقم مسجد کی تعمیر یا امام وموذن کی تنخواہ یا دیگر ضروریات مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مسجد میں کوئی آمدنی نہ ہوتو اس پیسے کو خرچ کرنے کے لیے حیلے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی دونوں باتوں پر غور فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : قربانی کی کھال یا اس کی رقم کو مسجد کی تعمیر،امام وموذن کی تنخواہ یا مسجد کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز ہے۔اس میں حیلہ شرعی کی ضرورت نہیں۔البتہ دینے والے بعینہ وہ کھال مسجد میں دیں، جسے بیچ کر متولی مذکورہ امور خیر میں خرچ کرے یا خود دینے والے مسجد میں دینے کی نیت سے بیچ کر وہ رقم مسجد میں دے دیں۔اگر اپنے لیے بیچا تو اس رقم کو مسجد میں نہیں لگا سکتا، بلکہ اسے فقیر پر صدقہ کرنا واجب ہوگا۔اب وہ فقیر چاہے تو مسجد میں دے دے۔

فتاوی عالم گیری میں تبیین الحقائق،کافی اور ہدایہ سے ہے:

”**لا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله.**“(ج۵،ص ۳۰۱،**الباب الساد من كتاب الاضحية**)

فتاوی رضویہ میں ہے:”اگر کھالیں صرف مسجد کے لیے پہلے سے دے دی جائیں یا ان کا داموں کے

عوض بیچنا اپنے صرف میں لانے کے لیے نہ ہو بلکہ امور قربت وثواب کی غرض سے ہوتو ان داموں کا مسجد کے صرف کے لیے دے دینا یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔اور اگر کھالیں اپنے صرف میں لانے کے لیے داموں کو بیچ ڈالیں تو یہ دام مسجد میں صرف نہیں ہوسکتے بلکہ مساکین کو دیے جائیں،جس مسکین کو دے وہ اپنی طرف سے مسجد میں لگادے تو مضائقہ نہیں۔" (ج ۸،ص ۴۷۴، کتاب الاضحیہ، ناشر رضا اکیڈمی ممبئی) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۳/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

منت یا صدقہ کی رقم یا منت کی قربانی کی کھال کو مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد رئیس الدین ملک فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

منت اور صدقہ یعنی جان کی حفاظت یا پریشانی سے بچنے کے لیے صدقہ کی گئی رقم کو مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور منت کی قربانی کی کھال مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صدقہ واجبہ مثلاً زکوۃ وغیرہ صرف فقرا ومساکین کا حق ہے اسے مسجد وغیرہ غیر مصرف کو نہیں دے سکتے۔ارشاد باری ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ." (توبہ ۹، ۶۰)

صدقہ یعنی زکوۃ فقرا ومساکین کے لیے ہے۔

اور سوال نامہ میں مذکورہ صدقہ ،صدقہ نافلہ ہے لہذا اس کی رقم کو مسجد میں لگانا جائز ہے کہ صدقہ نافلہ صرف فقرا ومساکین کا حق نہیں بلکہ اسے مالداروں کو بھی دے سکتے ہیں ،لہذا اسے مسجد میں بھی لگا سکتے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

"الصدقة تكون على الاغنياء ايضا وان كان مجازا عن الهبة عند بعضهم وصرح

فی الذخیرۃ بان فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر.'(ج٦،٩١٥،کتاب الوقف مطلب لو وقف علی الاغنیاء)

منت جسے نذر بھی کہا جاتا ہے یہ اگر نذر عرفی ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو صدقہ نافلہ کا ہے اور اگر نذر شرعی ہے تو صدقہ واجبہ مثلا زکوۃ وکفارہ وغیرہ کی طرح یہ حق فقیر ہے اس میں کا کچھ بھی حصہ فقیر کے علاوہ کسی دوسرے کو دینا جائز نہیں۔منت کی قربانی بھی فقرا کا حق ہے اس کے گوشت پوست کے مستحق بھی یہی ہیں کہ گوشت اور پوست دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔لہذا اس چمڑے کو مسجد میں نہیں دے سکتے۔

ہدایہ میں ہے:

"اللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح."(ج٤،ص٤٥٠،کتاب الاضحیۃ)

ہندیہ میں کفارہ کے بارے میں ہے:

"لو اعطیٰ فی بناء مسجد او فی قضاء دین میت لم یجزی عنہ."اھ ملخصا(ج٢،ص٦٢، الفصل الثانی من الباب الثانی من کتاب الایمان)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار لیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

٢٦رشوال ١٤٣٥ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مرحومین کے نام سے قربانی کرنا صحیح ہے

مسئلہ : ازمحمد اطہر حسین چٹکا پور ضلع ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اپنے مرحومین کے نام سے قربانی کرنا جائز ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اپنے مرحومین کے نام سے قربانی کرنا جائز نہیں۔ان کا یہ کہنا ہے کہ اپنے مرحومین کے نام سے قربانی ہوتی ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟ازروئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعوان الملک الوھاب : بلاشبہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز بلکہ ان

کے لیے باعث ثواب ہے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اسی طرح کے سوال کے مطابق جواب ارشادفرماتے ہیں: ماں باپ کی طرف سے بعدموت قربانی کرنا اجرعظیم ہےاس کے لیےبھی اوراس کے والدین کے لیےبھی۔''(فتاوی رضویہ ج۸ص ۵۴۸)اور جولوگ یہ کہتے ہیں کہ مرحومین کی طرف سے جائزنہیں یہ اپنے جی سے مسئلہ گڑھنااورشریعت پرافترا ہے وہ توبہ کریں۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۴؍ذی الحجہ۱۴۲۷ھ بروزسہ شنبہ

صح الجواب و اللہ تعالیٰ اعلم

ابوالقیس مصباحی غفرلہ

ایک لڑکے کےعقیقہ کے لیےدوبڑے جانور ہونا چاہیے یاایک ہی جانور کے دوحصےکافی ہیں؟

مسئلہ : شبانہ انجم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں شبانہ انجم اپنے بیٹے کا عقیقہ کرنا چاہتی ہوں ،تو جو جانوریعنی گائے لی گئی اس میں اپنے عدنان کے دوحصے لینا چاہتی ہوں تو کیا میرے بیٹے کاعقیقہ ہوجائے گا؟

ایک صاحب نے کہا کہ نہیں ایک لڑکے کے لیے دو بڑے جانور چاہیے لہذا اس مسئلہ کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا آپ اپنے بیٹے کے لیےعقیقے کے بڑے جانور میں دوحصے لینا چاہتی ہیں،تو بالکل لےسکتی ہیں،عقیقہ ہوجائے گا جیسا کہ بہارشریعت حصہ ۱۵،ص۷۰۰ میں ہے کہ عقیقہ کے لیےگائے ذبح کی جائے تولڑکے کے لیے دوحصےاورلڑکی کے لیےایک حصہ کافی ہے۔رہاشخص مذکورکااس طرح کہنا کہ''لڑکے کے لیےدو بڑے جانورچاہیے''تو یہ غلط بلکہ اپنے من سے مسئلہ گڑھنا ہے،شخص مذکورکوچاہیے کہ وہ اپنے قول سے رجوع وتوبہ کرے۔**و اللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامی ٹیکہ ناگ پور

۳۰؍جمادی الاخری۱۴۳۸ھ۔۳۰؍مارچ ۲۰۱۷ءپنج شنبہ

کتاب الحظر والاباحة

جائز وناجائز کا بیان

حاجت پوری کرنے کے لیے ایک مجرب نماز

مسئلہ : از غلام مجتبیٰ قادری خادم القرأۃ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

جائز حاجت پوری کرنے کے لیے نماز پڑھنا اور اس کے وسیلے سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کسی ایسی نماز نفل کی نشاندہی کر دیں اور اس کی ترکیب وغیرہ لکھ دیں جو مشکلوں کو آسان کر دیتی ہے اور دعاؤں کے مقبول ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : نماز کو نیک حاجت وضرورت پوری کرنے کا ذریعہ بنانا جائز ہے۔

ارشاد باری ہے:

"یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ."(پ ۲،س بقرہ ۲،آیت ۱۵۳)

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو۔

ترغیب وترہیب میں امام حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث نقل کی ہے، جس کے متعلق اسلاف کرام نے اپنے تجربات بیان کیے ہیں کہ انہوں نے تجربہ کیا اور اس کو حق پایا یعنی جس کار خیر کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے یہ نماز پڑھی اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی مدد ہوئی۔ اسی لیے اس نماز کے تعلق سے یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اس کے بارے میں احمقوں اور نااہلوں کو نہ بتایا جائے، ورنہ جو دعائیں نہیں مانگنی چاہئیں وہ دعا وہ لوگ مانگنا شروع کر دیں گے اور دعا قبول بھی ہو جائے گی۔

نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مکروہ وقت کے علاوہ کبھی بھی بارہ رکعت کی نیت کرکے پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد قعدہ میں صرف تشہد یعنی التحیات پڑھ کر اٹھ جائے۔ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اس کے بعد سلام نہ پھیرے بلکہ سجدہ میں چلا جائے اور سجدے ہی کی حالت میں سات بار سورہ فاتحہ، سات بار آیت الکرسی پڑھے، اس کے بعد دس بار یہ دعا پڑھے:

"لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ."

پھر:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِکَ وَمُنْتَهَی الرَّحْمَةِ مِنْ کِتَابِکَ وَاسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَجَدِّکَ الْاَعْلٰی وَکَلِمَاتِکَ التَّامَّةِ."

پڑھنے کے بعد اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی حاجت طلب کرے پھر سر اٹھا کر سلام پھیرے۔ ان شاء اللہ دعا مقبول ہوگی۔

الفاظ حدیث یہ ہیں:

"عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: اثنتا عشرة رکعة تصلیهن من لیل اونهار وتشهد بین کل رکعتین فاذا تشهدت فی اخر صلوتک فاثن علی الله عزوجل وصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم واقرأوانت ساجد فاتحة الکتاب سبع مرات وآیة الکرسی سبع مرات وقل: "لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ." ثم قل: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِکَ وَمُنْتَهَی الرَّحْمَةِ مِنْ کِتَابِکَ وَاسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَجَدِّکَ الْاَعْلٰی وَکَلِمَاتِکَ التَّامَّةِ." ثم سل حاجتک ثم ارفع رأسک ثم سلم یمینا وشمالا. ولا تعلموها السفهاء فانهم یدعون بها فلیستجابون." (الترغیب والترهیب ج ۱، ص ۵۳۷، ۵۳۸) والله تعالیٰ اعلم

کتبه: محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

یکم ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی

حضور نے معراج کی رات اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یہی مذہب جمہور ہے۔شب برأت میں حلوہ پکانا،قبرستان جانا اور فاتحہ دلانا بلاشبہ جائز ہے

مسئلہ : ازمحمد تنویر جیلانی رضوی جمشید پور ذاکر نگر، متعلم جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو اپنے ماتھے کی آنکھوں سے نہیں دیکھا بلکہ صرف ملاقات ہوئی،مگر بکر کہتا ہے یہ بات غلط ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

(۲) سنی مسلمان جو شب برأت میں قبرستان میں فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں اور حلوہ اور کتلی وغیرہ بناتے ہیں کیا یہ فاتحہ پڑھنا اور حلوہ وغیرہ بنانا درست ہے،لیکن زید ان سب کو برا بھلا کہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ سب غلط ہے قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔اگر زید کی بات غلط ہے تو اس پر کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) اکثر علمائے کرام کا راجح اور صحیح مذہب یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔اور آنکھوں سے دیکھنے کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں شک کرنا ضلالت وگمرہی ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ اور جن لوگوں کی حدیثوں سے اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ نے اپنے سر کی آنکھوں سے ہی اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے،لہذا بکر کا قول اکثر علما کے راجح مذہب کے خلاف ہے۔اور وہ آنکھوں سے دیدار کا انکار کرنے کی وجہ سے ضال ومضل یعنی گمراہ اور گمراہ بنانے والا ہے۔اس پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کرے اور آئندہ ایسی باتوں سے پرہیز کرے۔امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

"الحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ربہ بعینی راسہ لیلۃ الاسراء لحدیث ابن عباس وغیرہ مما تقدم واثبات ھذا لایاخذونہ الا

بالسماع من رسول الله صلی الله علیه وسلم، هذا مما لا ینبغی ان یتشکک فیه."(شرح مسلم مع مسلم ج ۱، ص۹۷،تحت باب قول الله عزوجل ولقد رآه نزلة اخری)

قدرے تبدیلی کے ساتھ امام نووی کا یہ قول حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے مرقات شرح مشکوۃ ج ۱۰،ص ۳۵۱، باب رویۃ اللہ کے تحت ذکر کیا ہے اور علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

"**فیه ایماء الی انه رای ربه وهوقول الاکثر فقد رآه بعین بصره وهو مذهب ابن عباس وارتضاه الاشعری والنووی.**"(ج۳،ص۲۴۷،فصل فی خصائصه علیه السلام)

والله تعالیٰ اعلم

(۲)شب برأت یا اس کے علاوہ دوسرے موقع پر کبھی بھی قبروں کی زیارت کے لیے قبرستان جانا اور مردوں کو ایصال ثواب کے لیے فاتحہ وغیرہ پڑھنا جائز و مستحسن ہے۔حدیث پاک میں ہے:

"**عن ابن مسعود رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها فانها تزهد فی الدنیا وتذکر الآخرة.**"

(مشکوۃ ص ۱۵۴،باب زیارة القبور من کتاب الجنائز)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع کرتا تھا تو اب تم اس کی زیارت کرو، کیوں کہ یہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

یوں ہی شب برات میں حلوہ وغیرہ پکانا اور اس پر فاتحہ پڑھنا بھی جائز ہے کیوں کہ اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اعمال مثلا نماز، روزہ، حج، صدقہ اور تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب دوسروں کو پہنچا دے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کیے ایک اپنی طرف سے ایک اپنی امت مسلمہ کی طرف سے اور یہی مذہب اہل سنت و جماعت ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"**الاصل فی هذاالباب ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوة اوصوما او**

صدقة او غيرها عند اهل السنة والجماعة لماروى عن النبى على السلام انه ضحى بكبشين املحين احدهما عن نفسه والآخر عن امته ممن اقر لوحدانية الله تعالىٰ وشهد له بالبلاغ جعل تضحية احدى الشاتين لامته."(ج ۱، ص ۲۹٦، باب الحج عن الغير من كتاب الحج)

ایک اور مقام پر حدیث پاک میں ہے:

"**عن سعد ابن عبادة قال: يارسول الله ان ام سعد ماتت فاى الصدقة افضل؟ قال: الماء فحفر بئراوقال هذه لام سعد.**"(مشکوۃ ص ۱٦۹، باب فضل الصدقة من كتاب الزكوة)

یعنی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا، یارسول اللہ! سعد کی ماں یعنی میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، اب میں ان کے ایصال ثواب کے لیے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں، آپ حکم فرمائیں کہ ہمارے لیے کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا "پانی" پھر حضرت سعد نے کنواں کھودا اور فرمایا "**هذه لام سعد**" کہ یہ کنواں سعد کی ماں کے لیے ہے یعنی اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے۔

شریعت مطہرہ کی جانب سے جب تک کسی چیز کے ناجائز یا حرام ہونے کا کوئی حکم نہ ہو اس وقت تک ہر چیز کو حلال ہی مانا جاتا ہے، کیوں کہ ہر چیز کی اصل حلال اور جائز ہونا ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"**الاصل فى الاشياء الاباحة.**"(ج ۱، ص ۲۰۹، القاعدة الثالثة من النوع الاول من الفن الاول)

اور حلوہ کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں، لہذا وہ مباح اور جائز ہے اور ہر جائز چیز پر فاتحہ دینا بلا شبہ جائز ہے۔ جو اسے برا بھلا کہے وہ سخت جری اور بے باک ہے۔ لہذا زید اگر اسے ناجائز نہیں کہتا ہے بلکہ یوں ہی برا بھلا کہتا ہے تو اس کے دل میں کجی ہے اور وہ ثواب سے محروم ہے اسے ایسی بات سے بچنا چاہیے۔ اور اگر وہ اسے ناجائز کہتا ہے جیسا کہ اس زمانے میں وہابیہ، دیوبندیہ کی عادت ہے، تو وہ شریعت مطہرہ پر افترا کر رہا ہے۔ اسے بتایا جائے کہ تمہاری یہ بات بدمذہبوں کی طرح ہے، لہذا تم اس طرح کی

بات کرنے سے بچواور ایک جائز چیز کو ناجائز کہنے کی وجہ سے توبہ واستغفار کرو۔

برأت کا معنی ہے نجات اور بخشش اور یہ بات دینی و دنیاوی ہر اعتبار سے صحیح ہے کہ جب کسی شخص کو کسی مصیبت سے نجات ملتی ہے یا ملنے کی امید ہوتی تو وہ اس سے نجات پانے کی مکمل کوشش کرتا ہے۔اور پندرہویں شعبان کے تعلق سے حدیث پاک میں ہے:

"ان اللہ تبارک وتعالیٰ ینزل لیلة النصف من شعبان الی سماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم بنی کلب."(ترمذی ج ۱،ص ۱۵۶،باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان من ابواب الصوم)

کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات میں اپنی شان کے مطابق آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہےاور بنی کلب کی بکریوں کے بال سے بھی زیادہ اپنے بندوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

لہذا اس حدیث کے پیش نظر مسلمان اس دن کے احترام کے لیے روزہ،نماز اور نذرونیاز کا خاص اہتمام کرتے ہیں تاکہ انہیں اس کی زیادہ سے زیادہ برکت ملے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر ان پر اپنا خاص فضل فرماتے ہوئے انہیں بخش دے۔

دوسری حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پندرہویں شعبان کی رات میں گزرے ہوئے سال کے مکمل اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور آنے والے سال میں پیش آنے والے تمام امور لکھے جاتے ہیں،لیکن ایک اور حدیث میں ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر ہفتہ میں لوگوں کے اعمال دوبار خدا کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں ایک دوشنبہ کو اور دوسرے جمعرات کو تو تمام مومنین کو بخش دیا جاتا ہے،سوائے ان دو مسلم بھائیوں کے جو آپس میں بغض وعداوت رکھتے ہیں کہ ان کے بارے میں حکم ہوتا ہے کہ جب تک یہ دونوں آپس میں صلح نہ کرلیں اس وقت تک انہیں اسی حال پر چھوڑ دو۔ ظاہرا ان دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض ہے،لیکن حقیقتاً ان میں کوئی تعارض نہیں،کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ ہر ہفتہ میں دوبار لوگوں کے اعمال تفصیلاً پیش ہوتے ہوں اور پورے سال کے اعمال پندرہویں شعبان کو اجمالاً پیش ہوتے ہوں۔اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس رات میں عبادت کرو اور دن کو روزہ رکھو۔اس لیے تمام خوش عقیدہ مسلمان اس تاریخ میں روزہ،نماز،نذرونیاز اور فاتحہ وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں،جس کے جائز ہونے میں وہی شخص شک کرے گا جس کا دل بیمار ہو اور شریعت سے غافل ہو۔

مرقات شرح مشکوۃ میں ہے:

''وفی حدیث مسلم تعرض اعمال الناس فی کل جمعة مرتین یوم الاثنین و یوم الخمیس فیغفر لکل مومن الا عبدا بینه وبین اخیه شحناء فیقال انظروا حتی یصطلحا قال ابن حجر: ولا ینافی هذارفعها فی شعبان لجواز رفع اعمال الاسبوع مفصلة واعمال العام مجملة . والذی یلوح لی الآن ان لیلة النصف هی التی تعرض فیها اعمال السنة الماضیة کما انها تکتب جمیع مایقع فی السنة الآتیة ولذا قال قوموا لیلها وصوموا نهارها.''اه ملخصا(ج۴،ص ۲۹۹ ، باب صیام التطوع من کتاب الصیام) والله تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۸/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کتاب ''اسلامی فقہ'' کے بارے میں فتوی اور بالوں کو کالا کرنے کا حکم

مسئلہ : از شبیر احمد جعفر نگر

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل عبارت کے بارے میں اور اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں

بالوں کو رنگنے یعنی خضاب کا بیان

''خضاب کے بارے میں حنفی فقہ کا مسلک یہ ہے کہ مرد کو داڑھی اور سر میں خضاب لگانا مستحب ہے ،لیکن ہاتھ اور پیر کا رنگنا مکروہ ہے کیوں کہ ایسا کرنے سے عورتوں سے مشابہت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بغیر کسی شرعی مقصد کے بالوں کو سیاہ رنگنا مکروہ ہے۔مثلا دشمن پر رعب جمانے کے لیے ہو تو مباح ہے لیکن عورتوں کے سامنے اپنی خوشنمائی کے لیے ہو تو اس میں دو قول ہے،ایک یہ کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔دوسرا قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ جس طرح مرد یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے لیے سنگار کرے ایسے ہی اس کی بیوی اپنے شوہر کے لیے اس بات کی خواہش مند ہو تو مرد کے

لیے خضاب کرنا جائز ہے۔'' (فقہ اسلامی ص ۳۳۶، مولانا منہاج الرحمٰن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سائل نے جس کتاب کی عبارت نقل کی ہے وہ ''فقہ اسلامی'' نہیں بلکہ ''اسلامی فقہ'' ہے۔ اوراس کی تالیف مولانا منہاج الرحمٰن نے نہیں کی ہے، بلکہ یہ کسی مولانا منہاج الدین مینائی کی تالیف ہے۔ میں نے سرسری طور پر ایک دو مقام سے اس کتاب کو دیکھا، جس سے اندازہ ہوا کہ اس میں کچھ فاش غلطیاں پائی جاتی ہیں، اس لیے عوام کے لیے یہ کتاب پڑھنا جائز نہیں۔

اولاتو اس لیے کہ اس کے مولف نے اس میں مسائل کو نقل کرنے میں کہیں کہیں بہت حیرت ناک غلطیاں کی ہیں، جن کو پڑھ کر عام انسان باعمل بننے کے بجائے بے عمل ہو جائے گا پھر پوری زندگی وہ گناہ کرتا رہے گا اوراس کو یہ محسوس بھی نہ ہوگا کہ وہ گناہ کا کام کر رہا ہے یا ثواب کا۔ مثلاً ایک غلطی تو یہی ہے کہ جس کو سائل نہ لکھا ہے۔ اس مسئلے کو کتاب کے مولف نے ''**الفقه على المذاهب الاربعة**'' سے نقل کیا ہے، جیسا کہ خود انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے اور ''**الفقه على المذاهب الاربعة**'' ایسی کتاب ہے جس میں ہر ایک مسئلے کے بارے میں تقریباً چاروں امام کے مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں، جن میں کچھ اقوال تو مفتیٰ بہا ہیں یعنی ان پر فتوی دیا جاتا ہے اور امت مسلمہ کا ان پر عمل جاری ہے اور کچھ اقوال ایسے ہیں، جو غیر مفتیٰ بہا اور ناقابل عمل ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں فعل مکروہ کو مطلق لکھا گیا ہے یہ قید نہیں لگائی گئی کہ یہ مکروہ، مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔ عرض ناشر کے مطابق جب یہ کتاب عوام کے لیے لکھی گئی تھی، تو جناب مولف کے لیے یہ ضروری تھا، کہ وہ تحریمی اور تنزیہی کے درمیان فرق کر کے لکھتے، تاکہ عوام کو دھوکہ نہ ہوتا اور وہ لوگوں کی بدعملی کا سبب بننے سے بچ جاتے، مگر نہ جانے کون سی تمنا دل میں تھی، جس نے انہیں یہ غیر مناسب طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کیا اور انہوں نے امت مسلمہ کی عادت سے ہٹ کر ایسا طریقہ نکالنے میں شریعت کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ غالباً طبیعت شہرت کی طالب ہے، اس لیے وہ ایسا کر بیٹھے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں:

خروجه عن العادة شهرة ومكروهة.'' (**شرح مسلم مع مسلم ج۲، ص ۱۹۹ تحت باب استحباب اختضاب الشيب بصفرة وحمرة وتحريمه بالسواد من كتاب اللباس والزينة**)

کسی شخص کا امت مسلمہ کی عام عادت سے ہٹ کر کوئی نیا کام کرنا شہرت چاہنا ہے اور یہ اس نئے

کام کے مطابق ناپسندیدہ اورمکروہ ہے یعنی وہ کام جیسا ہوگا اسی کے مطابق اس میں کراہت ہوگی۔

دوسری غلطی اس میں میں نے یہ دیکھی، کہ اس کے مولف نے لکھا ہے، کہ طلاق کے چار رکن ہیں:

''..........(۴) نیت یعنی الفاظ، طلاق دینے کی نیت (ارادے) سے ادا کیے گئے ہوں۔'' (اسلامی فقہ ص ۳۶۴)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ طلاق چاہے صریح ہو یا کنایہ بہرحال الفاظ طلاق سے طلاق اسی وقت واقع ہوگی، جب کہ آدمی طلاق دینے کی نیت سے الفاظ طلاق ادا کرے اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو، تو چاہے قسطوار پانی پی پی کر تجھے طلاق تجھے طلاق کی رٹ لگاتا رہے یا پوری زندگی اس کا وظیفہ کرتا رہے، پھر بھی طلاق واقع نہ ہوگی؟ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** حالانکہ صریح طلاق کے بارے میں فقہائے کرام یہ صراحت فرماتے ہیں، کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا، کہ ''میں نے تجھے طلاق دیا'' تو طلاق واقع ہوجائے گی، خواہ وہ طلاق کی نیت کرے یا نہ کرے۔ بلکہ کسی نے اپنی بیوی کو ڈرانے دھمکانے یا مذاق کی نیت سے کہا، کہ میں نے تجھے طلاق دیا تو بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔

فتاوی عالم گیری میں صریح طلاق کے بیان میں ہے:

''ھو کانت طلاق ومطلقة و طلقتک تقع واحدة رجعية وان نوی الاکثر او الابانة اولم ینو شیئا کذا فی الکنز.'' (ج ۱، ص ۳۵۴، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق من کتاب الطلاق)

تنویر الابصار میں ہے:

''یقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولوھازلا.'' اھ ملخصا (تنویر الابصار علی ھامش رد المحتار ج ۴، ص ۴۳۸، ۴۴۳، کتاب الطلاق)

درمختار میں ہے:

''وان قال تعمدته تخویفا لم یصدق قضاء.'' (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۴، ص ۴۶۰ باب الصریح من کتاب الطلاق)

اب یہ واضح ہوگیا کہ اگر کوئی شخص شرعا معذور ومجبور نہ ہو تو مذکورہ صورت میں اس کی طلاق واقع ہوجائے گی خواہ وہ طلاق کی نیت کرے یا نہ کرے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا، کہ مذکورہ کتاب کے مولف نے جو بات کہی ہے وہ کتنی دل دہلانے والی اور گناہ میں مبتلا کرنے والی ہے کہ اس کا انجام یہی ہوگا کہ اگر اس عبارت کو کوئی شخص پڑھے اور اس پر عمل بھی کر بیٹھے اور بغیر طلاق کی نیت کے اپنی بیوی سے یہ

کہہ دے کہ میں نے تجھے طلاق دیا، پھر اس سے رجعت نہ کرے اور عدت گزر جائے تو اب اس پر طلاق بائن واقع ہوگئی یعنی وہ اس کے نکاح سے نکل گئی، یوں ہی بغیر طلاق کی نیت سے کہا کہ میں نے تجھے تین طلاق دیا، تو اس پر تین طلاقیں مغلظہ پڑ گئیں اور اب اس کی بیوی بغیر نکاح جدید یا حلالہ کے اس کے لیے حلال نہ ہوگی، لیکن چوں کہ وہ یہ پڑھ چکا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوگی، جب کہ طلاق کی نیت کی جائے لہذا اس کا عمل اسی پر جاری رہا۔ اور یہ نہ جانا کہ جس کو وہ اپنی بیوی سمجھتا رہا ہے وہ حقیقت میں اس کی بیوی نہیں بلکہ وہ تو طلاق پڑ جانے کی وجہ سے اس کے حق میں ایک اجنبیہ اور غیر محرم ہے، جس سے وطی کرنا تو دور کی بات اس کے ساتھ تنہائی میں رہنا بلکہ بلاضرورت شرعیہ اس کی طرف دیکھنا بھی جائز نہیں۔

ارشاد باری ہے:

"قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ." (پ ١٨، س نوح آیت ٣٠)

درمختار و تنویر الابصار میں ہے:

"الخلوة بالاجنبية حرام ان خاف الشهوة اوشک امتنع نظره الى وجهها فحل النظر مقيدا بعدم الشهوة والا فحرام وهذا فى زمانهم واما فى زماننا فمنع من الشابة الا النظر لاالمس لحاجة." اه ملخصا (على هامش ردالمحتار ج ٩، ص ٥٢٩، ٥٣٢، فصل فى النظر والمس من كتاب الحظر الاباحة)

اب اندازہ لگائیے کہ یہ ایک غلطی کتنی بڑی ہلاکت خیز ہے، کہ اس کی وجہ سے انسان پوری زندگی گناہ کرتا رہا اور کار ثواب سمجھ کر جس سے وہ وطی کرتا رہا، وہ باعث عذاب ٹھہرا کہ جب وہ اس کی بیوی ہی نہیں رہی تو پھر اس کے ساتھ وطی کرنا معاذ اللہ زنا ہوا اور زنا کو ثواب کا کام وہی سمجھے گا جس کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہو کہ یہ فعل عقلا و شرعا ہر طریقے سے معیوب و مغبوض ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے پڑھانے سے بچنے کے لیے اتنا کافی ہے جو مذکور ہوا مگر اس کے غیر معتبر ہونے کی دوسری اور اہم وجہ یہ ہے کہ اس کا مولف وہابی دیوبندی ہے جیسا کہ اس کتاب کے مولف نے اس کے شروع میں دیباچہ میں ذکر کیا ہے: "ایسے مسائل ہمیشہ قاضی کی عدالت سے یا جہاں اسلامی حکومت نہ ہو کسی مستند دارالافتا سے رجوع کرنا اور تحریری حکم یا فتوی حاصل کرنے کے بعد عمل درآمد کرنا چاہیے جیسے

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیع سلم وغیرہ میں امام شافعی کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔" (اسلامی فقہ ص۲۴)

اور وہابی دیوبندی اپنے عقائد کفریہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے اور ضروریات دین کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر مرتد ہیں اور ان کی کتاب تحذیر الناس، حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تقویۃ الایمان وغیرہ میں جو ان کے کفری عقائد لکھے ہوئے ہیں، جب علمائے اہل سنت نے ان پر گرفت کی تو انہوں نے ایسی الٹی سیدھی علیل ذلیل تاویل شروع کر دی، کہ جس کو ایک کم عقل بھی صحیح ماننے کو تیار نہ ہوگا اور اس طرح ان کا کفر وارتداد لوگوں کے درمیان اور زیادہ کھل گیا، یہاں تک کہ جب ان کی کفری عبارتیں علمائے حرمین شریفین کے روبرو پیش کی گئیں تو انہوں نے یہ فتوی دیا، کہ

"من شک فی کفرہ وعذابه فقد کفر."

یعنی ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود جو شخص ان کے کفر وعذاب میں شک کرے، وہ خود کافر ہے۔

لہذا عوام کے لیے ضروری یہ ہے کہ دینی امور سے متعلق معلومات کے لیے علمائے اہل سنت ہی کی کتابیں پڑھیں، اس لیے کہ دوسرے لوگوں کی کتابیں پڑھنے کی وجہ سے ان کے ایمان وعمل کے برباد ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور اپنے نفس پر اس طرح بھروسہ کر لینا کہ وہ نہیں پھسلیں گے یہ ان کا خیال خام اور دھوکا ہے، کیوں کہ نفس تو برائی پر آمادہ کرنے اور برائی کرانے کے لیے ہمیشہ تیار ہی رہتا ہے بس ذرا سا اس کا موقع ملا اور راہ حق سے پھسلا۔

ارشاد باری ہے:

"اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْ ءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ." (پ۱۳، س یوسف ۱۲ آیت ۵۳)

بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے، مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔

اور شریعت میں جب فاسق کا اعتبار نہیں، تو کافر مرتد کا اعتبار کیسے ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ فاسق کے بارے میں یہ بہت ممکن ہے کہ فسق وفجور اور شریعت کی خلاف ورزی کی وجہ سے اتنا جری اور بے باک ہو گیا ہو کہ سچ اور جھوٹ کی کچھ پرواہ نہ کرے اور کوئی جھوٹی خبر دے دے، جس کی وجہ سے سامنے والا گناہ کر بیٹھے، اسی لیے فاسق کی خبر کے بارے میں شرع نے تحقیق وتفتیش کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری ہے:

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ.“(پ ۲۶،س حجرات ۴۹،آیت ۶)

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

یہی وجہ ہے کہ فاسق معلن کی امامت کو فقہائے کرام نے مکروہ تحریمی لکھا ہے اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب قرار دیا ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ بغیر طہارت ہی کے نماز پڑھا دے۔

ردالمحتار میں ہے:

”واما الفاسق فقد عللوا کراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه فانه لايومن ان يصلی بهم بغير طهارة فهو کالمبتدع تکره امامته بکل حال بل مشی فی شرح المنية علی ان کراهة تقديمه کراهة تحريم.“اه ملخصا(ج ۲،ص ۲۹۹،باب الامامة من کتاب الصلوة)

درمختار میں ہے:

”کل صلوة اديت مع کراهة التحريمة تجب اعادتها.“(علی هامش ردالمحتار ج ۲، ۱۴۷، ۱۴۸ باب صفة الصلوة من کتاب الصلوة)

اب جب کہ فاسق وفاجر کے بارے میں شریعت نے اس طرح حکم نافذ فرمایا حالانکہ وہ مسلمان ہے،تو پھر کافر مرتد کی لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھنا اور ان سے مسائل سیکھنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے۔نیز جب ایک فاسق اپنے فسق وفجور کی بنیاد پر اس طرح نڈر اور بے باک ہوسکتا ہے کہ وہ احکام شرع کی رعایت نہ کرتے ہوئے بغیر طہارت کے نماز پڑھا دے تو ایک کافر مرتد تو بدرجہ اولیٰ اپنی کتاب کی ذریعہ اپنے کفری عقائد یا کم از کم غلط مسائل کو لوگوں کے درمیان بڑی خوب صورتی کے ساتھ پیش کرسکتا ہے کہ کتاب میں تمام اسلامی احکام بیان کرے اور بیچ بیچ میں اپنے مقصد کی باتیں بھی پیش کرتا جائے اور لوگ اپنی کم علمی اور ناسمجھی کی بنیاد پر اس کے جال میں پھنستے چلے جائیں، گویا وہ گیہوں دکھا کر جو بیچتا ہے اور حلوہ چکھا کر زہر کھلاتا ہے۔اس لیے فاسق سے زیادہ کافر مرتد سے بچنا ضروری ہے کہ فاسق صرف اعمال کو برباد کرتا ہے اور

یہ اعمال وایمان سب کو برباد کرتا ہے، اسی لیے مشہور اور جلیل القدر تابعی حضرت ابوبکر محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ نے حدیث کی سندوں کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ علم دین ہے، لہذا اسے حاصل کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ تم کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو۔''یعنی پہلے اسے ہر پہلو سے دیکھ لوورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس سے تم علم دین حاصل کر رہے ہو وہ فاسق وفاجر گمراہ یا کافر مرتد ہواوراس سے علم دین حاصل کر کے تم بھی اس کے نقش قدم پر چل پڑواور دنیا وآخرت میں رسوائی کا سامنا کرو، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم.''(مسلم ج ۱، ص ۱۱ باب بیان ان الاسناد من الدین)

لہذا عوام کو اس کتاب سے بچنا ضروری ہے ان پر لازم ہے کہ وہ علمائے اہل سنت ہی کی کتابوں سے مسائل دینیہ کا علم حاصل کریں۔

یہاں تک کتاب ''اسلامی فقہ'' اوراس کے مولف کے تعلق سے بحث ہوئی۔ مزید کچھ باتیں آگے بھی پیش کی جائیں گی۔ اب اصل مسئلے کی طرف نظر کیجیے اور دیکھیے کہ خضاب کے سلسلے میں احادیث وفقہائے کرام کے اقوال سے کیا حکم ثابت ہوتا ہے کہ آیا وہ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟ لیکن اس سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ خضاب خِضب سے بنا ہے جس کا معنی ہے رنگنا، رنگین کرنا یا رنگنے کی چیز (المنجد فی اللغۃ والاعلام ص۱۸۲ مطبع بیروت لبنان)

یعنی مطلقا اس کا معنی ہے رنگنا یعنی سیاہ وسرخ کی اس میں کوئی قید نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس لفظ کا استعمال عموما بال ہاتھ اور پیر کو رنگنے کے لیے ہوتا ہے، یہاں سے یہ واضح ہوگیا کہ فیروز اللغات میں جو خضاب کا معنی بال کو سیاہ کرنا بتایا گیا ہے وہ غلط ہے اوراسی وجہ سے لوگوں کو غلط فہمی ہوئی۔ اس وضاحت کے بعد احادیث ملاحظہ کیجیے۔ پہلے وہ حدیثیں پیش کی جارہی ہیں، جن سے صراحتاً یا اشارتاً خضاب کا ناجائز ہونا سمجھا جاتا ہے۔

حدیث (۱) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون قوم یخضبون فی آخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ.''(سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۵۷۸، باب ماجاء فی خضاب السواد من کتاب الترجل)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے

میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے جیسے کبوتر کے پوٹے وہ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے۔

حدیث (۲)عن جابر بن عبدالله قال اتی بابی قحافة یوم فتح مکة وراسه ولحیته کالثغامة بیاضا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم "غیروا هذا بشئ واجتنبوا السواد."(نفس مصدر باب فی الخضاب)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت صدیق اکبر کے والد ابوقحافہ لائے گئے اور ان کا سر اور داڑھی ثغامہ یعنی ایک قسم کے سفید پھول والے درخت کی طرح سفید تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کسی چیز سے بدل دو یعنی خضاب کرو اور سیاہی سے بچو یعنی سیاہ خضاب نہ لگاؤ۔

حدیث (۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"الصفرة خضاب المومن والحمرة خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر." (المستدر علی الصحیحین کتاب معرفة الصحابه ذکر عبدالله بن عمر ج۳،ص ۵۲۶، بحواله فتاوی رضویه ج۲۳،ص۴۸۷مترجم)

زرد خضاب ایمان والوں کا ہے۔سرخ خضاب اہل اسلام کا ہے۔اور سیاہ خضاب کافروں کا ہے۔

حدیث(۴)رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"من اختضب بالسواد سودالله وجهه یوم القیامة."(مجمع الزوائد ج۵،۱۶۳،باب فی الشیب والخضاب من کتاب اللباس بحواله فتاوی رضویه مترجم ج۲۳،ص۴۸۷)

جو سیاہ خضاب کرے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ سیاہ کرے گا۔

مندرجہ بالا احادیث نبویہ میں کہیں پر سیاہ خضاب سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور کہیں سیاہ خضاب کرنے والے کے لیے سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں،جن سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ کالا خضاب کرنا حرام وگناہ ہے کیوں کہ احادیث میں انہیں باتوں کے کرنے پر وعید یا عذاب کا حکم بیان کیا جاتا ہے جن کا کرنا حرام وگناہ ہو ورنہ دوسری طرف دیگر حدیثوں میں لال اور پیلا خضاب کرنے کو مستحب اور اچھا کہا

گیا ہےاور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا خضاب کرنے والوں کی تحسین بھی فرمائی ہے، جیسا کہ آنے والی حدیثوں سے واضح ہے۔

حدیث (۱)عن ابی ذر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن ما غیر ھذاالشیب الحناء والکتم."(ابوداؤد ج۲،ص۵۷۸،باب فی الخضاب من کتاب الترجل)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھی چیز کہ جس سے سفید بالوں کا رنگ بدلا جائے وہ مہندی اور وسمہ ہے۔

حدیث (۲)عن ابن عباس قال مر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل قد خضب بالحناء فقال مااحسن ھذا قال فمر آخر قد خضب بالحناء والکتم فقال ما احسن ھذا فمر آخر قد خضب بالصفرۃ فقال ھذا احسن من ھذا کلہ."(نفس مصدر باب ماجاء فی سوادالخضاب)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گزرا جومہندی کا خضاب کیے ہوئے تھا، آپ نے فرمایا یہ خوب اچھا ہے، پھر ایک دوسرا شخص گزرا جومہندی اور وسمہ کا خضاب کیے ہوئے تھا آپ نے فرمایا یہ اس سے بھی اچھا ہے۔ پھر ایک تیسرا شخص گزرا جس نے زرد خضاب کیا تھا آپ نے فرمایا یہ ان سب سے اچھا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"غیروا ھذا بشئ واجتنبواالسواد."(مرجع سابق باب فی الخضاب)

اس کو کسی چیز سے بدل دو یعنی زرد یا سرخ خضاب کرو اور سیاہی سے بچو یعنی کالا خضاب نہ کرو۔

اب فقہائے کرام کے اقوال پیش کرنے سے قبل "اسلامی فقہ" کے مولف نے جوعبارت **"الفقہ علی المذاھب الاربعۃ"** کی نقل کی ہےاوراس کا جوترجمہ کیا ہے اس پر توجہ کرتے چلیں اور دیکھیں کہ آنجناب نے کیسی انوکھی ترجمانی کی ہے۔اولاتو "للنساء" کا ترجمہ ہی مطلقا "عورتوں" کرنا غلط ہے ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کی تمام عورتوں کے سامنے خوشنمائی کے لیے کالا خضاب کرنے کے سلسلے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مکروہ ہے اور دوسرا امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ اپنی بیوی کے سامنے خوشنما دکھنے کے لیے جائز ہے یعنی پہلی صورت میں کاخضاب کرنے میں جوکراہت ہے وہ عام عورتوں کی وجہ سے ہے یہی

وجہ ہے کہ جب معاملہ اپنی بیوی کا آیا تو وہ رہی سہی کراہت بھی جاتی رہی؟ **لاحول و لاقوۃ الاباللہ ۔**

اور ثانیا یہ کہ امام ابو یوسف نے جو بات کہی ہے اس کا یہ ترجمہ ہرگز نہیں جو اس کتاب کے مولف نے کیا ہے کہ ''اس کی بیوی اپنے شوہر کے لیے اس بات پر خواہش مند ہو تو مرد کے لیے خضاب کرنا جائز ہے''یعنی اپنی بیوی کی نظر میں اچھا دکھنے کے لیے کالا خضاب کرنا جائز ہے؟ میں نے کالے خضاب کی قید اس لیے لگائی ہے کیوں کہ جنگ کی حالت میں جس خضاب کو مباح اور جائز قرار دیا گیا ہے وہ یہی کالا خضاب ہے۔ اور کراہت اور عدم کراہت کی جو بات چل رہی ہے وہ کالے خضاب ہی سے متعلق ہے، جیسا کہ سوال میں ترجمہ کی ہوئی عبارت سے واضح ہے، لہذا یہاں پر یہی مراد ہوگا۔ اب آنجناب کے مطابق شرع کو نہ دیکھا جائے بلکہ محض اپنی بیوی کے سامنے خوش نمائی کا لحاظ رکھا جائے اور اس کے لیے زیب وزینت کا سامان تیار کیا جائے تب تو وہ دن دور نہیں، کہ معاذ اللہ یہ بھی کہہ دیا جائے، کہ داڑھی کٹانا چھلانا اور ہاتھ پیر میں مہندی لگانا بھی جائز ہے کیوں کہ ''مرد جس طرح یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے لیے بناؤ سنگار کرے ایسے ہی اس کی بیوی اپنے شوہر کے لیے اس بات کی خواہش مند ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے بناؤ سنگار کرے اب اگر بیوی کی یہی خواہش ہو جائے کہ شوہر داڑھی چھلا دے تو اب داڑھی چھلانا جائز ہوگا، کیوں کہ معاملہ بیوی کی نظر میں اچھا دکھنے کا ہے، لہذا مباح ہونے کی علت پالی گئی؟ **استغفر اللہ ثم استغفر اللہ!**

امام ابو یوسف کا قول تو صرف اتنا تھا:

''کما یعجبنی ان تتزین لی یعجبھا ان اتزین لھا.''(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۲، ص ۴۵ حکم صباغۃ الشعر من کتاب الحظر والاباحۃ)

یعنی جس طرح مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میری بیوی میرے لیے زینت کرے اسی طرح اس کو بھی اچھا لگتا ہے کہ میں اس کے لیے خود کو آراستہ کروں۔

مگر آنجناب نے اس قول کو کھینچ کر یہاں تک پہنچا دیا کہ امام ابو یوسف نے کالے خضاب کو جائز قرار دیا ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ امام ابو یوسف کے قول کا یہی مطلب ہے جو اس کتاب کے مولف نے بیان کیا ہے تو ان کا یہ قول احادیث نبویہ اور عام مشائخ کرام کے خلاف ہے، جس کی تفصیل آگے رہی ہے اور جو بات حدیث کے خلاف ہو یا وہ قول مرجوح ہو یعنی عام فقہاے کرام کے قول کے

خلاف ہواس پر بلا ضرورت شرعیہ حکم نافذ کرنا یا فتوی دینا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے، اس لیے اس پر حکم لگانا اور عمل کرنا بھی ناجائز و گناہ ہوگا۔ پھر غلط مطلب نکال کر امام ابو یوسف جیسے جلیل القدر فقیہ کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ انہوں نے حدیث یا عام مشائخ کرام کے قول کے خلاف حکم لگایا ہے یہ ان کی طرف ایک گڑھی ہوئی جھوٹی بات کو منسوب کرنا اور ان پر بہتان طرازی کرنا ہے جس کی جرأت وہی شخص کر سکتا ہے جس کو شریعت کا کچھ لحاظ نہ ہو، لہذا یہ شخص خود ہی ایک مرجوح قول پر حکم لگانے والا ٹھہرا اور ایسے شخص کے بارے میں جو حکم ہونا چاہیے وہ مذکور ہوا۔

درمختار میں ہے:

"ان الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع."

اسی مقام پر ردالمحتار میں ہے:

"ومذهب الحنفية المنع عن المرجوح حتى لنفسه لكون المرجوح منسوخا."(ج ۱، ۱۷۶، ۱۷۷ المقدمه)

اب اقوال فقہاے کرام ملاحظہ کیجیے، عام مشائخ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردوں کے لیے عام حالت میں بالوں میں سرخ خضاب کرنا سنت ہے اور یہ مسلم کی علامت اور نشانی ہے۔ فتاوی عالم گیری میں ہے:

"اتفق المشائخ رحمهم الله تعالى ان الخضاب فى حق الرجال بالحمرة سنة وانه سيماء المسلمين وعلامتهم."(ج۵، ۳۵۹، الباب العشرون فى زينة من كتاب الحظر والاباحة)

ایسا ہی درمختار فوق ردالمحتار ج ۹ ص ۶۰۴، باب الاستبراء من کتاب الحظر الاباحۃ میں بھی ہے۔

اور سیاہ خضاب کے بارے میں فقہاے کرام کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ صرف جنگ کی حالت میں جائز ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے وہ نوجوان نظر آئیں گے اور بوڑھوں یا ادھیڑ عمر والوں کی بہ نسبت نوجوانوں سے مقابلہ کرنا دشوار ہوتا ہے، لہذا دشمن اس کی وجہ سے خوف زدہ ہوگا اور اس طرح سے مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوگی، لہذا اس صورت میں سیاہ خضاب کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ محمود و پسندیدہ ہے۔

ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے:

"اما الخضاب بالسواد للغزو ليكون اهيب فى عين العدو فهو محمود بالاتفاق."

(ج ۹، ص ۶۰۵ ،باب الاستبراء من کتاب الحظر والاباحۃ)

ایسا ہی فتاوی عالم گیری ج ۵،ص ۳۵۹، کتاب الحظر والاباحۃ میں بھی ہے اور جنگ کے علاوہ عام حالت میں سیاہ خضاب لگانا حرام ہے، خواہ اپنی بیوی کے سامنے خوشنمائی کے لیے ہو یا کسی اور مقصد کے لیے یہی عام فقہائے کرام کا مذہب ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ذخیرہ سے ہے:

"ومن فعل ذلک لیزین نفسہ للنساء ولیحبب نفسہ الیھن فذلک مکروہ وعلیہ عامۃ المشائخ."(ج۵،ص ۳۵۹)

ایسا ہی ردالمحتار ج ۹،ص ۶۰۵ میں بھی ہے۔

ان عبارات سے واضح ہوگیا کہ جن فقہانے سیاہ خضاب کرنے کو بلا کراہت جائز قرار دیا ہے وہ عامہ مشائخ وفقہا کے قول کے خلاف ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شوہر کو یہ پسند ہے کہ اس کی بیوی اس کے لیے بناؤ سنگار کرے اسی طرح اس کی بیوی کو بھی پسند ہے کہ اس کا شوہر اس کے سامنے وقار اور جمال کے ساتھ رہے کہ سر کے بال اڑے اڑے نہ رکھے، داڑھی اور مونچھ بکھری ہوئی نہ ہوں بلکہ انہیں کنگھی وغیرہ سے درست کر کے رکھے، اس کے سامنے مجنوں کی طرح نہ رہے۔ اور اگر ان کے قول کو خضاب کرنے ہی پر محمول کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ سرخ یا زرد خضاب کرے اور یہی صحیح سے قریب تر ہے کہ مرد کا جمال اور اس کی زیبائش اسی میں ہے نہ کہ سیاہ میں کہ یہ خلاف شرع ہے۔ اور خلاف شرع فعل باعث عقوبت وذلت ہوتا ہے باعث زیب وزینت نہیں۔

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

"اختضب لاجل التزین للنساء جاز فی الاصح ویکرہ بالسواد."اہ ملخصا(علی ھامش رد المحتار ج ۱۰ ،ص ۴۸۷ مسائل شتی من کتاب الختنی)

معلوم ہوا کہ غازیوں کے لیے سیاہ خضاب کے جائز ہونے کی علت اور وجہ زینت نہیں بلکہ ضرورت ہے ورنہ زینت کو ہی اگر علت جواز مانا جائے تو بیوی کو اپنے شوہر کے لیے زینت کرنے کا زیادہ حق ہے اور وہ اس کی زیادہ حقدار بھی ہوتی ہے لہٰذا اس تقدیر پر اس کے لیے اپنے بالوں سے الگ سے

دوسرا بال ملانا اور اس کی چوٹی گوندھنا جائز ہونا چاہیے تھا، کیوں کہ زیادہ اور لمبے بالوں کی وجہ سے اس کی زینت میں اور اضافہ ہوگا حالاں کہ فقہاے کرام نے اس کے لیے بھی ایسا کرنا حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ علاء الدین حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں:

"وصل الشعر بالشعر الآدمی حرام سواء کان شعرها او شعرغیرها."(علی هامش ردالمحتار ج ۹، ۵۳۵، فصل فی النظر والمس من کتاب الحظر والاباحة)

یہاں سے یہ ظاہر ہوگیا کہ بالوں کو سیاہ کرنے کی علت جواز زینت نہیں بلکہ ضرورت ہے اور حرمت کی وجہ اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تبدیلی کرنا ہے اور لوگوں کی نظر میں خود کو جوان دکھانا ہے اور یہ دھوکا ہے جو جائز نہیں اور سیاہ کے علاوہ سرخ اور زرد رنگوں کو چونکہ حدیث میں جائز قرار دیا گیا ہے، اس لیے اس میں یہ حکم نہیں اور رہی بات جنگ کی تو وہ خود ہی ایک دھوکا ہے۔ جیسا کہ بخاری ج۱، ۴۲۵ باب الحرب خدعة کتاب الجہاد میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الحرب خدعة ."

کہ جنگ دھوکا ہے۔

یعنی جیسے بھی ممکن ہو دشمن کو شکست دی جائے اور اسلام کا پرچم بلند کیا جائے۔ بیوی کے ساتھ رہنے میں کون سی جنگ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جہاں پر بالوں کو سیاہ کرکے رعب و دبدبہ کا اظہار کرنا ضروری ہے؟ یہاں تو شوہر کی ساری حقیقت بیوی کے سامنے روشن ہے پھر تو خضاب کیے ہوئے زلفوں کی سیاہی سے اس روشن حقیقت کو کالا کرنے کی صرف ایک ناکام کوشش ہوگی اور کچھ نہیں۔ اور یہ ناکام کوشش نہ تو دنیا میں کام آسکتی ہے نہ ہی آخرت میں، لہذا جب جواز کی وجہ ضروت ہی ہے تو اس کو زینت کے ساتھ ملانا جائز نہ ہوگا کیوں کہ جو چیز ضرورت کے تحت جائز ہوتی ہے وہ اسی وقت تک جائز رہتی ہے جب تک ضرورت ہے اس کے بعد پھر وہ حرام ہوجاتی ہے کہ یہی اس کا حکم اصلی ہے، مثلا بھوک کی شدت کی وجہ سے کسی کی جان جارہی ہے اور اس کے پاس مردار کے گوشت کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو اب اسے گوشت بقدر حاجت کھانے کی اجازت ہے یعنی اتنا کھاسکتا ہے جتنے سے اس کی جان بچ جائے پھر اس کے بعد مزید نہیں کھاسکتا کیوں کہ اب یہ کھانا ضرورت سے زائد ہوگا جو پہلے ہی پوری ہوچکی ہے۔ علامہ زین الدین بن ابراہیم المعروف بہ **ابن نجیم** حنفی "الاشباہ والنظائر" میں فرماتے ہیں:

"الضرورات تبیح المحظورات ومن ثم جاز اکل المیتة عند المخمصة وما ابیح للضرورة یتقدر بقدرها ومن فروعه المضطر لا یاکل من المیتة الا قدر سد الرمق."اھ ملخصا(ج ا، ص ۲۵۱، ۲۵۳ القاعدة الخامسة من النوع الاول من الفن الاول فی القواعدالکلیة)

حاصل یہ ہے کہ کالا خضاب لگانا حرام ہے اور فقہاے کرام نے جو اسے مکروہ کہا ہے تو یا تو اس سے مراد حرام ہے کیوں کہ لفظ مکروہ کا استعمال جس طرح مکروہ تنزیہی کے لیے ہوتا ہے ایسے ہی حرام کے لیے بھی ہوتا ہے یا پھر اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ لفظ مکروہ جہاں مطلق بولا جائے اور وہاں پر تنزیہی پر دلالت کرنے والی کوئی بات نہ ہو تو فقہاے عظام کے نزدیک اس مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہی ہوتا ہے جیسا کہ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مکروہ جب مطلق ہو تو کون سا مکروہ مراد ہوگا۔ آپ نے جواب دیا "مکروہ تحریمی" اور مکروہ تحریمی کو حرام کو بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ حرام سے قریب ہوتا ہے اور الفاظ احادیث کے تیور اور علامہ حموی کے قول مذکور نے تو اس بات کا فیصلہ ہی کر دیا کہ سیاہ خضاب حرام ہے۔

ردالمحتار میں لفظ مکروہ کے بارے میں ہے:

"قد یطلق علی الحرام وعلی المکروہ تحریما وھو ماکان الی الحرام اقرب وعلی المکروہ تنزیھا."اھ ملخصا(ج ا،ص ۲۷۵، ۲۵۸، کتاب الطھارة)

اسی میں بحرالرائق سے ہے:

"اعلم ان المکروہ اذا اطلق فی کلامھم فالمراد منه تحریما الا ان ینص علی الکراھة التنزیھة فقد قال المصنف فی المصفی لفظ الکراھة یراد بھا التحریم قال ابویوسف قلت لابی حنیفة اذا قلت فی شئ اکرہ فما رایک فیه قال التحریم."(ج ا، ص ۳۸۵، باب المیاہ من کتاب الطھارة)

لہذا گناہ میں مبتلا کرنے والی ایسی کتاب اور سیاہ خضاب سے بچنا واجب وضروری ہے اور نہ بچنے والا فعل حرام کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے گنہ گار اور مستحق عذاب نار ہے۔

فقد ظھر بماذکر ولقد بھربما سطر ان الاختضاب بالسواد حرام لا یجوز لاحد ان

يستعمله بل لابد لهم ان يجتنبوا منه لان العلة لجواز الاختضاب به خاصة للعزوات للضرورة ولاضرورة بعد ذلک وكل ماياح للضرورة يتقدر بقدرها وكذا لايجوز للعام ان يطالع مثل هذا الكتاب فانه يتسبب بالعقاب لاالثواب كما لايخفى على اولى الالباب. والله تعالىٰ اعلم بالصواب

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۵؍ جمادی الاخری ۱۴۲۹ھ

بیوی کے دبر میں دخول منع ہے مس وملاعبت منع نہیں

مسئلہ : ازمولانا احمد رضا تاج آباد شریف ناگ پور

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کہ

لواطت سخت حرام ہے مگر کوئی شخص اپنی بیوی کی سرین میں دخول نہ کرے صرف اوپر سے ملاعبت کرے تو کیا وہ ایسا کرسکتا ہے؟ ازروئے شرع حکم واضح فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب : اس سلسلے میں جو اقوال وروایات منقول ہیں، ان سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ بیوی کے دبر میں صرف دخول منع ہے مس وملاعبت منع نہیں کیوں کہ آیت کریمہ:

"نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ." (بقره ۲ : ۲۲۳)

کے بارے میں عمدۃ القاری اور فتح الباری وغیرہ میں عورت کے قبل میں وطی کرنے کی جو کیفیتیں بیان کی گئی ہیں، ان میں ایک صورت عورت کے پیچھے سے قبل میں وطی کرنا بھی مذکور ہے ظاہر ہے کہ پیچھے سے فرج میں وطی کرتے وقت ذکر دبر سے ضرور مس ہوگا اور ملاعبت میں مس ہی ہے لہذا جب کیفیت مذکورہ منع نہیں تو یہ ملاعبت بھی ممنوع نہ ہوگی۔ البتہ ملاعبت مذکورہ میں دخول فی الدبر کا خوف ہوتو اس سے احتراز واجتناب چاہیے اور اگر دخول کا ظن غالب ہوتو اجتناب لازم وضروری ہے کہ اب یہ ملاعبت **موصل ومودی الی الحرمة** ہوگی و **كل مايودى الى مالايجوز لا يجوز**۔

عمدۃ القاری میں ہے:

روی الامام احمد باسناده الی ابن عباس انزلت هذه الآیة ونساء کم حرث لکم فی اناس من الانصار اتوا النبی صلی اللہ علیه وسلم فسالوه فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم ایتها فی کل حال اذا کان فی الفرج . قوله : انی شئتم ای کیف شئتم مقبلة اومدبرة اذا کان فی صمام واحد ای فی مسلک واحد وقال ابوزکریا اتفق العلماء الذین یعتد بهم علی تحریم وطی المرأة فی دبرها."اه ملخصا(ج ۱۲، ص ۴۵۸، ۴۶۲،باب نساء کم حرث لکم من کتاب تفسیر القرآن ۶۵/۳۹،دار الفکر بیروت لبنان)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴/رجب ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

حمل ساقط کرنا کب جائز ہے؟

مسئلہ : از قاری غلام مجتبیٰ قادری سکندر پور ضلع بلیا یوپی سابق استاذ جامعہ ہذا

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ہندہ کو بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے پیٹ میں سوجن ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہے اور وہ اس کا علاج کرانا چاہتی ہے، مگر ہندہ کو دوسرا حمل بھی ٹھہر گیا ہے جو تقریبا ڈیڑھ مہینے کا ہے اور اس کو برقرار رکھتے ہوئے علاج کرانا مشکل ہے اور علاج بھی ضروری ہے بغیر علاج کے وہ سخت حرج ودشواری میں مبتلا ہو جائے گی، مزید یہ کہ اس کا پہلا بچہ بھی تقریبا دس مہینے کا ہے جو ابھی دودھ پی رہا ہے، کچھ کھاتا پیتا نہیں ہے، لہذا ایسی صورت میں کیا ہندہ کو یہ حمل ساقط کرانا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر واقعی ہندہ کو بغیر علاج کے کوئی چارہ نہیں اور اس کو یہ ظن غالب ہے کہ حمل کو برقرار رکھتے ہوئے وہ سخت حرج میں مبتلا ہو جائے گی تو اب بوجہ ضرورت شرعی وہ اس حمل کو ساقط کرا سکتی ہے۔ یوں ہی ہندہ کا بچہ جو دس مہینے کا ہے اگر وہ باہر کا دودھ نہیں پیتا ہے یا پی سکتا ہے مگر اس کے باپ کی اتنی استطاعت نہیں کہ وہ خرید کر یا اور کسی طریقے سے اس کو دودھ پلا سکے اور اس حمل کی وجہ سے ہندہ کا

دودھ سوکھ جائے گا تو اس کی وجہ سے بھی اس کو حمل ساقط کرانے کی اجازت ہے۔اور بہر حال ضرورتاً حمل کو ساقط کرانے کی شرط یہ ہے کہ حمل ۱۲۰/دن یعنی چار مہینے سے کم کا ہو، کیوں کہ اتنی مدت میں حمل میں موجود بچے کے اعضا بن جاتے ہیں، اس لیے اب حمل کو ساقط کرانا جائز نہ ہوگا۔اور مسئلہ مذکورہ میں حمل ڈیڑھ ہی مہینے کا ہے لہذا جواب میں مذکور مجبوری کی دونوں صورتوں میں حمل ساقط کرانے کی اجازت ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"المرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها وليس لابی الصبی مايستاجر به الظئر ويخاف هلاک الولد قالوا يباح لها ان تعالج فی استنزال الدم مادام الحمل مضغة اوعلقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلک المدة بمائة وعشرين يوما وجاز لانه ليس بآدمی وفيه صيانة الآدمی خانية." (ج ۹، ص ۵۲۸، فصل فی البيع من کتاب الحظر والاباحة مطبع داراحياء التراث العربی بيروت لبنان)والله تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۹/ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بلڈ بینکنگ کی شرعا اجازت نہیں

مسئلہ : از محمد ارشاد بلند گیٹ تاج آباد شریف ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے میں کہ ہمارے پاس مسلم نوجوان ہیں، جو اپنا خون دے کر بلڈ بینک بنانا چاہتے ہیں، جن مسلمانوں کو خون نہ ملنے کی صورت میں اپنی جان گنوانی پڑتی ہے یا ایسی جان لیوا بیماری کہ جس بیماری میں خون دینے کے علاوہ کوئی صورت نہیں رہتی، جیسے سفید پیلیا یا کڈنی کا نیل ہو جانا یا آپریشن کے وقت اکثر دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جب خون کی ضرورت ہوتی ہے تو تعصب کی بنیاد پر بلڈ بینک سے خون نہیں ملتا، یا ضرورت سے زیادہ پیسے دینے پڑتے ہیں یا شرابی نشہ خور حرام خور کافر جیسے لوگوں کا خون لینے پر مجبور ہونا پڑتا ہے، سنی صحیح العقیدہ ڈاکٹرس سے اس تعلق سے ہماری گفتگو ہوئی، تو بتایا گیا کہ صحت مند آدمی کے خون دینے میں آدمی کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ فوری طور پر قدرتی طریقے سے خون بننا شروع

ہو جاتا ہے، تو کیا اوپر ذکر کی گئی صورتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنا خون دینا، جمع کرنا، بلڈ بینک بنانا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : انسانی بدن کے اجزا مثلاً آنکھ، کان، گردہ، خون وغیرہم کا بیچنا خریدنا، عطیہ کرنا، شرعاً ناجائز وحرام ہے کہ انسان معظم ومکرم پیدا کیا گیا ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالی:"ولقد کرمنا بنی آدم."

اسی طرح ہدایہ باب البیع میں ہے:

"لان الآدمی مکرم."

اگر معاملہ ضرورت کا ہے تو حالت اضطرار میں جب کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو تو ایسی صورت میں

"الضرورات تبیح المحظورات"

کے تحت ضرورتاً خون دینا جائز ہے۔ رہا بلڈ بینک (خون جمع کرنا) تو شرعاً اس کی اجازت نہ ہوگی کہ اس میں بہت سے مفاسد کے دروازوں کو کھولنا ہے، مثلاً آپ نے جمع کیا، کیا یہ ضروری ہے کہ وہ سنی صحیح العقیدہ مسلمان بھائی کو ہی دیا جائے گا، غیروں سے تعلقات کی بنیاد پر وہ غیر مسلم کو بھی دیا جا سکتا ہے، نہ دینے کی صورت میں فساد کا بھی امکان ہے۔ اور سب سے اہم چیز یہ بھی ہے کہ خون ایک میعادی وقت تک صحیح رہتا ہے، پھر وہ قابل انتفاع نہیں ہوتا، اس صورت میں بھی خون کے ضائع ہونے کی صورت ہے۔

بہر حال یہ کر سکتے ہیں کہ ایک کمیٹی تشکیل دی جائے اور اس میں شرکا کے اسما فون نمبر وغیرہ محفوظ کر لیے جائیں تا کہ وقت ضرورت ان سے رابطہ پیدا کر کے ان سے خون حاصل کیا جائے اور اپنے بھائیوں کی مدد کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب **کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ**

محمد مجیب اشرف رضوی غفرلہ خادم درس وافتا رضا دار الیتامی ناگ پور

۱۹؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ بروز سہ شنبہ۔ ۱۳؍جولائی ۲۰۱۰ء

جو مدرسہ کو جلانے کی بات کرے اس کے لیے کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از محمد مخدوم رضا نانے گاؤں

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

بتاریخ ۱ر جولائی ۲۰۱۲ء کو ایک ادارے کا سالانہ جلسہ دستار بندی منعقد ہوا، دوران خطاب ادارے کے سرپرست نے کہا، کہ مجھے بانی و ناظم ادارہ مرحوم الحاج یعقوب صاحب نے ادارے کی سرپرستی کے لیے کہا تو میں نے یہ شرط رکھی کہ مجھے اختیار ہوگا کہ اگر میں چاہوں تو دار العلوم کو تالا لگا دوں یا دار العلوم کو جلا دوں، جب کہ موجودہ ناظم اعلیٰ جو کہ بانی ادارہ مرحوم الحاج محمد یعقوب صاحب کی موجودگی میں بھی ادارے کے اہم رکن تھے، جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ایسی کوئی شرط یا ایسا کوئی اختیار بانی ادارہ مرحوم الحاج یعقوب نے نہیں دیا تھا، اگر کوئی اختیار دیتے تو مجھے ضرور بتاتے۔

جب کہ علماے کرام فرماتے ہیں کہ مدرسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے۔ اور طلبا مہمانان رسول ہیں، تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو جلانا یا تالا لگوانے کی باتیں کرنا جائز ہے؟ اور جو اس قسم کی گفتگو دوران خطاب عوام کے روبرو کرے اس کے لیے شریعت مطہر کا کیا حکم ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : یقیناً مدارس اہل سنت اشاعت دین کے علم بردار اور تحفظ دین کے قلعے ہیں جہاں قال اللہ و قال الرسول کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور جس جگہ دین کی تعلیم دی جاتی ہو اس کی حفاظت ضروری ہے نہ کہ اس کی بربادی۔ واقعی اگر مدرسے کے سرپرست نے اس طرح کے جملوں کا استعمال کیا ہے جو سوال میں ہیں تو شخص مذکور اپنے ان جملوں سے رجوع کرے اگر وہ رجوع کرتا ہے تو ٹھیک ورنہ اسے مدرسے کی ذمہ داری سے برطرف کر دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۸ر ذو قعدہ ۱۴۳۳ھ۔ ۱۶ر اکتوبر ۲۰۱۲ء سہ شنبہ

تدریس وامامت پر اجرت مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں

مسئلہ : ازسید عرفان علی رضوی

کیا فرماتے علمائے اہل سنت کہ فیض پہنچاتے ہیں اپنے علوم سے عوام اہل سنت کو اور حق گوئی وحق بیانی جن کا طرہ امتیاز ہے، مسئلہ ذیل میں کہ

مسجد میں پنج وقتہ نمازوں میں علما امامت کرتے ہیں اور جو مدرسین مدرسوں میں تعلیم قرآن وعلوم شرعیہ پڑھاتے ہیں اوراس پر تنخواہیں مقرر کر کے لیتے ہیں دریافت طلب امر یہ ہے:

(۱) ان کاموں پر تنخواہیں مقرر کر کے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تنخواہیں لے کر امامت کرنے والے ائمہ مساجد اور جو مدرسین تنخواہیں لے کر علوم شرعیہ پڑھاتے ہیں انہیں ان کاموں پر ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات شرعی دلیلوں سے مزین فرما کر جلد از جلد عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب سوال امامت واذان اور تعلیم فقہ وتعلیم قرآن پر اجرت لینے کو ائمہ نے بضرورت زمانہ جائز فرمادیا ہے بنظر دقیق اگر ان چیزوں پر تنخواہ نہ دی جائے تو دین کے کاموں پر حرج عظیم واقع ہوگا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ ج ۸ ص ۱۶۳ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن عظیم ودیگر علوم واذان واقامت جائز است **علی ما افتی بہ الائمۃ المتاخرون نظرا الی الزمان حفظا علی شعائر الدین والایمان**۔''

مصنف بہار شریعت علیہ الرحمہ نے بہار شریعت حصہ ۱۴، ص ۸۲ میں ارشاد فرمایا کہ ''تعلیم قرآن اور فقہ اور اذان واقامت پر اجارہ جائز ہے کیوں کہ ایسا نہ کیا جائے تو قرآن وفقہ کے پڑھانے والے طلب معیشت میں مشغول ہو کر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دین کی باتوں سے ناواقف ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح اگر موذن وامام کو نوکر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان وجماعت کا سلسلہ بند ہوجائے گا اور شعار اسلام میں زبردست کمی واقع ہوجائے گی۔ رہا ثواب کے متعلق تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس

طرح کے سوال کے جواب میں فتاوی رضویہ ج ۸، ۷۷امیں ارشادفرمایا:''امامت کا ثواب نہ پائیں گے کہ امامت بیچ چکے ہاں نفس نماز کا ثواب تو یقیناً اس کو ملے گا۔'' واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبه : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرله

صح الجواب و الله تعالیٰ اعلم رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

محمد مجیب اشرف رضوی غفرلہ ۱۸/جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ-۱۴/مئی ۲۰۰۹ء بروز پنج شنبہ

الجواب صحیح

محمد منصور رضوی امجدی غفرلہ

جامعہ برکات رضا نوری ناگ پور

شب قدر کا چندہ بچا کر رکھ لینا یا چندہ دینے والوں کے مقصد کے خلاف استعمال کرنا جائز نہیں

مسئلہ : ازمحمد منیر احمد رضوی یٰسینی ساکن چاندامٹا ضلع چھندواڑہ ایم پی بمعرفت عبدالسمیع متعلم جامعہ ہٰذا

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

شب قدر کی رات میں جب کہ میلاد شریف شروع ہو چکی ہو اسے روک کر مسجد کے اندر حافظ وامام وموذن کو نذرانہ دینا درست ہے؟ اور جو چندہ شب قدر کے نام سے لیا جاتا ہے اس رقم سے معتکف حضرات کو رومال بانٹنا اور ہار وغیرہ خرید کر مسجد کے اندر معزز حضرات کی گل پوشی کرنا جب کہ ان کاموں سے آداب مسجد مجروح ہوتا ہے درست ہے؟

بسم الله الرحمن الرحیم

الجواب : عموما میلاد خوانی کے درمیان وقفہ ہوتا ہی رہتا ہے لہذا اس درمیان مذکورہ لوگوں کو نذرانہ دینے میں اگر آداب مسجد ملحوظ رہے تو یہ جائز ودرست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر صرف نذرانہ دینے ہی کے لیے میلاد خوانی کو تھوڑی دیر کے لیے روکا گیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ یہاں پر شرعا کوئی چیز اس سے منع کرنے والی نہیں ہے۔ والاصل فی الاشیاء الاباحۃ کما فی الاشباہ یعنی اشیا کا حلال

اور مباح ہونا یہی اصل ہے۔سوال سے ظاہر ہے کہ چندہ دینے والے صرف شب قدر کے مصارف ہی کے لیے چندہ دیتے ہیں لہذا وہاں کے عرف اور رواج میں شب قدر کے جو جائز مصارف ہیں انہیں میں اس چندے کی رقم کو خرچ کرنا واجب وضروری ہے۔اسے اپنے پاس بچا کر رکھ لینا یا چندہ دینے والوں کے مقصد کے خلاف اس کو استعمال کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ وقف کی طرح ہے اور مال وقف میں واقف کے مقصد کی رعایت واجب ہے اور لوگ اگر گل پوشی وغیرہ کو اس کے مقصد میں شامل رکھتے ہوں تو بھی بہتر یہی ہے کہ گل پوشی کا کام مسجد کے باہر انجام دیں اور اگر اس کی وجہ سے مسجد کی بے حرمتی ہو تب تو اس سے بچنا واجب وضروری ہے۔

ردالمحتار میں شرح بیری اور مبسوط سے ہے:

"ان الثابت بالعرف كالثابت بالنص."(ج٦ ص ٥٥٦، كتاب الوقف)

اسی میں ہے:

"مراعاة غرض الواقفين واجبة."(ج٦، ص ٦٦٥، كتاب الوقف) والله تعالیٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۳؍رجب ۱۴۲۹ھ

چاند کے شاہدین کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟ کیا جھوٹا، خائن اور وعدہ خلافی کرنے والے کی گواہی مقبول ہے؟

مسئله : ازمحمد جابر نوری چندر پور (سگ بارگاہ سرکار مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ)

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین کہ

(۱) چاند کی شہادت دینے والے شاہد (گواہ) عندالشرع کتنے اور کیسے ہوں؟

(۲) کیا کسی ایسے شخص کی شہادت عند الشرع صحیح ہے جس شخص میں مندرجہ ذیل عمل بھی پایا جاتا ہے:

(الف) علانیہ جھوٹ بولنا (کسی بات کو کہنا اور پھر بدل جانا کہ نہیں میں نے یہ نہیں کہا)

(ب) اپنے ذاتی مفاد وانا کے لیے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر قوم میں افتراق وانتشار پیدا کرنا۔

(ج) وعدہ خلافی (عہد شکنی) وعدہ کرنا پھر مکر جانا کہ نہیں میں نے ایسا وعدہ نہیں کیا۔

(د) قوم کی امانت میں خیانت کرنا (پولس اسٹیشن میں جعلی دستخط کی رپورٹ درج ہے)

(ہ) ائمہ کرام وعلما کی توہین (تذلیل) کرنا۔

(۳) مندرجہ بالا عمل کے عامل شخص سے متعلق جب امام مسجد سے مسئلہ دریافت کیا گیا تو امام مسجد نے جواب دیا کہ وہ شخص چونکہ مکہ مسجد کا صدر ہے اور سنی ہے مسلک اعلیٰ حضرت کا ماننے والا ہے، لہٰذا وہ جو چاہے کرے ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے یا کیا کہہ رہا ہے بس مسلک اعلیٰ حضرت کو وہ مانتا ہے، ہمارے لیے یہ کافی ہے، ہمارے لیے وہ متشرع ہے اور ہم اس کی شہادت (گواہی) قبول کریں گے۔ وہ سنی ہے مسلک اعلیٰ حضرت کو مانتا ہے وہ جو چاہے کرے یہ بات امام مسجد نے کئی مرتبہ کہی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مسلک اعلیٰ حضرت کو ماننے کے بعد یا ماننے والے کے لیے مندرجہ بالا عمل (الف تا ہ) یا اور کوئی ناجائز یا خلاف شرع کام جائز ہو جائے گا؟ اور کیا امام مسجد کا کہا (قول) درست ہے؟ کیا مسلک اعلیٰ حضرت کے ماننے کے بعد کوئی شخص جو چاہے کرے عندالشرع یہ جائز ہے؟

ازروئے شرع رہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں۔ علاوہ ازیں اس کے کہنے والے امام کی اقتدا کا کیا حکم ہے یہ بھی واضح فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں اور سب عادل ہوں۔ یہ حکم رمضان کے چاند کے علاوہ دوسرے مہینوں کے لیے ہے، جب کہ مطلع صاف نہ ہو اور رمضان کے ثبوت کے لیے اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک مسلمان عاقل بالغ مستور الحال یا عادل کی گواہی بھی کافی ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اور اگر مطلع صاف ہو تو جب تک بہت سے لوگ شہادت نہ دیں، چاند کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔ البتہ شہر کے باہر یا بلند جگہ سے چاند دیکھنا بیان کرتا ہے تو ایک مستور الحال کا قول بھی رمضان کے چاند میں قبول کر لیا جائے گا۔ رمضان کے چاند میں فاسق کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی یوں ہی غیر رمضان میں

مستورالحال کی گواہی قابل قبول نہیں۔(ملخصا از بہار شریعت حصہ۵، چاند دیکھنے کا بیان) واللہ تعالیٰ اعلم
(۲) نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم
(۳) امام مذکور نہایت جری و بے باک ہے اس کی بکی ہوئی باتیں نا قابل اعتبار ہیں، اس پر توبہ ورجوع لازم ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۵ر صفر ۱۴۳۶ھ

شادی میں سہرا باندھنا اور گھوڑے پر سوار ہونا نعت وغیرہ پڑھتے ہوئے جانا کیسا ہے؟

مسئلہ : از شیخ سبحان رام ٹیک ضلع ناگ پور
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی شادی طے پائی ہے، زید اپنی شادی میں مندرجہ طریقہ سے جانا چاہتا ہے:
(۱) پھولوں کا سہرہ پہن کر
(۲) گھوڑے پر سوار ہوکر
(۳) سہرا پارٹی (نوٹ: سہرا پارٹی صرف سرکار کی شان میں نعت پڑھے گی)
کیا زید کا اس طرح شادی کرنا علماے دین کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ مفصل طریقے سے واضح کریں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱،۳) پھولوں کا سہرا باندھنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر اس کے ذریعہ لوگوں کو خوشبو پہنچا کر ان کو خوش کرنے کی نیت ہو تو اس میں ثواب بھی ہے کہ مومن کو خوش کرنا ثواب کا کام ہے۔حدیث پاک میں ہے کہ اپنے مومن بھائی کو دیکھ کر مسکرانا صدقہ ہے یعنی اس میں بھی ثواب ہے کہ اس سے بھی قلب مومن کی تالیف ہوتی ہے۔گھوڑے پر سوار ہونا بلاشبہ جائز ومباح ہے، بلکہ اگر دل میں یہ نیت ہو کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وتابعین عظام اور دیگر صلحائے امت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی

سنت مبارکہ مقدسہ ہے تو اس میں بھی ثواب ہے۔ سرکار کی شان اقدس میں نعت پڑھنا درحقیقت ذکر الٰہی ہے اور ذکر الٰہی سے مومنین کے دلوں کو اطمینان و سکون ملتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

"اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ." (الرعد ۱۳: ۲۸)

سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے:

"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ." (النساء ۴: ۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

یعنی حکم رسول درحقیقت حکم خدا ہے، یوں ہی ذکر رسول درحقیقت ذکر خدا ہے۔ لہذا اس سہرا پارٹی میں جس میں سرکار کی تعریف و توصیف ہو کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۸ر شوال ۱۴۳۳ھ

فاسق معلن سے حمد و نعت خوانی نہیں کرانی چاہیے

مسئلہ: از ایاز الحق اسماعیلی قبرستان گیٹ مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید جو نعت خوانی کرتا ہے اس کا کردار کچھ اس طرح ہے کہ داڑھی منڈاتا ہے، شرٹ پینٹ پہنتا ہے (اِن کر کے) اور اتنا چھوٹا کہ نماز میں بحالت سجدہ پیچھے سے کمر دکھتی ہے، شرٹ کی بٹن کھول کر آستین چڑھا کر گھومتا پھرتا ہے، پینٹ اتنا چست کہ بدن کی ساخت ظاہر ہوتی ہے، فلمی گانے کھلے عام سنتا ہے، دینی علم سے اتنا غافل ہے کہ قرآن بھی نہیں پڑھا ہے، تلفظ بھی درست نہیں، اپنی ان حرکتوں سے روکنے والوں کو جواب دیتا ہے، کہ دوسروں کو بھی روکو مجھی کو کیوں روکتے ہو؟ کبھی سمجھانے والے سے کہتا ہے کہ میں نعت خوانی چھوڑ دوں گا، مگر یہ سب نہیں چھوڑ سکتا، پھر بھی وہ نعت خوانی کرتا ہے، اس کو ان فسقیہ اعمال کے ساتھ نعت خوانی کرتے دیکھ کر لوگوں میں بدگمانی پیدا ہو رہی ہے، کچھ نوجوان وہابیت چھوڑ کر

سنیت پر عامل ہوئے ہیں، وہ اس کے اعمال کو دیکھ کر کہتے ہیں، کہ اس سے بہتر تو ہم پہلے دیوبندیت میں تھے۔ان حالات میں زید پر شرعی حکم کیا عائد ہوتا ہے؟ اس کی نعت خوانی کیسی ہے؟ کتاب وسنت اور فقہی جزئیات کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا جو باتیں زید کے متعلق ذکر کی گئی ہیں، اگر وہ صحیح اور واقع کے مطابق ہیں تو بلا شبہ زید فاسق معلن ہے اور فاسق معلن سے حمد ونعت، میلاد ونعت ووعظ نہیں کرانی چاہیے کہ اس میں فاسق کی تعظیم ہے اور عند الشرع فاسق کی اہانت واجب ہے۔ جیسا کہ درمختار میں فرمایا ہے:

''لان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا.''

اس طرح کے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ ج۹ص۲۸۲ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''ان لوگوں سے میلاد شریف نہ پڑھوایا جائے۔'' دوسری جگہ ج۹ص۲۱۸ اسی فتاوی رضویہ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے۔''

رہا زید کا یہ کہنا کہ میں نعت خوانی چھوڑ دوں گا مگر یہ سب نہیں چھوڑ سکتا گویا کہ زید ذکر رسول تو چھوڑ سکتا ہے لیکن حرام کاموں کو نہیں چھوڑ سکتا۔العیاذ باللہ! زید اس جملے سے توبہ کرے کہ یہ جملہ نہایت قبیح ہے۔زید کو حکم شرع بتا دیا جائے تا کہ وہ توبہ کرلے اور افعال فسق کو چھوڑ کر شرعی احکام پر عمل کرتا ہے تو ٹھیک، ورنہ اس کو مسند پر نعت وغیرہ پڑھنے سے قطعاً روکا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

یکم جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ۔۶/اپریل ۲۰۱۱ء چہار شنبہ

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالقیس مصباحی قادری

الجواب صحیح

یہ فسق وفجور اور مادر پدر آزادی کا زمانہ ہے جو بچے یا بڑے تھوڑا بہت دین وسنت سے قریب ہوئے ہیں ان کو آہستہ آہستہ خلاف شرع حرکتوں سے باز رکھنے کے لیے فہمائش کرنی چاہیے یا پھر کسی عالم دین کے پاس لے جا کر اس کو سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے اگر سمجھ جائیں فبہا ورنہ پھر اس کو نعت

خوانی وغیرہ سے دینی اسٹیج پر روک دینا چاہیے اور جو لوگ دیوبندیت کو چھوڑ کر سنیت میں شامل ہوئے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہم ان سے بہتر پہلے تھے اگر دیوبندیت کے باطل عقیدے کو جانتا ہے تو پھر ایک فاسق کے فسق کو دیکھ کر دیوبندیت کو بہتر کہتا ہے بہت سخت حکم رکھتا ہے ایسا کہنے والوں کو اس سے توبہ کرنی ضروری ہے۔ فقط

محمد مجیب اشرف رضوی غفرلہ

عید میلاد النبی اور دوسرے جلوس میں آتش بازی کرنا پٹاخے چھوڑنا اور ڈی جے پر نعت خوانی کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد ہارون کھجرانہ اندور ایم پی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

عید میلاد النبی کے جلوس کے آگے آتش بازی کرتے اور پٹاخے چھوڑتے ہوئے چلنا از روئے شرع کیسا ہے؟ کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسجدوں میں چراغاں اور روشنی کیے جاتے ہیں اسے کوئی ناجائز نہیں سمجھتا، لہذا یہ بھی اسی طرح ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز ڈی جے سسٹم کے ساتھ نعت خوانی کرتے ہوئے اچھلنا کودنا اور دیگر خرافات کے ساتھ جلوس میں چلنا کہاں تک درست ہے؟ بینوا وتوجروا فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے جلوس میں جلوس کے آگے آگے آتش بازی کرتے چلنا جائز نہیں کہ یہ تضییع مال ہے جو ناجائز وحرام ہے۔

قال اللہ تعالی: "ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین."

اور آتش بازی کو مسجدوں میں چراغاں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ:

"لااسراف فی الخیر ولا خیر فی الاسراف."

رہا ڈی جے سسٹم پر نعت خوانی کرنا تو اگر وہ قواعد موسیقی پر نہ ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔ ایسے

ہی اچھلنا کودنا اور دیگر خرافات کا ارتکاب کرتے ہوئے جلوس کے ساتھ چلنا اس کی شرعا جازت نہیں اس سے بچنا بچانا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶ / ربیع النور شریف ۱۴۳۳ھ ۔۲ / مارچ ۲۰۱۱ء چہار شنبہ

الجواب صحیح

ابوالقیس مصباحی قادری

جس مصلی پر خانہ کعبہ وغیرہ مقدس مقام کی تصویر ہو اس پر نماز پڑھنا، لیٹنا اور بیٹھنا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازارشاد علی، فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جانماز یا مصلی پر خانہ کعبہ یا روضہ اقدس یا بزرگان دین کے مقبرہ کی تصویر بنی ہے تو کیا اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں یا اس پر لیٹنا، بیٹھنا ادب کے خلاف ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس جانماز وغیرہ پر غیر جاندار کی تصویر ہو اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، چاہے وہ خانہ کعبہ کی تصویر ہو یا روضہ اقدس وغیرہ کی۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"**لایکرہ تمثال غیر ذی روح کذا فی النھایۃ.**"(ج ۱، ص ۱۰۷، **الباب السابع فیما یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا من کتاب الصلوۃ**)

البتہ جانماز پر اگر خانہ کعبہ، روضہ اقدس یا اور کسی دینی عظمت والی جگہ کی تصویر ہو تو ایمانی جذبہ اور تقوی کا تقاضا یہ ہے کہ اس تصویر والی جگہ پر لیٹنے، بیٹھنے اور چلنے سے بچا جائے، کہ یہ خلاف ادب ہے۔

ارشاد باری ہے:

"**وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ.**"(پ ۱۷، س حج ۲۲، آیت ۳۲)

اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

خانقاہ یا مزار بنوانے کے لیے چندہ وصول کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از زید قادری، ویشالی بہار، بذریعہ مولانا نہال اختر صاحب مدرس جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متیں مسئلہ ذیل میں کہ

خانقاہ بنوانے اور مزار شریف بنوانے کے لیے چندہ وصول کرنا اور یہ کہنا کہ تم اسی کی دعا سے کما کھا رہے ہو، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : جو لوگ خوش دلی سے مزار یا خانقاہ بنانے کے لیے چندہ دیں تو ان سے چندہ لینا جائز ہے۔ ہاں جبراً لینا جائز نہیں: "**لانہ لایجوز مال امرئ الا بطیب نفس منه.**" سوال نامہ میں مذکور جملہ کہ تم اسی کی دعا سے کما کھا رہے ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں بزرگوں کے وسیلے اور ان کے توسط سے تم کماتے کھاتے ہو اور حقیقتاً رزاق اللہ تعالیٰ ہے۔ البتہ مذکورہ چندہ وصول کرنے کے لیے اس طرح کا جملہ نہیں بولنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶/ جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بزرگوں کے نام سے منسوب چلوں کا حکم

مسئلہ : از محمد منیر احمد رضوی یٰسینی ساکن چاندامٹا ضلع چھندواڑہ ایم پی۔ بمعرفت عبد السمیع متعلم ادارہ ہذا

کچھ کم علم لوگوں نے ایک نالے کے پاس ایک چلہ بنایا ہے اور اس چلہ میں ایک جھنڈا لگا کر اس کو علم سرکار دوعالم کا نام دیا ہے اور حضرت بابا تاج الدین ناگپوری علیہ الرحمہ کی تصویر لگائی ہے۔ وہاں پر

۲۶؍تاریخ کو فاتحہ رکھی جاتی ہے۔اور جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر مسجد کے امام صاحب پرچم کشائی کرتے ہیں اور درود وسلام ہوتا ہے اور فاتحہ بھی پڑھی جاتی ہے۔اور امام صاحب یا اور کوئی معزز شخص یہ سب کام کرتا ہے اور اسکول کے ماسٹر حضرات مسلم بچوں کو وہاں جلوس کی شکل میں لے جاتے ہیں اور اراکین انجمن اصلاح المسلمین ان کاموں کو دیکھ کر نظر انداز کرتے ہیں ،ایسے حالات میں ان تمام حضرات کے لیے حکم شرعی کیا ہے؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز اور جو نمازیں پڑھی گئیں ان کے متعلق شرعی حکم دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : فاتحہ خوانی کا اہتمام کرنا، درود وسلام پڑھنا اور جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جھنڈا الہرانا جائز ومستحسن ہے۔لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ فاتحہ خوانی یا درود وسلام کا انتظام اپنے اس گڑھے ہوئے چلہ ہی کے پاس کریں۔ان چیزوں کے علاوہ سوال میں مذکورہ دوسری باتیں محض خرافات اور ان کی جہالت ہے۔مثلا ان لوگوں کا خود سے بنائے ہوئے چلے کو متبرک ومعظم سمجھنا اور پھر اس جگہ اپنی طرف سے جھنڈا نصب کر کے اس کو علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنا ، یہ سب ان لوگوں کی جہالت ہے۔کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان اور کہاں ان لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے تیار کیے ہوئے بے جا علامت ونشان، اگر یوں ہی جھنڈے تیار ہوتے رہیں اور حضور کے نام سے منسوب ومشہور ہوتے رہیں تو دنیا میں نہ جانے کتنے علم رسول ہو جائیں گے پھر اصل اور نقل میں فرق کرنا مشکل ہوگا۔اور اس طرح سے شکوک وشبہات کی بنیاد پر ذات اقدس سے حقیقتاً نسبت رکھنے والی چیزوں کی عزت وحرمت دل سے نکل جائے گی۔لہذا ان لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی اس حرکت بے برکت اور بے جا عقیدت سے باز آجائیں ورنہ اس کا وبال ان کے سر ہوگا۔

اسلام میں اس کی اجازت نہیں کہ جو چیز حضور سے نسبت نہ رکھتی ہو اسے آپ کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو دھوکا دیا جائے کیوں کہ جس طرح حضور کی ذات واجب الاحترام ہے اسی طرح آپ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز قابل احترام ہے اور ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ جو چیز حضور سے نسبت رکھتی ہو اس کی تعظیم کی جائے اور جو آپ سے نسبت نہ رکھتی ہو اس کو وہ مقام نہ دیا جائے ، جو آپ سے نسبت رکھنے والی چیز کو دیا جاتا ہے، تاکہ منسوب اور غیر منسوب کے درمیان فرق رہے۔

شفا قاضی عیاض میں ہے:

"من اعظامه واکباره صلی اللہ علیه وسلم اعظام جمیع اسبابه واکرام مشاهده وامکنته من مکة والمدینة ومالمسه او عرف به."(نسیم الریاض ج۳،ص ۴۳۲،فصل ومن اعظامه واکرامه اعظام جمیع اسبابه ،مطبع دارالفکر)

ایک واقعہ ملاحظہ کیجیے: بیعت رضوان تاریخ اسلام کا ایک اہم باب ہے، یہ واقعہ حدیبیہ کے مقام پر ۶ھ میں پیش آیا، اس مقام پر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ایک ببول کے درخت کے نیچے اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ لوگ آخری دم تک آپ کا ساتھ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے اپنی خوشی یوں ظاہر فرمائی:

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ."(فتح ۴۸،آیت ۱۸)

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔

جس درخت کے نیچے یہ واقعہ پیش آیا تھا، کچھ دنوں کے بعد وہ پوشیدہ ہوگیا تھا، چنانچہ صحابہ کرام جب دوسرے سال اس مقام پر پہنچے تو وہ یہ جان نہ سکے کہ وہ کون سا درخت ہے، جس کے نیچے حضور نے ان سے بیعت لی تھی، یہاں تک کہ ان میں سے دو لوگوں کا بھی اس کے متعین ہونے پر اتفاق نہ ہوسکا کہ وہ کون سا درخت ہے۔ اور جب وہ درخت معلوم ہی نہ رہا تو وہ لوگ ایک دوسرے درخت کے پاس برکت حاصل کرنے کے لیے جانے لگے، لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو فتنہ سے بچانے اور حضور سے نسبت نہ رکھنے والے درخت کو لوگوں کی طرف سے اہمیت دیے جانے کی وجہ سے اس دوسرے درخت کو کٹوا دیا تا کہ لوگ اس سے بچیں۔

حدیث پاک میں ہے:

"عن سعید بن المسیب عن ابیه انه کان ممن بایع تحت الشجرة فرجعنا الیها العام المقبل فعمیت علینا."(بخاری ج۲،ص ۵۹۹،باب غزوة الحدیبیة من کتاب المغازی)

فتح الباری میں اس درخت کے پوشیدہ ہونے کے بارے میں ہے:

وبیان الحکمة فی ذلک وهو ان لایحصل بها افتتنان لما وقع تحتها من الخیر."

اسی میں ہے:

"ثم ذکر فیہ خمسة احادیث احدھا حدیث ابن عمر رجعنا من العام المقبل فما اجتمع اثنان علی الشجرة التی بایعنا ای النبی صلی اللہ علیہ وسلم تحتھا."(ج۶،ص۱۴۳،باب البیعة فی الحرب ان لا یفروا من کتاب الجھاد)

عمدۃ القاری میں ہے:

"والشجرة کانت سمرة وروی انھا عمیت علیھم من قابل فلم یدروا این ذھبت وکان ھذا فی غزوة الحدیبیة سنة ست فی ذی القعدة بلا خلاف وسمیت ھذہ البیعة بیعة الرضوان."اھ ملخصا(ج۱۰،ص۲۷۷،باب البیعة فی الحرب ان لا یفروا من کتاب الجھاد)

فتح الباری میں ہے:

"عن نافع ان عمر بلغه ان قوما یاتون الشجرة فیصلون عندھا فتوعدھم ثم امر بقطعھا فقطعت."ج۷،ص۵۵۸،باب غزوة الحدیبیة من کتا ب المغازی)

لہذا سوال میں مذکورہ لوگوں پر لازم ہے کہ اس جھوٹی نسبت سے بچیں، ورنہ اس کا گناہ ان کے سر ہوگا۔ ہاں حضور کی پیدائش کی خوشی کے موقع پر جس طرح عام طور سے جھنڈے لہرائے جاتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں لہذا اس طریقہ کو اپنائیں لیکن اس کو"علم رسول" کا نام نہ دیں ورنہ ثواب کے بجائے محرومی ہاتھ آئے گی۔

بلاضرورت شرعیہ کسی جاندار کی تصویر بنانا، بنوانا اور تعظیما اس کو اپنے پاس رکھنا حرام وگناہ ہے، خواہ وہ حضرت سیدنا سید محمد تاج الدین کی تصویر ہو یا کسی اور پیر کی ہو، حدیث میں اس کے متعلق سخت وعیدیں آئی ہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

"ان اشد الناس عذابا عنداللہ المصورون."(بخاری ج۲،ص۸۸۰،باب عذاب المصورین من کتاب اللباس)

بے شک لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب میں اللہ کے نزدیک تصویر بنانے والے ہوں گے۔

دوسری حدیث میں ہے:

''ان الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیمة یقال لھم احیوا ماخلقتم.''(حواله سابق)

بے شک جولوگ یہ تصویریں بناتے ہیں انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جوتم نے پیدا کیا ہے یعنی بنایا ہے اسے زندہ کرو۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

''قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانه متوعد علیه بھذاالوعید الشدید المذکورفی الاحادیث سواء صنعه فی ثوب او بساط او درھم اودینار او غیرذالک.''(ج۸،ص۳۲۶،باب التصاویر من کتاب اللباس)

ردالمحتار میں ہے:

''واما فعل التصویر فھو غیر جائز مطلقا لانه مضاھاة لخلق الله تعالیٰ.''(ج۲،ص۴۰۲باب مایفسد الصلوة ومایکرہ فیھا من کتاب الصلوة)

لہذا دیدہ ودانستہ اس تصویر کی نمائش والے جلوس میں جولوگ شریک ہوئے وہ سب گنہ گار ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ توبہ واستغفار کریں اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں۔انجمن اصلاح المسلمین کے اراکین اگر ان لوگوں کو اس بری بات سے منع کرنے پر قادر ہیں تو انہیں اس فعل بد سے روکنا ضروری ہے اور اگر اس پر قادر نہیں تو ان لوگوں سے دور رہیں اور اسے دل سے برا جانیں۔

ارشاد باری ہے:

''وَلَاتَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ.''(پ۱۲،س ھود ۱۱،آیت۱۱۳)

اورظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔

حدیث پاک میں ہے:

''من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان.''(مسلم ج۱،ص۵۱،باب کون النھی عن المنکر من الایمان

من کتاب الایمان)

اگر تم میں سے کوئی شخص بری بات دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو اسے اپنی زبان سے بدل دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں تو اس کو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔

امام مذکور اگر اس تصویر کی نمائش والے جلسہ میں دیدہ ودانستہ برضا ورغبت برابر شریک ہوتا ہے یعنی وہ اس کا عادی ہے تو وہ فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور جو پڑھیں ان کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

ردالمحتار میں فاسق معلن کی امامت کے بارے میں ہے:

"وتکره امامته بکل حال بل مشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم." (ج۲،ص ۲۹۹،باب الامامة من کتاب الصلوة)

درمختار میں ہے:

"کل صلوة ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها."(فوق ردالمحتار ج۲، ۱۴۵ ،۱۴۷، باب صفة الصلوة من کتاب الصلوة)واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۳/رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

قبرستان میں سلام کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از شاداب رضا، وسیم رضا متعلم رضا دار الیتامیٰ تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں لوگوں سے سلام کرنا اور معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : قبرستان ان جگہوں میں سے نہیں جہاں مصافحہ معانقہ کرنا منع ہے، اس لیے وہاں

مصافحہ معانقہ کرنا جائز ہے۔الاشباہ والنظائر میں ہے:

"الاصل فی الاشیاء الاباحة."(ج ۱، ص ۲۰۹،القاعدة الثالثة من النوع الاول من الفن الاول)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتاجامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۹/ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

لفظ"سلام علیکم"اور"السلام علیکم" کی بحث پر ایک طویل فتوی نما استفتا اور اس کا جواب

مسئلہ : ازمولانا معراج احمد شمسی مصباحی مدرس ادارہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ خالد نے زید کو شریعت کا یہ مسئلہ بتایا کہ"سلام علیکم" کہنا سنت نہیں ہے اور اس کا جواب دینا بھی واجب نہیں ہے۔(قانون شریعت ج ۲،ص ۲۸۲،بحوالہ درمختار رضوی کتاب گھر)

"السلام علیکم" کہنا سنت ہے اور بلا تاخیر اس کا جواب دینا واجب ہے،بلا وجہ تاخیر کی تو گنہ گار ہوگا پھر یہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہ ہوگا۔(جنتی زیور)

اس کے باوجود بھی زید خالد سے"سلام علیکم" کہہ کر سلام کرتا رہا اور جب زید خالد سے"سلام علیکم" کہتا تو خالد فوراً اسی وقت"السلام علیکم" کہہ دیتا۔کئی دنوں تک دونوں میں اسی طرح سلام ہوتا رہا۔ایک دن زید نے خالد سے کہہ دیا کہ آپ میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ اس پر خالد نے پھر کہا"سلام علیکم" کا جواب دینا واجب نہیں ہوتا کیوں کہ یہ سنت سلام نہیں ہے۔سنت سلام"السلام علیکم" ہے۔اس کا جواب دینا واجب ہوتا ہے۔

یہ سن کر زید نے کہہ دیا کہ مسئلہ ہمیں نہ بتاؤ،خالد نے جب یہ سنا تو کہا کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ آپ کو شریعت کا مسئلہ بتا رہا ہوں۔

زید نے جب یہ سنا تو کہا کہ میں اپنے حساب سے عمل کروں گا آپ کے کہنے پر نہیں عمل کروں گا۔ ضروری طلب بات یہ ہے کہ زید جو حافظ بھی ہے،قاری بھی ہے،مولانا بھی ہے،شادی شدہ بھی ہے،مسجد

کا امام بھی ہے ایسی صورت میں اس کا یہ کہنا کہ مسئلہ ہمیں نہ بتاؤ میں اپنے حساب سے عمل کروں گا آپ کے کہنے پر عمل نہیں کروں گا۔ اس سے شریعت کا انکار لازم آتا ہے یا نہیں؟

نیز یہ کہنا کہ میں اپنے حساب سے عمل کروں گا آپ کے کہنے پر عمل نہیں کروں گا، یہ جملہ شریعت کا ہے یا طبیعت کا۔

(۱) نیز فتاوی فیض الرسول ج۱،ص۱۲۴پر مسئلہ مجھے نہ بتاؤ جیسی ایک عبارت ہے کہ ''شریعت وریعت اپنے پاس رکھو مجھے نہ بتاؤ یہ کہنا کفر ہے۔''

(مذکورہ عبارت کا مطلب کیا ہوگا)

(۲) زید سے جب کہا گیا کہ اپنے اس جملہ پر توبہ کرلو تو اس نے کہا کہ ''مجھے توبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے''

جب اس نے یہ کہا تو اس سے کہا گیا کہ تفسیر مدارک ج۳،ص۱۴۲پر ہے کہ ''جس کو یہ گمان ہو کہ مجھے توبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کو سب سے پہلے توبہ کرنی چاہیے۔''

اور یہ بھی بتایا گیا کہ غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے لیکن بہترین انسان وہی ہے جو غلطی کرنے کے بعد توبہ کرلے۔ (ابن ماجہ حدیث ۲۴۵۱)

اس کے باوجود زید توبہ سے انکار کرتا رہا ایسی صورت میں زید کا توبہ سے انکار کرنا کیسا ہے؟

نیز زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن لرحیم

الجواب : زید کے مذکورہ اقوال یعنی ''مسئلہ ہمیں نہ بتاؤ'' اور ''میں اپنے حساب سے عمل کروں گا، آپ کے کہنے پر عمل نہیں کروں گا'' ان دونوں جملوں سے شریعت کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔ پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ مسئلہ ہمیں نہ بتاؤ کیوں کہ یہ مسئلہ ہمیں معلوم ہے۔ اور دوسرا جملہ اسی پہلے جملے کی توضیح وتشریح اور نتیجہ ہے کہ جب مسئلہ ہم کو معلوم ہے تو ہم اسی کے مطابق عمل کریں گے، آپ کے کہنے پر نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ کسی مسئلے پر فریقین میں بحث ہوئی اور ایک دوسرے کے قول کے مطابق عمل نہیں کیا ،تو اب بدظنی ،کم علمی، جہالت اور غلط فہمی کی وجہ سے اس معاملے کو سیدھے کفر تک پہنچانے کی کوشش کی

جاتی ہے۔ حالانکہ یہ بہت گندی اور گھناونی سوچ ہے، بلکہ اس طرح کے طرز عمل سے خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہے اور حقیقتاً وہ ایسا نہیں یعنی کافر نہیں ہے تو یہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گا۔

مسلم شریف ج۱،ص۵۷باب بیان حال ایمان من قال لاخیه المسلم یا کافر، کتاب الایمان میں ہے:

"ایما امرئ قال لاخیه کافر فقد باء بها احدهما ان کان کماقال والارجعت علیه."

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب کسی مسئلے میں مختلف جہتوں سے کفر لازم آتا ہو اور ایک صورت قائل کو کفر سے بچاتی ہو تو مسلم کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے اس کو کفر سے بچایا جائے گا، اس لیے کہ کفر موجب عقوبت دائمی اور سزائے سرمدی ہے۔ اور ایمان سبب انعام باری اور راحت اطمینان ابدی ہے۔ اور کفر عقاب وسزا کا انتہائی درجہ ہے، لہذا اس کے ثبوت کے لیے جرم بھی انتہائی درجہ کا ہونا چاہیے اور احتمال کفر وعدم کفر کے ساتھ جنایت وجرم کی انتہا کا ثبوت نہیں لہذا حکم کفر بھی نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ ایمان راحت ابدی اور سرمایہ دارین ہے، جب یہ ثابت ہو جائے تو اس کے زوال کے لیے دلیل قطعی ویقینی درکار ہے۔ دلیل ظنی واحتمالی سے حکم کفر ہرگز نہ ہوگا۔

بحرالرائق میں ہے:

"اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم ولایکفر بالمحتمل لان الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایة فی الجنایة ومع الاحتمال لانهایة."اه ملخصا(ج۵،ص ۱۳۱،باب احکام المرتدین من کتاب السیر)

امام غزالی نے تو یہاں تک کہا کہ فسق اور کفر کی بات تو بہت دور کی ہے، بلا تحقیق اور بلا دلیل کسی مسلم کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا بھی جائز نہیں۔ فرماتے ہیں:

"لاتجوز نسبة کبیرة الی مسلم بلاتحقیق فلایجوز ان یری المسلم بفسق او کفر من غیر تحقیق.اه ملخصا(بحواله فتاوی رضویه ج۶،ص۳۰۸)

اسی لیے فقہائے عظام نے یہ فرمایا کہ اگر کسی سے کسی نے کہا کہ نماز پڑھو تو اس نے جواب میں کہا

''لا اصلی''، میں نماز نہیں پڑھوں گا تو اس قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیوں کہ اس قول میں چار احتمالات ہیں، جن میں سے ایک کفر ہے اور تین کفر نہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں س لیے نہیں پڑھوں گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ میں تمہارے حکم سے نہیں پڑھوں گا کیوں کہ مجھے نماز پڑھنے کا حکم اس نے دیا ہے جو تم سے بہتر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لہذا اس کے حکم سے پڑھوں گا تمہارے کہنے سے نہیں۔ تیسرا یہ کہ فسق وفجور اور مذاق کے طور پر نہیں پڑھوں گا بلکہ اچھے سے پڑھوں گا۔ چوتھا یہ کہ میں نہیں پڑھوں گا اس لیے کہ وہ مجھ پر واجب نہیں اور مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا یہ چوتھا معنی کفر ہے:

فتاوی ہندیہ میں ہے:

''قول الرجل لااصلی یحتمل اربعة اوجه احدها لا اصلی لانی صلیت والثانی لا اصلی بامرک فقد امرنی بها من هو خیر منک والثالث لااصلی فسقا مجانة فهذه الثلاثة لیست بکفر والرابع لااصلی اذ لیس یجب علی الصلوة ولم اومر بهایکفر.''(ج ۲، ص ۲۶۸، موجبات الکفر مایتعلق بالصلوة من الباب التاسع من کتاب السیر) کذافی البحر والمجمع الانهر.

اسی ہندیہ میں آگے فریا کہ اگر کسی نے مطلقا یوں ہی ''لا اصلی'' کہا تو ان مذکورہ احتمالات کی بنیاد پر اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی ہاں جب معنی کفر کی تعیین یا تصریح خود قائل کی جانب سے ہو تو اب حکم کفر میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

ہندیہ میں ہے:

''لواطلق وقال لااصلی لایکفر لاحتمال هذه الوجوه .''

بحرالرائق ص ۲۰۱ کی گزشتہ عبارت کے درمیان ہے:

''الا اذاصرح بارادة موجب الکفر فلا ینفعه التاویل حینئذ.''(مرجع سابق)

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ فقہائے کرام نے ان جملوں میں قائل کی تکفیر سے بہت زیادہ احتیاط کیا ہے، جن جملوں میں معنی کفر کا احتمال تھا اور مسئلہ دائرہ مسئولہ میں تو شریعت سے انکار کا احتمال ہے ہی نہیں، کیوں کہ ''**لا اصلی**'' میں جو احتمال ثانی غیر کفری ہے، اسی طرح زید نے اپنے قول اول کی توضیح کے طور پر دوسرا قول کہا ہے، اس لیے یہ قول ثانی قول اول سے سامع کے ذہن میں پیدا ہونے

والے فاسد وہم کو دور کررہا ہے لہٰذ جو جملہ مزیل فساد ہے اس میں احتمال انکار شریعت کا کیا معنی؟ اور اگر خالد کے گمان فاسد کی بنا پر اب بھی معنی کفر کا احتمال مان بھی لیا جائے تو اولا تو محض احتمال کی بنا پر حکم کفر نہ ہوگا اور ثانیا یہ کہ سائل نے زید کے جو اوصاف بیان کیے ہیں کہ وہ حافظ بھی ہے، قاری بھی ہے، مولانا بھی ہے اور مسجد کا امام بھی ہے تو یہ سارے اوصاف شریعت سے انکار کرنے والے معنیٰ کے خلاف قرینہ قطعیہ ہیں کہ ایک عام مسلم کے بارے میں حسن ظن کا حکم ہے اور یہ معاملہ تو خاص مسلم کا ہے جس کے بارے میں بدرجہ اولی بلکہ بدرجہ اتم حسن ظن رکھنا چاہیے، تو فقہا کی وہ احتیاط کہ جہاں چند وجہوں سے تکفیر لازم ہو اور ایک وجہ مانع ہو تو اس کو صحیح معنی پر محمول کرتے ہوئے قائل کی تکفیر نہ کریں اور سفہا کی یہ بے احتیاطی بلکہ بد احتیاطی کہ جو جملہ محتمل کفر نہیں، اپنی نفس پرستی کے لیے اس کا سلسلہ کفر سے جوڑیں۔ العیاذ باللہ! اگر کسی فتوی یا جزئیہ سے اخذ وانطباق کرنے کا یہی طرز وطریقہ، یہی ساز وانداز اور یہی ذوق وشوق رہا تو شریعت کے حدود بہت محدود اور ایمان کی راہیں بہت ہی تنگ ومسدود ہو جائیں گی۔ اللہ ہدایت دے۔

زید کے قول ''مسئلہ ہمیں نہ بتاؤ'' اور فتاوی فیض الرسول کی مذکورہ عبارت کو ایک طرح مان کر خالد نے جو زید کے قول کو کفر تک لے جانے کی کوشش کی ہے، وہ شریعت پر بہت بڑی جرأت مندی اور افترا ہے۔ اور یہ طرز استدلال اتنا مضحکہ خیز اور حیرت انگیز ہے کہ اس سے خالد کی جہالت عیاں ہے۔ اصول فقہ، بلاغت اور منطق کی ابتدائی کتابوں ہی میں طالب علم کو قیاس اور تشبیہ کے قواعد وشرائط بتا دیے جاتے ہیں، لہٰذا خالد نے اگر قول زید کو عبارت فتاوی فیض الرسول سے تمثیل وتشبیہ دی تو اب یہ جاننا ضروری ہے کہ تشبیہ کے تین ارکان ہوتے ہیں، جن کے بغیر تشبیہ صحیح نہیں ہوگی، وہ تینوں یہ ہیں: مشبہ، مشبہ بہ اور وجہ تشبیہ۔ خالد نے زید کے قول کو مشبہ اور فتاوی فیض الرسول کی عبارت کو مشبہ بہ قرار دیا ہے، حالانکہ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں علم بلاغت کے ایک ادنی ابجد خواں کے نزدیک اس کا بطلان ظاہر ہے جیسا کہ اوپر گزرا کہ صحت تشبیہ کے لیے ارکان ثلاثہ مذکورہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور صورت مسئلہ میں صرف مشبہ اور مشبہ بہ ہیں، وجہ تشبیہ کا وجود ہی نہیں کیوں کہ فتاوی فیض الرسول کی عبارت میں شریعت کے انکار کا معنی جس سے سمجھا جارہا ہے وہ جملہ یہ ہے ''شریعت وریعت اپنے پاس رکھو'' کیوں کہ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قائل کو شریعت کی ضرورت نہیں، اس لیے وہ شریعت سے نفرت کا اظہار کررہا ہے اور یہ یقیناً شریعت سے انکار، اس کی توہین اور تحقیر وتخفیف ہے، لہٰذا یہ کفر ہے۔

اور ''مجھے نہ بتاؤ'' اسی اظہار نفرت کا بیان وتتمہ ہے، بہر حال جو معنی انکار عبارت فیض الرسول میں ہے وہ کلام زید میں نہیں۔ اور تشبیہ وتمثیل کا معنی ہی ہے ایک شئ کو دوسری کی طرح کہنا۔ اب جب دونوں کے مابین وجہ تشبیہ ہے ہی نہیں تو تشبیہ راچہ معنیٰ؟ جو زید بزدل ہو اس کو ''زید کالاسد'' کہنا زید پر اسدیت کا الزام لگانا ہے، یوں ہی جب کلام زید میں معنی انکار نہیں تو اس کو فتاوی فیض الرسول کی عبارت جیسا کہنا زید پر ایک غلط معنی کا الزام لگانا ہے۔ حاصل یہ کہ زید کے کلام مذکور اور فتاوی فیض الرسول کی عبارت مذکورہ میں وجہ تشبیہ مفقود، لہذا دونوں عبارتوں کو ایک طرح کہنا خالد کے لیے بے سود۔ یوں ہی قیاس بمعنی انطباق کی صورت میں مقیس اور مقیس علیہ کے مابین علت مشترکہ کا وجود لازم۔ اور صورت واقعہ میں دونوں عبارتوں میں سے صرف ایک میں وہ مذکورہ علت پائی جاتی ہے، لہذا اس کا حکم وہیں تک رہے گا، دوسری عبارت یعنی کلام زید تک وہ متعدی نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ خالد کی مذکورہ کوشش بہت قبیح وشنیع ہے اس کو اس سے رجوع کرنا لازم ہے، یوں ہی بلا وجہ شرعی زید کو تکلیف پہنچائی لہذا اس سے معافی بھی مانگے۔ حدیث پاک میں فرمایا:

''المسلم اخو المسلم لایظلمه ولایخذله ولایحقره.'' (مسلم ج ۲، ص ۳۱۷، باب تحریم ظلم المسلم من کتاب الآداب)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے تو وہ نہ اس پر ظلم کرے نہ بے سہارا چھوڑے نہ اسے حقیر سمجھے۔

زید کے سلام کرنے کا جو انداز سائل نے ذکر کیا ہے، اگر واقعی زید اسی طرح سلام کرتا تھا تو اس کو اپنا مذکورہ انداز تلفظ درست کر کے ''السلام علیکم'' کہنا چاہیے، کہ وہ طریقہ خلاف سنت ہے اور اگر زید السلام علیکم ہی کہتا تھا اور خالد کو سلام علیکم سنائی دیتا تھا تو اس میں قصور فہم وسماعت سامع کا ہے، زید پر کچھ الزام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۳؍رجب ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب حق والحق احق ان یتبع
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

عورتیں مزارات پر جاسکتی ہیں یا نہیں؟

مسئلہ : ازمولانا محمد توقیر رضا، متعلم ادارہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

عورتیں مزارات پر جاسکتی ہیں یا نہیں؟ کچھ عورتیں درگاہ میں جاتی ہیں اور وہاں پر باقاعدہ نعت خوانی کرتی ہیں، اور نیاز کا بھی انتظام کرتی ہیں، ایسی عورتوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : عورتیں مزارات پر جائیں گی، تو غیر محرم سے اختلاط ہوگا، بے پردگی ہوگی، جیسا کی عموما ایسا ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب فتنے کا سبب ہے، اس لیے فتنے کا دروازہ بند کرنے کے لیے عورتوں کو مزارات کی حاضری مطلقاً ممنوع ہے۔

درمختار میں ہے:

"یکره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان." (الدرالمختار فوق رد المحتار ج ۲، ص ۳۰۷، باب الامامة من كتاب الصلوة)

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:

"حاصل الكلام من هذا كله ان زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام فى هذا الزمان ولاسيما نساء مصر لان خروجهن على وجه فيه الفساد والفتنة." (ج۶، ص ۹۶، باب زيارة القبور من كتاب الجنائز حديث ۱۲۸۳)

ایسی عورتوں کے بارے میں فقہا فرماتے ہیں کہ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرنے سے لے کر واپس آنے تک لعنت ہی لعنت میں ہوتی ہیں۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں ہے:

"سال القاضى عن جواز خروج النساء الى المقابر قال لا يسال عن الجواز

والفساد فی مثل هذا وانما یسال عن مقدار ما یلحقها من اللعن فیها واعلم انها کلما قصدت الخروج کانت فی لعنة اللہ وملائکته واذا خرجت تحفها الشیاطین من کل جانب واذا اتت القبور یلعنها روح المیت واذا رجعت کانت فی لعنة اللہ.''(۵۹۴،فصل فی الجنائز سهیل اکیڈمی لاهور بحواله فتاوی رضویه مترجم ج۹،ص۵۵۷،باب الجنائزمن کتاب الصلوة)

امام قاضی سے استفتا ہوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا ایسی جگہ جواز وعدم جواز نہیں پوچھتے۔ یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے، جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھر سے باہر نکلتی ہے، ہر طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں، جب قبر تک پہنچتی ہے، میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے، جب واپس آتی ہے، اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

لہذا سوال میں مذکورہ عورتوں پر لازم ہے کہ درگاہ میں جانے سے بچیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کی مستحق ہوں گی۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے رسالہ **''جمل النور فی نهی النساء عن زیارة القبور''** کا مطالعہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مروجہ تعزیہ داری سے متعلق ایک طویل سوال اور اس کا جواب

مسئله : از حافظ عبد الغفور رضوی امام مسجد راجور کالری ایوت محل

کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱) ونی تحصیل میں راجور ایک قصبہ ہے، یہاں پر مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی ہے، جو برسوں سے ہر سال محرم شریف کے مہینے میں یکم تاریخ سے نو تاریخ تک سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں تعزیہ، سواری، پنجا، اور انگار کا ایک گڑھا جس کو الاوہ کہتے ہیں اور اس میں کودتے پھاندتے ہیں، سواری

کو، تعزیے کو لے کر بازاروں میں گلی کوچوں میں گھومتے ہیں، کچھ جاہل لوگ ان سے منتیں مرادیں مانگتے ہیں، کچھ لوگ نذرانے کے طور پر ہزاروں روپے چندہ بھی دیتے ہیں۔ علاوہ اس کے محرم کی بارہ تاریخ یہ سمجھ کر کہ امام حسین مر چکے ہیں، ان کا سوئم، پھر دسواں اور صفر کی بیس تاریخ کو چالیسواں بھی کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ عام انسان کی طرح ان پاک ہستیوں کو مردہ سمجھ کر سوئم، دسواں، چالیسواں ان کے نام سے ایسی تاریخوں میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ پھر اسی جگہ پر کھانے بنتے ہیں، وہاں فاتحہ دینا اور اس جگہ میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تعزیہ پنجہ سواری، نعل صدر، یہ سب چیزیں کیا ہیں، اور ان کا بیٹھانا، سجانا، گاؤں میں پھرانا، ان سے منتیں مانگنا مرادیں مانگنا کیا جائز ہے؟

(۳) کئی ایسی بھی سواری والے ہیں، جو کسی کے جسم میں بھر جاتے ہیں، اور غیب کی باتیں بتاتے ہیں کہ ایسا ہوا تھا ایسا آئندہ ہوگا، ایسی باتوں پر یقین کرنا بھروسہ کرنا کیسا ہے اور ایسی مجلسوں میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

(۴) جو لوگ تعزیہ داری، سواری وغیرہ میں چندہ ثواب سمجھ کر دیتے ہیں، ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ وہ لوگ کہتے ہیں ہم چندہ ان کو نہیں بلکہ ان کے نام پر یعنی بزرگوں کے نام دیتے ہیں۔

(۵) اور یہاں کے زیادہ تر لوگ حضور ازہری میاں صاحب قبلہ اور حضور جمال رضا خاں صاحب قبلہ کے مریدین ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت کے چاہنے والے ہیں اور یہی لوگ محرم کے مہینے میں تعزیہ داری، ماتم، مرثیہ ڈھول تاشے میں ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں۔ منع کرنے کے باوجود نہیں مانتے ہیں اور جواب میں ثبوت کے طور پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت وارث پاک رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں تعزیہ بٹھاتے تھے، تو اس لیے ہم بھی ایسا کرتے ہیں۔

برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تفصیل کے ساتھ عنایت فرمائیں۔ کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : (۱، ۲، ۴، ۵) تعزیہ مروجہ جونئی تراش وخراش کے ساتھ تعزیہ دار بناتے ہیں، کربلائے معلیٰ سے جس کو کوئی نسبت نہیں اس کو گاؤں میں پھرانا اس

سے منتیں مانگنا ، سواری بنانا ، پنجا ، نعل اٹھانا ، الاوہ بنانا اس میں کھیل تماشے کرنا یہ سارے امور شرعا ناجائز وحرام اور گناہ کے کام ہیں ، جو لوگوں نے جہالت سے رائج کر لیے ہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاوی رضویہ شریف ج۹ص۱۸۶ میں ارشاد فرمایا ''تعزیہ رائجہ مجمع بدعات شنیعہ سیئہ ہے ۔اس کا بنانا دیکھنا جائز نہیں اور تعظیم وعقیدت سخت حرام اور اشد بدعت ۔'' تعزیہ بنانے کے لیے چندہ دینا جائز نہیں ، مسلمان اس سے بچیں اور شریعت کا حکم عام ہے ، خلاف شرع امور سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے چاہے وہ حضور تاج الشریعہ کے مریدین ہوں یا حضرت مولانا جمال رضا خاں صاحب کے مریدین ہوں یا اعلیٰ حضرت کے چاہنے والے ہوں ، اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ۔
اور شہدائے کربلا بالخصوص امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام سے ایصال ثواب کرنے کے نام پر مجلس منعقد کرنا ، کھانا کھلانا ، شربت پلانا ، چندہ دینا بے شک جائز ومستحب ، موجب بر وثواب ہے ، لیکن ان کے متعلق غلط عقیدہ وابستہ کرنا مثلا یہ عقیدہ کہ وہ مر گئے معاذ اللہ یہ عقیدہ غلط اور قرآن کے خلاف ہے ۔اس طرح کا عقیدہ نہیں رکھتا مگر وہابی دیوبندی ۔اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کہا ہے اور وہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے ، انہیں زندہ سمجھ کر ہی ان کے نام پر ایصال ثواب کی محفل منعقد کی جائے جو باعث اجر وثواب ہے اور ان امور میں جو شرعا جائز نہیں ان میں چندہ دینا اور کسی طرح ان کی مدد کرنا اور شرکت کرنا اور یہ کہنا کہ ہم نے بزرگوں کے نام پر چندہ دیا ہرگز ہرگز جائز نہیں ۔اس لیے کہ بزرگوں کے نام پر چندہ دینا وہیں جائز ہوگا جہاں شرعا جائز کام ہو رہا ہو ، ناجائز کام میں چندہ دینا چاہے کسی کام پر ہو ہرگز جائز نہیں ، جو لوگ تعزیہ داری سواری وغیرہ ناجائز کام میں ثواب سمجھ کر چندہ دیتے ہیں حرام اشد حرام کے مرتکب ہیں ، ان پر توبہ فرض ہے ۔

اب جو وہ یا ان کے پرکھے تعزیہ داری سواری وغیرہ برسوں سے کرتے آرہے ہیں ، اس کو جائز ہونے کی دلیل نہ بنائیں بلکہ ان امور سے علی الاعلان توبہ کریں اور آئندہ وہ کام کریں جس سے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ خوش ہوں اور ان کے کرنے والوں کو ثواب ملے ۔مثلاً ان کے نام سے مجلس منعقد کرنا ، کھچڑا ، شربت بنا کر ان کے نام سے ایصال ثواب کرنا ، تلاوت قرآن عظیم ، صدقہ وخیرات وغیرہ کرنا ۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) یہ سب خلاف شرع امور ہیں نہ ان کی باتوں پر عمل کریں اور نہ ایسی مجلسوں میں شرکت کریں

ایسے لوگوں پر سرکش جن اور شیطان سوار ہو کر لوگوں سے الٹی سیدھی باتیں بیان کرتے ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور
۳/ربیع الآخر ۱۴۳۱ھ۔۲۰/مارچ ۲۰۱۰ء

الجواب صحیح
ابوالقیس مصباحی قادری غفرلہ
دار العلوم امجدیہ ناگ پور
۲۱/مارج ۲۰۱۰ء

صح الجواب واللہ تعالی اعلم بالصواب
فقیر ناظر اشرف قادری غفرلہ القوی
دار العلوم اعلیٰ حضرت کلمنا ناگ پور۔۲۶

سبیل لگانا اور لنگر کھلانا جائز ہے

مسئلہ : ازعبد الستار تاج آباد شریف ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ محرم میں یا اور وقتوں میں لوگوں کو پانی پینے کے لیے سبیل لگانا یا امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر شربت پلانا جائز ہے یا ناجائز؟

لنگر لٹانا، لوگوں کو کھانا کھلانا یہ کہاں تک درست ہے جواب عنایت فرمائیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : محرم کے مہینے میں یا دیگر مہینوں میں سبیل لگانا جائز بلکہ باعث ثواب ہے، اس طرح کے سوال کے جواب میں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ فتاوی رضویہ نصف اول ج ۹، ۸۸ میں ارشاد فرماتے ہیں ''پانی یا شربت کی سبیل لگانا جب کہ بہ نیت محمود اور خالصا لوجہ اللہ ثواب رسانی ارواح طیبہ ائمہ اطہار مقصود ہو بلا شبہ بہتر و مستحب کار ثواب ہے''۔حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''اذا کثرت ذنوبک فأسق الماء علی الماء تتناثر کما یتناثر الورق من الشجر فی الریح العاصف.''

جب تیرے گناہ زیادہ ہو جائیں تو پانی پر پانی پلا گناہ جھڑ جائیں گے، جیسے سخت آندھی میں پیڑ کے پتے۔ واللہ اعلم

اسی طرح کھانا کھلانا، لنگر لٹانا بھی باعث ثواب ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ان اللہ عزوجل یباھی ملائکته بالذین یطعمون الطعام من عبیدہ."

اللہ تعالی اپنے بندوں سے جو لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے (کہ دیکھو یہ کیسا اچھا کام کر رہے ہیں) فتاوی رضویہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

۵/محرم الحرام ۱۴۲۸ھ۔ ۲۵/جنوری ۲۰۰۷ء بروز پنج شنبہ

ناپاک عورت امام جعفر صادق یا کسی اور بزرگ کی نیاز کا کھانا بنا اور کھا سکتی ہے یا نہیں؟

مسئلہ : از غلام مصطفیٰ انصاری کندن لعل پھوکٹ نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلے کے تعلق سے کہ

کیا کوئی خاتون ناپاکی کی حالت میں امام جعفر صادق کی نیاز یا اور بھی کسی اولیا کرام کی نیاز کا کھانا بنا اور کھا سکتی ہے؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : غسل کو واجب کرنے والی ناپاکی خواہ حیض ونفاس کی وجہ سے ہو یا اور کسی وجہ سے یہ ناپاکی صرف حکما ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس پر غسل کرنا فرض ہو گیا ہے، اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کے ہاتھ وغیرہ اعضائے بدن نجاست سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناپاک انسان کو قرآن مجید کے علاوہ دوسرے اوراد ووظائف، دعائیں، کلمہ شریف اور درود شریف پڑھنا اور چھونا بلا کراہت جائز ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"یجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الاذان ونحو ذلک کذا فی السراجیة ومس مافیه ذکر اللہ تعالیٰ سوی القرآن قد اطلقه عامة مشائخنا ھکذافی النھایة ."اہ ملخصا(ج ۱ ، ص ۳۸، ۳۹،الفصل الرابع فی احکام الحیض من الباب السادس من کتاب الطھارة)

حدیث پاک میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، کہ ہاتھ بڑھا کر مسجد سے مصلی اٹھا دینا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں حالت حیض میں ہوں، حضور نے فرمایا کہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف کیے ہوئے ہوتے اورام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرے میں ہوتیں، حضور اپنا سر مبارک مسجد کے باہر نکال دیتے اور حضرت عائشہ حضور کے بالوں میں کنگھا کرتیں اور یہ سب حالت حیض میں ہوتا۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

"عن عائشة قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ناولنی الخمرة من المسجد فقلت انی حائض فقال ان حیضتک لیست فی یدک."(مسلم ج ۱ ،ص ۱۴۳ ، باب جواز غسل الحائض راس زوجھا وترجیله من کتاب الحیض)

"عن عروة انه سئل اتخدمنی الحائض او تدنومنی المراة وھی جنب؟ فقال عروة کل ذلک علی ھین و کل ذلک تخدمنی ولیس علی احد فی ذلک باس اخبرتنی عائشة انھا کانت ترجل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وھی حائض ورسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم حینئذ مجاور فی المسجد یدنی لھا راسه وھی فی حجرتھا فترجله وھی حائض."(بخاری ج ۱ ،ص ۴۳، باب غسل الحائض راس زوجھا وترجیله من کتاب الحیض)

معلوم ہوا کہ یہ ناپا کی ہاتھ وغیرہ میں بھری نہیں ہوتی ،لہذا اس حالت میں عورتوں کو حضرت امام جعفر صادق یا دوسرے اولیاے کرام کے فاتحے کا کھانا پکانا جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ وضو کرلیں پھر پکائیں اور جب پکانا جائز ہے تو کھانا بھی جائز ہے کہ جب ان کو کلمہ شریف وغیرہ پڑھنے کی اجازت ورخصت ہے جس میں یقیناً اللہ ورسول کے نام ہوتے ہیں تو اس کھانے کو کھانا بلاشبہ جائز ہوگا اور اس حالت میں عورتوں کو منحوس اور سراپا نجاست سمجھنے والے خود غلطی پر ہیں ، ان کو اس طرح کے توہمات

وخرافات سے بچنا لازم وضروری ہے کہ یہ غیر مسلموں کے چونچلے اوران کی بے ہودہ رسمیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۵ر رجب ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بہت سارے مسائل ایسے ہیں جنہیں عوام میں بیان کرنا خلاف مصلحت ہے

مسئلہ : از محمد سہیل شانتی نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں کہ زید ایک ذمہ دار عالم ہے جو لوگوں کو دلہن کے پاؤں دھلانے کا مسئلہ بیان کرتا ہے۔ضرورت پڑنے پر فتاوی رضویہ، تحقیقات وغیرہ معتبر کتابوں کا حوالہ بھی پیش کرتا ہے،مگر عوام یہ کہہ کر کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث اوراجماع امت سے ثابت نہیں، نیز اس میں غیروں سے مشابہت ہے پھر عقل بھی اس کو تسلیم نہیں کرتی ،قبول نہیں کرتی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد کے ایک امام نے جب یہ مسئلہ بیان کیا تو عوام ان پر معترض ہوئی بالآخر اپنے قول سے رجوع کرنا پڑا، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہرلڑکی پارسا بھی نہیں ہوتی ، کہ اس کے پیر کا غسالہ باعث برکت بنے ،تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو مسئلہ متحقق ومسلم ہومگر اس کے بیان کرنے سے عوام میں انتشار پیدا ہوتا ہوتو اسے بیان کرنے سے احتراز کیا جائے گا یا نہیں؟ مسئلے کی مکمل وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : عوام کے مذکورہ اقوال بوجہ جہالت وحماقت ہیں اور ہر چیز کو عقل کے ترازو پر تولنا خود کو گمراہی کے دلدل میں دھسانا ہے۔امام وعالم مذکور نے جو مسئلہ بتایا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔فتاوی رضویہ ج ۱،ص ۴۵۵ پر ہے: ’’جب دلہن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پیر (پاؤں) دھوکر پانی مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوگی۔‘‘

اسی مسئلے کو امام محمد بن ابی بکر امام زادہ اور امام یعقوب بن سید علی نے کتاب ’’شرعۃ الاسلام‘‘ اور

اس کی شرح مفاتیح الجنان میں یوں لکھا ہے:

"من السنة ان يغسل الزوج رجيلها ويرش ذلك الماء فی زوايا البيت يدخل من ذلك الماء بركة."(۴۴۷،بحواله تحقيقات حصه دوم ص ۲۲)

سنت ہے کہ شوہر دلہن کے پاؤں کو دھوئے اور اس پانی کو گھر کے کونوں میں چھڑک دے کہ اس سے برکت آتی ہے۔

تاہم یہ مسئلہ نہ فرض ہے، نہ واجب لہذا اس طرح کے مسائل کو عوام کے درمیان بیان کرنے کی قطعا ضرورت نہیں، خصوصا جب ایسے مسائل سے عوام میں انتشار ہو تب تو عوام میں ان کو بیان کرنے سے احتراز لازم وضروری ہے کہ اس کی وجہ سے ناواقف ونادان لوگ ایک حق بات کا انکار کر کے گنہ گار اور گمراہی وبدبختی میں گرفتار ہوں گے۔ تعجب ہے کہ زید ایک ذمہ دار عالم ہے، اس کے باوجود اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ باتیں کرتا ہے، حالانکہ جب وہ عالم ہے، تو اسے خوب معلوم ہوگا کہ ایسے بہت سارے مسائل ہیں جنہیں عوام کے درمیان بیان کرنے یا ان کے سامنے کرنے سے مصلحتاً وجوبا یا لزوما روکا گیا ہے۔ اس کی بہت ساری مثالیں فقہ وفتاوی میں موجود ہیں۔ مثلا:

(۱) نماز میں قرأت فرض ہے اور قراء سبعہ یا عشرہ سے جو قرأتیں منقول ومروی ہیں، ان میں سے کسی بھی روایت کے مطابق قرأت کرے فرض ادا ہو جائے گا، مگر قاریوں میں سے جہاں جس کی قرأت رائج ومشہور ہو، وہاں امام کو اسی مشہور قرأت کے مطابق پڑھنا لازم ہے، کہ اس میں عوام کے دین کا تحفظ ہے۔

درمختار میں ہے:

"ويجوز برواية السبع لكن الاولى ان لا يقرأ بالغريبة عندالعوام صيانة لدينهم."

اس کے تحت شامی میں ہے:

"لان بعض السفهاء يقولون مالايعلمون فيقعون فی الاثم والشقاء ولا ينبغی للائمة ان يحملوا العوام على مافيه نقصان دينهم ولايقرأ عندهم مثل قرأة ابی جعفر وابن عامر وعلی بن حمزة الكسائی صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون او يضحكون وكان كل القرأة والرواية صحيحة فصيحة."(ج۲،ص۲۶۲باب صفة الصلوة من

کتاب الصلوۃ)

(۲) سنت پر عمل کرنا باعث اجر وثواب ہے، مگر جہاں لوگ سنت غیر موکدہ یا سنت موکدہ کے کسی خاص طریقے پر عمل کرتے ہوئے دیکھ کر ہنسیں تو وہاں پر اس سنت یا اس طریقہ خاص کو ترک کر دینا ہی مصلحت ہے۔فتاوی رضویہ میں ہے:''جو سنت موکدہ نہ ہو یا اس کا ایک طریقہ متعین نہ ہو اور بعض طرق عوام میں ایسے اوپری ہو گئے ہوں کہ اس کے بجالانے سے سنت پر ہنسیں گے تو وہاں اس غیر موکدہ اور موکدہ کے اس طریقہ خاص کا ترک ہی مصلحت ہوتا ہے۔کہ ایک استحباب کے لیے لوگوں کا دین کیوں فاسد ہو۔سنت پر ہنسنا معاذ اللہ کفر تک لے جاتا ہے اور مسلمانوں کو کفر سے بچانا فرض ہے۔نیز شملہ عمامہ میں فرمایا کہ جہاں جہاں اس پر ہنستے ہیں اور دم سے تشبیہ دیتے ہوں وہاں شملہ نہ چھوڑا جائے۔''اھ ملخصا (فتای رضوی نصف آخر ج۹،ص ۱۱۰)

مسئلہ دائرہ بھی مستحب اور بقول شرعۃ الاسلام سنت یعنی سنت غیر موکدہ ہے اور چوں کہ اسے بیان کرنے سے لوگوں کے دین میں فتنہ وفساد ہوتا ہے، لہذا اسے بیان کرنے سے بچنا ہی مصلحت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عوام کو اپنے اقوال مذکورہ بالا سے توبہ ورجوع اور امام کو اس طرح کے مسئلے بیان کرنے سے احتراز واجتناب لازم ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجد غفرلہ

کسی شخص کے کفر کی خبر کا اعتبار کب ہوگا؟

مسئلہ : از ماسٹر نواب یونس جعفر نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید اور ہندہ آپس میں ماں اور بیٹے ہیں اور دونوں کے دونوں کافر تھے، پھر دونوں نے اسلام قبول کرلیا، پھر زید نے اپنی شادی کر لی، پھر

ہندہ اور زید یعنی ماں اور بیٹے دونوں حج کر کے آ گئے ۔آنے کے بعد زید کی طبیعت خراب ہوگئی،تو زید نے اپنا مکان فروخت کرنا چاہا،لیکن وہ مکان فروخت نہ ہوسکا،اسی دوران زید کی طبیعت مزید خراب ہوگئی اور زید کا انتقال ہوگیا،پھر زید کی ماں نے گھر کا سامان فروخت کر دیا،اور کچھ دنوں بعد ہندہ اپنے دوسرے لڑکے کے پاس دوسری جگہ چلی گئی جو کہ کافر ہےاور زید کا باپ جو کہ کافر ہےاس کا کہنا ہے کہ زید کی ماں اپنے دوسرےلڑکے کے پاس جا کر ہندورسم ورواج میں ملوث ہوگئی ہے،اب زید کی ماں نے مکان بیچا ہے،تو اس رقم کی مالک زید کی ماں ہوگی یا زید کی بیوی؟اور اگر دونوں حقدار ہوں گےتو کتنے کتنے مال کے حقدار ہوں گے۔فقط بینوا وتوجروا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : کوئی ایسا دینی معاملہ جس کا تعلق اللہ اور بندے سے ہو مثلاً حلت اور حرمت وغیرہ اس کے متعلق خبر کے مقبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ خبر دینے والا مسلمان عاقل بالغ اور عادل ہو۔اور اگر وہ معاملہ ایسا ہے کہ اس میں دیانت کے ساتھ ساتھ کسی کی ملکیت بھی زائل ہورہی ہےتو اس کی خبر دینے والے کا صرف عادل ہونا کافی نہیں بلکہ عدد اور عدالت یعنی دو مسلمان عاقل بالغ اور عادل یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔ارشاد باری ہے:

"یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ.(پ ۲۶،س حجرات ۴۹،آیت ۶)

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو،پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

تنویرالابصار مع درمختار میں ہے:

"وشرط العدالة فی الدیانات هی التی بین العبد والرب کالخبر عن نجاسة الماء فیتیمم ولا یتوضأ ان اخبر بها مسلم عادل ویتحری فی خبر الفاسق."اھ ملخصا

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:

"احتراز عما اذا تضمنت زوال ملک کمااذا اخبرعدل ان الزوجین ارتضعا من امراة واحدة لا تثبت الحرمة لانه یتضمن زوال ملک المتعة فیشترط العدد والعدالة

جمیعا." (ج۹، ص۴۹۸، ۴۹۹، کتاب الحظر و الاباحة)

اورصورت مسئولہ میں یہ ظاہر ہے کہ زید کی ماں مسلمان تھی ،اس بنیاد پر وہ زید کے ترکے کی وارث ہوئی، پھرزید کی ماں کا اسلام سے پھرنا اس کا زید کے ترکے سے محروم ہونا ہے اوراس کی خبر زید کا غیر مسلم باپ دے رہا ہے جس کی خبر یا گواہی کا یہاں شرعا کوئی اعتبار نہیں ،اس لیے زید کے باپ کے قول سے زید کی ماں کا مرتدہ ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

ارشاد باری ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰی."(پ۳،س بقرہ۲،آیت ۲۸۲)

اور دو گواہ کرلو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلا دے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"لاتقبل شهادة الكافر على المسلم كذا في المحيط السرخسي(ج۳،ص۵۱۷،الباب العاشر فی شهادة اهل الكفر من كتاب الشهادة)

لہذا جب تک مذکورہ شرطوں کے ساتھ زید کی ماں کے اسلام سے پھرنے کی تحقیق نہ ہو جائے اس وقت تک اسے مسلمان ہی مانا جائے گا اور وہ زید کی بیوی کے ساتھ زید کے ترکہ میں شریک ہوگی۔اب اگر زید کا اس کی ماں اور بیوی کے علاوہ کوئی اور وارث نہیں تو اس نے جو جائداد منقولہ یا غیر منقولہ چھوڑی ہے، وہ جائداد بعد تقدیم ما تقدم علی الارث یعنی اس کی تجہیز وتکفین اور اگر اس پر قرض ہے یا تہائی مال تک کی وصیت کی ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد چار حصوں میں تقسیم ہوگی ،جس میں سے تین حصے اس کی ماں کو ملیں گے اور ایک حصہ اس کی بیوی کو ملے گا۔مسئلہ اس طرح سے ہوگا:

زید میت مسئلہ ردالی۴

ماں	بیوی
۳	۱

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”للام ثلث جمیع المال وللزوجة الربع عند عدمهما.“ اھ ملخصا(ج٦،ص ٤٤٩، ٤٥٠ الباب الثانی فی ذوی الفرائض من کتاب النکاح) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۷/ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

تصویر کشی سے متعلق ایک استفتا بشکل فتوی اوراس کا جواب

مسئلہ : ازمحمد رفیق احمد مارفانی چندر پور مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

تصویر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ فتاوی برکاتیہ ص ۴۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں ”اور دوبارہ حج وعمرہ کی ادائیگی اور زیارت بغداد شریف ضرورت شرعیہ مالا بدمنہ بھی نہیں اس لیے ان کاموں کے لیے فوٹو کھنچوانا جائز نہیں۔“ بعض لوگ ایک مرتبہ کھنچوا کر نیگیٹیو محفوظ کر لیتے ہیں اوراس کے بعد فرماتے ہیں کہ ”نیگیٹیو سے بھی کاپیاں تیار کرا کے درخواست فارم پر چسپاں کرنا جائز نہیں، اسی طرح صفحہ ۴۳۰ پر ہے” جائز کاموں کے لیے حرام کا ارتکاب حرام ہی رہے گا۔“ بہت سے علما ومشائخ نفلی حج وعمرہ اور تبلیغی دوروں پر بیرون ملک کا سفر کرتے ہیں اور ہرسال حج یا عمرہ کے لیے جاتے ہیں، کچھ علما ومشائخ مسلسل یورپ وامریکہ وافریقہ کے سفر ہی میں رہ رہے ہیں لہذا مذکورہ دلیلوں کی روشنی میں وہ علما ومشائخ جو نفلی حج وعمرہ اور بیرون ممالک کا سفر کرتے ہیں، مرتکب حرام قرار پائیں گے؟ پھر اگر مرتکب حرام قرار پائیں گے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا ان سے بیعت ہونا، ان سے خلافت لینا، ان کو اپنے دینی معاملات میں رہنما بنانا درست ہوگا؟

دوسال قبل بہار میں ایک مناظرہ ہوا تھا، جس میں علمائے اہل سنت کی طرف سے محدث کبیر کی صدارت تھی اور مناظر مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب تھے، اس مناظرے کی مکمل ویڈیوگرافی کی گئی تھی اور

اس کے عدم جواز کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا، اسی طرح ۱۰/۱۱/۱۲ فروری ۲۰۰۸ء کو اٹارسی میں ایک مناظرہ ہوا، جس کی مکمل ویڈیوگرافی ہوئی، اسی طرح گزشتہ سال مفتی اعظم راجستھان مفتی اشفاق حسین نعیمی صاحب کا جشن منایا گیا اور اس پروگرام کی بھی مکمل ویڈیوگرافی ہوئی۔ بہار والے مناظرے کی ویڈیو سی ڈی پورے ملک میں پھیلائی گئی اور ممبئی کی جانب سے کئی روز تک اخبار میں اس کے فروخت ہونے کا اعلان ہوتا رہا، مالیگاؤں وغیرہ میں بھی یہ وی سی ڈی بیچی گئی۔ اٹارسی والے مناظرے کی بھی سی ڈی علی الاعلان انجمن غوثیہ رضویہ بھالدار پورہ ناگ پور اور دیگر اداروں کی جانب سے فروخت کی جارہی ہے اور اس وی سی ڈی کے ساتھ عدم جواز کا بہت ہی سخت حکم بھی تحریر ہے۔ اس مناظرے کے عظیم رکن فخرالدین صاحب اپنے جلسوں میں اس وی سی ڈی کے دیکھنے کی عوام کو ترغیب دلاتے ہیں تو ایک ناجائز چیز جو بازار میں آئی اس کا اعلان کرنا اسے فروخت کرنا، اس کی ترغیب دلانا کیسا ہے؟ اگر یہ درست نہیں تو اعلان کرنے والوں، فروخت کرنے والوں پر کیا حکم ہوگا؟ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا، ان سے بیعت ہونا، ان کو خلافت دینا اور ان سے خلافت لینا، ان کو دینی معاملات میں رہنما بنانے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر یہ درست ہے تو پھر ایک حرام کی اشاعت کا کیا حکم ہوگا؟ جواب باصواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سوال میں آپ نے جن حضرات کا نام تحریر کیا ہے، انہیں سے آپ رجوع کریں وہ آپ کو بہتر جواب دیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

جو کسی کام کا مرتکب ہے وہی اپنے عذر کو بہتر اور صحیح طریقے سے بیان کرسکتا ہے، لہذا انہیں کی طرف رجوع فرمائیں۔ فاضل مجیب کا جواب درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

کباڑی کا دھندا کرنا کیسا ہے؟ ایسے تاجروں کے یہاں امام دعوت کھانے جائے یا نہ جائے؟ رشوت کا کاروبار کرنے والوں کی گیارہویں وغیرہ کی دعوت میں جانا کیسا ہے؟

مسئلہ : ازمحمد کامل رضوی، غلام مصطفیٰ رضوی ونی ضلع ایوت محل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) کباڑی کا دھندا کرنا جس میں چوری کا مال وغیرہ بھی خریدنا و بیچنا پڑتا ہے، شراب کی خالی بوتل بھی خریدی و بیچی جاتی ہے، ایسی تجارت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور کیا ایسا تاجر کسی دینی مدرسے ومسجد کے کسی عہدے پر فائز رہ سکتا ہے؟

(۲) اور ایسے تاجروں کے یہاں ایک عالم دین کا جو مسجد کے امام ہیں ہر وقت آنا جانا، کھانا کھانا، ایسی تجارت کے حق میں دعائے خیر وفاتحہ وغیرہ کرنا کیا جائز ہے؟

(۳) جو مسلمان رشوت کا کام کرتے ہیں اور خود بھی رشوت کھاتے ہیں ایسے شخص کے یہاں نیاز فاتحہ گیارہویں وغیرہ کا کھانا علما وعوام کو جائز ہے یا نہیں؟

برائے کرم سارے مسائل کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱،۲) مذکورہ تجارت جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، یہی اصل حکم ہے۔ کیوں کہ گناہ شراب بنانے، پینے، پلانے اور اس کی خرید وفروخت میں ہے، اس بوتل کے خریدنے یا بیچنے میں نہیں جیسے کہ کوئی شخص اپنا گھر کسی غیر مسلم کو رہنے کے لیے کرایہ پر دے اور وہ اس میں بتوں کی پوجا وغیرہ کرے تو اس کرایہ سے جو رقم حاصل ہوگی، وہ اس مسلم کے لیے حلال ہوگی کہ معصیت اور گناہ اس غیر مسلم کا اپنا فعل ہے، اس کا اثر اس کرایہ کی رقم پر نہیں اور نہ ہی اس مسلم پر اس کا کوئی الزام یا گناہ۔

فتاوی بزازیہ علی ہامش ہندیہ میں ہے:

"استاجر الذمی دارامن مسلم لیسکنھا لاباس به وان شرب فیه الخمر او عبدالصلیب لا یاثم المسلم به کما لوآجر بیته من فاسق."(ھندیه

ج۵،ص۱۲۶،الفصل العاشر فی الحظر والاباحة من کتاب الاجارات)

چوری کے مال میں یہ تفصیل ہے کہ اگر خریدنے والے کو یقین کے ساتھ یہ معلوم ہے کہ یہ مال چوری کا ہے تو اسے خریدنا جائز نہیں اور معلوم نہیں کہ یہ چوری کا ہے یا نہیں تو اس کے خریدنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ بازار میں چوری یا غصب کے ہوے مال کے بکنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا ہے کہ جو چیز خریدی ہے، وہ بذریعہ حرام ہی آئی ہے، اس لیے اس کے حرام ہونے کا حکم نہیں ہوگا، ورنہ انسان حرج عظیم میں مبتلا ہو جائے گا، کیوں کہ آج کے زمانہ میں فتنہ وفساد کا غلبہ اتنا زیادہ ہے کہ جہاں بھی وہ کوئی سامان خریدے گا وہاں یہ گمان ضرور اس کے ساتھ ہوگا اور چونکہ اصل اشیا میں اباحت ہے لہذا جب تک کسی چیز کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ چوری یا غصب کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے، اس کو بیچنا اور خریدنا بلاشبہ جائز ہے اور ایسی تجارت کرنے والے کو مسجد یا مدرسہ کے کسی عہدے پر فائز رکھنا درست ہے۔ نیز امام کا اس کے یہاں کھانا اور اس کی تجارت کے حق میں دعا کرنا بھی جائز ہے۔ ہاں اگر یہ یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص حرام وحلال ہر طرح کے سامان خریدتا ہے یا اس کے یہاں حلال وحرام ہر طرح کی چیزیں بیچی جاتی ہیں، تو امام کو اس کے یہاں کھانے وغیرہ سے بچنا اولی اور بہتر ہے۔

"به ناخذ مالم یعرف شیئا حراما بعینه وهو قول ابی حنیفة."(عالم گیری ج۵،ص۳۴۲)

فتاوی عالم گیری میں جواہر الفتاوی اور قنیہ سے ہے:

"طلب الحلال من هذه البلاد صعب وقد قال بعض مشائخه علیک بترک الحرام المحض فی هذاالزمان فانک لاتجد شیئا لا شبهة فیه کذافی جواهرا لفتاوی. غلب علی ظنه ان اکثر بیعات اهل السوق لاتخلو عن الفساد فان کان الغالب هو الحرام یتنزه عن شرائه ولکن مع هذا لو اشتراه یطیب له المشتری. کذا فی القنیة."اه ملخصا(ج۵،ص۳۶۴،الباب الخامس والعشرون فی البیع من کتاب الکراهیة)

قنیہ والی عبارت کے تحت علامہ سید احمد بن محمد الحموی شرح الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

"ووجهه ان کون الغالب فی السوق الحرام لا یستلزم کون المشتری حراما لجواز کونه من الحلال المغلوب والاصل الحل."(حموی علی هامش الاشباه ج۱،ص۱۴۹،القاعدة الثانیة اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام من الفن الاول)والله تعالیٰ اعلم

(۳) اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر اس شخص کی آمدنی کا ذریعہ حرام وحلال دونوں ہیں تو فتوی یہ ہے کہ اس کے یہاں کھانا جائز ہے، جب تک بعینہ اس کھانے کے بارے میں حرام ہونے کا یقین نہ ہو اور تقوی یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔ کما تقدم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۹/ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ہندوؤں کے مندر میں بکرا وغیرہ ذبح کرنا کیسا ہے؟

مسئلہ : از سکندر آرنائب صدر حنفیہ مسجد برہمپوری

خدمت عالیہ میں ضروری عرض اینکہ برہمپوری شہر میں یہاں کی ایک جماعت ایک مسئلہ میں الجھی ہوئی ہے، جس کا ہم تحریری جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے برہمپوری شہر سے پندرہ کیلومیٹر دور تہاڑ قصبہ میں ہندوؤں کا ایک مندر (دیواستھان) ہے جسے واگھو یہ نام سے جانا جاتا ہے، یہاں سبھی طرف سے ہندو لوگ آکر منت مانتے ہیں، جس کی بھی منت پوری ہوتی ہے وہ لوگ آکر یہاں اس مندر میں جسے وہ اپنا بھگوان مانتے ہیں اس کے آگے بکرا، مرغی کی بلی (بلیدان) چڑھاتے ہیں۔ ہندو میں یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مردار طریقے سے کاٹا ہوا جانور نہیں کھاتے ہیں، وہ لوگ کسی مسلمان کے ہاتھوں ذبح کیا ہوا گوشت ہی کھاتے ہیں۔ ابھی ابھی جماعت کو یہ پتہ چلا ہے کہ پچھلے کچھ مہینے سے ہماری مسجد کے موذن ایسے لوگوں کے لیے بکرا ذبح کرنے وہاں جاتے ہیں اور موذن صاحب کا کہنا ہے کہ میں مندر کی چہار دیواری کے باہر سامنے روڈ پر ذبح کر کے دیتا ہوں اور بسم اللہ بھی پڑھتا ہوں اور اللہ کی تعظیم کی نیت کرتا ہوں۔ لہذا آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ ایسی صورت میں موذن پر حکم شرع کیا نافذ ہوتا ہے۔ مکمل طریقے سے جواب عنایت فرما کر یہاں کے لوگوں میں پھیلے ہوئے انتشار کو ختم فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر وہ موذن ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اور اس کے

ذبح سے تعظیم الٰہی کی نیت کرتا ہے تو وہ جانور حلال ہے، مگر مسلمانوں کا اس کا کھانا مکروہ ہے اور موذن کو اس فعل سے بچنا ضروری ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے لوگ اس کے تعلق سے بدظن ہوں گے اور پھر وہ طرح کے فتنے میں مبتلا ہوں گے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔ ارشاد باری ہے:

"اَلْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ." (پ ۲، س بقرہ ۲ آیت ۱۹۱)

فتاوی عالم گیری میں تتارخانیہ اور جامع الفتاوی سے ہے:

"مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم تو کل لانہ سمی اللہ تعالیٰ ویکرہ للمسلم." اھ ملخصا (ج۵، ص ۲۸۶، الباب الاول من کتاب الذبائح) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۱ / جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

دیوالی کے موقع پر پٹاخے بیچنا جائز ہے یا ناجائز؟

مسئلہ : ازسید نثار احمد آکولہ برار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندوستان میں رہتا ہے اور دیوالی کے تہوار میں پٹاخے فروخت کرتا ہے اب زید کا پٹاخے فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : پٹاخے بذات خود ناجائز وحرام نہیں ہیں، بلکہ ان کو لہو ولعب (کھیل کود) یا اسراف کے طور پر استعمال کرنا ناجائز وحرام ہے، لہذا پٹاخے بیچنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، چاہے کسی بھی موقع پر ہو البتہ لہو ولعب واسراف میں مدد کے طور پر بیچنا ناجائز وحرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

خادم رضا دار الیتامی ناگ پور

۱۸ / نومبر ۲۰۰۶ء بروز شنبہ

غیرمسلم نقاش سے سنگ مرمر وغیرہ پرقرآنی آیتیں لکھوانا جائز نہیں۔

مسئلہ : ازنوجوانان اہل سنت بنگالی پنجہ ناگ پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ غیرمسلم نقاش سے سنگ مرمر پر قرآنی آیتیں لکھوانا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : علمانے اس طرح کی کتابت قرآن چاہے دیوار پر ہویا سنگ مرمر پر منع فرمایا ہے کہ اس میں بہت سے مفاسد کا احتمال ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ شریف میں ارشادفرماتے ہیں:''دیواروں پر کتابت سے علما نے منع فرمایاہے۔'' آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ''اس میں مصلحت کچھ بھی نہیں،لہذااجتناب ہی چاہیے۔''

رہاغیرمسلم نقاش سے کتابت قرآن کراناتواس سے بدرجہ اولی اجتناب چاہیے کہ جب وہ لکھے گاتو قرآن کی آیتیں چھوئے گابےادبی کرے گاجب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کاارشادہے:"**لایمسہ الاالمطھرون.**" کہ نہ چھوئے اس کومگر پاکی کی حالت میں اور غیر مسلم ناپاک ہوتے ہیں،وہ اسلامی طریقے سے غسل نہیں کرتے، قرآن نے ان کونجس کہاہے لہذاغیرمسلم نقاش سے قرآن کی آیتیں لکھوانانہیں چاہیے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامی ٹیکہ ناگ پور

۲۳؍رجب المرجب۱۴۳۲ھ بروزشنبہ

سفلی عمل اور جادوٹونا کرنا کیسا ہے؟محض وہم کی بناپرکسی کے بارے میں یہ کہنا کیسا ہے کہ فلاں نےتم پرسفلی عمل یاجادوکردیاہے؟

مسئلہ : ازشیخ اسرائیل ڈرائیورحبیب نگرٹیکہ ناگ پورمہاراشٹر

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں شریعت کی روشنی میں کہ آج کل زمانے میں ایک چیز

بہت عام ہوگئی ہے کہ کسی سے دشمنی نکالنے کے لیے لوگ ''سفلی عمل''، غیر عملی جادوٹونا وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت میں ہے کہ بدلے کا بدلہ۔ اور کہتے ہیں کہ اس نے مجھ پر سفلی عمل کیا تو میں بھی اس پر یہ عمل کروں گا اور طرح طرح کے غیر عملی طریقے استعمال کرتے ہیں۔ تو شریعت میں اس چیز کا کیا حکم ہے مومنوں کے لیے؟ اور اس پر بھی کیا حکم ہے جو یہ کرتا ہے اور کرواتا ہے؟ ان ساری چیزوں کا شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سفلی عمل اور جادوٹونے کے اعمال واشغال کرنا حرام وگناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے، لہذا مسلمانوں کو ان اعمال سے بچنا لازم وضروری ہے۔

فتاوی رضویہ مترجم میں ہے:

''اس کی تسخیر جو سفلیات سے ہو وہ تو حرام قطعی بلکہ اکثر صور میں کفر ہے۔'' (ج۲۱، ص۲۱۷، مطبوعہ مرکز اہل سنت پور بندر گجرات)

محض وہم وخیال کی بنا پر کسی کے بارے میں کہنا کہ اس نے فلاں پر سفلی عمل یا جادو کر دیا ہے، یہ سب ڈھونگی باباؤں کے چونچلے ان کی خرافات اور جاہل بے وقوف لوگوں سے روپے پیسے حاصل کرنے کے لیے ان کی ناروا ابلیسی قبیح وشنیع حرکتیں ہیں جن کی شریعت طاہرہ میں کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے بلاوجہ شرعی کسی کے بارے میں اس طرح کی بدگمانی کرنا جائز نہیں۔

ارشاد باری ہے:

''یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِیْراً مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ.'' (حجرات ۴۹، ۱۲)

اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۱/۵/۱۴۳۷ھ۔ ۲۱/۲/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

وہابیوں اور مودودیوں کی طرف سے ملنے والی امداد کو لینا کیسا ہے؟ ایک عالم نے کہا کہ لے سکتے ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسئلہ : ازمحمد نعیم الدین خان مقام ہلبل ڈولی ضلع بانکے نیپال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے علاقے میں تقریباً اکثریت غریب لوگوں کی ہے اس لیے کچھ وہابی اور مودودی اپنے پیسوں سے ان کا ایمان برباد کرنے کی کوشش کررہے ہیں، جس کی صورت انہوں نے یہ نکالی ہے کہ یہاں کے عوام میں کوئی سامان مثلاً قربانی کے موقع پر جانور وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، اس سال بھی انہوں نے کچھ لوگوں کے گھر جا کر نل لگوائے قربانی کے جانور تقسیم کیے۔ ایسی صورت حال میں علمائے کرام نے ان کے بانٹے ہوئے سامانوں کا بائیکاٹ کیا اور سنی مسلمانوں کو ان کا سامان لینے سے منع کیا اور جو لوگ لے چکے تھے ان سے واپس کرایا۔ مگر کچھ دنیادار نام علم رکھنے والے لوگوں نے کہا کہ وہابی، مودودی کا سامان وہ لے سکتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ سنیوں کو وہابیوں اور مودودیوں کا مذکورہ سامان لینا کیسا ہے؟ اور جو یہ کہے کہ ان کا سامان لے سکتے ہیں اس کے لیے کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : وہابیوں کا حال تو اس سے پہلے کے فتوی سے معلوم ہو چکا۔ مودودی بھی اسی فرقہ ضالہ اور اسی گم راہ جماعت کی ایک ماڈرن شاخ ہے۔ ان لوگوں کے عقائد بھی وہی ہیں جو وہابیوں دیوبندیوں کے ہیں۔ اس جماعت کی بنیاد آنجہانی جناب ابوالاعلیٰ مودودی نے رکھی اور ان لوگوں نے دعوی یہ کیا کہ ہم دین کا کام کریں گے، مگر جو خود دین پر قائم نہ ہو وہ دین کے کام کا دعوی کرے تو اس کی حیثیت صرف اور صرف اس پاگل جیسی ہے جو کسی ہاتھی کے اوپر الٹا سر کے بل کھڑا ہو اور شور مچا کر یہ دعوی کررہا ہو کہ میں ہاتھی کو اپنے سر پر اٹھائے ہوئے ہوں۔ یہی دین کا دعوی کرنے والے مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''پردہ'' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی میں صفحہ ۷۱ پر۔ معاذ اللہ۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''اَن پڑھ اور چرواہا'' لکھا ہے، جو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ اور حضور کی توہین

کرنے والا شخص مسلمان ہے ہی نہیں تو وہ دین کا کام کیا کرے گا۔
اس علاقے کے اکثر لوگ غریب ہیں، تو غریب ہونا کوئی عیب اور جرم نہیں۔ البتہ جہالت بہت بڑا عیب ہے۔ اور حلال وحرام میں تمیز کیے بغیر مفت میں مال حاصل کر کے مال دار ہو جانے کی لالچ اس سے بھی بڑا عیب اور جرم ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ آج سے پچیس، تیس سال پہلے وہاں کے لوگوں کی مالی حالت آج کی بہ نسبت اور زیادہ خراب تھی، مگر پھر بھی ان کی دینی وایمانی حالت کچھ حد تک اچھی تھی۔ اور آج تو الحمد للہ کوئی ایسا گھر نہیں جسے دو وقت کا کھانا اور تن کا کپڑا نہ ملتا ہو، مگر پھر بھی دنیاوی آرام اور دولت کی لالچ میں وہ اپنا دین خراب کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ انہیں اپنے بزرگوں کی تاریخ یاد کرنی چاہیے۔
بخاری شریف ج ۱، ص ۱۷۰ پر دل کو دہلا دینے والی اور آنکھوں میں آنسو بھر دینے والی یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہوا تو ان کے لیے پورے کفن کا کپڑا بھی نہیں ملا۔ بس ایک چھوٹی سے چادر تھی جس سے ان کا چہرہ چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں چھپایا جاتا تو چہرہ کھل جاتا، تو حضور نے چہرہ چھپانے کا حکم دیا اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال کر دفن کر دیا گیا۔ یوں ہی اسی بخاری ج ۲، ص ۶۳۴، ۶۳۵ پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ دل دوز واقعہ موجود ہے اور اس کا ذکر قرآن مجید سورہ توبہ آیت نمبر ۱۱۸ میں بھی ہے۔ جس کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی جاسکتی۔ مختصرا یہ ہے کہ جنگ تبوک میں حضرت کعب بن مالک شریک نہ ہوسکے، جس کی وجہ سے حضور کی طرف سے آپ کا بائیکاٹ کر دیا گیا اور یہ بائیکاٹ پچاس دن تک رہا۔ اسی درمیان ان کو بادشاہ غسان دشمن اسلام کی طرف سے یہ خط ملا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے نبی نے تمہارا بائیکاٹ کر دیا ہے اس لیے تم ہمارے ساتھ آجاؤ ہم تمہیں ہر طرح کا آرام دیں گے، یہ دیکھ کر حضرت کعب بن مالک رو پڑے اور اس خط کو جلا دیا اور کافر بادشاہ کی لالچ بھری دعوت کو ٹھوکر مار دی اور۔ نبی کی غلامی ___ جو کہ سب سے بڑی دولت وثروت ہے ___ سے کبھی منہ پھیرنا بھی گوارا نہ کیا۔ تو یہ ہمارے بزرگ تھے جو غربت میں بھی نبی کی غلامی پر فخر کرتے رہے۔ کافر ومشرک بادشاہوں کی دعوت اور ان کی طرف سے دی گئی دولت وآسائش کی لالچ کو چھوڑ کر حضور کی خدمت کو دین ودنیا کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھتے رہے اور پوری زندگی اسی پر قائم رہے۔
مگر آج کے مسلمان۔ معاذ اللہ۔ اتنے ذلیل وخوار اور گرے ہوئے ہو گئے کہ اللہ ورسول کی شان میں گستاخی کرنے والے لوگوں سے ایک نل ایک جانور لے کر ان کے ناپاک ہاتھوں میں بکنے کے لیے

بے قرار ہیں۔ اللہ انہیں ہدایت دے۔

سنیوں کو ہوشیار اور خبر دار رہنا چاہیے کہ وہابی، دیوبندی، مودودی یہ سب ایمان کے لٹیرے ہیں۔ بڑی مکاری سے وہ سنیوں کو دولت کی لالچ دے کر ان کا ایمان لوٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کا اور ان کی طرف سے دیے گئے سامانوں کا بائیکاٹ کرنا ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انا لانستعين بمشرك."(سنن ابن ماجه ص ٢٠٣ ،باب الاستغاثة بالمشركين)

یعنی ہم کسی کافر ومشرک سے مدد نہیں لیتے۔

لہذا سنیوں کے لیے یہ فرمان نمونہ عمل ہے وہ اسی پر عمل کریں اور وہابیوں، دیوبندیوں اور مودودیوں کی طرف سے دی ہوئی کسی طرح کی کوئی ایسی مدد قبول نہ کریں جس سے ان کے ایمان وعمل کو خطرہ ہو۔ جس نام کا علم رکھنے والے مولانا نے سوال میں مذکور بات کہی ہے وہ واقعی نادان یا دنیادار معلوم ہوتا ہے اس کو اپنے قول سے رجوع کرنا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۷/ربیع الاول ۱۴۳۸ھ۔ ۷/۱۲/۲۰۱۶ء

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحيح

محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

جو پیر وہابیوں کے پیچھے نماز پڑھے اس کی بیعت وخلافت اور اس سے فیض ملنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مسئله : از محمد الیاس اسحاقی ڈاکٹر اسحاق بلڈنگ شاہجہاں روڈ، مومن پورہ تاجنا پیٹھ آکولہ مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کا انتقال ہوا، وہ خلافت یافتہ تھے، ان کے کئی خلیفہ ومریدین ہیں۔ زید کے پیر بدعقیدہ لوگوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے، وہ سلسلہ قادریہ چشتیہ سے تھے، پیر کے وصال کے بعد زید نے بدعقیدہ

یعنی وہابی دیوبندی اماموں کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی، ان کے اپنے محلّہ کی مسجد میں بھی اور بازار میں ان کے دوکان کے پاس کی مسجد میں بھی اور ان کے ساتھ کچھ پیر بھائیوں نے بھی انہیں بدعقیدہ اماموں کے پیچھے نماز پڑھی۔ زید کے بعد وصال نماز جنازہ بھی ایک بدعقیدہ امام نے پڑھائی، ان کے کچھ پیر بھائی اور ان کے خلفا اور ان کے صاحبزادگان نے بھی اسی بدعقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھی۔

(۱) کیا پیر کا بدعقیدہ اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا درست تھا؟

(۲) کیا اس صورت میں ان کی دی ہوئی خلافت اور مریدی باقی رہے گی؟

(۳) کیا ان سے فیض جاری ہے؟

(۴) ان مریدین وخلفا کو اب ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱،۴) وہابی دیوبندی اپنے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس وغیرہ کی بنا پر کافر مرتد ہیں، بلکہ ان کا کفر اس طرح کھلا ہوا ہے کہ علمائے حرمین شریفین نے ان کے کفر میں شک کرنے والوں کے بارے میں یہ حکم نافذ فرمادیا کہ:

”من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر.“

یعنی جو شخص ان کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

صورت مسئولہ میں جیسا کہ سائل بیان کر رہا ہے، اگر وہ اپنے بیان میں سچا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ زید اور اس کے ساتھیوں نے اگر وہابیوں، دیوبندیوں کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود مسلمان سمجھ کر ان کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ کافر مرتد ہو گئے۔ اس صورت میں زید کی دی ہوئی خلافت اور اس کی بیعت باطل ہے، کیوں کہ اس کے کفر کی وجہ سے اس کا سلسلہ اوپر سے منقطع ہو چکا ہے، اس لیے کہ کفر کی وجہ سے جب نسبی سلسلہ اور ولایت ختم ہو جاتی ہے تو روحانی سلسلہ اور ولایت کا ختم ہونا تو اور ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بیٹے کو طوفان سے بچانے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہارے اہل وعیال میں سے نہیں ہے۔ کیوں کہ کفر کرنے کی وجہ سے اس کا سلسلہ تم سے منقطع ہو چکا ہے۔

ارشادِ باری ہے:

"وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ فَقَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ." (پ ۱۲، س ھود ۱۱، آیت ۴۵، ۴۶)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی اے میرے رب میرا بیٹا تو بھی میرا گھر والا ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے۔ فرمایا، اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے، بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں، تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں۔

تفسیر بیضاوی میں ہے:

"قال ینوح انه لیس من اهلک لقطع الولایة بین المومن والکافر واشار الیه بقوله انه عمل غیر صالح فانه تعلیل لنفی کونه من اهله." (ج۳، ص ۱۳۶، س ھود ۱۱ آیت ۴۶ مطبوعه داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان)

لہذا اب کوئی مسلمان اس کا خلیفہ یا مرید ہرگز نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ خلافت اور بیعت کے صحیح ہونے کے لیے جو شرطیں ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کا سلسلہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو، تا کہ اوپر سے فیض جاری رہے۔ نیز پیر اپنے مرید کے لیے ولی کی حیثیت رکھتا ہے اور کافر و مسلم کے درمیان ولایت نہیں ہوسکتی اور زید جب مرتد ہونے کی وجہ سے ولی ہونے کا اہل نہیں رہا، تو اب وہ کسی کا پیر ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ارشاد باری ہے:

"وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا." (پ۵، س نساء ۴، آیت ۱۴۱)

اور اللہ کافروں کو مسلمان پر کوئی راہ نہیں دے گا۔

اب جب کہ زید مرتد ہو چکا ہے، تو یہ جانتے ہوئے کہ جنازہ وہابی دیوبندی کا ہے اور وہ عقیدے کے لحاظ سے دیوبندی تھا، اس کی نماز جنازہ پڑھنا مذہب صحیح پر کفر ہے اور پڑھنے پڑھانے والے کافر ہیں، لہذا جو لوگ مذکورہ امور سے واقف ہونے کے باوجود اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے وہ کافر مرتد ہو گئے ان پر توبہ تجدید ایمان تجدید نکاح اور تجدید بیعت لازم ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ اَبَداً وَّلَاتَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ." (پ ۱۰، س توبہ ۹، آیت ۸۴)

اوران میں سے کسی کی میت پرنماز مت پڑھنااور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا بے شک وہ اللہ ورسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گیے۔

ردالمحتار میں ہے:

"قدعلمت ان الصحيح خلافه فالدعاء به كفر لعدم جوازه عقلا ولاشرعا ولتكذيبه النصوص القطعية." (ج ۲، ص ۲۳۷، باب صفة الصلوة من كتاب الصلوة)

زید کے خلفا اور مریدین اگر زید کی حالت وکیفیت سے بخوبی واقف تھے، کہ وہ وہابی دیوبندی ہوگیا ہے اور وہ ان کے کفری عقائد بھی رکھے ہوئے تو ان پر لازم ہے کہ وہ ایسے شیطان پیر سے برأت ظاہر کریں، توبہ واستغفار کریں، تجدید ایمان وتجدید نکاح وتجدید بیعت کریں اور جولوگ زید سے اپنا رابطہ ختم نہ کریں ان سے قطع تعلق کریں۔

ارشاد باری ہے:

"وَلَاتَرْكَنُوْااِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ." (پ ۱۲، س هود ۱۱، آیت ۱۱۳)

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲ر جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

باپ کے ساتھ ناروا سلوک کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از ٹیکہ نئی بستی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ خلیل الرحمٰن ولد محمد سعید۔ ان کی پانچ اولاد اور ایک بہو ہے، جس میں تین بیٹی دو بیٹا ہے۔ ایک بیٹا دو بیٹیاں مانتی ہیں کہ باپ شریعت سے

ہوتا ہے، لیکن باقی بچوں کا کہنا ہے کہ باپ جب تک جوان بچوں کو کھلاتا پلاتا دوا پانی کرے جب وہ باپ رہتا ہے اگر باپ بڑھاپے میں بیمار ہوجاتا ہے تو باپ کا رشتہ ختم ہوجاتا ہے اور اس کو دوا سے محروم کرو اس باپ کو مارو اور ستاستا کر مارنے میں مزہ آتا ہے۔تو کیا ایسی اولاد کو باپ کے مرنے کے بعد باپ کا چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے۔یا باپ کی میت کو کاندھا دینے کا حق ہے جب کہ باپ پانچ سال سے بیمار ہے آج موت کی گھڑیاں گن رہا ہے، نہ تو دوا دلاتے ہیں نہ ہی پانچ سال سے باپ کا حال چال لیتے ہیں جب کہ ایک مکان ایک ہی کمرہ میں ساتھ رہتے ہیں اور ابھی تک باپ پر ظلم کر رہے ہیں، باپ کو دواخانہ نہیں لے گئے اور ڈاکٹر کو لاکر دکھائے نہیں گیارہ مہینے سے ایک کمرے میں قید بھی کر دیے ہیں تا کہ دواخانہ جانے سے محروم رہ جائے۔ان کا کہنا ہے کہ ایسی بیماری میں باپ کے ساتھ ظلم کرو اور مارنے میں مزہ آتا ہے، تو کیا اس مسئلے میں شریعت کا کیا حکم ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد باپ کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں یا میت کو کاندھا دے سکتے ہیں ایسی اولاد کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔شرع سے مطلع فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : شریعت کا حکم ہر شخص کے لیے ایک طرح ہے خواہ وہ خلیل الرحمٰن ولد محمد سعید کی اولاد ہو یا کسی اور کی۔ بہر حال خلیل الرحمٰن ولد محمد سعید کے جن گستاخ بچوں کی باتیں اور باپ کے ساتھ کی گئی جوان کی بدسلوکی سوال میں ذکر کی گئی ہے، اس کی بنیاد پر خلیل الرحمٰن کے وہ بچے سخت فاسق وفاجر اور سخت گنہگار مستحق قہر قہار وغضب جبار ہیں۔ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے باپ سے معافی مانگیں اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں ورنہ ان کا انجام بہت دردناک ہوگا۔یہ کتنا برا خیال ہے کہ باپ جب تک کما کر بچوں کو کھلائے صرف اسی وقت تک باپ رہتا ہے اور جب اس کی طاقت ختم ہوجائے، وہ بوڑھا ہوجائے تو اس کا رشتہ ختم ہوجاتا ہے؟ **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**

اگر یہ رشتہ یوں ہی ختم ہوجاتا تو باپ کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد اس کی اولاد کے درمیان تقسیم نہ کی جاتی بلکہ باپ کے گھر سے انہیں نکال دیا جاتا اور روڈ پر وہ بھیک مانگ کر اپنا گزارا کرتے۔اور ان کا یہ کہنا تو بہت بڑا ظلم ہے کہ باپ کو مارو ستاستا کر مارنے میں مزہ آتا ہے، اس مزے کا احساس تو انہیں اس وقت ہوگا جب وہ بڑھاپے کے عالم میں ہوں گے اور ان کے بتائے اسی نسخے پر ان کے بچے بھی عمل کریں گے، ایسے ظالم بیٹے اور بیٹیوں کو باپ کے مرنے کے بعد اس کا منہ دیکھنے یا جنازہ کو کندھا دینے کی

کیا ضرورت ہے کہ جب انہوں نے اپنے قول سے زندگی ہی میں رشتہ ختم کر دیا تھا، تو ان کے قول کے مطابق مرنے کے بعد تو ضرور اس رشتے کو ختم ہو جانا چاہیے، لہذا انہیں اس کی خواہش رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن پھر بھی اگر وہ اس کی آرزو رکھتے ہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے۔

والدین کی تعظیم وتوقیر کرنا ان کی عزت وعظمت کا خیال رکھنا اور ہر وہ چیز کہ جس سے ان کی توہین ہو یا انہیں تکلیف پہنچے اس سے بچنا واجب وضروری ہے۔ اللہ رب العزت نے والدین کا مرتبہ اتنا بلند فرمایا ہے کہ ان کو "اف" بھی کہنے سے منع فرمایا ہے اور اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم فرمائی ہے۔ نیز اپنے شکر کے ساتھ والدین کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری ہے:

"وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ لِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ." (پ ۲۱، س لقمن ۳۱، آیت ۱۴)

اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی، اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا، آخر مجھی تک آنا ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ رب العزت فرماتا ہے:

"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَاتَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا. (پ ۱۵، س بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۲۳، ۲۴)

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے "ہوں" نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن (بچپن) میں پالا۔

احادیث پاک میں بھی والدین کی تعظیم وتوقیر کے بارے میں حکم فرمایا ہے اور اس کی فضیلت بھی

بیان کی گئی ہے۔ایک حدیث پاک میں ہے:

عن ابن مسعود قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یارسول اللہ ای الاعمال افضل قال الصلوۃ لمیقاتھا قلت ثم ماذا یارسول اللہ قال برالوالدین."(ترمذی ج۲،ص ۱۱،باب ماجاء فی برالوالدین من ابواب البر والصلۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ سب سے افضل کون سا عمل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کا اس کے وقت میں ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس کے بعد کون سا ہے؟ فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔

دوسری حدیث میں ہے،حضرت ابوداؤد سے مروی ہے،فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

"الوالد اوسط ابواب الجنۃ فان شئت فاضع ذلک الباب او احفظہ."(حوالہ سابق ص ۱۲،باب ماجاء فی الفضل فی رضاالوالدین)

والد جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے اب تو چاہے اس دروازے کو کھودے یا محفوظ کرے۔

اور جو لوگ والدین کو ستاتے ہیں ان کے لیے یہ وعیدیں بھی حدیث میں آئی ہیں ۔حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا احدثکم باکبرالکبائر قالوا بلی یارسول اللہ قال الاشراک باللہ وعقوق الوالدین."

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ (حوالہ سابق)

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثلث دعوات مستجابات لاشک فیھن دعوۃ المظلوم ودعوۃ المسافر ودعوۃ

الوالد علی ولدہ."

یعنی تین دعائیں بلاشبہ قبول ہوتی ہیں ،مظلوم کی دعا ،مسافر کی دعا،اورلڑکے کے لیے باپ کی دعا۔(حوالہ سابق باب ماجاء فی دعاءالوالدین)

تیسری حدیث میں ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رضاالرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد."(حواله سابق باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین)

والد کی رضا میں اللہ کی رضا ہےاوروالد کی ناراضی میں اللہ کی ناراضی ہے۔

والدین کواذیت وتکلیف دینے کواللہ رب العزت نے اتنابڑا گناہ قرار دیا ہے کہ اس کے تعلق سے حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کی جس سزا کو چاہے اس کو قیامت تک موخر کر دیتا ہے، لیکن والدین کو تکلیف دینے اوران کی نافرمانی کرنے کا گناہ اتنا سخت ہے کہ اس کی سزااللہ تعالیٰ دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کل الذنوب یوخر اللہ منها ماشاء الی یوم القیامة الا عقوق الوالدین فان اللہ یعجله لصاحبه فی الحیاة قبل الممات."(بحواله فتاوی رضویه مترجم ۲۴،ص ۳۸۶)

والدین کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے سب سے زیادہ دل دہلانے والی بات یہ ہے کہ معاذ اللہ مرتے وقت اسے کلمہ نصیب نہ ہونے کا خوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک جوان جانکنی کے عالم میں تھا لوگ اسے کلمہ کی تلقین کرتے لیکن اس سے ادانہیں ہوتا تھا،حضور تشریف لائے فرمایا کہو لا الہ الا اللہ اس نے کہا،نہیں کہا جاتا ہے وجہ معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ اس کی ماں ناراض ہے اس لیے کلمہ ادانہیں ہورہا ہے،جب ماں کو راضی کیا تب کہیں جا کے اس کی زبان سے کلمہ ادا ہوا۔ (شعب الایمان ج ٦،ص ١٩٨،حدیث ٧٨٩٢،دارالکتب العلمیہ بیروت،بحوالہ فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴،ص ۳۸۶)

مذکورہ بالا آیات واحادیث کریمہ سے والدین سے نیک سلوک کرنے کی فضیلت اورانہیں تکلیف دینے کی وعیدوعذاب واضح ہوگیا،لہذا خلیل الرحمٰن کے گستاخ بیٹے اور بیٹی پر لازم ہے کہ باپ کو تکلیف دینے سے

باز آجائیں ورنہ اس کا انجام بہت سخت ہوگا اور انہیں دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۷/ ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مقدس مقامات کا احترام ضروری ہے خواہ وہ اصل ہوں یا ان کی نقل یعنی تصویر ہوں، لوگ اجمیر شریف سے جو دھاگے وغیرہ لاکر پہنتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ : محمد شاہد رضا بھوال ٹولی ضلع گوملا رانچی جھارکھنڈ متعلم جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) جس پیالی یا کٹوری پر مدینہ شریف یا مکہ شریف کی تصویر یا کسی اور اولیاے کرام کے مزار پاک کی تصویر ہو ایسی پیالی اور کٹوری کو استعمال میں لانا کیسا ہے؟

(۲) اور جو دھاگا یا پتھر چاہے کہیں کا ہو بغداد شریف، اجمیر شریف یا بریلی شریف تو اس دھاگے اور پتھر کو گلے میں لٹکانا یا ہاتھ میں باندھنا کیسا ہے؟

برائے کرم از روئے شرع جواب سے مطلع فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) جس طرح مقدس مقامات کی اصل کا احترام ضروری ہے، یوں ہی ان کی نقلوں اور عکسوں کا بھی اکرام واحترام ضروری ہے، خصوصاً مکہ شریف اور مدینہ شریف کہ یہ جگہیں تو اور زیادہ قابل احترام ہیں کہ یہ شعائر اسلام ہیں اور شعائر اسلام کی تعظیم وتکریم ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

ارشاد باری ہے:

”وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ.“ (الحج ۲۲/ ۳۲)

اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

اوران کی تصویریں گو بعینہ شعائر اسلام نہیں ،تاہم ان کا عکس ونقل ضرور ہیں،مزید یہ کہ اصل کی طرح یہ نقل بھی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے،اوران سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کا احترام اوراعزاز واکرام تمام خوش عقیدہ مسلمانوں کا طرہ امتیاز اور مقصد حیات رہا ہے۔

نسیم الریاض میں ہے:

''ومن اعظامه واكباره صلى الله عليه وسلم اعظام جميع اسبابه واكرام مشاهده وامكنته من مكة والمدينة وما لمسه اوعرف به.''اه ملخصا(ج۳،ص ۴۳۲،۴۳۳،فصل من اعظامه الخ من باب الثالث فى تعظيم امره)

لہذا ان کٹوریوں کو استعمال میں لانا مقامات مقدسہ کی عظمت وحرمت کو پامال کرنا ہے۔اسی طرح کا ایک سوال سیدنا امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ مٹھائیوں سے مسجد وغیرہ کی تصویر بناتے ہیں پھرانہیں توڑ کر کھاتے ہیں تواس کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:''دینی معظم چیز مثل مسجد جامع وغیرہ کی تصویروں میں انہیں توڑنا اور کھانا خلاف ادب ہوگا اوروہی بری نسبت لازم آئے گی کہ فلاں شخص نے مسجد توڑی،مسجد کو کھالیا۔''الخ (فتاوی رضویہ غیر مترجم ج۹،ص۴۵ نصف اول)

لہذا ان کٹوریوں کواستعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۲) یہ فعل جائز نہیں کہ ان میں غیر مسلموں سے مشابہت ہےاوراس طرح کرنے والےلوگوں کو دیکھ کرعموماًان کے غیر مسلم ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہےاورحدیث شریف میں ہے:

''من تشبه بقوم فهو منهم.''(مشكوة ص ۳۷۵،الفصل الثانى من كتاب اللباس)

یعنی جوکسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے۔

مزید یہ کہ یہ دھاگے وغیرہ بذات خود کوئی فائدہ نہیں رکھتے اور نہ ہی عندالشرع ان کی کوئی قابل قدر حیثیت ہے، بلکہ یہ صرف اپنا گندہ دھندہ چلانے والوں کا ڈھونگ ہے، جو بزرگان دین کا سہارا لے کر بھولے بھالے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے ان چیزوں کی خودساختہ کرامتیں اور فضیلتیں بیان کرتے ہیں،لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس طرح کے دھاگے وغیرہ کا استعمال ہرگز نہ کرے اور ان سے دور رہ کر اپنے آپ کو اس بری نسبت ومشابہت سے

بچائے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۱ر جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ۔۱۱ر۳ر۲۰۱۷ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی غفرلہ

کیا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مردوں کی تصویر لینے کو جائز کہا ہے؟

مسئلہ : از مولانا عبدالحبیب رضوی، تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

جس شخص کا انتقال ہوگیا ہو اس کی تصویر لینا جائز ہے کہ نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ لے سکتے ہیں تو کیا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے اپنے رسالہ ''عطایا القدیر فی حکم التصویر'' میں اس طرح کا کوئی حکم بیان فرمایا ہے؟ برائے کرم اس کی وضاحت فرمائیں نوازش ہوگی۔ **بینوا توجروا**

حامدا ومبسملا ومصلیا ومسلما

الجواب : **سُبۡحٰنَکَ لَاعِلۡمَ لَنَا اِلَّا مَاعَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ.**

فتاوی رضویہ مترجم مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا پور بندر گجرات جلد ۲۴ میں اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کا تحریر کردہ رسالہ ''العطایا القدیر فی حکم التصویر'' تصویر کے احکام کے تعلق سے ایک اہم اور انمول تحریر ہے۔اس رسالہ میں پیش کی گئی حدیثوں اور جزئیات سے بالکل واضح ہے کہ کس کی تصویر لینا حرام ہے اور کس کی تصویر لینا جائز ہے، لیکن اس کے باوجود اس کی اردو عبارتوں پر سرسری طور پر نظر ڈالنے میں قاری کو دھوکا ہوجاتا ہے اور ناجائز کو جائز سمجھ بیٹھتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ فتاوی رضویہ میں مرقوم اس رسالے کی عبارتیں اس طرح واضح کر کے پیش کی جائیں کہ مقصود کے خلاف وہم نہ ہو۔اس تحریر میں فتاوی رضویہ کی اصل عبارتوں کے درمیان کہیں کہیں بریکیٹ میں اور کہیں بغیر بریکیٹ کے الگ پیراگراف میں توضیح کے لیے اپنی عبارتیں بھی ہوں گی۔مگر سب سے پہلے فتاوی رضویہ کی وہ عبارت مخصوصہ پیش کی جارہی ہے

جس سے معنیٰ مقصود کے خلاف وہم ہوتا ہے۔اور اس کے بعد کچھ اپنی باتیں، پھر چند سوالات اور ان کے جوابات پیش کیے گئے ہیں جن میں صحیح موقف کو بیان کرنے کی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ''تصویر میں حیات آپ تو کسی حالت میں نہیں ہوتی، نہ وہ کسی حال میں جملہ اعضائے مدار حیات کا استیعاب کرتی ہے۔عکسی میں تو ظاہر کہ اگر پورے قد کی بھی ہو تو صرف ایک طرف کی سطح بالا کا عکس لائے گی، خول میں نصف جسم بھی ہوتا تو عادۃً حیات ناممکن نہ کہ صرف نصف سطح، اور بت میں بھی اندرونی اعضا مثل دل وجگر و عروق نہیں ہوتے۔اور ڈاکٹری کی ایک تصویر خاص لیجیے جس میں اندر باہر کے رگ پٹھے تک سب دکھائے جاتے ہیں تو رگوں میں خون کہاں سے آئے گا؟ غرض تصویر کسی طرح استیعاب ما بہ الحیاۃ نہیں ہوسکتی، فقط فرق حکایت وفہم ناظر کا ہے۔اگر اس کی حکایت محکی عنہ میں حیات کا پتا دے یعنی ناظر یہ سمجھے کہ گویا ذوالتصویر زندہ کو دیکھ رہا ہے تو تصویر ذی روح کی ہے۔اور اگر حکایت حیات نہ کرے ناظر اس کے ملاحظہ سے جانے کہ یہ حی کی صورت نہیں میت و بے روح کی ہے تو وہ تصویر غیر ذی روح کی ہے۔'' (فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۵۸۷، مطبوعہ مرکز اہل سنت پور بند گجرات)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی یہی وہ عبارت ہے جس سے بادی النظر میں یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ اگر انسان یا جانور مر جائے تو چوں کہ اس کی روح نکل گئی ہے، اس لیے وہ غیر ذی روح ہوں گے اور ان کی تصویر غیر ذی روح یعنی جمادات ونباتات کی تصویر کے حکم میں ہوگی۔اور جمادات ونباتات کی تصویر لینی ممنوع نہیں لہذا جس انسان یا جانور کی روح نکل جائے اس کی تصویر بھی ممنوع نہ ہوگی۔حالاں کہ فتاوی رضویہ کی اس عبارت کا یہ مفہوم ہے ہی نہیں جو سمجھا جا رہا ہے۔ایک اہم اور قابل غور بات یہاں پر یہ بھی ہے کہ اس عبارت سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مردہ کی تصویر غیر ذی روح کی تصویر کے حکم میں ہے، رہا اس کا فوٹو لینا، اس کی تصویر بنانا تو یہ اس عبارت سے ہرگز مفہوم نہیں ہوتا لہذا ابھی انتظار کیجیے ان شاء اللہ انکشاف حقیقت کے ساتھ اس کا حکم بھی معلوم ہو جائے گا۔

دراصل واقعہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے ایسی تصویر کے بارے میں پوچھا گیا تھا، جو صرف سینے تک تھی اور اس طرح کی تصویر کے گھر میں رکھنے کے جواز وعدم جواز اور رحمت کے فرشتوں سے مانع ہونے کے بارے میں سوال تھا، اس طرح کی تصویر بنانے، بنوانے، کھینچنے، کھنچوانے کے بارے میں سوال نہیں تھا۔اب یہاں پر چند تنقیح طلب امور ہیں، جنہیں بشکل سوال پیش کر کے حسب وعدہ ان

کے جوابات پیش کیے جائیں گے۔

سوال(۱) :۔ تصویر کسے کہتے ہیں اور شریعت مطہرہ میں تصویر کی حرمت کی علت اور وجہ کیا ہے؟

سوال(۲) :۔ کیا شارع کی جانب سے یہ حکم ثابت ہے کہ جو حیوان فی الحال روح والا ہو اس کی تصویر حرام ہے اور جس کی روح نکل گئی ہے اس کی جائز ہے، یا ثابت نہیں؟

سوال(۳) :۔ حیات وممات سے حرمت وعدم حرمت کا فرق کسی نص سے ثابت ہے یا نہیں؟

سوال(۴) :۔ حیی، زندہ اور ذی روح اور میت، مردہ اور غیر ذی روح کا مطلب یہاں پر کیا ہے؟

سوال(۵) :۔ تصویر بذات خود ذی روح یعنی زندہ ہوتی ہے یا غیر ذی روح یعنی مردہ یا نہ زندہ نہ مردہ اور بہر حال ذی روح اور غیر ذی روح کی تعیین کے لیے معیار کیا ہے؟

سوال(۶) :۔ تصویر بنانے، بنوانے اور تصویر کی وجہ سے نماز کے مکروہ ہونے یا ملائکہ رحمت کے مکان میں داخل نہ ہونے کے درمیان کچھ فرق ہے یا نہیں؟

سوال(۷) :۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا اس فتوی کے ذریعہ کون سا حکم بتانا مقصود ہے؟ کیا آپ یہ بتانا چاہ رہے کہ جو حیوان جیتا جاگتا ہو اس کی تصویر حرام ہے اور جو حیوان مردہ ہو گیا اس کی تصویر بنانا یا رکھنا جائز ہے؟ یا یہ بتانا چاہ رہے کہ حیوان میں سے حی ومیت یعنی زندہ ومردہ ہر ایک کی تصویر حرام ہے؟

اب ذیل میں ان سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ حقیقت حال آشکارہ ہو جائے گی۔ چوں کہ شبہ فتاوی رضویہ کی عبارت سے ہو رہا ہے، اس لیے ہمارے جوابات کے اکثر دلائل فتاوی رضویہ کی عبارتیں یا اس میں پیش کردہ جزئیات اور حدیثیں ہوں گی۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہماری گفتگو کا محور تصویر ممنوع یعنی جاندار کی تصویر ہے اس لیے عموما ہم نے تصویر کو لفظ ''جاندار'' سے مقید نہیں کیا ہے بلکہ مطلق رکھا ہے۔

جواب(۱) :۔ تصویر مطلقاً صورت بنانے کو کہتے ہیں، خواہ ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

التصاویر جمع التصویر وھو فعل الصورۃ.''(ج۸،ص ۳۲۵،باب التصاویر)

یہاں ذی روح اور غیر ذی روح کا اطلاق اس لیے ہے کہ اسی کے بعد جو عبارت ہے اس سے یہ اشارہ مل رہا ہے کہ یہ تصویر بمعنی صورت بنانا عام ہے اور اس میں سے ممنوع وحرام وہ ہے جو حیوان کی ہو۔ اسی مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

"والمرادبہ ھناما یتصور مشبھا بخلق اللہ من ذوات الروح ممایکون علی حائط اوستر کما ذکرہ ابن الملک ......ویعم جمیع انوا ع الصور قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر واما تصویر صورۃ الشجر والرحل والجبل وغیرہ ذلک فلیس بحرام."اھ ملخصا(ج۸،ص ۳۲۵،۳۲۶باب التصاویر)

قرطبی میں ہے:

"ھو کل ماصور علی مثل صورۃ من حیوان اور غیر حیوان."(ج۱۴،ص ۱۷۴،سباء ۳۴،تحت آیت ۱۳)

فتاوی رضویہ میں ہے:"علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں تصویر بنانا مطلقاً جائز نہیں اس لیے کہ یہ اللہ تعالٰی کی تخلیق سے مشابہت ہے۔اسی میں بحرالرائق سے نقل ہے کہ تصویر سازی ہر حال میں حرام ہے کیونکہ اس میں تخلیق الٰہی سے مشابہت ہے،خواہ یہ کام کپڑے پر ہو یا کسی اور چیز پر مثلا بچھونا، درہم ودینا، برتن، دیوار اور کاغذ وغیرہ۔جب حرام ہونے کی علت اور وجہ بناوٹ الٰہی کے ساتھ مشابہت ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قلم سے تصویر بنائی جائے یا عکسی چھاپ سے، کیوں کہ یہ علت سب جگہ موجود ہے۔سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب پانے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالٰی کی تخلیق سے مشابہت کرتے تھے......ابھی ردالمحتار کی عبارات گزری ہیں اور اسی میں یہ بھی ہے کہ تصویر کے حرام ہونے کی علت تخلیق الٰہی سے مشابہت ہے اور یہ علت تمام مذکورہ صورتوں میں موجود ہے۔"(ت)اھ ملخصا(فتاوی رضویہ مترجم ج۲۴،ص۵۶۴،۵۶۵)

اس میں بالکل واضح طور پر لکھا ہے کہ تصویر ذی روح کی حرمت کی علت تخلیق الٰہی سے مشابہت ہے اور ہر دانشور پر یہ روشن ہے کہ یہ مشابہت بدن میں روح کی موجودگی وعدم موجودگی دونوں حالتوں میں یکساں پائی جارہی ہے۔لہذا جب علت یعنی مشابہت موجود ہے تو حکم یعنی حرمت ضرور ہوگی کہ یہی اصول علت ومعلول ہے،ورنہ تخلف الحکم عن الدلیل لازم آئے گا۔**واللازم باطل فالملزوم مثلہ فثبت المدعی.**

جواب(۲):۔ شارع کی جانب سے ایسی تقیید وتخصیص کا ثبوت ہرگز نہیں کہ جس میں فی الحال روح ہو صرف اسی کی تصویر لینا حرام ہے اور جس میں فی الحال روح نہیں اس کی تصویر لینا جائز ہے۔ومن

ادعیٰ فعلیه البیان۔ بلکہ حدیث پاک سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عام ہے۔مشکوۃ شریف میں ہے:

"عن سعید بن ابی الحسن قال : کنت عند ابن عباس اذ جاء ه رجل فقال یابن عباس انی رجل انما معیشتی من صنعة یدی وانی اصنع هذه التصاویر . فقال ابن عباس : لا احدثک الا ما سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم سمعته یقول من صور صورة فان الله معذبه حتی ینفخ فیه الروح ولیس بنافخ فیها ابدا فربا الرجل ربوة شدیدة واصفر وجهه فقال ویحک ان ابیت الا ان تصنع فعلیک بهذاالشجر وکل شئ لیس فیه روح .رواه البخاری."(ص ۳۸۶،باب التصاویر من کتاب اللباس)

یعنی حضرت سعید بن ابی الحسن سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس بیٹھا تھا، کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور بولا کہ اے ابن عباس میں ایسا آدمی ہوں کہ میری روزی میرے ہاتھ کی کاری گری میں ہے اور میں یہ تصویریں بناتا ہوں۔حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ میں تم کو وہی خبر دیتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے تصویر بنائی تو اللہ اسے اس وقت تک عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونک دے، حالانکہ وہ اس میں کبھی نہ پھونک سکے گا۔(جب اس شخص نے یہ بات سنی) تو وہ بہت سخت ہانپا اور (خوف سے)اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا تجھے خرابی ہو اگر اس کے بنانے سے باز نہ آئے (اور اگر بنانا تیری مجبوری ہے) تو اس درخت کو اور ہر اس چیز کو اختیار کر جس میں جان نہیں۔

اس میں حدیث پاک کا یہ آخری حصہ "**فعلیک بهذاالشجر وکل شئ لیس فیه روح**" زیادہ قابل غور ہے۔اس کے بارے میں حضرت ملا علی قاری کی چشم کشا تحریر بھی ذرا دیکھ لیں فرماتے ہیں:

"ای وامثالها مما لاروح فیه کما بینه بقوله (وکل شئ لیس فیه روح)"

یعنی اگر تجھے تصویر بنانا ہی ہے تو اس درخت کی بنا اور اس کے مثل ان چیزوں کی بنا جن میں روح نہیں ہوتی جیسا کہ خود حضور نے اپنے اس قول "**وفی کل شی ء لیس فیه روح**" سے بیان فرمایا ہے۔(مرقاۃ ج۸،ص ۳۳۶، باب التصاویر)

یہی حدیث بخاری شریف میں بغیر واو کے اس طرح ہے:

”فعلیک بھذاالشجر، کل شیء لیس فیه روح.“(عمدۃ القاری ج۸،ص ۵۴۶،باب بیع التصاویر، حدیث ۲۲۲۵)

یہاں پر کل شئ کے بارے میں چند اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ کل شئ آخر تک پورا جملہ شجر کا بیان ہے۔لہذا اب اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ ذی روح کی تصویر بنانا ممنوع ہے صرف جنس شجر کی تصویر کی اجازت ہے مگر چوں کہ **فعلیک بھذاالشجر** سے مکمل طور پر مقصود کی ادائیگی نہیں ہورہی تھی اس لیے کل شئ لیس فیہ روح سے اس کو واضح کر دیا کہ درخت کو تو بطور مثال بیان کیا گیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو درخت کی طرح غیر ذی روح ہے اس کی تصویر ممنوع نہیں۔

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے:

قال الطیبی : ھو بیان للشجر لانه لما منعه عن التصویر وارشده الی جنس الشجر رای انه غیر واف بالمقصود فاوضحه به.“(ج۸،۵۴۷،باب بیع التصاویر)

مرقاۃ میں ایک مقام پر درخت وغیرہ کو غیر حی یعنی میت کہا گیا ہے۔فرماتے ہیں:

”وفیه اشارة لطیفة الی جواز نحو الاشجار مما لاحیاة فیه کماذھب الیه الجمهور.“(ج۸، ص ۳۳۴،باب التصاویر)

یعنی ذی روح کی تصویر کا سر کاٹ کر درخت کی حالت پر کر دینے میں اس بات کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ درخت وغیرہ جن میں حیات نہیں ہوتی ان کی تصویر بنانا جائز ہے۔

دیکھیے مذکورہ حدیث سے یہ اشارہ مل رہا ہے کہ غیر ذی روح سے مراد درخت وغیرہ وہ چیزیں ہیں جن کے اندر فطرتاً روحانیت وحیوانیت کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔لہذا حاصل یہ نکلا کہ وہ شخص کہ جس کی روح بدن سے نکل گئی ہو وہ اس درخت والے حکم کے تحت داخل نہیں تو اس کی تصویر لینی بھی جائز نہیں۔

جواب(۳) :۔ جاندار کی تصویر مطلقاً حرام ہے اس حرمت کا تعلق زندگی اور موت سے نہیں اور نہ ہی اس تفریق وتخصیص پر کسی نص کی دلالت ہوتی ہے۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً حرام ہے۔کسی جاندار کی تصویر بنانا بغیر کسی قید اور شرط کے حرام ہے،خواہ سایہ دار ہو یا بے سایہ،خواہ ہاتھ کی بنی ہوئی ہو یا محض عکسی،شرع نے تصویر حرام فرمائی اور کسی طریقہ ساخت کے ساتھ حکم کو مقید نہ فرمایا،نہ کسی خصوصیت طریقہ کو اس میں دخل۔فوٹو ہو یا دستی تصویر پوری ہو یا نیم قد، بنانا، بنوانا

سب حرام ہے۔ نیز اس کا عزت سے رکھنا حرام اگر چہ نصف قد کی ہو کہ تصویر فقط چہرہ کا نام ہے۔ جاندار کی تصویر کھینچنی حرام ہے۔ اھ ملخصا (فتاوی رضویہ مترجم ج۲۴، ۵۵۹، ۵۶۹، مطبوعہ مرکز اہل سنت پور بندر گجرات)

جواب (۴) :۔ تصویر کی حرمت کے سلسلے میں حی، زندہ اور ذی روح سے مراد وہ شی ہے، جو فطرتا اور عادتا روح یعنی جان رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہو جیسے تمام حیوانات۔ اور میت، مردہ اور غیر ذی روح سے مراد وہ شئ ہے جو فطرتا اور عادتا روح یعنی جان رکھنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو، جیسے نباتات وجمادات۔

جواب (۵) :۔ تصویر بذات خود نہ زندہ ہوتی ہے نہ مردہ۔ زندہ نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ مردہ اس لیے نہیں کہ حقیقتاً مردہ اس کو کہتے ہیں جس میں صلاحیت حیات تھی پھر وہ ختم ہوگئی جیسے نابینا اس کو کہتے ہیں جس کے اندر بینائی کی صلاحیت تھی پھر وہ صلاحیت نہ پائی گئی تو نابینا ہوگیا لہذا کسی دیوار یا درخت وغیرہ جمادات ونباتات کو نابینا نہیں کہہ سکتے۔ یوں ہی تصویر خواہ دستی ہو یا عکسی اس میں جب حیات کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی تو موت بھی نہ ہوگی کیوں کہ موت حیات پر متفرع ہوتی ہے لہذا تصویر مردہ بھی نہ ہوگی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا فرمان ذی شان سنیے! فرماتے ہیں: ''تصویر میں حیات آپ تو کسی حالت میں نہیں ہوتی ......حیات وموت حقیقی سے تصویر کو بہرہ (حصہ) نہیں۔'' اھ ملخصا (فتاوی رضویہ مترجم ج۲۴، ص۵۸۷، ۵۸۸)

مگر حیات وموت کے مقتضیات وعلامات کو دیکھ کر ذی روح کو بھی مجازا زندہ یا مردہ کہہ دیا جاتا ہے۔ یوں ہی ذی روح کو زندہ ہوتے ہوئے بھی مجازا مردہ کہہ دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يُحۡيِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا.''(الروم۳۰/ ۱۹)

اس میں زمین کی خشکی وپژمردگی کو موت سے اور تروتازگی کو حیات سے تعبیر فرمایا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ہے:

''اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی.''(النمل۲۷/ ۸۰)

اس میں زندہ ہوتے ہوئے بھی کفار کو مردہ کہا ہے۔ علم معانی میں اس کی مثالیں شائع وذائع ہیں مثلا انبت الربیع البقل اوراحی الارض شباب الزمان وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تصویر حقیقتاً نہ مردہ ہوتی ہے نہ زندہ۔ مگر اب پھر اعتراض ہوگا کہ جب تصویر نہ زندہ ہوتی ہے نہ مردہ تو پھر تصویر ذی روح میں زندگی وموت کیسے مفہوم ہوگی کہ جس سے حلت وحرمت مفہوم ہو؟ سنیے! معنی حقیقی میں زندہ اس ذی روح کو کہتے

ہیں جس کے اندر فی الحال روح موجود ہو یوں ہی مردہ حقیقتاً اس ذی روح کو کہتے ہیں جس کے بدن سے روح نکل گئی ہو اور غیر ذی روح کے لیے بھی زندہ، مردہ اور ذی روح کے لیے مردہ کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ گزرا۔ اور تصویر ممنوع کو زندہ یا مردہ ذو الصورۃ کے اعتبار سے بولا جاتا ہے۔ مثلاً اگر تصویر ذی روح یعنی حیوان کی ہے تو اسے زندہ کی تصویر کہتے ہیں اور اگر غیر ذی روح یعنی جمادات و نباتات کی ہے تو اسے مردہ کی تصویر کہتے ہیں۔ ہاں ذی روح کی تصویر کی شرعاً دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت سے وہ ممنوع ہے اور دوسری حیثیت سے ممنوع نہیں۔ اور اس دوسری حیثیت والی صورت میں یہ تصویر ذی روح بھی غیر ذی روح کی تصویر قرار دی جاتی ہے۔ چوں کہ غیر ذی روح یعنی جمادات و نباتات کی تصویر کے بارے میں فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہوتا کہ یہ ذی روح یا غیر ذی روح کی تصویر ہے۔ البتہ ذی روح یعنی حیوان کی تصویر کے بارے مین کچھ لوگوں کو اس طرح کا شبہ ضرور ہونے لگتا ہے اس لیے اب ہماری گفتگو اسی تصویر ذی روح کے بارے میں ہوگی جس کی دو حیثیتیں ہیں۔ اب ہمیں ارباب فقہ و فتاوی بالخصوص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے موقف کے مطابق وہ معیار متعین کرنا ہے کہ وہ کون سی شئ ہے جس کی وجہ سے ذی روح کی تصویر زندہ کی صورت قرار پا کر ممنوع ہوگی اور کس وجہ سے وہ تصویر ذی روح مثل شجر و حجر مردہ، میت اور بے روح کی صورت قرار پا کر غیر ممنوع و مرخص ہوگی؟

اقول: ذی روح کی تصویر کے سلسلے میں حرمت و عدم حرمت کی تعیین کا معیار صرف اور صرف چہرہ ہے کہ چہرہ ہوگا تو تصویر ذی روح معنی بت میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوگی اور اگر چہرہ نہیں تو وہ تصویر ذی روح معنی شجر و حجر میں ہونے کی وجہ سے تصویر غیر ذی روح کے حکم میں ہوگی۔ لہذا اگر کسی زندہ شخص کی تصویر بغیر چہرے کے لی جائے تو یہ تصویر، تصویر ممنوع میں داخل نہ ہوگی اور یہ تصویر لینا بھی حرام نہ ہوگا اور اگر کسی مردہ شخص کی تصویر چہرے کے ساتھ لی جائے تو یہ تصویر تصویر ممنوع میں داخل ہوگی اور یہ تصویر لینا بھی حرام ہوگا۔ معلوم ہوا کہ حرمت و عدم حرمت کا مدار چہرے پر ہے، حیات پر نہیں لہذا تصویر میں چہرہ ہے تو حکم منع بھی ہوگا۔ خواہ ذو الصورۃ زندہ ہو یا مردہ۔ اور چہرہ نہیں تو حکم منع بھی نہیں خواہ ذو الصورۃ زندہ ہو یا مردہ۔

فتاوی رضویہ میں ہے: ''یہاں مناط منع نہ صورت کی عبادت ہونا ہے نہ ذو الصورۃ کی، نہ اس کا اس حالت پر ہونا کہ ذو الصورۃ اس حال پر ہو تو زندہ رہے، بلکہ مناط تصویر کا معنی وثن میں ہونا ہے۔ ولہذا صورت حیوانیہ کی تخصیص ہوئی کہ غیر حیوان کی تصویر بت نہیں، بت ایک صورت حیوانیہ مضاہات خلق اللہ

میں بنائی جاتی ہے تاکہ ذوالصورۃ کے لیے مرأت ملاحظہ ہو۔اور شک نہیں کہ ہر حیوانی تصویر مجسم خواہ مسطح کپڑے پر ہو یا کاغذ پر دستی ہو یا عکسی اس معنی میں داخل ہے تو سب معنی بت میں ہیں۔اور بت اللہ عزوجل کا مبغوض ہے تو جو کچھ اس کے معنی میں ہے اس کا بلا اہانت گھر میں رکھنا حرام اور موجب نفرت ملئکہ علیہم الصلوۃ والسلام۔ پھر صورت حیوانی کہا جانا اور اس کے لیے مرأت ملاحظہ ہونا دونون کا مدار چہرہ پر ہے، اگر چہرہ نہیں تو اسے صورت حیوانی نہ کہا جائے گا۔اس پر ایک امین الوحی جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام کا قول گزرا کہ ان کے سر کاٹ دیجیے کہ ہیأت درخت پر ہو جائیں، دوسرے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گزرا کہ صورت سر کا نام ہے، جس کے سر نہیں، وہ صورت نہیں، تیسرے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گزرا کہ سر کاٹ دیا تو صورت نہ رہی، چوتھے اس پر اول دلیل ارشاد اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے:"**اذا قاتل احدکم اخاہ فلیجتنب الوجہ فان اللہ خلق آدم علی صورتہ.**"**رواہ مسلم.** تم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے آمادہ جنگ ہو تو اس کے چہرے کو بچائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔تکریم صورت کو صرف تعظیم وجہ پر مقصور فرمایا۔اور مرأت ملاحظہ ہونے کا وجودا وعدما اس پر دوران خود ظاہر، چہرہ ہی سے معرفت ہوتی ہے، چہرہ دیکھا اور باقی بدن کپڑوں سے چھپا ہے تو کہے گا میں اسے پہچانتا ہوں، اور چہرہ نہ دیکھا تو نہیں کہہ سکتا اگر چہ باقی بدن دیکھا ہو۔اہل تصویر ہی کو دیکھیے جو تصویر کسی کی یادگار کے لیے بنوائیں ہرگز بے چہرہ اس پر راضی نہ ہوں گے نہ اپنے مقصود کو مفید جانیں گے اگر چہ باقی تمام بدن کی تصویر ہو۔اور بارہا نیم قد بلکہ صرف چہرہ پر قناعت کرتے اور اسے اپنے مقصود کے لیے کافی سمجھتے ہیں جیسا کہ مصوروں میں بکثرت دائر وسائر اور سکہ کی تصویروں سے ظاہر۔ثابت ہوا کہ چہرہ ہی وہ چیز ہے کہ تصویر کو معنی بت میں کرتا ہے اور صرف چہرہ ہی اس معنی کے افادہ میں کافی ہوتا ہے تو یہاں جنس مایعبد سے مراد صرف معنی بت میں ہونا ہے۔اگر چہ نہ خود وہ معبود مشرکین ہو نہ اس کا ذوالصورۃ تو وہ اس حالت پر ہو کہ مشرکین اپنی عبادت کے لیے عادتاً لازم رکھتے ہیں کہ سب زوائد ہیں اور یہاں غیر ملحوظ۔ یہاں صرف اس قدر درکار ہے کہ تصویر کسی صورت حیوانیہ کے لیے مرأت ملاحظہ ہو اور اس کا مدار صرف چہرہ پر ہے، تو قطعا یہ سب تصویریں معنی بت میں ہیں اور ان کا مکان میں باعزاز رکھنا، منقوش کرنا اگر چہ نیم قد یا صرف چہرہ ہو سب ناجائز وحرام و مانع دخول ملئکہ علیہم الصلوۃ واسلام۔ لاجرم سر بریدہ میں ممانعت نہ ہوئی کہ معنی بت میں نہ رہی اور دست و پا بریدہ ناجائز ہوئی کہ معنی بت باقی۔اھ

ملخصا (فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۶۳۴، ۶۳۸، مطبوعہ مرکز اہل سنت پور بند گجرات)

جواب (۶) :۔ تصویر بنانے، بنوانے اور تصویر کی وجہ سے نماز کے مکروہ ہونے یا ملئکہ رحمت کا مکان میں داخل نہ ہونے کے درمیان یقیناً فرق ہے جیسا کہ خود اسی فتاوی رضویہ میں اور دیگر کتب فقہ وفتاوی میں مذکور ہے۔ یہ سوال و جواب اس لیے پیش کر دیا گیا ہے تاکہ مطلق صورت گری اور اس کی وجہ سے کراہت نماز وغیرہ کے سلسلے میں جو تفریق ہے وہ واضح ہو جائے اور دونوں کو یکساں سمجھنے کی غلط فہمی نہ ہو۔

جواب (۷) :۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اس فتوی کے ذریعہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ ہر حیوان کی تصویر لینی حرام ہے خواہ زندہ کی ہو یا مردہ کی۔ اس سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ حیوان مردہ کی تصویر لینی جائز ہے کیوں کہ یہ ان کے موقف کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ حرمت تصویر کے سلسلے میں جو حدیث آپ نے ابتدائے رسالہ میں صفحہ ۵۷۵ پر پیش کی ہے اس کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ فتاوی رضویہ میں ہے:

''صحیحین بخاری و مسلم میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے: "**لما اشتكى النبي صلى الله عليه وسلم ذكر بعض نسائه كنسية يقال لها مارية وكانت ام سلمة وام حبيبة رضي الله تعالىٰ عنهما اتتا ارض الحبشة فذكرتا من حسنها وتصاوير فيها فرفع صلى الله عليه وسلم رأسه فقال اولٰئک اذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا فيه تلک الصور اولٰئک شرار خلق الله عندالله.**" جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی بعض بیویوں نے ایک گرجے کا ذکر فرمایا کہ جس کو ماریہ کہا جاتا تھا چنانچہ سیدہ ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملک حبشہ میں تشریف لے گئیں پھر انہوں نے وہاں یہ گرجا دیکھا دونوں نے اس کے حسن اور اس میں سجی تصویروں کا تذکرہ فرمایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا جب ان لوگوں میں کوئی نیک اور صالح آدمی مر جاتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے پھر ان تصویروں کو سجا کر اس میں رکھ دیتے وہی اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں۔'' (فتاوی رضویہ ج ۲۴ ص ۵۷۵)

اس حدیث کے یہ الفاظ ذرا غور سے دیکھیں کہ: "**اذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا فيه تلک الصور.**" اس عبارت سے بالکل ظاہر ہے کہ وہ لوگ صالحین کی تصویریں ان کے انتقال کرنے کے بعد ہی بناتے تھے، مگر اس صورت گری پر بھی انہیں بدترین مخلوق کہا گیا، معلوم ہوا کہ وہ اس تصویر سازی میں فعل حرام کے مرتکب تھے جبھی تو انہیں بدترین مخلوق کہا گیا ورنہ

اگر یہ فعل حرام ہونے کی بجائے حلال ہوتا تو پھر بدترین مخلوق ہونے کا کیا معنی؟

اس پر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ان لوگوں کو صالحین کی تصویر بنانے کی وجہ سے بدترین مخلوق نہیں کہا گیا ہے بلکہ ان کی قبروں کو عبادت گاہ بنانے اور ان کی تصویروں کو عبادت کرنے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ **اقول**: اس قول کی وجہ سے ہمارے مدعی کی صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیوں کہ ایک حکم کی متعدد علتیں ہوسکتی ہیں۔ اور اس کی تعیین فتاوی رضویہ کی عبارت ہی متعدد طریقوں سے کر رہی ہے۔ فی الحال ہماری گفتگو ان کو بدترین مخلوق کہنے کی علت سے متعلق ہے، تو سنیے اس کی جہاں کئی علتیں ہیں وہیں انہیں علتوں میں سے ایک علت وہ بھی ہے جو ہم نے بیان کیا جیسا کہ مفسرین وشارحین حدیث کے کلام سے ظاہر ہے۔ چنانچہ اسی مذکورہ حدیث کے تحت عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے: "**فیہ نھی عن فعل التصاویر وفیہ دلیل علی تحریم تصویر الحیوان خصوصا الآدمی الصالح.**" اھ ملخصا (ج ۳، ص ۴۲۸، کتاب الصلوۃ، باب ۴۸، حدیث ۴۲۷)

دیکھیے! ہمارے اسلاف نے بھی اس حدیث سے یہی سمجھا اور یہی ان کا موقف بھی ہے کہ حیوان کی تصویر کے حرام ہونے کا تعلق روح سے نہیں کیوں کہ اس حرمت کی دلیل جس حدیث سے وہ اخذ کر رہے ہیں اس میں یہ صاف موجود ہے کہ وہ لوگ صالحین کی تصویریں ان کے انتقال کے بعد بناتے تھے۔ اور اسی فعل تصویر پر انہیں بدترین مخلوق کہا گیا کیوں کہ تخلیق الٰہی سے مشابہت کے ساتھ ساتھ بت پرستی جیسی قباحت وشناعت کے آغاز وابتدا کی علت بھی اس میں موجود ہے۔ لہذا جب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ میں اس حدیث مذکور کو بیان کیا ہے تو یقیناً وہ ان ساری تفصیلوں سے واقف تھے اور ان کا موقف بھی یہی تھا کہ حرمت تصویر کا تعلق وجود روح وعدم روح سے نہیں بلکہ اس کا تعلق حیوان سے ہے خواہ وہ فی الحال زندہ ہو یا مردہ جیسا کہ مفصلا مذکور ہوا۔ لہذا اب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے قول کی توضیح اس طرح کرنا کہ ان کا موقف یہ ہے کہ جس کی روح نکل گئی ہو اس کی تصویر لینا جائز ہے تو یہ "**توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل**" کی قبیل سے ہوگا جو قابل تسلیم نہیں۔

ہمارے مدعیٰ کی مزید تائید اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی ان عبارتوں سے بھی ہو رہی ہے۔ فرماتے ہیں: "ابھی جو حدیث سن چکے کہ وہ اولیا ہی کی تصویریں رکھتے تھے جس پر ان کو بدترین خلق فرمایا۔ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام سے بڑھ کر کون معظم دین ہوگا اور نبی کون حضرت شیخ الانبیا خلیل کبریا سیدنا ابراہیم علی

ابنہ الکریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کہ ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام جہان سے افضل واعلیٰ ہیں ان کی اور حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ و بتول مریم علیہم الصلوۃ کی تصویریں دیوار کعبہ پر کفار نے منقش کی تھیں۔ جب مکہ معظمہ فتح ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے بھیج کر وہ سب محو کرادیں۔ جب کعبہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے بعض کے نشان کچھ باقی پائے پانی منگا کر بنفس نفیس انہیں دھویا اور بنانے والوں کو قاتل اللہ فرمایا، اللہ انہیں قتل کرے۔''(فتاوی رضویہ ج ۲۴ ص ۵۷۷، مطبوعہ مرکز اہل سنت پور بندر گجرات)

اس اقتباس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسمعیل اور حضرت مریم علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کی تصویریں خانہ کعبہ میں منقش تھیں اور یہ تصویریں یقیناً ان کے وصال کے بعد ہی لگی تھیں۔ اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے مٹانے کا حکم دینے اور باقی ماندہ نشانات کا بنفس نفیس دھونے سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بعد وصال بھی تصویر لینا ممنوع ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ وبحمدہ یہاں تک ساتوں سوالات کے جوابات مکمل ہو گئے، مگر اب فتاوی رضویہ کی مذکورہ عبارت کا کیا مطلب ہوگا جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مردہ کی تصویر لینی جائز ہے؟ لہذا اب فتاوی رضویہ کی اس عبارت کو سمجھنے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے منشا و موقف تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس رسالہ میں بیان کردہ دلائل وجزئیات اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحریر وتقریر مسائل میں باہم ربط پیدا کرنا ضروری ہے تاکہ سرزمین صداقت پر آفتاب حقیقت وماہیت کی ضیا پاشیاں ہوں اور جو بظاہر نہاں ہے وہ عیاں وبیاں ہو جائے۔

فتاوی رضویہ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تصویر ذی روح کے متعلق چند احادیث وآثار نقل کرنے اور اس کے موجب وبال ونکال ہونے کو واضح کرنے کے بعد سوال میں مذکور تصویر کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ہاں بادی النظر میں یہاں یہ شبہ گزر سکتا ہے کہ صاحب زادہ موصوف کی یہ تصویر صرف سینے تک ہے اور انسان اتنے جسم سے زندہ نہیں رہتا۔ اور درمختار میں ہے کہ جب تصویر سے وہ عضو محو کر دیا جائے جس کے بغیر حیات نہ ہو تو وہ ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔''(فتاوی رضویہ مترجم ج ۲۴ ص ۵۷۸، مطبوعہ مرکز اہل سنت پور بندر گجرات)

پھر درمختار کی یہ عبارت پیش فرمائی: ''**او کانت صغیرۃ لا تتبین تفاصیل اعضائها للناظر قائما وهي علی الارض . ذکرہ الحلبي . او مقطوعة الراس او الوجه او ممحوة عضو لا تعيش**

بدونہ او لغیر ذی روح لایکرہ. اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھی ہو تو کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو اس کے اعضا کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے، چنانچہ حلبی نے اس کو بیان فرمایا، یا اس کا سر یا چہرہ کاٹ دیا گیا ہو کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے یا کسی غیر جاندار کی تصویر ہو تو ان ساری صورتوں میں کراہت نہ ہوگی۔'' (نفس مصدر)

مگر اب سوال یہ ہے کہ جس انسان کے بدن کو کاٹ کر سینے تک کر دیا جائے وہ زندہ نہیں رہتا اور درمختار کا کہنا یہ ہے کہ جس تصویر سے ایسے عضو کو مٹا دیا جائے کہ اگر خارج میں ذوالصورۃ کا وہ عضو الگ کیا جاتا تو وہ زندہ نہ رہتا تو ایسی صورت میں کراہت نہیں۔ اس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جن صاحب زادہ موصوف کی تصویر سوال کے ساتھ پیش کی گئی تھی وہ ممنوع نہ ہو حالاں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اسی تصویر کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ: ''اسے تبرک کے طور پر رکھنا، اس کے سبب نزول برکت جاننا، اسے برزخ ٹھہرانا، رب عز وجل تک وصول کا ذریعہ بنانا یہ سب وہی سخت اشد کبیرہ ہے۔'' (مصدر سابق ص ۶۴۱)

لہذا قول درمختار کے ظاہر پر فتوی دینے سے مذکورہ تصویر جیسی تمام تصویریں ممانعت سے مستثنیٰ ہوں گی، حالانکہ کہ دیگر کتب فقہ میں اتنا عموم نہیں جتنا اس قول درمختار میں ہے اس لیے یہ عبارت محل نظر ہونے کی وجہ سے قابل تنقیح ہے اس لیے اب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ اس عبارت کی توضیح وتلویح کے لیے متعدد طرق سے اس پر نقد وجرح فرمائیں گے اور آپ کی گفتگو کا محور وہی عبارت درمختار ہی ہوگی۔ اب انہیں کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

''یہاں یہ (درمختار جیسی تعمیم کا) قول اس کا ہو سکتا ہے جس نے خدمت فقہ وحدیث نہ کی، نہ اسے مقاصد شرع پر نظر ملی، اولا مقام تنقیح میں سرے سے یہ عبارت در (مختار) ہی محل نظر ہے۔ فقیر نے جس قدر کتب فقہیہ متون وشروح وفتاوی ہیں سب کی طرف مراجعت کی، بیان حکم میں اس تعمیم میں درمختار کا سلف نہ پایا، یہاں تک کہ بحر ودرر کہ اکثر ماخذ کتاب ہیں ان میں بھی اس کا نشان نہیں، حتی کہ خود جامع صغیر محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ میں صرف ذکر ''راس'' پر اقتصار فرمایا کہ اگر تصویر بے سر کی ہو یا اس کا سر کاٹ دیں تو کراہت نہیں، اور شرنبلالیہ وعبد الحلیم علی الدرر میں ''وجہ'' کا اضافہ کیا کہ چہرہ کاٹ دینا بھی سر کاٹ دینے کی مثل ہے۔ اور ذکر ''وجہ'' حقیقتاً زیادت نہیں کہ ''راس'' کا اطلاق اکثر چہرہ پر آتا ہے۔ گردن جدا کر دینے کو سر کاٹنا ہی کہتے ہیں، تو مقصود خلاصہ اس کا افادہ بھی ہے کہ محو بھی مثل قطع ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے: ''**ان کان مقطوع الراس لا باس بہ لو محی وجہ الصورۃ فھو کقطع**

الـــراس .'' اگر تصویر کا سر کاٹ دیا گیا ہو تو پھر اس کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور تصویر کے چہرے کو مٹا دینا سر کاٹنے کی طرح ہے۔'' ملخصا (حوالہ سابق ص ۵۷۸۔۵۷۹)

اس میں آپ نے متعدد حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ درمختار میں جو'' **ممحوۃ عضو لا تعیش بـدونـــه** '' کا اضافہ ہے وہ کسی اور کتاب میں نہیں البتہ کچھ فقہا نے چہرے کا اضافہ کیا تو ہے مگر یہ حقیقتاً اضافہ نہیں بلکہ لفظ'' راس'' یعنی سر کا بیان ہے۔ اب ایک ظاہر سوال یہ ہے کہ وہ تمام اعضائے جسم جن پر زندگی کا مدار ہے کیا تصویر کی حرمت وحلت کے سلسلے میں ان کا حکم یکساں ہے یا علاحدہ؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا جواب سنیے اب یہیں آپ سائل کو مسئلے کی اصل رخ کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور عبارت درمختار'' **او ممحوۃ عضو لاتعیش بدونہ** '' کو عام رکھنے کی بجائے معنیٰ خاص پر محمول کرتے ہوئے یہ بتا رہے ہیں کہ درمختار کی مذکورہ عبارت میں عضو کے محو کر دینے سے مراد چہرہ ہے، جیسا کہ آگے حاشیہ درر سے ثابت کریں گے۔ مگر اس پر بھی ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے قبل متصل ہی تنویر الابصار میں'' وجہ'' کا لفظ گزرا ہے تو پھر اس سے بھی چہرہ کیسے مراد ہوگا، کیوں کہ عموماً شرح ومتن کے ذریعہ ایک مفہوم بتانا ہوتا ہے؟ آپ اس کی توضیح اس طرح فرماتے ہیں کہ صاحب درمختار نے فتح القدیر وغیرہ کو دیکھ کر یہ اضافہ کیا ہے حالانکہ عبارت فتح وغیرہ مفید تعمیم واضافہ نہیں یعنی یہ اضافہ نہیں ہونا چاہیے تھا مگر بنظر انصاف اور بطور نظر فقہی اس کا جواب اس مضمون کے آخر میں آپ ہی کی زبانی سماعت فرمائیں گے۔ اب آپ کی تحریر بے نظیر ملاحظہ کیجیے۔ فرماتے ہیں:

'' دیگر اعضا وجہ وراس کے معنی میں نہیں اگر چہ مدار حیات ہونے میں مماثل ہوں کہ چہرہ ہی تصویر جاندار میں اصل ہے، لہذا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کا نام تصویر رکھا اور شک نہیں کہ فقط چہرے کو تصویر کہتے اور بنانے والے بارہا اسی پر اقتصار کرتے ہیں، ملوک نصاریٰ کہ سکہ میں اپنی تصویر چاہتے ہیں اکثر فقط چہرہ تک رکھتے ہیں اور بے شک عامہ مقاصد تصویر چہرے سے حاصل ہوتے ہیں **وانما شیٔ بـمقاصدہ** . امام اجل ابو جعفر طحاوی سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:'' **قال الصورۃ الراس فکل شی ء لیس له راس فلیس بصورۃ.** '' فرمایا تصویر سر کا نام ہے لہذا جس چیز کا سر نہ ہو وہ تصویر نہیں۔ امام نسفی نے وافی وکافی میں تصریح فرمائی اگر تصویر کا سر مقطوع نہیں کراہت مدفوع نہیں۔ ظاہر ہے کہ نیم قد یا سینہ تک کہ تصویر پر بھی صادق ہے کہ اس کا سر مقطوع نہیں تو حکم منع مدفوع نہیں۔ ثانیا

قول درمختار ہی لے لیجیے جس پر محشیوں نے تقریر اور خادمی نے حاشیہ درر میں تبعیت کی حیث قال: " **مقطوعة الراس والمراد ممحوة عضو لا تعیش بدونه کالوجه.**" چنانچہ اس نے کہا تصویر کا سر کاٹ دیا گیا ہو مراد یہ ہے کہ اس کے کسی ایسے اندام کو مٹا دیا گیا ہو کہ جس کے بغیر زندگی نہیں ہو سکتی جیسے چہرہ۔ بیان مسئلہ میں اگر چہ یہ تعمیم فقیر نے کہیں نہ پائی مگر ایک مسئلے کی دلیل میں کلام فتح سے اس کی طرف اشارہ سمجھا گیا عجب نہیں کہ مدقق علائی (صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی) نے انہیں عبارت فتح وحلیہ کو دیکھ کر یہ تعمیم اضافہ فرمائی ہو، حالانکہ وہ مفید تعمیم نہیں۔ ملخصا (مصدر سابق ص ۵۷۹۔۵۸۵)

اس کے بعد آپ نے بالکل واضح کر کے فرمادیا کہ سر کاٹ دینے سے تمثال کا حکم باقی نہیں رہتا اگر چہ دوسرے اعضا مثلا ہاتھ پیر وغیرہ موجود ہوں یعنی چہرہ باقی ہے تو حکم تصویر ممنوع باقی ہے، چہرہ نہیں تو حکم ممانعت بھی ساقط، فرماتے ہیں "قطع سر میں تمثال نہیں رہتی، جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ وعبارت ہدایہ سے خود کلام امام اعظم سے گزرا بخلاف دیگر اعضا کہ جب تک چہرہ باقی تصویر باقی اگر چہ اور اعضا نہ ہوں ولہذا جبریل امیں علیہ الصلوۃ والتسلیم نے حدیث آئندہ اور محرر مذہب امام محمد نے جامع صغیر اور جملہ کتب مذکورہ مذہب متون وشروح وفتاوی میں صرف نفی راس پر اقتصار فرمایا۔ (ص ۵۸۶)

یہاں تک بحث کرنے کے بعد اب پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ درمختار کے اسی جزیے سے متعلق بحث کریں گے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ تصویر ذی روح کے ایسے عضو کو کاٹ دیا جائے کہ اس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے تو وہ تصویر ممانعت سے مستثنیٰ ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو عضو مستلزم حیات ہے اس کے ہوتے ہوئے تصویر حکم ممانعت کے تحت داخل ہوگی اور اگر اس عضو کو کاٹ دیا جائے تو ممانعت ختم ہو جائے گی، اب اگر آپ اسی کو اختیار کریں کہ تصویر میں وہ عضو موجود ہے جس سے خارج میں زندگی لازم ہوتی ہے تو فی نفسہ تصویر میں زندگی تو ہوتی نہیں اور نہ ہی تصویر میں وہ اعضا مکمل طور پر ہوتے ہیں جن پر زندگی کا مدار ہوتا ہے جیسا کہ فتاوی رضویہ میں پیش کردہ مثالوں سے ظاہر ہے، تو پھر تصویر میں زندگی اور موت کے درمیان تفریق کیسے ہوگی؟ اور یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ تصویر زندہ کی ہے اور یہ مردہ کی؟ تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ایک ضابطہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر تصویر سے ذوالصورۃ کی حیات مفہوم ہو یعنی دیکھنے والا یہ سمجھے کہ وہ زندہ کو دیکھ رہا ہے تو وہ تصویر ذی روح کی ہے اور اگر فہم ناظر میں حیات مفہوم نہ ہو تو وہ تصویر غیر ذی روح کی ہے اب اعلیٰ حضرت کی عبارت ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں:

''بہر حال اگر اسی پر چلیے فاقول وباللہ التوفیق تصویر میں حیات آپ تو کسی حالت میں نہیں ہوتی نہ وہ کسی حال میں جملہ اعضائے مدار حیات کا استیعاب کرتی ہے عکسی میں تو ظاہر کہ اگر پورے قد کی بھی ہو تو صرف ایک طرف کی سطح بالا کا عکس لائے گی، خول میں نصف جسم بھی ہوتا تو عادتاً حیات ناممکن ہوتی ہے، نہ کہ صرف نصف سطح اور بت میں بھی اندرونی اعضا مثل دل وجگر وعروق نہیں ہوتے اور ڈاکٹری کی ایک تصویر خاص لیجیے جس میں اندر باہر کی رگ پٹھے تک سب دکھائے جاتے ہیں تو رگوں میں خون کہاں سے آئے گا؟ غرض تصویر کسی طرح استیعاب ما بہ الحیات نہیں ہوسکتی، فقط فرق حکایت وفہم ناظر کا ہے، اگر اس کی حکایت محکی عنہ میں حیات کا پتہ دے یعنی ناظر یہ سمجھے کہ گویا ذوالتصویر زندہ کو دیکھ رہا ہے تو وہ تصویر ذی روح کی ہے اور حکایت حیات نہ کرے ناظر اس کے ملاحظہ سے جانے کہ یہ حی کی صورت نہیں میت وبے روح کی ہے تو وہ تصویر غیر ذی روح کی ہے۔'' (ص۵۸۷)

اس اقتباس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جو ''میت وبے روح'' کا لفظ تحریر کیا ہے، اس کی وجہ سے بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہوگیا کہ میت کی تصویر لینی جائز ہے حالانکہ اس کا وہ مفہوم ہرگز نہیں جو سمجھا گیا ہے کیوں کہ ابھی صرف تصویر ذی روح کے بارے میں یہ اصول بتایا جارہا ہے کہ تصویر سے فہم ناظر میں حکایت حیات ہو تو تصویر ذی روح کی ہے ورنہ غیر ذی روح کی، مگر فہم ناظر میں حکایت موت وحیات کس شئی سے ہوگی، اس کی تعیین وتصریح اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ آگے کر رہے ہیں لہذا ابھی سے اتنی ہی عبارت کو دیکھ کر مردے کی تصویر کے جواز کا حکم لگانا درست نہیں۔ اب میں پھر کہوں گا کہ چونکہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی یہ بحثیں درمختار کے اسی مذکورہ جزیے کو لے کر ہورہی ہیں اس لیے اس کو پیش نظر رکھیں اور پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ہی کے قول سے تصویر ذی روح میں معیار حیات وممات کو ملاحظہ کریں، آپ نے مذکورہ اقتباس کے بعد ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس میں حضرت جبریل امین نے تصویر کے سر کاٹنے یا اس طرح اس کے ٹکڑے کردینے کا حکم دیا ہے کہ وہ درخت وغیرہ غیر ذی روح کے مثل ہوجائے اور اس سے غیر ذی روح ہونے کی حالت مفہوم ہو، تو اس کا واضح مطلب یہی ہوا کہ سر نہ کاٹا جائے تو حالت حیات مفہوم ہوگی اور بعد قطع راس حالت حیات کے بجائے حالت ممات مفہوم ہوگی، اور سر اور چہرہ ایک ہی ہیں لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ تصویر ذی روح میں چہرہ ہی وہ شئی ہے جس سے فہم ناظر میں حکایت حیات ہوتی ہے اور چہرہ نہ ہو تو فہم ناظر میں حکایت حیات ذوالصورۃ نہیں ہوتی اور مدار حکم اسی فہم پر ہے، حیات وموت حقیقی پر نہیں کیونکہ تصویر میں

یہ دونوں چیزیں نہیں ہوتیں، اب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں:

''دیکھیے جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے بھی عرض کی کہ ان تصویروں کے سر کاٹنے کا حکم فرمادیجیے جس سے ان کی ہیأت درخت کے مثل ہوجائے حیوانی صورت نہ رہے اس کا صریح مفاد تو وہی ہے کہ بے قطع راس حکم منع نہ جائے گا کہ بغیر اس کے نہ پیڑ کے مثل ہوسکتی ہے نہ صورت حیوانی سے خارج اور اگر تنزل کیجیے تو اس قدر تو لازم کہ ایسا کردیجیے جس سے وہ ایک بے جان کی صورت معلوم ہو اس سے حالت بے روحی مفہوم ہو۔'' (ص ۵۸۸)

پھر اس کے بعد آپ نے مزید اس سے واضح انداز میں فرمایا کہ چونکہ تصویر ذی روح میں حرمت وحلت کا مدار صرف اور صرف چہرے پر ہے، اس لیے تصویر اگرچہ نیم قد یا سینے تک یا صرف چہرے کی ہو، ہرگز پتھر اور درخت وغیرہ غیر ذی روح کی طرح نہیں اور چہرہ کے ہوتے ہوئے صرف ذی الصورۃ کی حیات کی حکایت نہیں کرتی بلکہ بالکل جیتے جاگتے کی تصویر دکھاتی ہے، اور سر لگی ہوئی تصویر کو دیکھ کر ناظر کا ذہن فوراً حیات ذی الصورۃ ہی کی طرف جاتا ہے، کوئی شخص نہیں سمجھتا کہ یہ (یعنی غیر ذی روح یا ذی روح کی وہ تصویر جو بغیر سر کے ہو) مردہ کی تصویر ہے۔ اور مدار حکم اسی فہم پر تھا تصویر کی حیات وممات حقیقی پر نہیں کیوں کہ فی نفسہ تصویر حکم موت وحیات سے خالی ہوتی ہے، گویا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ۵۸۷؍ پر جو یہ اصول بتایا تھا کہ اگر تصویر فہم ناظر میں حکایت حیات کرے تو وہ تصویر ذی روح کی ہے ورنہ غیر ذی روح کی، اسی اصول کی فہمائش صفحہ ۵۸۸ پر کررہے ہیں کہ وہ چہرہ ہی ہے جس کے ذریعہ حکایت حیات مفہوم ہوتی ہے اور تصویر کی حلت وحرمت کا مدار اسی فہم پر ہے کہ جب تصویر سر کے ساتھ ہوگی تو یقیناً حیات مفہوم ہوگی اور حرمت بھی ثابت ہوگی اور بغیر سر کے حیات مفہوم ہوتی نہیں، لہذا حرمت بھی ثابت نہ ہوگی، اس ضابطے کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ سر کے ساتھ بھی تصویر میں کبھی حیات مفہوم ہوگی کبھی نہیں اور اگر کوئی شخص ایسا سمجھ ہی لے تو یہ غلط فہمی اور وہم ہوگا اور احکام شرعیہ کی بنیاد اس طرح کے افہام کاسدہ اور اوہام فاسدہ پر نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص دن کو رات سمجھ لے تو قصور اس کے فہم وفکر کا ہے، دن رات کا نہیں اور اس فہم ناقص کی وجہ سے اصل حکم میں تبدیلی بھی نہیں ہوگی، کہ رات کو دن سمجھ لیا ہے تو اب اس کے لیے ظہر وعصر کی نمازیں لازم ہوں اور دن کو رات سمجھ لیا ہو تو اس پر رات کی عبادتیں نافذ ہوں، ورنہ لوگ اپنے فائدے کے مطابق سمجھنے لگیں گے اور پھر اس طرح کی سمجھ کا بازار ایسا گرم ہوگا کہ رانچی کے کچھ مخصوص لوگ اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ اب لیجیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحریر ملاحظہ کیجیے۔ آپ رقم طراز ہیں:

''اور شک نہیں کہ عکسی تصویریں اگرچہ نیم قد یا سینہ تک بلکہ صرف چہرے کی ہوں ہرگز نہ مثل شجر ہوتی ہیں، نہ مردہ۔ ذوالصورۃ کی حکایت کرتی ہیں بلکہ یقیناً جیتے جاگتی کی صورت دکھاتی ہیں، اور ناظرین کا ذہن ان سے حالت حیات ذوالصورۃ ہی کی طرف جاتا ہے، کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ مردہ کی صورت ہے اور مدار حکم اسی فہم پر تھا نہ حیات وموت حقیقی پر جس سے تصویر کو بہرہ (حصہ) نہیں، آیا نہیں دیکھتے کہ سلاطین نصاریٰ اپنی ایسی ہی ناقص تصویریں سکے پر منقوش کراتے ہیں اگر اس سے حالت موت مفہوم ہوتی تو کبھی نہ چاہتے کہ سکے میں اپنی مردہ کی صورت دکھائیں۔'' (۵۸۸)

اب یہاں پر دو باتیں قابل ذکر ہیں اول یہ کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا بار بار چہرے کا ذکر کرنا اور بحثوں کا انحصار اسی پر کرنا واضح طور پر آپ کے موقف کو ثابت کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی بتا رہا ہے کہ تصویر ذی روح کی حلت وحرمت کے سلسلے میں چہرہ ہی قابل اعتبار ہے اسی پر مناط ومدار ہے اور وہی محک ومعیار ہے۔ دوم یہ کہ چونکہ درمختار کی عبارت مذکورہ میں اتنا عموم ہے کہ اس سے ظاہرا یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ نصف قد یا سینہ تک کی تصویر یا صرف چہرے کی تصویر جائز ہے، حالانکہ ایسا نہیں تو گویا یہ جزئیہ دیگر کتب فقہیہ کے خلاف ہوا اس لیے رسالے میں مذکورہ تمام جزئیات کی تحقیق وتفتیش کے بعد اعلیٰ حضرت درمختار کی مذکورہ عبارت کی بڑے انوکھے انداز میں تقریر فرماتے ہیں کہ ان کی ساری تحقیقات وتنقیحات کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ انصافاً درمختار کی مذکورہ عبارت کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ جزئیہ اس تصویر کے بارے میں ہے کہ جس کو توڑ پھوڑ کر چہرہ وغیرہ کاٹ پیٹ کر اس حالت پر کر دیا گیا ہو کہ اس سے حالت حیات کی حکایت نہ ہوتی ہو اور جو بھی اسے دیکھتا ہو، اسے میت اور غیر ذی روح کی تصویر سمجھتا ہو اور ظاہر ہے کہ ایسی تصویر تصویر ممنوع میں داخل نہیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی عبارت دیکھ لیجیے، فرماتے ہیں:

''تو انصافا یہ عبارت درمختار بھی ان تصویروں سے نفی ممانعت نہیں کرتی ہے وہ اس تصویر کے لیے ہے جسے توڑ پھوڑ کر ایسی حالت پر کر دیں کہ اس میں حالت حیات کی حکایت نہ رہے جو اسے دیکھے میت بے روح کی صورت جانے۔'' ص (۵۸۸)

اور اب آخر میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ایک ایسی عبارت نقل کر رہا ہوں جو مذکورہ پوری بحث کی جان اور ازالہ شبہ کے لیے روح اذعان وایقان ہے، فرماتے ہیں کہ ''چہرے کے علاوہ دوسرے جن اعضا پر حیات کا مدار ہے، ان کو تصویر میں سرے سے نہیں بنایا یا بنا کر توڑ پھوڑ دیا تو ان سے حیات ذوالصورۃ کے مفہوم ہونے اور

نہ ہونے میں کچھ فرق ہوسکتا ہے، برخلاف چہرہ کے کہ اس کو تصویر میں نہ بنایا یا بنا کر توڑ دیا، دونوں صورتوں میں ذوالصورۃ کی حیات کی حکایت نہیں ہوگی، اور اگر چہرہ کو بنا کر برقرار رکھا تو بہر حال حکایت حیات ہوگی، خواہ تصویر مردے کی ہو یا زندے کی اس سے میرے اس موقف کی بھرپور تائید ہوگئی کہ تصویر میں حکایت حیات چہرے ہی سے مفہوم ہوتی ہے اور مدار حکم اسی فہم وحکایت پر ہے، کلام امام سنیے، تحریر فرماتے ہیں:

''اور عجب نہیں کہ چہرے کے سوا دیگر اعضائے مدار حیات کے عدم اصلی واعدام بنقض وابطال میں معنی مقصود بحکایت الحیوۃ عرفا مفہوم ہونے یا نہ ہونے میں بعض صور میں فرق پیدا ہو، بخلاف چہرہ کہ سرے سے نہ بنایا یا بنا ہوا توڑ دیا بہر حال حکایت (حیات) نہیں ہوتی کما لا یخفی۔'' (۵۸۸،۵۸۹)

ہماری اس تحریر میں بھی غلط فہمی کی وجہ سے کچھ مقامات پر شبہات ہوں گے مگر یہ شبہات اتنے کمزور اور بودے ہیں کہ نظر صحیح کرنے پر خود بخود تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ کر نیست ونابود ہوجائیں گے اس لیے قصدا میں نے ان کی جانب التفات نہیں کیا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی عبارت میں جو شبہ تھا اس کا تعلق یہیں تک کی عبارت سے تھا، اس لیے یہیں پر اب یہ بحث ختم کی جاتی ہے اور اب خلاصہ کلام اور عطر تحقیق یہ ہوا کہ ذی روح کی تصویر میں حیات کا مفہوم چہرہ ہی سے ہوتا ہے لہذا ہر وہ تصویر جو چہرے کے ساتھ ہو وہ لامحالہ حی کی تصویر ہوگی، خواہ ذوالصورۃ زندہ ہو یا مردہ لہذا اب یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ میں یہ فرمایا کہ جس شخص کا انتقال ہوگیا ہو اس کی تصویر لینا جائز ہے تو یہ کسی اور حضرت کا قول ہوگا اعلیٰ حضرت کا قول اس طرح کے سطحیات سے پاک ومنزہ اور بے غبار ہے۔

شب وروز کی بے شمار مصروفیات کے باوجود محض اظہار ثواب واحقاق حق کے لیے تھوڑا تھورا وقت نکال کر اس جواب کو تیار کیا گیا اور الحمد للہ علی کل حال یہ جواب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے موقف کا مظہر بن کر پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اخیر میں یہ عرض کرتا چلوں کہ اس تحریر کے ذریعہ صرف اور صرف صحیح موقف کی تعیین اور اس کا اظہار مقصود ہے کوئی قلمی پیکار یا قلبی آزار ہرگز مقصود نہیں اور یہ ہمارا شیوہ بھی نہیں، اللہ توفیق خیر بخشے۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ: محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۴۳۳ھ

کتاب الفرائض

میراث کا بیان

زندگی میں میراث تقسیم کرنے میں لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر دینا لازم ہے۔

مسئلہ : از محمد منصور رضوی مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید کے والد حج کو جا رہے ہیں اور وہ اپنا مال اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان بانٹنا چاہتے ہیں، تو کس طرح بانٹنا ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب سوال زید اگر اپنی حیات میں اپنا مال اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتا ہے تو حکم شرع یہ ہے کہ زندگی میں تقسیم کرنے میں ذکور وانا ث (یعنی لڑکا اور لڑکی) کو برابر برابر دینا ہوگا، کسی کو کم کسی کو زیادہ نہ دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

۶؍ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

وارثین میں ایک بیوی، تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے تو ترکے کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از محمد اختر حسن باغ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا، زید نے اپنی جائداد میں ایک مکان ۲؍لاکھ روپیہ چھوڑا، اس کے وارثین میں ایک بیوی، ۳؍لڑکے اور ایک لڑکی ہے، ان کے درمیان

تقسیم کی صورت بتائیے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا واقعی اگر زید کے ورثہ میں ان کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں ہے تو مقدمات ارث کے بعد متوفی زید کا کل ترکہ چاہے مکان ہو یا نقد رقم مذکورہ وارثین کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیوی کو آٹھواں حصہ دینے کے بعد مابقیہ لڑکوں اور لڑکے کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم ہوگا یعنی جتنا ایک لڑکی کو ملے گا اس کا دوگنا ایک لڑکے کو ملے گا، جس کی صورت یہ ہوگی۔

میت : زید مسئلہ ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱	۲	۲	۲	۱

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ناگ پور

۲۰ رنومبر ۲۰۰۶ء بروز دوشنبہ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

پوتے کو دادا کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا۔ ایک بیوی تین لڑکے اور پانچ لڑکیوں میں ترکے کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از محمد کلیم اللہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک لڑکا ان کی زندگی میں فوت ہوگیا، مرحوم کے دو لڑکے ہیں، ایک تین سال کا اور ایک چھ سال کا۔ زید کے تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں اور بیوی ہے۔ زید کے انتقال کے بعد زید کی وراثت میں ان کے پوتوں کا کیا حق ہے؟ اور ان کے لڑکے اور لڑکیوں اور بیوی کا کیا حق ہے؟ اگر زید کے مرحوم لڑکے اور پوتوں کا وراثت میں حق نہیں ہے، تو براہ کرم قرآن

وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں، تاکہ دوسرے لوگوں کو سمجھ میں آجائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : بحسب استفتا زید کی حیات میں زید کا ایک لڑکا فوت ہو گیا تو وہ یا اس کی اولاد زید کے مرنے کے بعد زید کے ترکہ میں سے کچھ نہیں پائے گی۔

رہا زید کے انتقال ہونے کے بعد کا سوال تو اگر انتقال زید کے پہلے یہی وارثین موجود ہیں جن کو سوال میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کوئی انتقال نہ کیا ہو، تو مقدمات ارث کے بعد زید کا کل ترکہ چاہے روپیہ کی شکل میں ہو یا مکان وغیرہ کی شکل میں، انہیں وارثین کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیوی کو آٹھواں حصہ دینے کے بعد مابقیہ ترکہ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت تقسیم ہوگا یعنی جتنا ایک لڑکی کو ملے گا اس کا دوگنا ایک لڑکے کو ملے گا جس کی صورت یہ ہوگی۔

میت : زید مسئلہ ۸×۸۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۱	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷

ہاں اگر زید اپنی حیات میں اپنے مرحوم بیٹے کی اولاد کو بطور مدد کچھ دینا چاہتا ہے تو دے سکتا ہے، زید پر کوئی جبر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

یکم صفر ۱۴۲۸ھ ۲۰ر فروری ۲۰۰۷ء بروز سہ شنبہ

بیوی کو شوہر کے ترکہ سے کتنا حصہ ملے گا؟

مسئلہ : از رحمت اللہ راشد احمد آبادی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

زید نے ہندہ سے ۲۰۰۴ء میں نکاح کیا اور زید کا انتقال ۲۰۰۶ء میں ہو گیا، سوال دریافت یہ ہے کہ زید سے ہندہ کو کوئی اولاد بھی پیدا نہیں ہوئی، زید کے نام پر تمام جائداد ہے، کیا ہندہ کا وراثت میں حصہ بنتا ہے اگر

بنتا ہے تو کل کتنا حق ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ بصد شکریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : بعد تقدیم ماتقدم علی الارث یقیناً زید کی بیوی ہندہ کو زید کے ترکہ سے حصہ ملے گا۔

تنویر الابصار مع درمختار میں ہے:

"ویستحق الارث برحم ونکاح صحیح." (ج۱۰، ص۴۹۷، کتاب الفرائض)

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"ویستحق الارث بالنسب وهو القرابة والسبب وهو الزوجية . "اھ ملخصا (ج۶، ص۴۴۷، کتاب الفرائض)

ایسا ہی ملتقی الابحر ج۴، ص۳۹۷، کتاب الفرائض میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ سوال ادھورا ہے اس لیے ہندہ کے حصے کی تعیین نہیں ہوسکتی، زید کے قرابت داروں میں سے کوئی موجود یا نہیں؟ ان کو ذکر کرنے کے بعد دوبارہ حکم معلوم کر سکتے ہیں۔

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۸ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید نے والدہ دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں تو ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از سید نیاز علی رضوی

اس مسئلہ کے تعلق سے کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید کا ایک مکان ہے، جسمیں حصہ دار بیوی، دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ مسئلہ حل کر دیں عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب : واقعی اگر زید کے وارثین میں ان کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں ہے تو مقدمات ارث کے بعد زید کا کل ترکہ چاہے مکان ہو یا نقد رقم وغیرہ انہیں مذکورہ وارثین کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیوی کو آٹھواں حصہ دینے کے بعد مابقیہ ترکہ دونوں لڑکوں اور تینوں

لڑکیوں کے درمیان **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت تقسیم ہوگا یعنی جتنا ایک لڑکی کو ملے گا اس کو دوگنا ایک لڑکے کو ملے گا۔ جس کی صورت یہ ہے:

میت : زید مسئلہ ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱	۲	۲	۱	۱	۱

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ سہ شنبہ

ایک بیوی اور چار لڑکے ہیں ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

مسئلہ : از محمد قربان علی فریدی رحمت نگر بھاگلپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

میت زید نے اپنا ترکہ زمین چھوڑا، جس کے ورثہ میں ایک بیوی اور چار لڑکے ہیں لہذا ہر وارث کو ترکہ سے کتنا حصہ ملے گا از روئے شرع بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الحنان المنان : بحسب استفتا زید کے وارثین میں اگر واقعی یہی وارث ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تو مقدمات ارث کے بعد زید کا کل ترکہ چاہے زمین ہو یا نقد رقم انہیں ورثہ کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیوی کو کل مال کا آٹھوا حصہ دینے کے بعد مابقیہ ترکہ چار لڑکوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، جس کی صورت یہ ہے:

میت : زید مسئلہ ۸×۴=۳۲

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا
۴	۷	۷	۷	۷

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضا دار الیتامی ناگ پور

۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ ۲۳؍مئی ۲۰۰۷ء چہارشنبہ

زندگی میں مہر ادا نہیں کیا تو عورت کے انتقال کے بعد اس مہر کی ادائیگی ضروری ہے اور اس کے مستحق عورت کے ورثہ ہوں گے۔

مسئلہ : از حاجی عبد الغفار تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

خالدہ کا انتقال ہو گیا ہے، وارثین میں شوہر، ماں، باپ، ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں۔ خالدہ کے شوہر حامد نے اپنی بیوی کا مہر اس کی زندگی میں نہیں دیا تھا، کیا اب اس مہر کو دینا پڑے گا یا نہیں؟ اگر دے گا تو اس کا مستحق کون ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ نیز اس کا چھوڑا ہوا مال کیسے تقسیم ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : حامد پر لازم ہے کہ وہ اب خالدہ کا پورا مہر ادا کرے، ارشاد باری ہے:

فَمَااسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً. "(پ۵، س نساء ۴، آیت ۲۴)

تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہوئے مہر انہیں دو۔

اس مہر کے مستحق خالدہ کے وارثین ہوں گے، لہٰذا سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ خالدہ کا اگر کوئی اور وارث نہیں تو خالدہ کے مہر کی رقم اور اس نے جو کچھ اپنی ملکیت کی جائداد چھوڑی ہے، وہ سب بعد تقدیم ماتقدم علی الارث بارہ حصوں میں تقسیم کی جائیں گی، جن میں سے چوتھائی یعنی تین حصے خالدہ کے شوہر حامد کو ملیں گے، دو، دو حصے اس کی ماں باپ کو ملیں گے اور باقی پانچ حصے اس کے لڑکے لڑکیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیے جائیں گے کہ لڑکے کو لڑکیوں کا دوگونا حصہ ملے گا مثلاً پانچ حصوں میں

سے دو حصے لڑکے کو ملیں گے اور تین حصوں میں سے تینوں لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : خالدہ مسئلہ ۱۲

شوہر	ماں	باپ	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۳	۲	۲	۲	۱	۱	۱

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"الاب لہ السدس مع الابن والبنت اذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین کذافی التبیین . والام لھا السدس مع الولد وللزوج الربع مع الولد . "اہ ملخصا(ج ٦،ص ۴۴۸، ۴۵۰،الباب الثانی فی ذوی الفروض من کتاب الفرائض)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۹/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

عبد القیوم نے ایک مکان چھوڑا جس کی قیمت تخمینا چھ لاکھ ہے وارثین میں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں تو وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از محمد شریف ٹیکہ آزاد نگر سابق کارپوریٹر محمد احسان کے گھر کے پاس

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرحوم عبد القیوم صاحب نے اپنی وراثت میں ایک مکان چھوڑا ہے، جس کی تخمینا قیمت ٦/لاکھ کی ہوتی ہے اور وارثین میں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں، اپنا حصہ اب لڑکیاں مانگ رہی ہیں تو کیا ان کا حصہ عبد القیوم صاحب کے مکان میں ہوسکتا ہے اگر ہوتا ہے تو کتنا کتنا لڑکیوں کو ملے گا جب کہ تینوں لڑکیاں حیات ہیں جس میں ایک مطلقہ ہے۔ از روئے شرع جواب عنایت فرما کر کرم فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سوال میں مذکور وارثین کے علاوہ اگر عبدالقیوم کا کوئی اور وارث نہیں، تو مال وراثت کی تقسیم سے پہلے جن چیزوں کی ادائیگی ضروری ہے ان کو ادا کرنے کے بعد عبدالقیوم کی پوری جائداد کے پانچ حصے کیے جائیں گے، جن میں سے دو حصے اس کے لڑکے کو ملیں گے اور باقی تین حصوں میں سے تینوں لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ ارشاد باری ہے:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ." (پ ۴، س نساء ۴، آیت ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر۔

مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : عبدالقیوم مسئلہ ۵

لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۱	۱	۱

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۰ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ہندہ نے شوہر، ماں، باپ، ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑا تو ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از عبدالغفار قریشی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہندہ کا انتقال ہوگیا ہے، وارثین میں شوہر، ایک لڑکا، ایک لڑکی اور ماں باپ ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کے

شوہر زید نے اپنی بیوی کو اس کی زندگی میں مہر نہیں دیا تھا، اب مہر کے ساتھ ساتھ اس کے چھوڑے ہوئے اپنے مال کی تقسیم کیسے ہوگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اگر ہندہ نے صحت کی حالت میں خوشی سے اپنی زندگی میں اپنا مہر معاف کر دیا تھا، اور زید نے انکار نہیں کیا تھا تو اب زید پر مہر کی ادائیگی ضروری نہیں۔ ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا." (پ۴، س نسا۴، آیت۴)

پھر وہ اگر اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا یعنی خوش گوار اور مزے سے۔

درمختار میں ہے:

"**صح حطها لكله او بعضه عنه قبل اولا . ويرتد بالرد كما في البحر.**" (**الدرالمختار فوق رد المحتار ج۴، ص۲۴۸، ۲۴۹، باب المهر من كتاب النكاح**)

اور اگر ہندہ کا مہر زید کے ذمہ باقی ہے تو اس پر مہر کی ادائیگی لازم ہے اور اس کے مستحق ہندہ کے وارثین ہوں گے۔ لہذا سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ اگر ہندہ کا کوئی اور وارث نہیں۔ اور ان کو وراثت میں حصہ لینے سے کوئی چیز روکنے والی بھی نہیں تو وراثت کی تقسیم سے پہلے جن چیزوں کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے، ان کو ادا کرنے کے بعد ہندہ کے مہر کی رقم کے ساتھ ساتھ اس نے جو کچھ بھی اپنی ملکیت کی جائداد چھوڑی ہے، وہ سب چھتیس حصوں میں تقسیم ہوگی، جن میں سے چوتھائی یعنی نو حصے اس کے شوہر زید کو ملیں گے، چھ چھ حصے اس کی ماں باپ کو ملیں گے اور باقی پندرہ حصے ہندہ کے بیٹے اور بیٹی کو ملیں گے جو دونوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیے جائیں گے کہ بیٹا کو بیٹی کا دوگونا ملے گا مثلا بچے ہوئے حصوں میں سے دس حصے لڑکے کو ملیں گے اور پانچ لڑکی کو۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : ہندہ مسئلہ ۱۲×۳=۳۶

شوہر	ماں	باپ	لڑکا	لڑکی
۹	۶	۶	۱۰	۵

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”الاب لـه السـدس مع الابـن او ابـن الابـن وان سـفل. والبنت اذااختلط البنون والبنـات عـصـب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الانثيين كذا فى التبيين والام لها السـدس مـع الـولـد او ولـد الابـن ولـلـزوج الـربـع مـع الـولـد.“اھ ملـخـصـا(ج٦،٤٤٨،٤٥٠،البـاب الثـانى فى ذوى الفروض من كتاب الفرائض)والله تعالیٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحى
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۱رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحيح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

محمد امین کے وارثین میں ایک بیوی دولڑکے اور ایک لڑکی ہے ان کے مابین ترکہ کی تقسیم اور محمد امین کی مختلف جائداد کے بارے میں شرعی احکام

مسئلہ : ازمحمد شکیل انصاری حبیب نگر ٹیکہ ناگ پور مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جناب مرحوم ومغفور محمد امین انصاری صاحب جو حبیب نگر ٹیکہ میں رہتے تھے،جن کا شعبان المعظم میں انتقال ہوگیا،مرحوم کے بعد مرحوم کی اہلیہ،دو بیٹے اور ایک بیٹی وارث کے طور پر ان کی جائداد کے حقدار ہیں۔مرحوم محمد امین انصاری صاحب کا ناگ پور میں ایک مکان ہے جو چوبیس سو اسکوائر فٹ پر بنا ہے جس میں مرحوم کی اہلیہ اپنے چھوٹے بیٹے محمد شکیل کے ساتھ رہتی ہیں،بڑا بیٹا جو پہلے ہی سے ماں باپ سے الگ رہتا ہے اور اسی مکان میں ہے،بیٹی انوری بانو جس کی شادی ہوچکی ہے،اپنے شوہر کے گھر رہتی ہے۔مرحوم کے اس مکان کے علاوہ آٹھ لاکھ روپیہ بھی ہے،علم المیراث وشریعت اس روپیہ میں کس کو کتنا حصہ دے گی واضح فرمائیں۔

سوال:۔ مرحوم محمد امین انصاری کے اس مکان کے علاوہ دو پلاٹ اور ہیں ایک پلاٹ اٹھارہ سو دوسرا ایک ہزار اسکوائر فٹ کا ہے،اس پلاٹ کو کیسے تقسیم کیا جائے گا،تحریر فرمائیں۔

مرحوم محمد امین انصاری جو یوپی کے رہنے والے تھے، وہاں گاؤں میں بھی ایک پلاٹ لیا تھا جو ایک ہزار کا ہے، جس کی قیمت قریب دو لاکھ روپیہ ہے اس کو کیسے تقسیم کیا جائے گا؟

مرحوم محمد امین صاحب نے یوپی میں اپنی اہلیہ کے نام سے کھیتی خریدی ہے اور ایک مکان بھی ہے، تو کیا کھیتی اور مکان کو بھی تقسیم کیا جائے گا یا اہلیہ ہی اس کی حقدار ہیں؟ واضح فرمائیں۔

مرحوم محمد امین انصاری صاحب کے وارثین حضرات

اہلیہ کا نام	بڑے بیٹے کا نام	چھوٹے بیٹے کا نام	بیٹی کا نام
قیصر جہاں زوجہ محمد امین انصاری	محمد قدیر انصاری ابن محمد امین مرحوم	محمد شکیل انصاری ولد مرحوم محمد امین انصاری	انوری بانو بنت مرحوم محمد امین انصاری

مرحوم محمد امین انصاری ہی تمام جائداد کے اکیلے مالک تھے اور انہوں نے ہی سب کچھ خریدا اور بنوایا ہے، اس میں کسی کا کچھ ایک روپیہ تک نہیں لگا ہے، مرحوم کی اہلیہ جو بقید حیات ہیں ان کو جائداد میں کتنا ملے گا، دونوں بیٹوں کو کتنا ملے گا؟، ایک بیٹی کو کتنا ملے گا تحریر فرمائیں۔

مرحوم کی اہلیہ جو ہر حال میں اپنے چھوٹے بیٹے محمد شکیل کے ساتھ رہتی ہیں اور وہی ماں کی خدمت، دکھ درد، دوا علاج کا خرچ اٹھاتا ہے، مگر بڑا بیٹا محمد قدیر جو کافی عرصہ سے ماں باپ سے الگ اسی مکان میں رہتا ہے اپنے چھوٹے بھائی محمد شکیل کو مکان سے بے دخل کرنا چاہتا ہے، ناجائز طریقے سے سب جائداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے کسی کو کچھ نہیں دینا چاہتا گالی گلوج کرتا ہے ماں کی خدمت بھی نہیں کرتا ایسے شخص پر جو غلط اور ناجائز طریقے سے غصب کرنا چاہتا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس پر حکم نافذ فرمائیں، عین کرم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حق کہنے اور حق لکھنے کی توفیق بخشے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ اگر محمد امین انصاری کا کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث اس کی پوری جائداد منقولہ وغیر منقولہ یعنی زمین، گھر اور روپے سب کے چالیس حصے کیے جائیں گے، جن میں سے آٹھواں یعنی پانچ حصے اس کی بیوی قیصر جہاں کو ملیں گے، چودہ چودہ حصے اس کے دونوں بیٹے محمد قدیر اور محمد شکیل انصاری کو ملیں گے اور سات حصے اس کی بیٹی انوری بانو کو ملیں گے، جس کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : محمد امین انصاری مسئلہ ۸×۵=۴۰

قیصر جہاں زوجہ	محمد قدیر لڑکا	محمد شکیل انصاری لڑکا	انوری بانو لڑکی
۵	۱۴	۱۴	۷

ارشاد باری ہے:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ."

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر۔

مزید فرماتا ہے:

"فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ."(پ۴،س نساء۴،آیت ۱۲)

پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں (ہے)

محمد امین انصاری نے یوپی میں جو زمین اپنی اہلیہ کے نام سے خریدی تھی، اگر اس نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی کو وہ زمین ہبہ کر دیا تھا اور اس نے قبضہ کر لیا تھا تو وہ زمین صرف اس کی بیوی کی ملکیت ہے، اس میں کسی کا حصہ نہیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"واما حکمھا فثبوت الملک للموھوب له."ج۴،ص ۳۷۴،الباب الاول فی تفسیر الھبة من کتاب الھبة)

محمد امین انصاری کی جائداد میں اس کے تمام وارثین کا حق ہے، اس لیے محمد قدیر کا تنہا اس جائداد پر قبضہ کرنا جائز نہیں، اگر کرے گا تو یہ ظلم ہوگا اور حق العباد میں گرفتار ہو کر وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوگا، اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی اس بری خواہش کو اپنے دل سے نکال دے حدیث پاک میں ہے:

"الا لاتظلموا الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منه."(مشکوۃ ص ۲۵۵، باب الغصب والعاریة)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۳/ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ

زید کے وارثین میں ایک بیوی دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں تو ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از خواجہ امیر اللہ خان جعفر نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے انتقال کے بعد مرحوم کی قریب اٹھارہ ایکڑ زمین زیر کاشت ہے، مرحوم کے وارثین میں ان کی اہلیہ، دو فرزندان، چار دختران بقید حیات ہیں۔ صرف ایک فرزند جو کالج میں زیر تعلیم ہے کو چھوڑ کر تمام بچوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ مرحوم کی مندرجہ بالا زمین ان کے والد کے ورثے میں ملی تھی، لہذا براہ مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دے کر عنداللہ ممنون ومشکور فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ اگر زید کا کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ یعنی روپے، زمین اور مکان وغیرہ کے چونسٹھ حصے کیے جائیں گے جن میں سے آٹھواں یعنی آٹھ حصے اس کی بیوی کو ملیں گے اور لڑکوں کو لڑکیوں کا دوگونہ ملے گا یعنی لڑکوں کو چودہ چودہ اور لڑکیوں کو سات سات حصے ملیں گے، جس کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۸×۸=۶۴

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۸	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

ارشاد باری ہے:

"**یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ.**"

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر۔

مزید ارشاد ہے:

"**فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ.**" (پ۴، س نساء۴، آیت ۱۲)

پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں (ہے) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۹ /ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

تین بھائیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم کی صورت کیا ہوگی؟ بڑے بھائی نے والدین کے انتقال کے بعد ان کے مکان کو اپنے استعمال میں رکھا تو اس پر کرایہ لگے گا یا نہیں؟

مسئلہ : از قیصر جمال بھانکھیڑہ مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے والدین کی زندگی ہی میں گھر میں بٹوارہ ہوگیا تھا، ہمارے بڑے بھائی محمد اختر اور والدین کے مکان قریب قریب تھے اور ہم دونوں چھوٹے بھائیوں یعنی قیصر جمال اور محمد اطہر کو دادا کا مکان رہنے کو ملا تھا۔ والدین کے انتقال کے بعد میرے بڑے بھائی نے تقریبا اٹھارہ سال تک والدین کے مکان کو اپنے استعمال میں رکھا ابھی تک والدین کا ترکہ بھی تقسیم نہیں ہوا ہے، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ والدین کے ترکہ سے ہم تینوں بھائیوں کو کتنا حصہ ملے گا؟ اور اٹھارہ سال سے بڑے بھائی نے جو والدین کا مکان اپنے استعمال میں رکھا ہے تو اس کا کرایہ ملے گا یا نہیں اور ملے گا تو اس میں ہم تینوں بھائیوں کو حصہ ملے گا یا صرف دو چھوٹے بھائیوں کو ملے گا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سوال سے ظاہر ہے کہ قیصر جمال کے والدین کا ترکہ ابھی تک تقسیم نہیں ہوا ہے، لہذا صورت مسئولہ میں قیصر جمال کے والدین کے انتقال کے بعد اگر وارثین میں سے ہر ایک نے شریعت کے مطابق اپنا حصہ الگ کر کے بڑے بھائی کو بطور کرایہ وہ مکان نہیں دیا تھا بلکہ والدین کے انتقال کے بعد سائل کے بڑے بھائی محمد اختر نے یوں ہی اس مکان کو اپنے استعمال میں رکھا تو اب اس سے کرایہ نہیں لیا جا سکتا کیوں کہ کسی چیز سے نفع حاصل کرنے کے عوض میں کچھ رقم وغیرہ وصول کرنا اجارہ

ہے اور اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی مدت اور کرایہ کی تعیین کر دی گئی ہو اور جانبین سے ایجاب وقبول ہو گیا ہو، اور مذکورہ صورت میں یہ ساری باتیں نہیں پائی جا رہی ہیں، لہذا یہ اجارہ نہیں اور جب یہ اجارہ نہیں تو اس پر اجرت اور کرایہ متعین ہی نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس کا مطالبہ بھی صحیح نہیں۔

فتاوی عالم گیری میں اجارہ کے تعلق سے ہے:

"ھی عقد علی المنافع کذا فی الھدایة. واما رکنھا فالایجاب والقبول بالالفاظ الموضوعة فی عقد الاجارة."(ج۴،ص ۴۰۹،الباب الاول من کتاب الاجارة)

ہاں بڑے بھائی محمد اختر پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے دونوں بھائیوں کو ان کا حصہ دے دے، ورنہ وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوگا کہ یہ دوسرے کی ملکیت میں تصرف ہے جو صاحب مال کی خوشی اور اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

حدیث پاک میں ہے:

"لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منه."(مشکوۃ ص ۲۵۵، باب الغصب والعاریة)

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"لایجوز التصرف فی مال غیرہ بغیر اذنه."(ج۲،ص ۴۴۴،الفن الثانی من کتاب الغصب)

اب جب کہ قیصر جمال کے والدین میں سے کسی کا ترکہ تقسیم نہیں ہوا ہے اور دونوں کے وارثین ایک ہی ہیں اور سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ ان کے ترکہ سے کسی اور کو حصہ ملنے والا نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ان کی پوری جائداد منقولہ وغیر منقولہ یعنی زمین، مکان اور روپیہ وغیرہ سب تین حصے میں تقسیم ہوں گے، جن میں سے تینوں بھائیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا، جس کی صورت یہ ہوگی:

مسئلہ ۳

محمد اختر	قیصر جمال	محمد اطہر
ا	ا	ا

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ایک بیوی، پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

مسئلہ : از عبد الستار ولد عبد الرؤف فاجلانی جی این روڈ لکڑ گنج کامٹی

والد مرحوم کا مکان ہے۔ ہم لوگ پانچ بھائی، دو بہن اور والدہ حیات ہیں۔ ہم نے اتفاق رائے سے مکان کی قیمت چار لاکھ رکھی ہے۔ از روئے شرع اس میں والدہ، بھائی اور بہنوں کے حق میں کتنی کتنی رقم بنتی ہے۔ براہ کرم بیان فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں ان مذکورہ وارثین کے علاوہ آپ کے والد کا اگر اور کوئی وارث نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث آپ کے والد کی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے چھیانوے حصے کیے جائیں گے، جن میں سے آٹھواں یعنی بارہ حصے آپ کی والدہ کو ملیں گے، چودہ چودہ حصے آپ پانچوں بھائیوں کو اور سات سات حصے آپ کی دونوں بہنوں کو ملیں گے، مسئلے کی صورت اس طرح ہوگی:

مسئلہ ۸×۱۲=۹۶

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

ارشاد باری ہے:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ."

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر۔

مزید ارشاد ہے:

"فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ." (پ۴، س نساء۴، آیت ۱۲)

پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں (ہے) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۹/ جمادی الاخری ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

سعیدہ خاتون کے وارثین میں ایک بھائی دو بہن اور ایک بیٹی ہے۔اس کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

مسئلہ : ازمحمد سلیم تاج آباد ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سعیدہ خاتون کا انتقال ہوا،اس کا ایک بھائی ، دو بہن اور ایک بیٹی ہے،لہذا سعیدہ خاتون کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں،نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ سعیدہ خاتون کا اگر کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث اس کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے کل آٹھ حصے کیے جائیں گے،جن میں سے نصف یعنی چار حصے اس کی بیٹی کو ملیں گے،دو حصے اس کے بھائی کو اور ایک ایک حصہ اس کی دونوں بہنوں کو ملے گا،صورت مسئلہ یہ ہے:

میت : سعیدہ خاتون مسئلہ ۲×۴=۸

بیٹی	بھائی	بہن	بہن
۴	۲	۱	۱

فتاوی ہندیہ میں ہے:

”اما النساء فالاولیٰ البنت ولها النصف اذاانفردت. الاخوات لاب وام مع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین کذا فی الکافی . “اہ ملخصا(ج٦،ص ۴۴۸، ۴۵۰،الباب الثانی فی ذوی الفروض من کتاب الفرائض)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۳؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید کے وارثین میں ایک بیوی تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں اس کا ترکہ ان کے درمیان کس طرح تقسیم کریں؟

مسئلہ :
زید کی پہلی بیوی کا انتقال ہوا اور اس نے دوسری شادی کر لی بعد میں زید کا انتقال ہوا، زید کی پہلی بیوی سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں اور دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں جو ابھی حیات ہے زید کا ترکہ اس کے ورثہ میں کیسے تقسیم ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا متوفی زید کے وارثین میں ان کے علاوہ کوئی اور وارث نہیں تو مقدمات ارث کے بعد متوفی زید کا کل ترکہ زید کی دوسری بیوی جو ابھی حیات ہے اس کے اور تین لڑکوں اور دو لڑکیوں کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیوی کو آٹھواں حصہ دینے کے بعد مابقیہ ترکہ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم ہوگا یعنی جتنا ایک لڑکی کو ملے گا اس کا دوگنا ایک لڑکے کو ملے گا یعنی کل ترکہ چونسٹھ حصوں میں تقسیم ہوگا، جس میں سے آٹھ بیوی کو، چودہ چودہ لڑکوں کو اور سات سات لڑکیوں کو ملے گا، جس کی صورت یہ ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۶۴

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۶ر محرم ۱۴۳۲ھ۔ ۲۲ر جنوری ۲۰۱۱ء

الجواب صحیح
ابو القیس مصباحی قادری غفرلہ

زید کے مرحوم لڑکے کی بیوی اور بچی کو اس کے ترکہ سے بطور وراثت کچھ نہیں ملے گا، البتہ یہ اگر فقیر ہوں تو زید پر اپنی پوتی کی کفالت لازم ہے اور اخلاقاً بہو کی بھی مدد کرے۔

مسئلہ : ازعبدالواحد فاروق نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی کل نو اولاد ہیں جن میں سات لڑکے اور دو لڑکیا ہیں، جن میں سے سب سے بڑا لڑکا بکر باپ کی موجودگی میں بیوی اور ایک لڑکی کو چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ کیا زید کی وراثت میں سے بکر کی بیوی اور لڑکی کا کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟ اگر بنتا ہے تو از روئے شرع مسئلہ کا حل فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اولاً یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر بکر نے اپنی ملکیت میں سے کچھ چھوڑا ہے تو اس کی بیوی اور بیٹی کو اس میں سے بطور وراثت ضرور ملے گا۔ اب اگر سائل کا مطلب یہ ہے کہ زید کے انتقال کے بعد اس کی وراثت میں ان دونوں کا حق ہے یا نہیں؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ زید کے انتقال کے بعد اگر اس کے مذکورہ وارثین موجود ہوں تو بکر کی اس بچی کو زید کی وراثت میں سے کچھ نہیں ملے گا، اور بکر کی بیوی کو تو بہر حال کچھ نہیں ملے گا جب کہ کوئی وجہ وراثت نہ ہو۔ البتہ ابھی جب زید باحیات ہے اور بکر کا انتقال ہو چکا ہے اور اس نے اپنی ملکیت میں سے کچھ نہیں چھوڑا ہے تو بکر کی لڑکی کی کفالت اور پرورش زید پر شرعاً لازم ہے۔ لہذا زید حسب استطاعت اپنی پوتی یعنی بکر کی لڑکی کی پرورش کرے۔ یوں ہی بکر کی بیوی کے پاس اگر زندگی گزارنے کے ذرائع نہیں ہیں تو اخلاقاً زید اس کی بھی مدد کرے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر باپ مالدار ہو اور اولاد تنگ دست ہو تو حسب استطاعت باپ پر اولاد کے لڑکوں یعنی پوتوں کا نفقہ لازم ہے کیوں کہ اب یہ اولاد میت کے حکم میں ہیں اور اگر اولاد میں سے کوئی مر جائے تب تو بدرجہ اولیٰ پوتوں کا نفقہ دادا پر لازم ہوگا۔ لہذا صورت مسئولہ میں جب کہ بکر کا انتقال ہو چکا ہے تو اب دادا یعنی زید پر لازم ہے کہ حسب استطاعت بکر کی بچی کی پرورش کرے اور شرط مذکور کے مطابق اس کی بیوی کی بھی اخلاقی طور پر مدد کرے۔

ردالمحتار میں ہے:

”قال فی الذخیرة : ولو کان للفقیر اولاد صغار وجد موسر یومر الجد بالانفاق صیانة لولد الولد ویکون دینا علی والدھم ھکذا ذکر القدوری والصحیح فی المذھب ان الاب الفقیر یلحق بالمیت فی استحقاق النفقة علی الجد وان کان الاب زمنا یقضی بھا علی الجد بلا رجوع اتفاقا لان نفقة الاب حینئذ علی الجد فکذا نفقة الصغار .اھ ملخصا(ج۵، ۳۴۲،باب النفقة من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم.

کتبه : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۹/ذی الحجہ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ایک بیوی، ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

مسئلہ : ازسکینہ بیگم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا، زید کے انتقال کے بعد زید نے اپنی وراثت میں چھ عدد لوم، اور دو مکان جو کہ ایک مکان مولانا آزاد نگر کالونی میں ہے اور دوسرا مکان کھنتے نگر لے آوٹ میں ہے، جس کے وارث میں ایک بیوی، ایک لڑکا اور لڑکی ہے۔ آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ فتوے اور دین وشرع متین کی روشنی میں وراثت کس طرح تقسیم ہوگی؟ بیان فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا اگر زید کے ورثہ میں یہی کل وارث ہیں جن کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے تو مقدمات ارث کے بعد متوفی زید کا کل ترکہ چاہے وہ مکان ہو یا لوم وغیرہ انہیں وارثین کے درمیان اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ بیوی کو آٹھواں حصہ دینے کے بعد مابقیہ ترکہ لڑکا اور لڑکی کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم ہوگا یعنی جتنا لڑکی کو ملے گا اس کا دوگنا لڑکے کو ملے گا۔ کل ترکہ کے چوبیس حصے ہوں گے جس میں سے تین بیوی کو اور چودہ لڑکے کو اور سات

لڑکی کو ملیں گے، جس کی صورت یہ ہوگی:

مسئلہ ۲۴

بیوی	لڑکا	لڑکی
۳	۱۴	۷

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامی ٹیکہ ناگ پور

۷/رجمادی الاخری ۱۴۳۳ھ۔۲۹/اپریل ۲۰۱۲ء بروز یکشنبہ

بیوی، تین لڑکے اور دو لڑکیوں کے درمیان وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : ازمحمد سلیم اندرا ما تا نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ محمد حنیف کا انتقال ہوا، انہوں نے تین لڑکے، دو لڑکیاں اور ایک بیوی چھوڑی، ان کا ترکہ ایک مکان ہے، جس کی قیمت دس لاکھ طے ہوئی ہے، دریافت ہے کہ وارثین کو کتنا کتنا روپیہ ملے گا اور ان کا شریعت نے کتنا حصہ مقرر کیا ہے؟ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذکورہ وارثین کے علاوہ محمد حنیف کا اگر کوئی اور وارث نہیں تو اس کے چھوڑے ہوئے مال کو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث یعنی تجہیز وتکفین، قرض ہو تو اس کی ادائیگی اور وصیت کی ہو تو تہائی مال سے اس کی ادائیگی کے بعد چونسٹھ حصہ کیا جائے گا، جن میں سے آٹھواں یعنی آٹھ حصے اس کی بیوی کو چودہ چودہ حصے اس کے تینوں بیٹوں کو اور سات سات حصے اس کی دونوں لڑکیوں کو ملیں گے۔ مثلاً سب کچھ ادا ہونے کے بعد محمد حنیف کا یہی ایک مکان مذکور ہے جس کی قیمت دس لاکھ ہی ہے تو اس دس لاکھ میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار محمد حنیف کی بیوی کو ملے گا۔ اور اس کے تینوں لڑکوں میں سے ہر ایک کو دو لاکھ اٹھارہ ہزار سات سو پچاس اور دونوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو ایک لاکھ نو ہزار تین سو پچہتر روپے ملیں

گے۔مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:

میت : محمد حنیف مسئلہ ۸×۸=۶۴

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”اذااختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین کذا فی التبیین وللزوجة الثمن مع احدهما.“اه ملخصا(ج۶،۴۴۸،۴۵۰،الباب الثانی فی ذوی الفروض من کتاب الفرائض)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶؍محرم الحرام۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

جہیز اور وہ زیور جو مہر میں ملا وہ خاص عورت کا ہے۔وارثین میں ماں باپ شوہر اور بیٹا ہے تو ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : ازمحمد احمد رضا تاج آباد شریف ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا انتقال ہوا، اس کے وارثین میں اس کا شوہر، زید،ایک بیٹا، ماں اور باپ ہیں ۔ ہندہ کے نکاح میں زید کی اپنی ملکیت کے زیورات بشکل مہر ادا کیے گئے تھے، یہ ادائیگی زید کے کہنے پر اس کی ماں کے ہاتھوں ہوئی تھی۔پھر کچھ دنوں بعد ہندہ کی ساس یعنی زید کی ماں نے وہی مہر میں دیے گئے زیورات کو اپنی ضرورت کے لیے لے لیا،لہذا اس سلسلے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ زیورات جو مہر میں دیے گئے تھے اور وہ سامان جو بطور جہیز صرف ہندہ کو دیے گئے تھے، وہ اس کے وارثین کے درمیان تقسیم کیے جائیں گے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں ذکر کی گئی باتیں اگر سچ ہیں تو جو جہیز کا سامان ہندہ کو ملا تھا اور جو زیورات مہر کے طور پر اس کو ملے تھے وہ سب ہندہ ہی کی ملکیت ہے، لہذا اب جب کہ ہندہ کا انتقال ہو چکا ہے تو اس کا ترکہ اس کے تمام وارثین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا کہ وہی اس کے مستحق ہیں، تنہا کسی ایک وارث یا وارث کے علاوہ کسی دوسرے کا اس ترکہ میں بے جا تصرف کرنا ہرگز جائز نہیں۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"**لایجوز التصرف فی مال غیرہ بغیر اذنہ.**" (ج ۲، ص ۴۴۴، الفن الثانی من کتاب الغصب)

اب اگر سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ ہندہ کا کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ہندہ کا پورا ترکہ اس کے وارثین میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ اس پورے مال کے بارہ حصے کیے جائیں گے جن میں سے سدس یعنی دو دو اس کی ماں اور باپ کو چوتھائی یعنی تین حصے اس کے شوہر کو اور باقی پانچ حصے اس کے لڑکے کو ملیں گے، مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : ہندہ مسئلہ ۱۲

ماں	باپ	شوہر	بیٹا
۲	۲	۳	۵

ردالمحتار میں ہے:

"**الجھاز للمرأۃ اذا طلقھا تاخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا.**" (ج ۴، ص ۳۱۱، باب المھر من کتاب النکاح)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"**الاب لہ السدس مع الابن والام لھا السدس مع الولد وللزوج الربع مع الولد. العصبات ھم کل من لیس لہ سھم مقدر ویاخذ مابقی من سھام ذوی الفروض واذا انفرد اخذ جمیع المال کذا فی الاختیار شرح المختار. فاقرب العصبات الابن. اھ**

ملخصا(ج٦،ص٤٤٨،٤٥١، الباب الثانی والثالث من کتاب الفرائض) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
٢٩ر صفر ١٤٣٣ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید کا ایک مکان تھا جس کا آدھا حصہ بکا ہوا ہے، اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ زید کے ترکہ سے اس کی بہو اور پوتے کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

مسئلہ : از حاجی عبد الشکور بھالدار پورہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسئلہ پر

(١) زید کے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہندہ ہے ۔ زید کی موجودگی میں اس کے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا ، جس کی ایک بیوی اور ایک لڑکا ہے ۔ کچھ دنوں بعد زید کا انتقال ہوا، مگر اس کے وارثین میں موجود تین لڑکے اور ایک لڑکی ہندہ کے درمیان زید کا ترکہ تقسیم نہیں ہوا ، پھر کچھ دنوں بعد زید کی لڑکی ہندہ کا بھی انتقال ہوگیا ، جس کے وارثین شوہر، دو لڑکے، ایک لڑکی ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہندہ کو اپنے باپ زید کے ترکہ سے دے کر پھر اس کے ترکہ کو تقسیم کیا جائے گا یا اور کوئی صورت ہوگی؟

(٢) زید کے پاس ایک مکان تھا، جس کا آدھا حصہ وہ اپنی زندگی ہی میں بیچ گیا ہے اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

(٣) زید کے ترکہ سے زید کا پوتا اور اس کی بہو کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

برائے کرام مذکورہ سوالوں کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (١،٣) اس کی تقسیم کا آسان پہلو یہ ہے کہ پہلے زید کی میراث تقسیم کی جائے، پھر

اس کے بعد ہندہ کے ترکہ کو تقسیم کیا جائے، لہذا زید کے وارثین میں مذکورہ تین لڑکے اور ایک لڑکی ہندہ متوفیہ کے علاوہ کوئی اور وارث نہیں تھا تو زید کی پوری جائداد کے سات حصے کیے جائیں گے جس میں سے دو دو حصے تینوں لڑکوں کو اور ایک حصہ ہندہ کو ملے گا جو اس کے وارثین میں تقسیم کیا جائے گا۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۷

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۲	۲	۲	۱

ارشاد باری ہے:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ." (نساء ۴/ ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر۔

زید کے پوتے اور اس کی بہو کو زید کی وراثت سے شرعا کوئی حصہ نہیں ملے گا، تقسیم میراث کے بعد اگر زید کے زندہ وارثین اپنی طرف سے دے دیں تو بہتر ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"الابن یحجب اولاد الابن." (ج۶، ص ۴۵۲، **الباب الرابع فی الحجب من کتاب الفرائض**)

ہندہ کے وارثین میں اگر اور کوئی وارث نہیں تو زید کے ترکہ سے ملنے والے حصے اور اس کی اپنی پوری جائداد کے بیس حصے کیے جائیں گے جن میں سے چوتھائی یعنی پانچ حصے اس کے شوہر کو، چھ چھ حصے اس کے دونوں لڑکوں کو اور تین حصے اس کی لڑکی کو ملیں گے۔ مسئلہ کی صورت یہ ہے:

میت : ہندہ مسئلہ ۴×۵=۲۰

شوہر	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۵	۶	۶	۳

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"اذااختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین

کـذا فـی التبیین وللزوج الربع مع الولد۔"اہ ملخصا(ج۶،ص۴۴۸، ۴۵۰،الباب الثانی من کتاب الفرائض)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۵/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

متوفی زید کا ایک مکان ہے اس کا کرایہ زید کے وارثین کے درمیان کس طرح تقسیم کریں؟

مسئلہ : ازمحمد مشتاق رضوی بیسا ناگ پور، سفیر جامعہ ہذا

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) زید کا ایک ذاتی مکان ہے، زید کے انتقال کو تین سال ہو چکا ہے اوران کے وارثین پانچ ہیں، ایک بیوی اور چار لڑکی ۔ تین لڑکیوں کی شادی ہوچکی ہے، ایک لڑکی اپنی ماں کے پاس رہتی ہے زید ہی کے مکان میں ۔زید نے اپنے انتقال سے پہلے کسی وارث کا نام مکان میں نہیں کیا تھا۔ زید کے مکان کا کرایہ تقریبا ساڑھے دس ہزار روپے ماہانہ آتا ہے جو ماں وصول کررہی ہے جب کہ تینوں داماد کی حالت بھی خستہ ہے،اس حالت میں کیا کرایہ کی تقسیم ہونی چاہیے؟

(۲) آج کی تاریخ میں کرایہ کی تقسیم کرنی ہے تو کس طرح کی جائے گی؟ واضح کریں کرم ہوگا۔

(۳)اور اگر کل یہ مکان بکتا ہے تو ماں اور بچیوں کو کس طرح حصہ تقسیم کی جائے گی ؟ تحریری وضاحت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱،۳) زید کا اگر کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کی کل جائداد کے تیس حصے کیے جائیں گے جن میں سے آٹھواں یعنی چار حصے اس کی بیوی کو اور سات ،سات حصے اس کی ہر ایک لڑکی کو ملیں گے،مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید   مسئلہ ۸×۴=۳۲

بیوی	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۴	۷	۷	۷	۷

ارشاد باری ہے:

"فَاِنْ كَانَ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّاتَرَكْتُمْ."(نساء ۴/ ۱۲)

پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں (ہے)۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"اعلم ان جميع من يرد عليه سبعة الام والجدة والبنت."الخ (ج٦، ص ٤٦٩، الباب الرابع عشر فی الرد من کتاب الفرائض)

فتاوی بزازیہ میں ہے:

"ان کا ن من یرد (علیهم) صنفا واحدا فهم بمنزلة العصبات یعطی من لا یرد علیه نصیبه من اقل مخارجه والباقی لهم فرضا وردا."(بزازیه ج٣،علی هامش هندیه ج٦ ،٤٦٣، النوع الثانی فی الرد من کتاب الفرائض)

گزشتہ تین سال سے وصول ہونے والے مکان کے کرایہ کو زید کی بیوی نے اگر اپنی تمام یا کچھ بچیوں پر خرچ کر دیا ہے تو جن پر خرچ ہوا ان کو ان کا حصہ مل گیا، جب کہ مذکورہ حصہ کے برابر ملا ہو، لہذا اب انہیں گزشتہ تین سال کے کرایہ سے حصہ نہیں ملے گا البتہ آئندہ اپنے حصے کی مقدار میں شریک ہوں گی۔ اور جن پر خرچ نہیں کیا وہ گزشتہ تین سال اور آئندہ کی رقم میں اپنے حصے کے اعتبار سے شریک ہوں گی۔ اگر مذکورہ کرایہ کی رقم موجود ہے تو زید کی بیوی کے ساتھ ساتھ اس کی بچیاں مذکورہ شرط کے مطابق اپنا اپنا حصہ لیں گی۔ اور رقم موجود نہیں اور زید کی بیوی نے پورے کرایہ کو اپنے اوپر ہی خرچ کرلیا ہے تو اس کو ان بچیوں کا حصہ دینا لازم ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ لڑکیاں گزشتہ تین سال کا کرایہ معاف کر دیں اور آئندہ سے اپنا حصہ لیں اور چاہیں تو اس کو بھی معاف کر دیں۔ **فان الله عفو یحب العفو.**

کرایہ یا مکان کی قیمت کی تقسیم کا طریقہ بھی یہی ہوگا کہ سب کو بتیس حصوں میں تقسیم کرنے کے

بعد آٹھواں یعنی چار حصے زید کی بیوی کو اور سات سات حصے اس کی لڑکیوں کو ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۵ر رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ایک ترکے سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات

مسئلہ : از شہاب الدین ناگ پور کیئر آف جناب حافظ محمد فاروق صاحب تکیہ دیوان شاہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے میں کہ زید کو انتقال کیے ہوئے کئی سال ہوا، زید کے ورثہ زید کی جائداد کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، زید کی ملکیت میں مکان، دوکان، کھیتی اور پلاٹ وغیرہ شامل ہے۔ زید کے دو لڑکے، تین لڑکی اور اہلیہ حیات ہیں۔ زید نے اپنی زندگی میں جو کچھ بھی پراپرٹی خریدی اپنے نام پر یا اپنے بچوں کے نام پر یا اہلیہ کے نام پر خریدی ہے۔ اور لڑکیوں کو ایک ایک مکان اور دو دو پاورلوم دیے، تیسری لڑکی کو بھی ایک پلاٹ اور دو پاورلوم دیے، لیکن تیسری لڑکی کو یہ پلاٹ منظور نہیں کیونکہ یہ پلاٹ کم قیمت کا تھا، اس پر زید نے انتقال سے کچھ دن پہلے کہا کہ آپ یہ پلاٹ لے لو یہ کم قیمت کا ہے، تو میں دوسری لڑکیوں کے برابر روپیہ کی شکل میں دے دوں گا، تم کو لیکن چند ہی دن کے بعد زید کا انتقال ہو گیا۔

(۱) کیا اب پھر سے زید کی پوری جائداد کو تقسیم کرنا ہوگا یا صرف زید کے نام پر جو جائداد ہے اسی کا حصہ کرنا ہوگا۔

(۲) زید کے دو لڑکے ہیں بڑے لڑکے کو گاندھی باغ میں دوکان لگا کر دیا جب کہ چھوٹے لڑکے کو فارمیسی کی دوکان لگا کر دیا، آج بھی اپنی اپنی دوکانیں چلاتے ہیں لیکن دونوں دوکانوں کی قیمت میں فرق ہے، کیا فرق کو قیمت کے اعتبار سے کرنا ہوگا یا زید نے جس کو جو دے دیا وہ اس کا مالک ہو گیا۔

(۳) اگر زید کی پوری جائداد کا حصہ کرنا پڑا، تو زید نے جو لڑکیوں کو مکان اور پاورلوم دیے کیا ان سب کو بھی شامل کر کے ورثہ میں پھر سے تقسیم کرنا ہوگا یا صرف زید کے نام والی جائداد تقسیم کرنا ہوگا۔

اس تحریر کے علاوہ حضرت مفتی صاحب اگر چاہیں تو وارثان کا بیان لے سکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : (۱) یہاں دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اگر زید نے جائداد خرید کر اپنے وارثین کے نام کر دیا اور انہیں مالک بنا کر اس پر قبضہ بھی دے دیا تھا، تو وہ سب اپنی اپنی جائداد موہوبہ کے مالک ہیں یا پھر سارے وارثین اس بات پر راضی ہوں کہ جس کو جو ملا وہ اس کی ملکیت ہے، جب بھی وارثین اپنی جائداد کے مالک ہیں، خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، خواہ وہ دوکان ہو یا مکان اگر چہ قیمت میں تفاوت (فرق) ہو، اس صورت میں اب صرف وراثتاً اسی جائداد کی تقسیم ہوگی، جو زید کے نام سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اگر زید نے اپنی اولاد یا بیوی کے صرف نامے کیا تھا، اور ان کی طرف سے قبول وقبضہ نہیں ہوا تھا، تو ایسی صورت میں کل جائداد بطور وراثت ورثہ کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔

(۲) اگر ہر وارث کے لیے براہ ہبہ ملکیت ثابت ہو جائے تو اس تیسری لڑکی کو جو پلاٹ ملا ہے اگر چہ دوسرے پلاٹ کی بہ نسبت کم قیمت کا ہو وہ اسی کی ملکیت قرار پائے گا۔ تقسیم وراثت کے بعد ورثہ چاہیں تو اپنے حصے سے کمی پوری کر دیں یہ بطور تبرع (احسان) ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اگر براہ ہبہ ملکیت ثابت نہ ہو تو پوری جائداد تقسیم کر دی جائے گی لہٰذا اس صورت میں لڑکے ہوں یا لڑکیاں ان سب کو ملی ہوئی جائداد کی بھی تقسیم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفر لہ

رضا دارالیتامیٰ ٹیکہ ناگ پور

۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ۔ ۶/ اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز شنبہ

آٹھ لڑکے اور تین لڑکیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از عبدالرزاق شاہ، بھالر، عمر کھیڑ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے دادا بڈھن شاہ صاحب کی جائداد کا کورٹ میں کیس چل رہا تھا، وہ کیس ہمارے دادا نے جیت لیا اور جائداد ہمارے دادا کو مل گئی،

اس کے بعد اس جائداد کو عدالت کے فیصلے کے بعد ہمارے والد عبد الغفور شاہ صاحب کو اس جائداد کا ہمارے دادا نے مالک بنا دیا، ہمارے والد اور ان کی چھ بہنیں ہیں اور ہم یعنی عبد الغفور شاہ صاحب کی بارہ اولاد، جس میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، جس میں ایک لڑکا عبد الجبار شاہ کا انتقال عبد الغفور شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ہوا اور ایک لڑکی مہر النساء کا انتقال عبد الغفور شاہ کی موجودگی میں ہوا لہذا امر طلب یہ کہ بڈھن شاہ صاحب کی لڑکیاں اس جائداد میں حصہ طلب کر رہی ہیں، جب کہ وہ جائداد ہمارے والد کی ہے تو کیا ہماری پھوپھیاں اس میں حقدار ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ان کا کتنا حصہ ہوگا اور اگر نہیں ہے تو عبد الغفور شاہ صاحب کے مذکورہ وارثین میں وہ جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا آپ کے دادا بڈھن شاہ صاحب نے اپنی مذکورہ جائداد کا اپنے بیٹے عبد الغفور شاہ صاحب کو مالک بنا کر قبضہ بھی دے دیا تھا، تو وہ جائداد عبد الغفور شاہ صاحب کی ہے اس جائداد میں بڈھن شاہ صاحب کی لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں اب مقدمات ارث کے بعد عبد الغفور شاہ صاحب کے وارثین میں ان کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں ہے تو وہ جائداد عبد الغفور شاہ صاحب کے وارثین یعنی آٹھ لڑکوں اور تین لڑکیوں کے درمیان **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت تقسیم ہوگی۔

رہا سوال مہر النسا کا جو عبد الغفور شاہ صاحب کی حیات میں انتقال کر چکی تھی، اس کو یا اس کی اولاد کو اس جائداد میں سے کچھ نہیں ملے گا، جائداد مذکورہ کی تقسیم کی صورت یہ ہوگی کہ کل جائداد انیس حصوں میں تقسیم ہوگی اور جتنا ایک لڑکے کو ملے گا اس کا آدھا ایک لڑکی کو ملے گا۔

مسئلہ ۱۹

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱

عبد الجبار شاہ جو عبد الغفور شاہ صاحب کی اولاد میں ہے اور اس کا انتقال عبد الغفور شاہ صاحب کے بعد ہوا ہے اس کا حصہ اس کے وارثین کے درمیان تقسیم کریں گے، اگر عبد الجبار کی اولاد ہو اور

اولاد میں لڑکا بھی ہوتو اس کے ترکہ سے اس کے (عبدالجبار) کے بھائی بہن محروم رہیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی غفرلہ
رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۵/ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ۔۱۳/اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز شنبہ

وارثین میں صرف تین لڑکیاں ہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

مسئلہ : ازمحمد مشتاق احمد شیگاؤں مہاراشٹر

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل کے تعلق سے کہ زید کی دو بیوی ہیں، ہندہ اور حنا۔ دونوں سے دو دو لڑکیاں ہیں۔حنا کی ایک لڑکی پہلے شوہر سے ہے،اس لڑکی کی زید نے نکاح سے پہلے تمام ذمہ داریوں کو قبول کیا اور اپنا نام بھی دیا یعنی زید کی حقیقتاً صرف تین لڑکیاں ہیں اور ایک دوسرے شوہر کی ہے۔لہذا اب زید اوران کی دونوں بیویوں کا انتقال ہو چکا ہے،زید کے میراث میں سے بچیوں کو کس کو کتنا حق ملے گا۔قرآن پاک وحدیث کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : زید کی دوسری بیوی حنا کی وہ لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے،اس کو حنا کے ترکہ سے ضرور حصہ ملے گا،لہذا حنا کا انتقال زید سے پہلے ہوا تھا یا بعد میں اور بہرصورت حنا کے ترکہ کی تقسیم ہوئی تھی یا نہیں؟اس کی تفصیل ذکر کر کے اس کا حکم معلوم کر سکتے ہیں۔حنا کی دوسرے شوہر والی لڑکی کو اگر چہ زید نے اپنی پرورش میں رکھا اور اپنا نام دیا ہے،مگر چوں کہ یہ اس کی نسبی اور حقیقی لڑکی نہیں ہے لہذا اس کو زید کے ترکہ سے کچھ بھی حصہ نہیں ملے گا۔اب اگر سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ زید کا کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کے کل ترکہ کے تین حصے کر کے ہر ایک لڑکی کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا۔

مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۳

لڑکی	لڑکی	لڑکی
ا	ا	ا

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید کی ربیبہ کو زید کے ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

مسئلہ : از محمد مشتاق احمد شیگاؤں مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا انتقال ہوا، اس وقت اس کے وارثین میں ایک بیوی اور تین لڑکیاں تھیں، ابھی تک زید کا ترکہ تقسیم نہیں ہوا تھا، کہ اسی درمیان اس کی دوسری بیوی کا بھی انتقال ہوگیا اب زید کے ترکہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں اس کی کیا صورت ہوگی؟ مزید توضیح یہ ہے کہ زید کی دو لڑکیاں پہلی بیوی سے ہیں جس کا انتقال زید کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا اور ایک لڑکی اس کی دوسری بیوی سے ہے جس کا انتقال زید کے بعد ہوا ہے اور اس دوسری بیوی کی ایک لڑکی اور بھی ہے جو دوسرے شوہر سے ہے، لہذا اس اعتبار سے زید کی نسبی اور حقیقی بیٹیاں صرف تین ہیں اور ایک ربیبہ ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ربیبہ کو بھی اس سے کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اس مسئلے کی آسان صورت یہ ہے کہ پہلے زید کے ترکہ کو تقسیم کیا جائے پھر اس ترکے سے جو حصہ اس کی دوسری بیوی کو ملے اس حصہ کو اس دوسری بیوی کی جو لڑکی خود زید سے ہے اس کو اور جو دوسرے شوہر سے ہے یعنی زید کی ربیبہ کو آدھا آدھا دیا جائے۔ اب اگر زید کے انتقال کے بعد اس کے وارثین میں صرف ایک بیوی او تین لڑکیاں ہی تھیں کوئی اور نہیں تھا تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کی کل جائداد کے چوبیس حصے ہوں گے جس میں سے آٹھواں یعنی تین حصہ اس کی بیوی کو ملے گا اور سات

سات حصے تینوں لڑکیوں کوملیں گے جس کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۸×۳=۲۴

بیوی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۳	۷	۷	۷

پھر زید کی بیوی کے انتقال کے بعد اس کے وارثین میں اگر صرف دولڑکیاں ہی ہیں تو بعد تقدیم ماتقدم علی الارث اس کی دونوں لڑکیوں کو آدھا آدھا ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید کی بیوی مسئلہ ۲

لڑکی	لڑکی
۱	۱

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۴ / ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

زید کے انتقال کے بعد وراثت کی تقسیم سے پہلے زید کے لڑکے کا بھی انتقال ہوگیا تو وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : ازسید احمد علی ایڈوکیٹ آزاد بنکر کالونی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں کہ

زید کا انتقال ہوا اس کے وارثین میں تین لڑکیاں ہندہ، زاہدہ، رابعہ اور دولڑکے عمر اور بکر تھے، ابھی وراثت تقسیم نہیں ہوئی تھی کہ بکر کا بھی انتقال ہوگیا جس کی ایک بیٹی رضیہ اور ایک بیوی حارثہ ہے، اب وراثت تقسیم کرنا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں حکم سے آگاہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : میت : زید مسئلہ ۷×۲۰=۱۴۰

ہندہ	زاہدہ	رابعہ	عمر	بکر
۱	۱	۱	۲	۲
۲۰	۲۰	۲۰	۴۰	

میت : بکر مسئلہ ۸×۵=۴۰ مافی الید ۲

بیوی	لڑکی	بہن	بہن	بہن	بھائی
حارثہ	رضیہ	زاہدہ	ہندہ	رابعہ	عمر
		عصبہ			
۵	۲۰	۲۳	۲۳	۲۳	۴۶

الاحیاء المبلغ ۱۴۰

بکر کی بیوی	زید کی پوتی	زید کی بیٹی	زید کی بیٹی	زید کی بیٹی	زید کا بیٹا
حارثہ	رضیہ	ہندہ	زاہدہ	رابعہ	عمر
۵	۲۰	۲۳	۲۳	۲۳	۴۶

صورت مسئولہ میں مذکورہ وارثین کے علاوہ اگر کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کی کل جائداد کے ایک سو چالیس حصے ہوں گے جس میں سے پانچ حصے زید کی بہو یعنی بکر کی بیوی کو ملیں گے۔ بیس حصے اس کی پوتی کو اور تئیس تئیس حصے اس کی تینوں لڑکیوں کو ملیں گے اور چھیالیس حصے اس کے لڑکے کو ملیں گے جیسا کہ اوپر الاحیاء کے تحت مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۶ ربیع الآخر ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ترکہ کی تقسیم سے پہلے متوفی زید کے ایک لڑکے نے خستہ حال مکان کی تعمیر کی اب وارثین تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

مسئلہ : از حافظ جابر رضا تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کا انتقال ہوگیا، زید نے اپنی وراثت میں ایک خستہ حال مکان چھوڑا اور زید کے وارث دار میں تین لڑکے چار لڑکیاں ہیں زید کے انتقال کے بعد زید کے لڑکے خالد نے اپنی خود کی رقم سے اس خستہ حال مکان کی از سر نو تعمیر کیا، مکان کی تعمیر میں خالد کے علاوہ زید کے کسی لڑکے یا لڑکی نے کوئی رقم (روپے) نہیں لگایا۔

اب مسئلہ آیا ہے وراثت کی تقسیم کا۔ مکان کا رقبہ کچھ تعمیر ہے اور کچھ کھلی زمین ہے از روئے شرع رہنمائی فرمائیں کہ رقبے کے اعتبار سے کس طرح وراثت تقسیم ہوگی؟ یا قیمت کے اعتبار سے فی صد میں کس کو کتنا فیصد حصہ ملے گا۔

زید کے لڑکے خالد کا کہنا ہے مکان کی تعمیر کے بعد سے ابھی تک میں (خالد) اس میں نہیں رہا ہوں، زید کے دوسرے لڑکے لڑکیوں ہی کے استعمال میں مکان رہا ہے، جب کہ میرے (خالد کے) علاوہ مکان کی تعمیر میں کسی نے کوئی رقم (پیسہ) نہیں لگایا ہے لہذا مکان کی جو بھی قیمت رائج الوقت کے اعتبار سے آتی ہے اس میں سے پہلے مجھے میری لگی ہوئی رقم دی جائے بعد میں بچی ہوئی رقم میں شرعی اعتبار سے جو بھی جس کے حصے میں آئے از روئے شرع ہر وارث دار کو اس کا حصہ دیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں اگر زید کے مذکورہ وارثین مکان اور زمین ہی کو آپس میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں، تو اس صورت میں اگر خالد کے حصے میں مکان کا کوئی حصہ آتا ہے تو اتنے حصے کی تعمیر میں جو رقم اس نے لگائی ہے اس کا معاوضہ وہ نہیں لے سکتا۔ بقیہ مکان میں جن لوگوں کے حصے ہوں گے ان سے وہ اپنی لگائی ہوئی رقم کا معاوضہ لے سکتا ہے اور جن لوگوں کے حصے خالی پڑی ہوئی زمین میں ہوں گے ان سے خالد کچھ نہیں لے سکتا اور اگر خود خالد ہی کا حصہ اس خالی زمین میں ہو یا مکان وزمین کو بیچ کر اس کی رقم آپس

میں بانٹنا چاہیں تو اس صورت میں خالد نے مکان کی تعمیر میں جو رقم لگائی ہے اس کا عوض خالد کو ضرور ملے گا۔

مذکورہ بالا تفصیل کے اعتبار سے خالد کو جہاں پر جتنی رقم معاوضہ کے طور پر ملتی ہے اتنی رقم اس کا عوض نکال کر اگر زمین ومکان ہی کو بانٹنا چاہتے ہیں تو زید کی اس پوری جائداد کے دس حصے ہوں گے یوں ہی اگر اس کو بیچ کر رقم بانٹنا چاہتے ہیں تو اس کو بیچ کر مکان کی تعمیر میں لگی ہوئی خالد کی رقم نکال کر اگر زید کا کوئی اور وارث نہیں ہے تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث اس پوری رقم کے دس حصے ہوں گے جس سے میں سے دو دو حصے مرحوم زید کے تینوں لڑکوں کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ اس کی چاروں لڑکیوں کو ملے گا۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۱۰

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۱	۱	۱	۱

ارشاد باری ہے:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ." (نساء ۴/ ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"واذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین کذا فی التبیین." (ج ۶، ص ۴۴۸، الباب الثانی من کتاب الفرائض) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۱ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

دو بطنوں میں وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از عابدہ بیگم پرانا بوریہ پورہ بکرا منڈی مومن پورہ ناگ پور

زید نے اپنی زندگی میں ایک نکاح کیا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی پیدائش کے پانچ دن بعد ماں کا انتقال ہوگیا، ماں کے انتقال کے بعد لڑکی کی پرورش نانا نانی کے یہاں ہوئی اور اس کی شادی بھی ہوگئی،

اس درمیان زید نے دوسری شادی یعنی نکاح کیا، اس بیوی سے پانچ لڑکے دولڑکی پیدا ہوئی، اس میں سے ایک لڑکی کی شادی کردی، شادی کے دوسال بعداس لڑکی کی طلاق ہوگئی، وہ زید کے پاس رہ رہی ہے، اس کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد زید کی دوسری بیوی کی دوسری لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ پہلی بیوی کی ایک لڑکی اور دوسری بیوی اس کے پانچ لڑکے اور ایک طلاق شدہ لڑکی ہے، زید کی جائداد میں ایک مکان نزول کا ہے، دوسری بیوی کے نام پر ایک پلاٹ ہے اور دو پاورلوم مشین ہے، پہلی بیوی کے دور میں زندگی کرایہ کے مکان میں گزری اور دوسری بیوی کی کچھ زندگی کرایہ کے مکان میں گزرنے کے بعد نزول کی جگہ خریدی، اس کی تقسیم مفصل طور پر تحریر فرما کر ہمیں عین نوازش کا موقع عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : میت : زید مسئلہ ۸×۱۳=۱۰۴×۶۶=۶۸۶۴

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی (پہلی بیوی کی)
۱۳	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷
۸۵۸	۹۲۴	۹۲۴	۹۲۴	۹۲۴	۹۲۴	۴۶۲		۴۶۲

میت : زید کی دوسری بیوی کی دوسری لڑکی مسئلہ ۶×۱۱=۶۶

ماں	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	سگی بہن	علاتی بہن
۱۱	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	۵	م
۷۷	۷۰	۷۰	۷۰	۷۰	۷۰	۳۵	

الاحیـــــــــــــــاء المبلغ ۶۸۶۴

زید کی بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	دوسری بیوی کی لڑکی	پہلی بیوی کی لڑکی
۹۳۵	۹۹۴	۹۹۴	۹۹۴	۹۹۴	۹۹۴	۴۹۷	۴۶۲

سوال نامہ سے یہ ظاہر ہے کہ جب زید کا انتقال ہوا تھا، اس وقت زید کی دوسر بیوی کی دوسری لڑکی

زندہ تھی، لہذا زید کے ترکہ میں اس کا بھی حصہ ہوگا، اور سوال نامہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ زید کا ترکہ ابھی تقسیم نہیں ہوا تھا، کہ اسی درمیان اس کی دوسری لڑکی کا بھی انتقال ہوگیا، لہذا اب زید کی اس وفات یافتہ لڑکی کا حصہ نکال کر اس کے وارثین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، جیسا کہ جواب میں نقشہ سے ظاہر ہے، اب اگر سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ زید کا کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے چھ ہزار آٹھ سے چونسٹھ (۶۸۶۴) حصے ہوں گے، جن میں سے نوسو پینتیس (۹۳۵) حصے زید کی بیوی کو ملیں گے، اس کے لڑکوں میں سے ہر ایک کو نوسو چورانوے (۹۹۴) حصے ملیں گے۔ دوسری بیوی کی لڑکی کو چارسوستانوے (۴۹۷) حصے اور پہلی بیوی کی لڑکی کو چارسو باسٹھ (۴۶۲) حصے ملیں گے جیسا کہ الاحیاء کے تحت مذکور ہے۔

ارشاد باری ہے:

”یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔“(نساء ۴/ ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”واذااختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للابن مثل حظ الانثیین کذا فی التبیین. والام لها السدس مع الولد والاخوات لاب وام مع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین وللزوجة الثمن مع احدهما.“اہ ملخصا(ج۶، ص۴۴۸، ۴۵۰الباب الثانی فی ذوی الفروض من کتاب الفرائض)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲/ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

ایک بیوی دولڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : ازسیدہ مظہر فاطمہ مانکا پور ناگ پور

قرآن پاک اور سنت کی روشنی میں بتائیں کہ میرے والد محترم مرحوم سید غلام جیلانی کی جائداد

میں وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگئی؟ ہم دو بھائی تین بہن ہیں، والدہ محترمہ حیات ہیں، یعنی مرحوم کے دولڑکے، تین لڑکیاں اور ایک بیوی ہے تو وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ اور اس میں ماں کو کیا ملے گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : صورت مسئولہ میں سائل نے متوفی سید غلام جیلانی کی جائداد کا کوئی ذکر نہیں کیا، بہرحال جو بھی جائداد ہو چاہے وہ نقد رقم ہو یا زمین ومکان وغیرہم اور متوفی کے وارثین میں ان مذکورہ وارثین کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں ہے تو مقدمات ارث کے بعد متوفی کا کل ترکہ آٹھ حصوں میں تقسیم ہوگا، جس میں سے ایک حصہ متوفی کی بیوی کو ملے گا اور مابقیہ ترکہ تین لڑکی اور دولڑکوں کے درمیان **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت تقسیم ہوگا یعنی جتنا ایک لڑکی کو ملے گا اس کا دوگنا ایک لڑکے کو ملے گا، جس کی صورت یہ ہوگی:

مسئلہ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱	۲	۲	۱	۱	۱

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

رضادارالیتامی ٹیکہ ناگ پور

۴؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ

صح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد مجیب اشرف رضوی غفرلہ

ہندہ نے اپنی زندگی میں اپنی جائداد کو لڑکوں کے درمیان تقسیم کردیا تو انتقال کے بعد اس کی لڑکیوں کو اس تقسیم کی ہوئی جائداد سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

مسئلہ : از شفیع خان اٹارسی ایم۔پی

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ ہندہ جن کا وصال ہو چکا ہے، ان کو اپنے مہر میں جو

پیسہ ملا تھا، اس سے جائداد خریدی اور اپنی حیات میں اس جائداد کو اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر کے بیٹوں کو اس کا مالک بنادیا اور قبضہ بھی دے دیا، جب تک ہندہ حیات سے تھی کسی لڑکی نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا، اب اس کے وصال کے بعد اپنا حق مانگ رہی ہیں۔

تو کیا ہندہ کی اس جائداد میں جس نے اپنے جیتے جی بچوں کو دے کر مالک بنادیا تھا، اس میں سے دونوں لڑکیوں کو شرعی اعتبار سے حصہ مل سکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر نہیں ملتا ہے تو اس پر بضد ہونا شرعا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ لڑکے بطور خوشی اپنی بہنوں کو کچھ دینا چاہیں تو اپنی مرضی سے جتنا دینا ہے وہ دیں یا لڑکیوں کے کہنے کے مطابق دینا ہوگا؟

اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا متوفیہ ہندہ نے اپنی حیات میں جو جائداد خرید کر اس کو اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر کے ان کو اس جائداد کا مالک بنا کر قبضہ بھی دے دیا تھا، اس جائداد کے مالک صرف اور صرف اس کے لڑکے ہوں گے۔ لڑکیوں کو اپنا حصہ مانگنے کا کوئی حق نہ ہوگا، نہ شرعا ان کا کوئی حصہ اس جائداد میں ہوگا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاوی رضویہ شریف ج ۸ ص ۶۹ میں اسی طرح کے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مکان بنا کر کسی کو عطا کر دینا اور ماں باپ کا کوئی شئ اپنے روپے سے اولاد کے نام خرید دینا دونوں ہبہ ہیں۔ ردالمحتار کے حوالے سے آگے فرماتے ہیں:

”ان کان الاب اشتری لھا فی صغرھا او بعد ما کبرت وسلمہ الیھا وذلک فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ.“

رہا لڑکیوں کا اپنی بہنوں کو بطور خوشی کچھ دینا تو یہ کر سکتے ہیں لیکن اس پر بیٹیوں کا ضد کرنا شرعا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

الجواب صحیح والمجیب نجیح **کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ**

محمد مجیب اشرف رضوی غفرلہ رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

دار العلوم امجدیہ ناگ پور ۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ۔ ۱۵/ ستمبر ۲۰۱۳ء بروز یک شنبہ

زید کے وارثین میں ایک بیوی، ماں، باپ اور دو بھائی ہیں تو ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

مسئلہ : ازمحمد ریاض صاحب گوندیا مہاراشٹر

ایک مرحوم کی جائداد کے متعلق سوال ہے کہ مرحوم کی بیوی اور ماں، باپ اور دونوں بھائی کا کیا حصہ ہوگا؟

زید مرحوم نے اپنی شادی سے پہلے ایل۔آئی۔سی کھولا، جس کا وارث اس نے اپنے باپ اور بھائی کو بنایا، زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور تین سال تک انہیں اولاد نہیں ہوئی، شادی میں زید نے بیوی کو سونے کا ہار، انگوٹھی اور چاندی کے پازیب دیے، اس کا مہر بھی سونے کی پٹی کی شکل میں ادا کردیا، زید کا کاروبار دونوں بھائی سنبھالتے تھے اور دوسرے کاموں کے لیے قرض لیا تھا، جو کہ ابھی باقی ہے زید کا سڑک حادثے میں انتقال ہوگیا اور عدت گزارنے کے بعد بیوی اپنے زیور جو کہ میکے سے لائی تھی لے کر چلی گئی، دوسری شادی کے ارادے سے اور دوسری شادی بھی چند دن بعد ہونے والی ہے۔

مرحوم کی ایل۔آئی۔سی اور اس کی چھوڑی ہوئی دولت میں ہندہ، مرحوم کا بھائی اور ماں باپ کا کیا حصہ ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : زید کے ترکہ سے اس کی تجہیز وتکفین اور قرض وغیرہ جو چیزیں تقسیم ترکہ سے پہلے پوری کرنی لازم ہیں ان کو پورا کرنے کے بعد زید کی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ زید کا مذکورہ وارثین کے علاوہ اگر کوئی اور وارث نہیں ہے تو اس کی پوری جائداد کے بارہ حصے ہوں گے، جن میں سے چوتھا یعنی تین حصے زید کی بیوی کو ملیں گے، دو حصے اس کی ماں کو ملیں گے اور باقی ساتوں حصے اس کے باپ کو ملیں گے۔ اور زید کے بھائی زید کی وراثت سے محروم ہیں لہذا ان کو زید کے ترکہ سے نہیں ملے گا۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:

میت : زید مسئلہ ۱۲

بیوی	ماں	باپ	بھائی	بھائی
۳	۲	۷	م	م

ارشاد باری ہے:

”وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ

وَرِثَهٗ اَبَوَاهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ."(النساء ۴/ ۱۱)

اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا (ہے) اگر میت کے اولاد ہو پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی (ہے) پھر اگر اس کے کئی بھائی بہن ہوں تو ماں کا چھٹا۔

دوسر جگہ ارشاد فرماتا ہے:

"وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ وَلَدٌ."(النساء ۴/ ۱۱)

اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ویسقط الاخوة والاخوات بالابن وابن الابن وان سفل وبالاب بالاتفاق."

(ج۶، ص ۴۵۰،الباب الثانی فی ذوی الفروض من کتاب الفرائض)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

عبد المجید کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے دونوں کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

مسئلہ : از ذوالفقار خاں اشرفی لشکری باغ ناگ پور

عبد المجید نے چار شادیاں کیں، پہلی اور تیسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ دوسری بیوی سے ایک لڑکا رفیق احمد ہوا، جس کو دو لڑکے بشیر احمد ونذیر احمد اور ایک لڑکی جمیلہ بیگم تولد ہوئی۔ چوتھی بیوی سے ایک لڑکا بشیر احمد اور ایک لڑکی قمر النساء کی ولادت ہوئی، بشیر احمد کو چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ عبد المجید کی سب بیویوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ دریافت طلب ہے کہ

(۱) رفیق احمد کا انتقال عبد المجید کی موجودگی میں ہو گیا تھا، اس کی اولاد بشیر احمد ونذیر احمد کا عبد المجید کی جائداد میں کیا حصہ ہوگا؟

(۲) بشیر احمد (عبد المجید کے فرزند) کا کیا حصہ نکلتا ہے۔ عبد المجید مرحوم کی وراثت کا ترکہ تقسیم کرنا ہے، جن کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سائل اگر سچا ہے کہ عبد المجید مرحوم کی اولاد میں صرف ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے اور اس کا ایک لڑکا رفیق احمد جو دوسری بیوی سے تھا، اس کا انتقال عبد المجید مرحوم کی زندگی میں ہو گیا تھا، تو اب اگر عبد المجید کا کوئی اور وارث نہیں ہے تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث عبد المجید مرحوم کی پوری جائداد منقولہ و غیر منقولہ کے تین حصے کر کے دو حصے اس کے لڑکے کو دیں گے اور ایک حصہ اس کی لڑکی کو۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : عبد المجید مسئلہ ۳

لڑکا بشیر احمد	لڑکی قمر النساء
۲	۱

ارشاد باری ہے:

''یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ.''(نساء ۴/ ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔

عبد المجید کے بیٹا اور بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے اس کے پوتوں کو اس کی وراثت سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ عبد المجید کی دوسری بیوی جس کا لڑکا رفیق احمد تھا، اس کے اپنے ترکہ سے رفیق احمد کے لڑکوں کو ضرور حصہ ملے گا، جس کی تفصیل بتا کر دوبارہ حکم معلوم کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس و افتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۳ر جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید کا ایک مکان ہے جس کا رقبہ ۱۶۳۶ مربع فٹ ہے اسے اس کی بیوی، دو لڑکا اور ایک لڑکی کے درمیان تقسیم کرنا ہے، اس کی صورت کیا ہوگی؟

مسئلہ : از محمد ابراہیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

زید کا مکان ہے جس کا کل رقبہ ۱۶۳۶ر مربع فٹ ہے زید کے انتقال کے بعد اس مکان کو ایک

بیوی، ایک لڑکی، دولڑکوں کے درمیان آپس میں کس طرح تقسیم کریں اور کتنی مقدار میں کریں شریعت کے اعتبار سے جواب عنایت فرما کر کرم فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب سوال واقعی اگر متوفی زید کے وارثین میں یہی لوگ موجود ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں، تو مقدمات ارث کے بعد متوفی زید کا کل ترکہ چاہے وہ مکان ہو یا اس کے علاوہ اور کچھ انہیں مذکورہ وارثین یعنی ایک بیوی ایک لڑکی اور دولڑکوں کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل ترکہ چالیس حصوں میں تقسیم ہوگا، جس میں سے بیوی کو آٹھواں حصے دینے کے بعد مابقیہ ترکہ ایک لڑکی اور دولڑکوں کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم ہوگا یعنی جتنا ایک لڑکی کو ملے گا اس کا دوگنا ایک لڑکے کو ملے گا جس کی صورت یہ ہوگی:

مسئلہ ۸×۵=۴۰

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۵	۱۴	۱۴	۷

رہا معاملہ ۱۶۳۶ مربع فٹ رقبہ کی تقسیم کا تو بیوی کو ۲۰۴/۵ ایک لڑکے کو ۵۷۲/۶، دوسرے کو بھی ۵۷۲/۶ اور لڑکی کو ۲۸۶/۳ ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ
رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور
۱۱/ جمادی الاخری ۱۴۳۵ھ۔ ۱۲/ اپریل ۲۰۱۴ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد کہف الوری المصباحی

زید کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

مسئلہ : از محمد فاروق تکیہ دیوان شاہ مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ میں زید کا انتقال ہوا، زید کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں زید

کی حیات میں ایک لڑکے کا انتقال ہوا بقیہ لڑکے اور لڑکیاں حیات ہیں، زید کا دو مکان اور پاورلوم وغیرہ ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی جائداد میں لڑکے اور لڑکیوں کو کتنا کتنا حصہ ملے گا اور زید کے ایک لڑکے کا انتقال ہوا، اس کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں ہیں ان لوگوں کو کتنا حصہ ملے گا؟ جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب : بحسب استفتا متوفی زید کے وارثین میں ان کے علاوہ اگر کوئی اور وارث نہیں تو مقدمات ارث کے بعد متوفی زید کا کل ترکہ چاہے وہ دوکان ہو یا پاورلوم وغیرہ انہیں موجودہ وارثین کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل ترکہ کے نو حصے ہوں گے جو تین لڑکوں اور تین لڑکیوں کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم ہوگا یعنی جتنا ایک لڑکی کو ملے گا اس کا دوگنا ایک لڑکے کو ملے گا، جس کی صورت یہ ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۹

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۱	۱	۱

رہا وہ لڑکا جو زید کی حیات میں انتقال کر چکا، اس کی اولاد کو زید کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، ہاں زید کے مذکورہ وارثین اپنی طرف سے ان بچوں کو بطور مدد کچھ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

کتبہ : محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

خادم تدریس وافتا رضا دار الیتامی ٹیکہ ناگ پور

۲۸/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ - ۲۴/ستمبر ۲۰۱۴ بروز چہار شنبہ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح. واللہ تعالیٰ اعلم

محمد کہف الوری المصباحی

محمد نظام الدین کی تیسری بیوی کے ترکہ سے کس کو حصہ ملے گا؟

مسئلہ : از محمد نعیم الدین جعفر نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

محمد نظام الدین صاحب نے تین شادیاں کیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکی تولد ہوئی، جو فوت ہو چکی ہے، دوسری سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، لڑکا فوت ہو چکا ہے، تیسری اہلیہ سے پانچ لڑکیاں، دو لڑکے ہوئے، جن میں سے دو لڑکیاں فوت ہو چکی ہیں، تیسری اہلیہ کے ایک فرزند نے اپنی ملکیت کے مال سے اپنی ماں کو کچھ زیورات خرید کر دیے اور نظام الدین مرحوم کی تیسری اہلیہ ان کی دوسری بیوی کے لڑکے اور اپنے دونوں لڑکوں کو دیے ہوئے مال سے حج کرنے گئیں، جو پیسہ بچا، اپنے لیے وہاں پر اس کا زیور خرید لیا۔

دریافت یہ ہے کہ نظام الدین مرحوم کی اس اہلیہ کے پاس جو دو قسم کے زیور تھے (۱) اس کے ایک لڑکے کا دیا ہوا (۲) حج کے موقع پر بچے ہوئے پیسوں سے خریدا ہوا۔ ان کی تقسیم مرحوم نظام الدین کے سبھی وارثین میں ہوگی یا ان کی تیسری اہلیہ مرحومہ کے بچوں میں ہی میں؟ نیز نظام الدین مرحوم کے فوت شدہ بچوں کی اولاد کو کچھ ملے گا یا نہیں؟ جس لڑکے نے اپنی ملکیت سے زیور دیا تھا، وہ زیور اس کو پورا واپس ملے گا یا سب میں تقسیم ہوگا؟ واضح ہو کہ موصوفہ مرحومہ نے اپنی زندگی میں اپنی ایک بہو اور ایک پوتی سے کہا تھا کہ تم یہ زیور لے لینا، یہ تمہارا ہی ہے تو بہو نے کہا، جب تک آپ ہیں آپ ہی رکھیں تو کیا اب وہ زیور بہو اور پوتی کو ملے گا یا وارثین میں تقسیم ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : محمد نظام الدین کی اس تیسری اہلیہ کے ترکہ سے صرف انہیں لوگوں کو حصہ ملے گا، جو اس تیسری اہلیہ ہی کے بطن سے ہیں اور اس کے انتقال کے وقت باحیات تھے کہ یہی اس کے وارثین ہیں۔ رہے اس کے وہ وارثین جو اس کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے یا محمد نظام الدین کی وہ اولاد جو اس کی دوسری بیوی سے ہیں، ان کو اس تیسری اہلیہ کے ترکہ سے حصہ نہیں ملے گا، دوسری بیوی کے لڑکے اور خود اس تیسری اہلیہ کے دونوں لڑکوں کی طرف سے حج کرنے کے لیے جو رقم اس کو ملی تھی، وہ ہبہ ہے، لہذا وہ اس کی مالکہ ہو گئی، اب اس رقم سے جو زیورات اس نے خریدا وہ اس کا ہوا، اس میں بھی اس کے وارثین کے علاوہ کسی دوسرے کا حصہ نہیں۔ اور جو زیور اس کے اپنے لڑکے نے دیا تھا، اگر وہ صرف استعمال کے لیے دیا تھا، تو اس کا مالک لڑکا ہی ہے، اور اگر ہبہ کے طور پر دے کر قبضہ تامہ دے دیا تھا، تو اس کی مالکہ بھی وہی ہے لہذا اسے بھی اس کے وارثین میں تقسیم کیا جائے گا۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہبہ کے بارے میں ہے:

"ھی تملیک العین مجانا ورکنھا الایجاب والقبول وحکمھا ثبوت الملک للموھوب لہ غیر لازم بالقبض الکامل."اھ ملخصا(علی ھامش ردالمحتار ج۸،ص ۴۸۸،۴۹۳، کتاب الھبۃ)

مرحومہ مذکورہ نے اپنی بہواور پوتی کو بعد موت جوزیور دینے کی بات کہی تھی، وہ وصیت ہے،لہذا یہ اس کے متروکہ مال کے ایک تہائی میں نافذ ہوگی،اب اگر یہ پورا زیور اس کے چھوڑے ہوئے مال کا ایک تہائی حصہ ہے تو اس کی بہواور پوتی اس زیور کو لے لیں گی۔اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہے یا کل متروکہ مال یہی ہے تو اگر مرحومہ کے تمام وارثین بااختیار یعنی عاقل بالغ ہوں اور وہ اس زیور میں وصیت پوری کرنے کی اجازت دے دیں تو بھی بہواور پوتی اس کی مالکہ ہوجائیں گی اور اگر کچھ بالغ ہوں کچھ نابالغ تو بالغ کے حصے میں نافذ ہوگی۔ اور اگر اجازت نہ دیں تو ایک تہائی میں وصیت لازم ہوگی۔بقیہ وارثین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

ہدایہ میں ہے:

"کل مااوجبہ بعد الموت فھو من الثلث وان اوجبہ فی حال صحتہ اعتبارا بحال الاضافۃ دون العقد."(ج۴،ص ۶۵۸ ،باب العتق فی مرض الموت من کتاب الوصایا)

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"لاتجوز بمازاد علی الثلث الا ان یجیزہ الورثۃ بعد موتہ وھم کبار کذا فی الھدایۃ.اھ ملخصا(ج۶ ،ص ۹۰ ،الباب الاول من کتاب الوصایا)

اب اگر سوال میں مذکور تین لڑکیاں اور دونوں لڑکوں کے علاوہ مرحومہ مذکورہ کا کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ماتقدم علی الارث مرحومہ کی کل جائداد منقولہ اس کے وارثین مذکور میں للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم کریں گے،جس کی صورت یہ ہوگی کہ اس کی پوری جائداد کے سات حصے کریں گے پھران میں سے دو دو حصے اس کے دونوں لڑکوں کو ملیں گے اور تینوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا،جیسا کہ مندرجہ ذیل نقشہ میں مذکور ہے:

میت : مرحومہ زوجہ محمد نظام الدین   مسئلہ ۷

لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۱	۱	۱

ارشاد باری ہے:

”یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ۔“(نساء ۴/ ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۲۶/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وراثت، ہبہ اور نفقہ سے متعلق مختلف مخلوط سوالات اور ان کے جوابات

مسئلہ : ازمحمد عقیل ولد عبد المجید شانتی نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میں عبد المجید کا انتقال ۲۰۱۳ء نومبر میں ہوا، عبد المجید نے اپنی زندگی میں تین نکاح کیے، پہلا نکاح ہندہ سے کیا، اور تقریباً تین سال بعد عبد المجید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دیا۔ عبد المجید کو اپنی پہلی بیوی سے ایک بیٹی ہے۔ طلاق کے بعد ہندہ اپنی بیٹی کو لے کر پاکستان چلی گئی، وہیں اس کا نکاح بھی کردیا۔ دوسرا نکاح عبد المجید نے ممتاز بی سے کیا، جن سے ان کو پانچ اولاد ہے، چار بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ تقریباً بیس سال بعد ممتاز بی کا انتقال ہو گیا۔ اور تیسرا نکاح عبد المجید نے تقریباً چھ سال بعد رشیدہ سے کیا، اور ان سے انہیں کوئی اولاد نہیں ہے۔ رشیدہ بی سے عبد المجید کے تعلقات برابر نہیں رہے، اختلاف ہوتے رہے، جس کی وجہ سے وہ زیادہ میکے میں رہ رہی تھی۔ عبد المجید کاروبار کرتا تھا، انہوں نے اس میں اپنے بیٹے عقیل کو بھی شامل کرلیا، اب عبد المجید اور عقیل دونوں مل کر کاروبار سنبھال رہے تھے، اور ممتاز بی کے انتقال کے بعد عبد المجید نے کاروبار میں دل چسپی کم کردیا تو عقیل نے کاروبار سنبھالا اور اس کو فروغ دیا اور عقیل آج گزشتہ پچیس سال سے کاروبار سنبھال رہا ہے۔ کاروبار کے دوران ایک جگہ یشودھرا نگر جہاں کاروبار کرتے ہیں، اور عقیل کے نکاح کے بعد ۲۰۰۰ء میں اس کو رہنے کے لیے ایک فلیٹ شانتی نگر میں اور دو خالی جگہ جس کو انہوں نے اپنی مرضی سے عقیل کے نام پر رجسٹر کردیے تھے، جو کہ سرکاری رکارڈ میں درج ہے اور کاروبار کی جگہ جو پہلے کچے مکان میں تھی، پچھلے تین چار سالوں میں پکا سلیب کا بنا ہے اور باقی دو جگہ آج بھی خالی پڑی ہوئی ہے۔

ہماری والدہ ممتاز بی کو ہمارے والد سے نکاح کے وقت جو زیور اور ان کے میکے سے جو زیورات دیے گئے تھے، وہ ان کے انتقال کے وقت اندازاً پچیس تولہ سونا تھا، جو ہمارے والد نے اپنے تیسرے نکاح کے وقت اس میں سے رشیدہ بی کو اندازاً آٹھ سے دس تولہ ان کے نکاح میں دیے تھے اور باقی زیور انتقال کے بعد سے بینک میں رکھا ہوا ہے، عبدالمجید کی تیسری بیوی رشیدہ اور عقیل کی آپسی نااتفاقی کی وجہ سے عقیل الگ فلیٹ میں رہتا تھا، جو ان کو ان کے والد نے ان کے نکاح کے وقت دلا کر دیا تھا اور عبدالمجید اپنی بیوی رشیدہ کو لے کر الگ رہتا تھا، جو مکان عبدالمجید کو اپنے والد کے ترکہ سے ملا تھا اور ایک ہی کاروبار سے دونوں گھروں کا خرچ چلتا تھا۔ عبدالمجید کے انتقال کے بعد انہوں نے ایک مکان چھوڑا جو انہیں اپنے والد کے ترکہ سے ملا تھا اور کچھ نقد چھوڑا۔ عبدالمجید کے انتقال کے وقت عبدالمجید کی تیسری بیوی رشیدہ ان کے نکاح میں تھی، مندرجہ بالا تحریر کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) عبدالمجید کے ترکہ کے طور پر کیا کیا تقسیم ہوگا اور کن لوگوں پر ہوگا؟

(۲) عقیل جس فلیٹ میں رہتا ہے وہ اور کاروبار کا پلاٹ اور دونوں خالی جگہ جو عقیل کے والد نے انہیں حیات میں دیا تھا، اس پر کس کا حق ہے؟

(۳) ممتاز بی کے زیورات جو بینک میں جمع ہیں اس کا کیا حکم ہے اور اس کا کون مالک ہے؟

(۴) رشیدہ جو بیوہ ہو چکی ہے ان کے حقوق عقیل پر کیا ہیں۔ اور ان کے پہلے شوہر سے جو بیٹا ہے، رشیدہ کی ذمہ داری ان کے پہلے شوہر سے جو بیٹا ہے، ان پر ہے یا عقیل پر؟

(۵) قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) بوقت انتقال جائداد منقولہ وغیر منقولہ جتنی چیزیں عبدالمجید کی ملکیت میں تھیں، وہ سب عبدالمجید کے جتنے وارثین ہیں، ان کے درمیان تقسیم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر عقیل کے والد عبدالمجید نے اپنی صحت اور ہوش وحواس کے عالم میں مذکورہ جائداد کا مالک عقیل کو بنا کر اس پر قبضہ کاملہ دے دیا تھا، تو اس کا مالک صرف عقیل ہے، دوسرے کا اس میں کوئی حق نہیں، البتہ عقیل کے نام سے لکھ دینا دلیل تملیک ضرور ہے، تاہم صحت وتمامیت ہبہ کے لیے قبضہ کاملہ بھی ضروری ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

"صحت الھبة بالایجاب والقبول فی حق الموھوب له والقبول تارة یکون بالقول وتارة بالفعل."(ج۷،ص ۴۱۴،کتاب الھبة ،داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

"وتتم الھبة بالقبض الکامل."(علی ھامش رد المحتار ج۸،ص ۴۹۳،کتاب الھبة)

فتاوی رضویہ میں ہے:"نام لکھا دینا اگر چہ دلیل تملیک ہے اور یہ تملیک ہبہ،مگر ہبہ بے قبضہ کے تام نہیں ہوتا نہ بغیر اس کے موہوب لہ کو ملک حاصل ہو۔"(ج۶،ص۵۴،کتاب الہبہ)

لہذا صورت مسئولہ میں اگر قبضہ کاملہ ہوگیا تھا،تو عقیل مذکورہ جائداد کا مالک ہوگیا،البتہ عبدالمجید دوسرے وارثین کو محروم کرنے کی وجہ سے گنہگار ضرور ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

"ان وھب ماله کله جاز قضاء وھو آثم کذا فی المحیط."(ج۷،ص۴۱۸،کتاب الھبة ، داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان)واللہ تعالیٰ اعلم

(۳)ممتاز بی کے انتقال کے بعد اس کے میکے والوں کا اپنے دیے ہوئے زیورات کو عبدالمجید ہی کے پاس چھوڑ دینا اور اس سے واپس لینے کا مطالبہ نہ کرنا اس بات پر قرینہ ہے کہ انہوں نے ممتاز بی کو ان زیورات کا مالک بنا کر استعمال کرنے کے لیے دیا تھا،لہذا اگر صورت حال یہی ہے کہ ان لوگوں نے ممتاز بی کو ان زیورات کا مالک بنادیا تھا تو ان کی مالک ممتاز بی ہی ہے۔یوں ہی جو زیورات عبدالمجید نے ممتاز بی کو دیے تھے،وہ اگر بطور مہر تھے یا یوں ہی تبرعاً مالک بنا کر استعمال کرنے کے لیے دیے تھے تو وہ بھی ممتاز بی ہی کی ملکیت ہیں۔لہذا اس تقدیر پر ان زیورات کے حق دار ممتاز بی کے وہ سب وارثین ہوں گے جو اس کے انتقال کے وقت باحیات تھے۔اور اگر عبدالمجید نے بطور مہر یا مالک بنا کر نہیں دیا تھا،تو عبدالمجید کے اپنے دیے ہوئے زیورات اس کی ملک ہو کر اس کے وارثین میں تقسیم ہوں گے۔واللہ تعالیٰ اعلم

(۴)رشیدہ اگر نادار اور تنگ دست ہے تو اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اس کے سگے لڑکے پر ہے جو دوسرے شوہر سے ہے،عقیل پر اس کی ذمہ داری نہیں کہ یہ حقیقتاً اس بیٹا ہی نہیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"الام اذا کانت فقیرة فانه یلزم الابن نفقتها وان کان معسرا وھی غیر زمنة."
(ج ۱،ص ۵۶۵، الفصل الخامس من الباب السابع عشر فی النفقات من کتاب الطلاق)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضادارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۹ر جمادی الاخری ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وراثت سے متعلق ایک تفصیل طلب سوال اوراس کا جواب

مسئلہ : ازمحمد رشید وافسانہ پروین آزاد بنکر کالونی اشوک نگر ناگ پور مہاراشٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں

زید کا انتقال ہوگیا، وہ اپنے پیچھے تین لڑکیاں اور دولڑکے محمد اکرم اور محمد اختر اپنی اہلیہ کو چھوڑ گئے ہیں، یہ سب باحیات ہیں۔

سوال(۱)جس وقت زید کا انتقال ہواتو اس وقت ایک مکان اور ایک پلاٹ چھوڑے اور چھبیس ہزار تین سواٹھائیس روپے بھی چھوڑے،لہذا زید کی تینوں لڑکیاں اور دونوں لڑکے اور خود زید کی اہلیہ کا اس مکان اور پلاٹ میں کس کس کو کتنا حق ملنا چاہیے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

سوال(۲)زیداوران کے دونوں لڑکے مرحوم محمد اکرم اور محمد اختر کی من جملہ کمائی کی رقم سے خریدا ہوا پلاٹ اور خود چار لاکھ بارہ ہزار روپے من جملہ رقم ہیں،اس میں کچھ رقم زید کی بھی ہے۔

نوٹ : مرحوم زید کے بڑے لڑکے محمد اکرم کا انتقال ہوگیا،مرحوم نے اپنے پیچھے تین لڑکے اور اپنی اہلیہ کو چھوڑا ہے،سب باحیات ہیں اور محمد اختر کی فیملی کے ساتھ رہ رہے ہیں۔

لہذا اس پلاٹ اور چار لاکھ بارہ ہزار روپے میں مرحوم زید کی تینوں لڑکیوں اور چھوٹے لڑکے محمد اختر اور بڑے لڑکے مرحوم محمد اکرم کے تینوں بچوں اور مرحوم کی اہلیہ اور مرحوم محمد اکرم کی والدہ کا کیا حق بنتا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱) صورت مسئولہ میں اگر زید کے یہی وارثین ہیں، جو سوال میں مذکور ہیں تو برتقدیر صدق سائل بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کی کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے آٹھ حصے ہوں گے، جن میں سے آٹھواں یعنی ایک حصہ زید کی بیوی کو ملے گا اور دو دو حصے اس کے دونوں لڑکوں کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ تینوں لڑکیوں کو ملے گا۔ صورت مسئلہ اس طرح ہے:

میت : زید مسئلہ ۸

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱	۲	۲	۱	۱	۱

ارشاد باری ہے:

”یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ.“ (نساء ۴/ ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دوسری جگہ فرمایا:

”فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ.“ (النساء ۴/ ۱۲)

پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان (بیویوں) کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں (ہے)۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”الاخوات لاب وام مع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین. وللزوجة الثمن مع احدهما. اه ملخصا (ج۲، ص ۴۵۰، الباب الثانی فی ذوی الفروض من کتاب الفرائض) واللہ تعالیٰ اعلم

سائل نے بیان کیا کہ اس کے والد زید کے انتقال کے بعد ان دونوں بھائیوں کی کمائی ایک ساتھ بغیر کسی امتیاز وفرق کے رہتی تھی اور سائل سب کچھ اپنے بھائی کے پاس لا کر جمع کر دیا کرتا تھا، لہذا برتقدیر صدق سائل ان دونوں بھائیوں نے جو کچھ کمایا اس میں یہ دونوں برابر کے شریک ہیں کہ یہ شرکت، شرکت ملک ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوهم ان احدهم یموت فتقوم اولاده علی ترکته بلا قسمة ویعملون فیها من حرث وزراعة وبیع وشراء واستدارة ونحو ذلک وتارة یکون کبیرهم هو الذی یتولی مهما تهم ویعملون عنده بامره وکل ذلک علی وجه الاطلاق والتفویض لکن بلا تصریح بلفظ المفاوضة ولابیان جمیع مقتضیاتها مع کون الترکة اغلبها او کلها عروض لاتصح فیها شرکة العقد ولاشک ان هذه لیست شرکة مفاوضة بل هی شرکة ملک کما حررته فی تنقیح الحامدیة فاذا کان سعیهم واحدا ولم یتمیز ما حصله کل واحد منهم بعمله یکون ما جمعوه مشترکا بینهم بالسویة وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرة وصوابا. اه ملخصا(ج۶، ص۴۷۷،۴۷۸، کتاب الشرکة)

اب اگر زید کے ترکہ سے کمائی کی گئی تھی تو اس کا نفع صرف کمائی کرنے والوں کا ہوا، مگر جو نفع دوسرے وارثین کے حصے سے حاصل ہوا، وہ ان کمائی کرنے والوں کے لیے خبیث ہے اس لیے اسے صدقہ کر دیا جائے اور بہتر یہ ہے کہ اصل حصہ کے ساتھ اس نفع کو بھی ان کے حق دار تک پہنچا دیا جائے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس کمائی میں دوسرے وارثین کی رضا ونیت شامل نہ ہو اور اگر شامل ہو تو اس نفع کے بھی وہ مستحق ہوں گے۔ هکذا فی الفتاوی المصطفویه عن القنیة والعقود وغیرهما علی صفحه ۵۴۵،۵۴۶.

فتاوی عالم گیری میں ہے:

"لو تصرف احد الورثة فی الترکة المشترکة وربح فالربح للمتصرف وحده کذا فی الفتاوی الغیاثیة." (ج۲،ص۳۴۶،الباب السادس فی المتفرقات من کتاب الشرکة)

اور اگر زید کے ترکہ سے کچھ نہ لیا تھا، بلکہ ان دونوں بھائیوں نے خود سے علاحدہ علاحدہ کسب اور کمائی کر کے ایک ساتھ جمع کرتے رہے تو اس صورت میں یہ دونوں بھائی اپنی کمائی میں برابر کے شریک ہوں گے کہ یہ شرکت بھی شرکت ملک ہی ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"یؤخذ من هذا ما افتی به فی الخیریة فی زوج امراة وابنها اجتمع فی دار واحدة واخذ کل منها یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما ولا یعلم التفاوت ولاالتساوی ولاالتمییز

فـاجاب بانه بينهما سوية . وكذا لو اجتمع اخوة يعملون فی تركة ابيهم ونماالمال فهو بينهم سوية، ولو اختلفوا فی العمل والرای."(ج٦،ص ٥٠٢،کتاب الشركة)

سائل نے یہ بھی ظاہر کیا کہ یہ پلاٹ اس کے بڑے بھائی محمد اکرم نے خریدا تھا،لہذا محمد اکرم اور محمد اختر کی کمائی سے جو پلاٹ خریدا گیا تھا،اگراس کومحمد اکرم نے خاص اپنے لیےخریدا تھا،تواس کا مالک وہی ہوگا اورمحمد اختر کی لگائی گئی رقم اس کوواپس ملے گی اوراگر دونوں کے لیےخریدا تھا،تو دونوں اس میں شریک ہوں گے۔

شامی میں ہے:

"**ومـااشتـراه احـدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركائه من نفسه اذا دفعه من المال المشترك.**"(ج٦،ص ٤٧٨،کتاب الشركة)

لہذا اب محمد اختر کے حصے کونکال کرزید کے ترکہ سے محمد اکرم کو جوحصہ ملا ہے، وہ اور دونوں بھائیوں کے حصے کوعلاحدہ کرنے کے بعدمحمد اکرم کی جو جائداد ہوگی،اس میں اس کے وارثین کو حصے ملیں گے۔محمد اختر اوراس کی تینوں بہنیں محمد اکرم کے وارث نہیں ہیں،لہذا ان کومحمد اکرم کے ترکہ سے نہیں ملے گا۔اب اگرمحمد اکرم کے صرف یہی وارثین ہیں جوسوال میں مذکور ہیں،تو بعد تقدیم ماتقدم علی الارث محمد اکرم کی جائدادمنقولہ وغیرہ منقولہ کے بہتر (٧٢) حصے ہوں گے،جن میں سے چھٹا یعنی بارہ حصے اس کی ماں کوملیں گے۔اورآٹھواں یعنی نو حصے اس کی بیوی کواور تینوں لڑکوں میں سے ہرایک کوسترہ سترہ حصے ملیں گے۔

مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : محمد اکرم مسئلہ ٢٤×٣=٧٢

ماں	بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا
١٢	٩	١٧	١٧	١٧

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"**الام لهـا السـدس مـع الـولـد وولـد الابـن ولـلـزوجة الثـمـن مع احدهمـا.**"١٥ **ملخصا**(ص ٤٤٩، ٤٥٠)

اسی میں ہے:

"اقرب العصبات الابن." (ج ٦، ص ٤٥١ من کتاب الفرائض) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کهف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۰/ جمادی الاخری ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید کے چھ لڑکے اور تین لڑکیوں کے درمیان وراثت کی تقسیم کیسے ہوگی؟

مسئلہ : از حاجی شمس الدین انصاری تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید جس کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، جو بحمدہ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور زید کی بیوی کا بھی انتقال ہو چکا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کی وراثت میں دو مکان اور ایک پلاٹ موجود ہے، موجودہ وقت میں مکان اور پلاٹ کی قیمتیں حسب ذیل ہیں۔

پہلے مکان کی قیمت بائیس لاکھ روپے ہے، دوسرے مکان کی قیمت دس لاکھ روپے ہے، پلاٹ کی قیمت تین لاکھ روپے ہے اور ایک لاکھ پچیس ہزار روپے نقدی رقم موجود ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے نام یہ ہیں، محمد شمس الدین، صدرالدین، سمیع الدین، کمال الدین جمال الدین، ظہیرالدین، زہرہ بی، سائرہ بانو، صابرہ بانو۔

صورت مسئلہ میں زید کے وارثین کو زید کی وراثت سے کس کو کتنا حصہ ملے گا؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذکورہ وارثین کے علاوہ زید کا اگر کوئی اور وارث نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کی کل جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ کے پندرہ حصے کیے جائیں گے اور یہ حصے زید کے مذکورہ وارثین کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم کیے جائیں گے۔ یعنی جتنا ایک لڑکی کو ملے گا، اس کا دونا ایک لڑکے کو ملے گا۔

ارشاد باری ہے:

”یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ.“(نساء ۴/ ۱۱)
اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں برابر ہے۔
مسئلہ کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۱۵

محمد شمس الدین	صدر الدین	سمیع الدین	کمال الدین	ظہیر الدین	جمال الدین	زہرہ بی	سائرہ بانو	صابرہ بانو
۲	۲	۲	۲	۲	۲	۱	۱	۱

اور اگر ان وارثین کے درمیان زید کے پورے ترکہ کو رقم کی شکل دے کر تقسیم کرنا چاہیں، جس کی مجموعی حیثیت چھتیس لاکھ پچیس ہزار روپے ہے تو اگر زید کا اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے تو اس رقم میں سے ہر ایک لڑکے کو چار لاکھ تراسی ہزار تین سو تینتیس روپے چونتیس پیسے ملیں گے۔ اور تینوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو دو لاکھ اکتالیس ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے سرسٹھ پیسے ملیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۴/ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

وارث نے اپنے حق سے دست برداری کر دی تو اسے حصہ ملے گا یا نہیں؟

وارثین کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے وصیت کیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از عبد العزیز مین روڈ آملہ ضلع بیتول
کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

محمد ایوب حاجی قاسم کا انتقال ہوا، وارثین میں انہوں نے تین لڑکے چھوڑا اور تین لڑکیاں اور بیوی جمن خدیجہ کو چھوڑا اور جائداد میں ایک مکان اور کچھ زمین چھوڑا محمد ایوب حاجی محمد قاسم کے انتقال کے بعد ان کے سب وارثین نے اپنی ماں کو پوری جائداد کا مالک بنا دیا۔ محمد ایوب کی حیات ہی میں ان کا بڑا لڑکا باہر رہ کر نوکری کرتا تھا اور اپنی کمائی سے جائداد بناتا تھا کچھ دنوں بعد بڑا لڑکا دادا عمر کا انتقال ہو گیا، اس

نے اپنے وارثین میں اپنی ماں خدیجہ اور بیوی زہرہ بانو اور اولاد میں دولڑکے اور ایک لڑکی کو چھوڑا، بڑا لڑکا دادا عمر کے انتقال کے بعد اس کی بیوی زہر بانو اپنی ساس جن خدیجہ کے پاس آتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے شوہر دادا عمر نے جو جائداد بنایا ہے، اس میں تمہارا حصہ ہے تم لے لو ساس خدیجہ مالکن ہونے کی صورت میں جواب دیتی ہے کہ میرا جو حصہ تمہارے شوہر دادا عمر میں نکل رہا ہے اس کو تم لے لو اور تمہارے شوہر دادا عمر کا جو حصہ ان کے باپ حاجی محمد ایوب قاسم میں نکل رہا ہے اس کو میں ان پانچ بچوں میں بانٹ دیتی ہوں، بہو اس بات کو منظور کرتی ہے لیکن کچھ سال گزرنے کے بعد وہ دوبارہ حصہ لینے آتی ہے تو کیا اس کا حصہ مانگنا صحیح ہے یا غلط؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ ماں جن خدیجہ مالکن ہونے کی صورت میں اگر کچھ وصیت کرے تو کیا اس کا کہنا مانا جائے گا یا نہیں؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : اصل جواب سے پہلے یہ بات ذہن نشیں کرلیں کہ جن خدیجہ کا حصہ بیوی ہونے کی حیثیت سے اس کے شوہر محمد ایوب حاجی قاسم کے ترکہ میں بھی ہے۔ اور ماں ہونے کی حیثیت سے اس کے لڑکے دادا عمر کے ترکہ میں بھی ہے۔ اور زہرہ بانو کا حصہ بیوی ہونے کی حیثیت سے صرف اس کے شوہر دادا عمر کے ترکہ میں ہے۔ محمد ایوب حاجی قاسم کے ترکہ سے زہرہ بانو کو بطور وراثت کوئی حصہ نہیں ملے گا کہ یہ اس کی وارثہ ہی نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ محمد ایوب حاجی قاسم کے انتقال کے بعد جو حصہ وارثت دادا عمر کو اپنے باپ محمد ایوب حاجی قاسم کے ترکہ سے مل رہا تھا اور وہ حصہ ابھی دادا عمر کو دیا نہیں گیا تھا، کہ اس کا بھی انتقال ہو گیا، اس حصہ مذکورہ میں اور دادا عمر نے اپنی کمائی سے جو جائداد جمع کی تھی، اس میں دادا عمر کے تمام وارثین کو حصہ ملے گا، جس میں اس کی بیوی زہر بانو بھی شامل ہوگی۔

اب اصل جواب ملاحظہ کریں: سوال نامہ میں جو یہ صورت حال مذکور ہے کہ: ''دادا عمر کے انتقال کے بعد اس کی بیوی زہرہ بانو اپنی ساس جن کے پاس آتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے شوہر دادا عمر نے جو جائداد بنایا ہے، اس میں تمہارا حصہ ہے اس کو تم لے لو ساس جن مالکن ہونے کی صورت میں جواب دیتی ہے کہ میرا جو حصہ تمہارے شوہر دادا عمر میں نکل رہا ہے اس کو تم لے لو اور تمہارے شوہر دادا عمر کا جو حصہ ان کے باپ حاجی محمد ایوب قاسم میں نکل رہا ہے اس کو میں ان پانچ بچوں میں بانٹ دیتی ہوں، بہو اس بات کو منظور کرتی ہے۔''

تو اولا تو جمن خدیجہ کا دادا عمر کے حصہ مذکورہ کو ان بچوں یعنی حاجی قاسم کے دونوں لڑکوں اور تین لڑکیوں کے درمیان تقسیم کرنے کو کہنا اور زہرہ بانو کو اسے منظور کر لینا ہی صحیح نہیں ہے کہ دادا عمر کے اس حصے میں اس کی ماں اور اس کی بیوی کے علاوہ اس کے دونوں لڑکے اور لڑکی بھی شامل ہیں لہذا انہیں ان کا حق دینا ہوگا، البتہ زہرہ بانو اگر خاص اپنے حصے سے دست برداری کر دے تو اس کا اسے اختیار ہے جیسا کہ دادا عمر کی ماں نے کیا ہے۔

دوم یہ کہ جمن خدیجہ کا اپنے لڑکے کے ترکہ سے حصہ لینے کے بارے میں یہ کہنے سے کہ: ''میرا جو حصہ تمہارے شوہر دادا عمر میں نکل رہا ہے اس کو تم لے لو'' اور اپنا حصہ لینے سے دست بردار ہو جانے کی وجہ سے اس کا حصہ اس کے لڑکے کے ترکے سے ساقط نہ ہوگا۔ یوں ہی زہرہ بانو کا مذکورہ حصہ وراثت امر اختیاری نہیں بلکہ اجباری ہے لہذا یہ اس وقت ساقط ہوگا کہ جب اپنے حصے پر قبضہ کر کے کسی کو مالک بنا دے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے:

''لو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه اذا الملک لم یبطل بالترک.''

یہیں پر غمز العیون میں ہے:

''کمالو مات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی من المیراث له یبطل لانه لازم لا یترک بالترک بل ان کان عینا فلابد من التملیک.''(ج۳،ص ۱۳۴،القول فی الملک من الفن الثالث الجمع الفرق)

اوپر 'اولا' کے تحت عدم صحت کا جو حکم مذکور ہے اس میں اگر پورا حصہ مذکورہ زہرہ بانو کا قرار دے کر اس کی مقدار کے برابر دادا عمر کے ترکہ سے زہرہ بانو کو جو حصہ ملے اس کو اس حصہ مذکورہ کا عوض اور بدلہ کر دیا جائے اور اس کو زہرہ بانو کے علاوہ دادا عمر کے دوسرے وارثین کے لیے قرار دے دیں تو اب اس پورے حصے سے زہرہ بانو کی دست برداری صحیح ہو جائے گی، تاہم اس میں بھی اگر تملیک نہ پائی جائے تو اسے رجوع و مطالبہ کا اختیار رہے گا۔ کما تقدم

جمن خدیجہ حالت صحت میں اپنے تہائی مال میں اپنے وارثین کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے وصیت کرے تو اس کی یہ وصیت صحیح و نافذ ہوگی۔ یوں ہی اگر اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کرے یا غیر وارث کے لیے تہائی سے زیادہ میں وصیت کرے اور اس کے تمام وارثین عاقل بالغ ہوں اور جمن خدیجہ کے انتقال کے بعد سب اس وصیت کے پورا کرنے کی اجازت دے دیں تو بھی یہ وصیت صحیح ہوگی۔ اور

اگر کچھ لوگ اجازت دیں اور کچھ نہ دیں تو اجازت دینے والوں کے حصے میں وصیت نافذ ہوگی اور جن لوگوں نے اجازت نہیں دی ان کے حصے میں نافذ نہیں ہوگی۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"تصح الوصية لاجنبی من غير اجازة الورثة كذا فی التبيين ولاتجوز بمازاد على الثلث الا ان يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار ولا معتبر باجازتهم فی حال حياته كذا فی الهداية. ولاتجوز الوصية للوارث عندنا الا ان يجيزها الورثة ولواجاز البعض ورد البعض يجوز على المجيز بقدر حصته وبطل فی حق غيره كذا فی الكافی.اه ملخصا(ج٦،٩٠،٩١،الباب الاول من كتاب الوصايا)والله تعالیٰ اعلم

كتبه : محمد كهف الورى المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۸/۷/۱۴۳۶ھ۔۲۸/۴/۲۰۱۵ء

الجواب صحيح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

بلا اجازت دوسرے کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ وارثین پر مال ترکہ سے کس چیز کی ادائیگی اولا لازم ہے؟ باپ نے اپنی زندگی میں ایک لڑکے کو نوکری دلائی تھی تو انتقال کے بعد اس لڑکے کی نوکری سے حاصل ہونے والی آمدنی میں اس لڑکے کے علاوہ دوسرے وارثین شریک ہوں گے یا نہیں؟

مسئلہ : ازوکیل احمد ولد گل محمد سنگھرش نگر پیلی ندی ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ

گل محمد انصاری کا انتقال ہوا اور انہوں نے وارثین میں دولڑکے محمد جمال اور وکیل احمد اور دولڑکیاں جمیلہ بیگم اور شکیلہ بانو اور بیوی سائرہ بی کو چھوڑا۔ والد گل محمد انصاری نے اپنی زندگی میں ایک بنکر سوسائٹی قائم کی تھی اور اس کے تھرو انہوں نے بینک سے قرض بھی لیا تھا جس کی مقدار چار لاکھ پچاس ہزار تھی۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱)والد کے انتقال کے بعد والدہ نے چھوٹے لڑکے وکیل احمد کو یہ بنکر سوسائٹی دے کرا لگ کر دیا تھا وکیل احمد نے الگ رہ کر کمائی کی اور پلاٹ خرید کر اس میں مکان بنایا تو اس مکان میں دونوں بہنوں اور اس کے بھائی کا حق ہے یا نہیں؟

(۲) گل محمد انصاری نے جو قرض بینک سے لیا تھا، اس کی ادائیگی صرف وکیل احمد نے کی ہے تو کیا اس کی ادائیگی صرف وکیل احمد پر ہے یا دوسرے تمام وارثین پر بھی ہے؟ اور وکیل احمد کو اس کے بدلے کچھ مل سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) گل محمد انصاری نے بڑے لڑکے جمال احمد کو نگر سیوک کی معرفت نوکری دلائی تھی تو کیا اس کی تنخواہ اور اس سے حاصل شدہ رقم اور اس سے جو پراپرٹی بنی اس میں جمال احمد کے دوسرے بھائی بہن کا حق ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : (۱)وکیل احمد کے مذکورہ مکان میں اس کے بھائی بہن کا کوئی حق نہیں کہ یہ اس کی اپنی ملکیت ہے جس میں اس کی مرضی کے بغیر کسی کو مداخلت کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

"لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منه."(مشکوۃ ص ۲۵۵،باب الغصب و العاریة)

الاشباہ والنظائر میں ہے:

"لایجوز التصرف فی مال غیرہ بغیر اذنه."(ج ۲،ص ۴۴۴،الفن الثانی من کتاب الغصب) **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۲)وارثین پر اولا اپنے مورث کے قرض کو اس کے ترکہ سے ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہ ترکہ قرض میں ڈوبا ہوا ہو تو ادائیگی قرض سے پہلے تقسیم ترکہ یا اس میں مصالحت کرنا جائز نہیں۔اب اگر کسی وارث نے اپنے مال سے اس قرض کو ادا کر دیا اور بوقت ادا یہ صراحت کر دیا کہ میں اس کا بدلہ نہیں لوں گا تو اب وہ اس کا بدلہ نہیں لے سکتا۔اور اگر بوقت ادا نہ لینے کی صراحت کی نہ کی تھی تو ترکہ سے اس کا بدلہ لے سکتا ہے ،لہذا اس صورت مسئولہ میں وکیل احمد نے اپنے باپ کے مذکورہ قرض کو ادا کرتے وقت اگر اس کی تصریح نہیں کی تھی کہ وہ اس کا بدلہ نہیں لے گا تو اپنے باپ کے ترکہ سے وہ اس کا بدلہ لے سکتا ہے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

”بعض الورثة اذا قضی دین المیت من مال نفسه لا یکون متطوعا وکان له الرجوع فی مال المیت والترکة وللوارث ان یقضی دین المیت بغیر امر الورثة وکان له ان یرجع فی مال المیت.“اہ ملخصا(الخانیہ علی ھامش الھندیہ ج۳،ص۵۲۵،فصل فی تصرفات الوصی من باب الوصی من کتاب الوصایا)

الاشباہ والنظائر میں ہے:

”الدین المستغرق للترکة یمنع ملک الوارث قال فی جامع الفصولین من الفصل الثامن والعشرین لو استغرقها دین لا یملکها بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه او اداہ وارثه بشرط التبرع وقت الاداء اما لو اداہ من مال نفسه مطلقا بشرط التبرع اوالرجوع یجب له دین علی المیت فتصیر مشغولة بدین فلایملکها. والدین المستغرق یمنع جواز الصلح والقسمة.“اہ ملخصا(ج۳ص۱۳۸،۱۳۹،القول فی الملک من الفن الثالث الجمع والفرق)واللہ تعالیٰ اعلم

(۳)اس میں جمال احمد کے دوسرے بھائی اور بہن کا کوئی حصہ نہیں جیسا کہ اوپر سوال نمبر ایک کے جواب میں گزرا۔واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۸/۷/۱۴۳۶ھ۔۲۸/۴/۲۰۱۵ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید کے وارثین میں ایک بیوی پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور زید کے ترکہ میں دس لاکھ روپے ہیں لہذا ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : ازمولانا حبیب الرحمٰن گوداواری کھنی آندھرا پردیش

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

زید کا انتقال ہوا اس کے وارثین میں ایک بیوی، پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، زید کا ترکہ دس لاکھ روپے ہے، لہذا زید کے وارثین میں اس کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں

جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : بعد تقدیم ما تقدم علی الارث مذکورہ وارثین کے علاوہ زید کا اگر کوئی اور وارث نہیں ہے تو زید کی کل جائداد کے ایک سو چار (۱۰۴) حصے کیے جائیں گے، جن میں سے آٹھواں یعنی تیرہ حصے زید کی بیوی کو ملیں گے۔ باقی حصے زید کے لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم کیے جائیں گے۔ یعنی جتنا لڑکی کو ملے گا اس کا دونا لڑکے کو ملے گا۔ مثلا لڑکی کو سات حصے ملیں گے تو لڑکے کو چودہ حصے ملیں گے۔ مسئلے کی صورت اس طرح ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۸×۱۳=۱۰۴

بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۳	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷

ارشاد باری ہے:

”یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْۤ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ.“(نساء ۴/۱۱)

ایک اور مقام پر فرمایا:

”وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ.“ (نساء ۴/۱۱)

اب اگر کل ترکہ کی صورت میں صرف دس لاکھ روپے ہی ہیں تو اس کا آٹھواں حصہ یعنی ایک لاکھ پچیس ہزار (۱۲۵۰۰۰) روپے زید کی بیوی کو ملیں گے اور اس کے پانچوں لڑکوں میں سے ہر ایک کو ایک لاکھ چونتیس ہزار چھ سو پندرہ روپے اڑتیس پیسے (۱۳۴۶۱۵.۳۸) ملیں گے۔ اور تینوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو سڑسٹھ ہزار تین سو سات روپے انہتر پیسے (۶۷۳۰۷.۶۹) ملیں گے۔ اس تقسیم کے بعد تین پیسے بچتے ہیں لہذا زید کے وارثین باہم اتفاق سے جسے چاہیں دے دیں۔

فتاوی عالم گیری میں ہے:

”الاخوات لاب وام مع الاخ لاب وام للذکر مثل حظ الانثیین وللزوجۃ الثمن مع احدھما ای الولد او ولد الابن .“اھ ملخصا(ج۶، ۴۵۰،الباب الثانی فی ذوی الفروض

من کتاب الفرائض)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۱۱/۲/۱۴۳۷ھ۔۲۴/۱۱/۲۰۱۵ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

زید کی جس بیٹی کا انتقال زید کی زندگی میں ہو گیا تھا اس کے بچوں کو زید کے ترکہ سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

مسئلہ : از جاوید احمد جعفر نگر ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

زید کے پاس ایک مکان اور کچھ پراپرٹی ہے۔ زید کا انتقال ہو گیا، زید کے وارثین میں زید کی بیوی اور ایک بیٹا ہے، ایک بیٹی جس کا انتقال زید کی زندگی میں ہو گیا تھا، اس کے دو بچے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ وارثین میں پراپرٹی کس طرح تقسیم ہوگی، کیا اس مال میں سے کچھ کار خیر کے لیے یا مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے دے سکتے ہیں؟ لیکن مرحوم نے ایسی کوئی وصیت نہیں کی ہے۔ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : صورت مسئولہ میں زید کے ترکہ سے صرف اس کی بیوی اور بیٹے کو حصے ملے گا۔ زید کی وہ بیٹی جس کا انتقال زید کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا، اس کے بچوں کو زید کے ترکہ سے بطور وراثت کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ زید کی بیوی اور اس کا بیٹا اپنے اپنے حصے سے انہیں کچھ دینا چاہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یوں ہی زید کے وصیت نہ کرنے کے باوجود یہ دونوں اپنے حصے سے بطور ایصال ثواب جو بھی خرچ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

اب اگر سوال میں مذکورہ وارثین کے علاوہ زید کا کوئی وارث نہیں تو بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کی پوری جائداد کے آٹھ حصے کیے جائیں گے، جن میں سے آٹھواں یعنی ایک حصہ زید کی بیوی کو ملے گا اور باقی حصے بطور عصبہ زید کے لڑکے کو ملیں گے۔ جس کی صورت اس طرح ہے:

میت : زید مسئلہ ۸

بیوی	بیٹا
۱	۷

فتاوی ہندیہ میں ہے:

"للزوجة الثمن مع الولد او ولدالابن . العصبات هم كل من ليس له سهم مقدر ياخذ مابقى من سهام ذوى الفروض واذا انفرد اخذجميع المال كذا فى الاختيارشرح المختار. الابن يحجب اولادالابن. اه ملخصا.(ج٦،ص ٤٥٠، ٤٥٢،كتاب الفرائض)والله تعالیٰ اعلم

کتبه : محمد كهف الورى المصباحی
خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۲۲/۷/۱۴۳۶ھ ۔۱۲/۵/۲۰۱۵ء

الجواب صحیح
نسیم احمد اعظمی غفرلہ

الجواب صحیح
محمد نذیر احمد رضوی امجدی غفرلہ

زید کے ترکہ کو ایک بیوی ایک لڑکا اور دو لڑکیوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

مسئلہ : ازشکیل احمد مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنے پیچھے بیوی ایک بیٹا اور دو بیٹیاں چھوڑیں اور ترکہ میں ایک مکان چھوڑا از روئے شرع کون کتنا حصہ پائے گا۔ جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : استفتا میں مذکورہ وارثین کے علاوہ زید کا اگر کوئی اور وارث نہیں ہے تو بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کی کل جائداد کے بتیس حصے کیے جائیں گے، جن میں کا آٹھواں حصہ یعنی چار حصے اس کی بیوی کو ملیں گے۔ اور باقی حصے اس کے لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیے جائیں

گے کہ جتنا ایک لڑکی کو ملے گا اس کا دونا لڑکے کو ملے گا مثلاً صورت مسئولہ میں سات سات حصے لڑکیوں کو ملیں گے اور چودہ حصے لڑکے کو ملیں گے۔ صورت مسئلہ اس طرح ہوگی:

میت : زید مسئلہ ۸×۴=۳۲

بیوی	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۴	۱۴	۷	۷

ارشاد باری ہے:

"يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ."(نساء ۴/۱۱)

مزید فرمایا:

" فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ." (نساء ۴/۱۱)واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دارالیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۶/۱۱/۱۴۳۷ھ۔۲۱/۸/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

حیدر حسین کے ایک لڑکا اور تین لڑکیوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

مسئلہ : از شیخ افضل نظامی علی میاں کھم تلسی باغ روڈ محل ناگ پور

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

حیدر حسین ولد صاحب حسین ان کے پانچ اولادیں ہیں، جن میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا۔ جناب حیدر حسین کا ایک مکان ہے پانچ وارث ہیں ان وارثین میں سے ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا اب بچا ایک بھائی تین بہن ان میں سے کس کو کتنا حق ملے گا، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : سائل مُظہر کہ حیدر حسین کے ایک لڑکے کا انتقال اس کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا، لہذا برتقدیر صدق سائل وارثین مذکورہ کے علاوہ حیدر حسین کا اگر کوئی اور وارث نہیں ہے تو اس کی کل جائداد کے

پانچ حصے کر کے دو حصے اس کے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ لڑکی کو دیں گے۔مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:

میت : حیدر حسین مسئلہ ۵

لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۱	۱	۱

ارشاد باری ہے:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ." (نساء ۴/ ۱۱)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کہف الوری المصباحی

خادم تدریس وافتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور

۱۲/۱۸/ ۱۴۳۷ھ ۔ ۲۰۱۶/۹/۲۱ء

الجواب صحیح

نسیم احمد اعظمی غفرلہ

مورث کے انتقال کے بعد سب وارثین مل کر ایک ساتھ کام کرتے رہے اور ہر ایک نے علاحدہ علاحدہ کچھ نہ کچھ کمائی بھی کی ہے اب بٹوارہ چاہتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسئلہ : از حاجی عبد الکلام ٹیلر تکیہ دیوان شاہ مومن پورہ ناگ پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید نے نوکری، بنکری کے کام میں کاری گری سے اپنی زندگی کی شروعات کی۔ زید کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا تھا، زید کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا، پہلی بیوی کے انتقال ہونے کے بعد زید نے دوسرا نکاح کیا، دوسری بیوی سے زید کو تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے ۔زید نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے جو کہ پہلی بیوی سے تھا، اس کو ایک مکان خرید کر دے دیا تھا، جو کہ ساڑھے اٹھارہ سوا سکوائر فٹ کا مکان تھا اور وہ مکان بڑے بیٹے کے نام سے خرید کر اسے دے دیا اور وہ بھی تحریری طور پر لکھ کر دے دیا تھا، اس کے بعد زید جس مکان میں رہتا تھا، وہ اس کی اپنی ملکیت تھی جو ساڑھے چار سوا سکوائر فٹ کا ہے، اب زید نے ایک دکان کرائے پر لی، اس دکان میں کرانہ اسٹور تھا اسے چالو کیا، زید کے تینوں بیٹے دکان چلاتے تھے۔ زید نے اپنے چھوٹے بیٹے کو ٹیلرنگ کا کام سکھایا، چھوٹے بیٹے نے جب

ٹیلرنگ کا کام سیکھ لیا، تو زید نے اس کے لیے ایک دکان کرائے پر لی، جس کا ایڈوانس دینا تھا، زید کے پاس ایڈوانس دینے کے لیے کچھ رقم کم تھی، اس طرح دکان مالک سے بات کر کے دکان چالو کر لی گئی، دوکان چالو کرنے کے بعد زید کے بیٹے کے پاس کچھ پیسے آئے تب اس پیسے سے ایڈوانس کی رقم ادا کی گئی۔

اب اس طرح زید کی دوکان ہوگئی۔ زید نے دو بیٹوں کو کرانہ کی دکان چلانے کے لیے دیا اور سب سے چھوٹے بیٹے ٹیلرنگ کی دکان چلا رہے ہیں، اس طرح زید اپنے اہل وعیال کے ساتھ خوشی خوشی زندگی گزار رہے تھے، دونوں دکانیں چل رہی تھیں، زید کی حالت کچھ اچھی ہوئی، تو زید نے کرانہ کی دکان جس میں تھی وہ مکان خرید لیا، اس طرح زید کی پراپرٹی میں اضافہ ہوا۔ کچھ سال گزرنے کے بعد زید نے کرانہ دکان کے سامنے ایک مکان اور خریدا، اس طرح زید کے تین مکان ہوگئے اور ایک ٹیلرنگ کی دکان، کرانہ کی دکان میں رہائش بھی ہے اور دکان بھی، رہائش میں بھی سب مل کر زندگی گزار رہے تھے، گھر کا خرچ دیگر اخراجات، شادی بیاہ، حج وغیرہ مکانوں کی نئی تعمیرات وغیرہ برابر تینوں بھائی مل جل کر کر رہے تھے، کوئی بھائی کسی سے کبھی کوئی حساب وغیرہ نہیں لیتا تھا، سب اتفاق رائے سے برابر چل رہا تھا، زید کا انتقال ۱۹۹۶ء میں ہوا، زید کے انتقال کے بعد زید کی بیوی اور چار بچے ایک ساتھ رہ رہے تھے، برابر اتفاق سے چل رہا تھا، زید کی بیوی کا انتقال ۲۰۰۰ء میں ہوا، زید کی بیوی کے انتقال کے بعد بھی آپسی اتفاق سے زندگی چل رہی تھی۔

مورخہ ۷ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو زید کے سب سے بڑے بیٹے کا ہارٹ فیل ہونے کے سبب انتقال ہو گیا، بڑے بھائی کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے، جو کہ بڑے بھائی کا ایک بیٹا ٹیلرنگ کی دکان میں ساتھ ہے اور دوسرا بیٹا کرانہ کی دکان میں ساتھ ہے۔ اس طرح ان کا کھانا خرچ سب دونوں بھائیوں کی دکانوں سے چلتا ہے۔ دونوں دکانیں چل رہی ہیں، بڑے بھائی کے انتقال کے بعد بھی کچھ سال برابر ساتھ ہی سب کچھ چل رہا تھا، ۲۰۱۲ء سے کچھ نا اتفاقی شروع ہوئی، تو ان کی آپس میں باتیں ہوئیں کہ اب اپنا کاروبار وغیرہ الگ الگ کیا جائے، تب سے آپسی نا اتفاقی چل رہی ہے۔

سب سے چھوٹے ٹیلرنگ کی دکان میں رہتے رہتے پلاٹ خریدنے بیچنے کا بھی کام کرتے تھے، پلاٹ کا کام کمیشن ایجنٹ کے طور سے شروع کیا، دھیرے دھیرے کچھ پونجی جمع ہوتی رہی، اس کی جمع پونجی سے خود کی پراپرٹی بھی بنائی، اب دوسرے بھائی کا کہنا ہے کہ پراپرٹی میں جو بھی کمائی ہوئی ہے وہ بھی برابر تقسیم ہونا چاہیے، جب کہ چھوٹے بھائی نے کاروبار دلالی سے شروع کیا، مگر بھائی کا کہنا ہے کہ کبھی کبھار

دکان سے پیسے کبھی دس ہزار، کبھی بیس ہزار، کبھی پچاس ہزار روپے لے جاتے تھے، چھوٹے بھائی کا کہنا ہے کہ کبھی کبھار پیسہ لے جاتا تھا مگر وہ پیسہ واپس لا کر دے دیتا تھا۔

مشترکہ کاروبار کے بعد میں اور ایک بھائی کے انتقال ہونے کے بعد دونوں بھائیوں نے اور ان کی اولادوں نے مشترکہ کاروبار سے ہٹ کر نیا کاروبار کیا، یہ کاروبار تقریباً بیس سال سے علاحدہ علاحدہ کر رہے ہیں، اس بیس سال کے دوران کاروبار کے سلسلے میں دونوں بھائیوں نے نہ کبھی مشورہ کیا اور نہ ہی کبھی کسی قسم کی کوئی دخل اندازی کی اور نہ ہی کوئی معاملات میں دخل اندازی، اسی طرح دونوں بھائی اپنا اپنا الگ کاروبار کرتے رہے اور کاروبار کو بڑھاتے رہے، تو ملاحظہ فرمائیں کی کیا مشترکہ ترکہ کہلائے گا؟

اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ آپ شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل کر کے جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

نوٹ : اس تحریر کے ساتھ ایک تحریر اور بھیج رہے ہیں جو کہ کرانہ دکان والے زید کے بڑے بیٹے عبدالسلام نے لکھ کر دی ہے۔ اس پر بھی غور فرمائیں۔

مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مرحوم حاجی عبدالعزیز کرانہ اسٹور یہ دکان شروع کی گئی ۱۹۷۲ء سے۔ ہم تین بھائی اور ایک بہن کل چار لوگ ہیں، یہ سب حاجی حافظ نائب علی کی اولادیں ہیں، اور یہ دکان حافظ نائب علی صاحب نے ہی چالو کی تھی۔ ۱۹۷۲ء سے لے کر ۲۰۱۲ء سب لوگ آمد وخرچ شادی بیاہ لین دین وغیرہ حتی کہ سب معاملے میں ساتھ میں رہے۔

جس میں سے دو بھائی حافظ عبدالسلام اور مرحوم حاجی عبدالعزیز یہاں دونوں کرانے کی دکان چلاتے تھے تیسرے بھائی عبدالکلام ٹیلر آٹھ دس سال تقریبا دکان میں ساتھ میں رہے، اس کے بعد انہوں نے ٹیلرس کی دوکان کھولی۔

اس دوران گھر میں کسی معاملہ میں جیسے کہ زمین جائداد کی خریدی، حج وعمرہ، شادی کے اخراجات، دکھ تکلیف، حتی کہ پورے اخراجات حاجی عبدالکلام صاحب کیا کرتے تھے، دکان کے علاوہ اور بھی جو آمدنی ہوتی وہ ایک مشت ہی رہا کرتی تھی، آمدنی کے اعتبار سے کوئی بھی علاحدہ نہیں کہ کرانے دکان کی الگ اور ٹیلر کی دکان کی الگ سب مشترکہ تھی، اور یہ بھی نہیں تھا کہ ہم نے اتنا اور آپ نے اتنا دیا، فلاں چیز خریدی گئی یا فلاں سامان خریدا گیا اور شادی یا دینے دلانے میں کوئی کسی اعتبار سے الگ نہیں تھا۔

۱۹۷۲ء سے لے کر ۲۰۱۲ء تک روزمرہ کی ضروریات جیسا کہ کرانہ، اناج، سبزی، گوشت وغیرہ

صرف کرانہ دکان سے کیا جاتا تھا، اس بیچ میں حاجی عبد الکلام نے گھر کی عورتوں کا جو زیور بنا کر دیا اس میں حافظ عبد السلام اور مرحوم عبد العزیز صاحب سے کوئی پیسہ نہیں لیا گیا، یوں ہی کرانے کی دکان کی جگہ اور بلڈنگ لینے اور بنانے میں حاجی عبد الکلام صاحب سے کوئی پیسہ نہیں لیا گیا تھا۔

اس دوران ۲۰۰۰ء کے آس پاس مانے واڑہ روڈ پر جو مکان خریدا گیا، وہاں بھی ساتھ مل کر لیا گیا تھا تقریباً اس کے بعد سے حاجی عبد الکلام صاحب نے پراپرٹی کا کاروبار شروع کر دیا، اس کاروبار میں جب بھی انہیں پیسوں کی ضرورت پڑتی دس، بیس، پچیس، پچاس جو بھی وقت پر موجود رہتا بنا کوئی حساب لکھے، حاجی عبد الکلام کو دے دیا جاتا، اسی طرح دینے کا معاملہ تقریباً حاجی عبد السلام کے انتقال کے پہلے تک چلتا رہا، جس میں آخری مرتبہ حبیب کرانہ چالو کرنے میں تیس ہزار روپیہ دیا گیا تھا، ایسا ہی معاملہ ۲۰۱۲ تک چلتا رہا، صرف کھانا پکانا الگ ہوا اور کاروبار کو لے کر یا دوسرے معاملات میں کوئی بات چیت نہیں ہوئی، اب سارے بھائی اپنا اپنا حصہ لے کر الگ ہونا چاہتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس وقت جو بھی پراپرٹی ہے یا ملکیت ہے اس میں کس کا کتنا حصہ ہوگا برائے کرم بیان فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : مذکورہ دونوں تحریروں اور یہ تحریر لانے والے شخص محمد شفیق کے زبانی بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ زید کی زندگی میں یہ سب لڑکے مل کر اپنے باپ کے ماتحت ہی رہ کر کام کرتے تھے، لہذا زید کی موجودگی میں اس کے لڑکوں نے جو بھی کمائی کی، وہ سب زید ہی کی ملکیت ہوئی اور یہ سب لڑکے اس کے معاون و مددگار رہوئے، لہذا وہ سب زید ہی کا ترکہ قرار پائے گا۔ فتاوی عالم گیری میں ہے:

"اب وابن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما مال فالکسب کله للاب اذا کان فی عیال الاب لکونه معینا له الا تری انه لو غرس شجرة تکون للاب." (ج ۲، ص ۳۲۹، الباب الرابع من کتاب الشرکة)

یوں ہی یہ بھی ظاہر ہوا کہ زید کے انتقال کے بعد اس کا ترکہ تقسیم کیے بغیر اس کے لڑکے آپس میں اتفاق رائے سے ایک ساتھ کام کرنے لگے لہذا ان کی یہ شرکت، شرکت ملک ہوئی، اس لیے مال مشترک سے حاصل ہونے والی آمدنی میں وہ سب برابر کے شریک ہیں، اگر چہ کسی نے کم کمایا ہو کسی نے زیادہ۔ ردالمحتار میں ہے:

”**لو اجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیھم و نماالمال فھو بینھم سویة و لو اختلفوا فی العمل و الرای.**“(ج۶،ص ۵۰۲، کتاب الشرکة)

ہاں اگر کسی نے مال مشترک سے خاص طور سے اپنے لیے کوئی چیز خریدی، تو وہ اس کا مالک ہوگا، البتہ دوسرے لوگوں کی جو رقم اس نے اس میں لگائی ہے، ان کے حصے کی وہ رقم انہیں واپس ملے گی اور اگر سب کی مرضی سے مال مشترک سے سب کے لیے کوئی سامان خریدا تو اس میں سب شریک ہوں گے۔ ردالمحتار میں ہے:

”**وما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ و یضمن حصة شرکائہ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترک.**“(ج۶،ص ۴۷۸، کتاب الشرکة)

اور ایک بھائی کے انتقال کے بعد دو بھائیوں نے جو الگ اپنا اپنا کاروبار شروع کیا، اور سب الگ الگ اپنا کاروبار کرتے رہے، تو اس کے مالک وہ خود ہوں گے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کاروبار میں بھی اگر باپ کے ترکے والا مال مشترک شامل ہوا، تو ہر وارث اپنے اپنے حصے کی رقم کا حق دار ہوگا اور اگر اس مال مشترک سے خریدے گئے سامان سے کچھ نفع ہوا، تو بہتر ہے کہ اصل کے ساتھ نفع بھی حق دار کو دیا جائے۔ البتہ جو چیز انہوں نے خاص طور سے اپنے لیے خریدی ہے، وہ اس کے مالک ہوں گے جیسا کہ گزرا۔ ہندیہ میں ہے:

”**لو تصرف احد الورثة فی الترکة المشترکة و ربح فالربح للمتصرف وحدہ کذا فی الفتاوی الغیاثیة.**“ ج ۲،ص ۳۴۶، الباب السادس من کتاب الشرکة)

فتاوی مصطفویہ ص ۴۵۵ پر ہے: ”رنج صرف ان کا ہے، مگر جو ان کے حصہ کا ہے وہ طیب ہے۔ اور اس تجارت میں جو اس (بکر کی پوتی) کے حصے کا ہے وہ خبیث۔ اس کے حصہ کا رنج یا وہ تصدق کریں اور یا **تطییبا لقلبھا** اس کو اپنی بہن کو دیں اور یہی بہتر ہے۔

اور اگر یہ کاروبار اپنی اپنی خود کی ملکیت والی رقم سے کیا گیا، تو سب اپنے اپنے مال کے مالک ہوں گے، زید کے ترکے سے اس کے ہر وارث کو بہر حال حصہ ملے گا، اس کے وارثین کی تفصیل بتا کر دوبارہ حکم معلوم کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ : محمد کھف الوری المصباحی
خادم تدریس و افتا جامعہ مصطفویہ رضا دار الیتامی تاج نگر ٹیکہ ناگ پور
۸/۱۱/۱۴۳۷ھ۔ ۱۳/۸/۲۰۱۶ء

الجواب صحیح
نعیم الاسلام قادری

فہرست